

سیرت

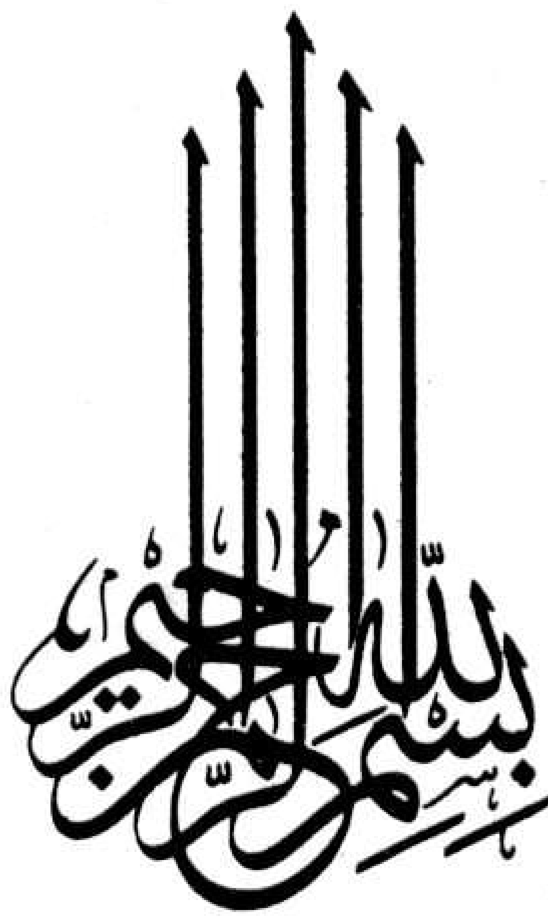
حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



مولانا محمد نافع مدظلہ

دار الکتاب





سیرت حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد نافع مدظلہ

دار الکتاب ناشران وتاجران کتب

A-6 یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
0300-8099774

نام کتاب ـــــ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (دونوں جلدیں یکجا)

مصنف ـــــ حضرت مولانا محمد نافع دامت برکاتہم

ناشر ـــــ دارالکتاب
6-A یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

طابع ـــــ اشتیاق مشتاق پرنٹرز، لاہور

اشاعت ـــــ جنوری ۲۰۱۱ء

قیمت ـــــ

باہتمام

حافظ محمد ندیم
0300-8099774

فہرست مضامین حصہ اول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

دار العلوم...... کراچی نمبر ۱۴

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ (جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ) کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعے سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف ناآشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات و مطاعن کی بھرمار کی ہے، ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے، ان کے حقیقی اسباب کی دلنشیں وضاحت فرمائی ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اپنے موضوع پر ایک ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ''مسئلہ اقربا نوازی''، ''بنات اربعہ'' اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کی کتاب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آچکی ہے جس میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑے دلآویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اب ان کی تازہ کتاب ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات و مطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ موجودہ کتاب میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر فرمایا ہے۔ پہلی جلد کے پہلے حصے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح، عہد رسالت میں ان کے منصب و مقام اور کارنامے اور ان کے مناقب کی احادیث کو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی جلد کے دوسرے حصے میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات، ان کی جنگی مہمات اور دیگر کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہیں۔ تیسرے حصے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات زیر بحث لائے ہیں اور اسی

ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اختلافات، جنگ صفین اور تحکیم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور فاضل مؤلف نے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان غیر مستند روایات سے نہ صرف پاک رکھا ہے، بلکہ ان کی مدلل تردید کی ہے جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن و سنت اور مستند روایات کے بیان کردہ اوصاف سے کسی طرح میل نہیں کھاتیں۔

چوتھے حصے میں فاضل مؤلف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کارناموں، ان کی فتوحات، ان کے قائم کیے ہوئے انتظامی ڈھانچے، ان کی رفاہی اور ترقیاتی خدمات، ان کی علمی کاوشوں، ان کے مکارم اخلاق، ان کے فقہی اجتہادات، اہل بیت کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات اور ان کے اعزاز و اکرام کے واقعات کا انتہائی مبسوط جائزہ لیا ہے جو اس کتاب کی جان ہے۔ آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے عشق و محبت کے مظاہر اور ان کے بارے میں اکابر امت کی آرا نہایت تفصیل اور استقصا کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

کتاب کی دوسری جلد خاص طور پر ان مطاعن کے جواب کے لیے مخصوص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کیے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جانفشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب علم محقق کو مؤلف کے اخذ کردہ نتائج سے کسی مقام پر جزوی اختلاف ہو، لیکن یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ موصوف نے افراط و تفریط سے الگ رہ کر اہل سنت کے صحیح موقف کی ترجمانی کی ہے اور اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے، بلکہ انھوں نے صرف اہل سنت ہی کے نہیں، اہل تشیع کے مآخذ سے بھی اپنے موقف کو ثابت کیا ہے جن پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے۔

پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مولف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں، بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں، یہ کتاب ان سب میں بہتر ہے اور ان شاء اللہ طالبان علم و تحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔

محمد تقی عثمانی
دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

باسمہ تعالیٰ شانہ وجل مجدہ

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید، پ۲۷ رکوع اوّل)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ سب سے کیا ہے، (وہ پہلے اسلام لائے ہوں یا بعد میں)''

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (سورۃ الانبیاء)

''یعنی بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے الحسنٰی (جنت) کا وعدہ ہماری جانب سے پہلے ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔''

سیرت سیدنا معاویہ
ومکانتہ فی الاسلام (رضی اللہ عنہ)

کتاب میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی سیرت وسوانح اور وقائع زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے (مقدمہ میں اس کی وضاحت آ رہی ہے) اس میں خاندانی احوال، فضائل وکمالات اور اخلاق، مصلحانہ کردار، دینی خدمات، ان کے دور کے عظیم کارنامے، اشاعت دین وفروغ اسلام کے اہم واقعات، بے شمار ممالک کی فتوحات، پھر ان کے استحکام و دفاع کے لیے پرخلوص مساعی، اقصائے عالم تک اسلام کے غلبہ اور تفوق کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے، اس سے آں موصوف کی ملّی خدمات واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام میں جوان کا رفیع مرتبہ اور بلند مقام ہے وہ سامنے آ جائے گا۔

دعا جو ناچیز
محمد نافع عفا اللہ عنہ
محمدی شریف، ضلع جھنگ (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الاولين والاخرين امام الرسل وخاتم النبيين وعلى ازواجه المطهرات وبناته الاربعة الطاهرات وعلى اله الطيبين واصحابه المزكين المنتخبين الذين جاهدوا فى دين الله حق جهاده وعلى سائر اتباعه باحسان الى يوم الدين وعلى جميع عباد الله الصالحين۔

حمد وثنا اور صلوٰۃ وسلام کے بعد مؤلف کتاب ہذا (بندہ محمد نافع عفا اللہ عنہ) ناظرین کرام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ دور حاضر میں بعض حلقوں کی طرف سے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت منزلت اور علو مرتبت میں بہت تفریط اور تنقیص کی جاتی ہے، اور ان کی شان عظمت کے خلاف مواد نشر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان حضرات کے بارے میں سوء ظن اور بدگمانی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

ناقدین کے ہاں اکابر صحابہ بنو امیہ کے معائب و نقائص پھیلانے کو خاص طور پر کار خیر اور دین کی خدمت سمجھا جاتا ہے اور ان کی تان بے جا حملے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹتی ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس چیز کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت اور عظمت جو عند اللہ الکریم اور عند رسول اللہ الامین (صلی اللہ علیہ وسلم) ثابت ہے، اس کو صحیح انداز میں پیش کیا جائے اور ان حضرات کے اعلیٰ اخلاق و کردار اسلامی خدمات اور کارناموں کو اہل اسلام تک پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اسی بنا پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو بنو امیہ کی مشہور شخصیت ہیں، کے مقام کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

اس مقصد کے حصول کے لیے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیر و سوانح، اخلاق و کردار، ملّی خدمات اور تعمیری کاموں پر مشتمل ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں آں موصوف پر وارد کردہ الزامات و شبہات کا تحقیقی انداز میں دفاع کیا گیا ہے، اور قدیم و جدید قریباً اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کیے ہیں۔

یہ چیز واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اشاعت اسلام میں بڑا مقام ہے۔ اشاعت دین کے

سلسلہ میں ان کے بڑے اعلیٰ کارنامے پائے جاتے ہیں۔ اس بنا پر جس طرح دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات پر لوگوں نے قلم اٹھایا ہے اور ان کی سوانح اور سیرتیں لکھی ہیں، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و حالات زندگی پر بھی مورخین اور علماء نے بہت کچھ تحریر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک قدیمی مورخ عوانہ بن حکم عیاض کلبی ابو الحکم (۱۴۸ھ) نے ان پر اور بنو امیہ کے دور پر ایک کتاب تدوین کی تھی۔ بقول ابن ندیم، عوانہ بن حکم علمائے کوفہ میں سے تھا۔ بیان اخبار، نسب دانی اور شعر گوئی وغیرہ علوم میں فاضل تھا۔ اس کی متعدد تصانیف ذکر کی گئی ہیں۔

ابن ندیم نے تحریر کیا ہے کہ عوانہ بن حکم کی تصانیف میں ایک کتاب التاریخ ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور بنو امیہ کے حالات ہیں۔ "......وله من الكتب كتاب التاريخ ، كتاب سيرة معاوية و بني امية"

لیکن اس تاریخ کا بعد میں ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکا کہ کیا وہ امتداد زمانہ کی وجہ سے ضائع ہو گئی یا اصل مخطوطہ کہیں محفوظ ہے؟

پھر ہر دور میں مورخین تاریخ اسلام مدون کرتے چلے آئے ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں محمد بن جریر طبری نے مفصل تاریخ تیار کی۔ تاریخ طبری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات کی روایات ملتی ہیں، مگر رطب و یابس، صحیح و سقیم، ضعیف و مجروح اور متروک سب قسم کی ہیں۔ بعدہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ تفصیل سے درج کیا ہے۔

تراجم کی کتابوں کو علمائے فن نے تاریخ سے الگ کر دیا، اب کتب رجال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تراجم دستیاب ہیں۔

بندہ نے احادیث، روایات، تاریخ، تراجم وغیرہ کتب سے آں موصوف کے حالات اپنی ناقص تلاش کی حد تک جمع کیے ہیں۔ تمام واقعات کے فراہم کر لینے کا دعویٰ نہیں۔ دیگر کتب کی طرح البدایہ والنہایہ لابن کثیر سے کافی استفادہ کیا گیا۔ یہ کتاب بھی تاریخی کتب کے درجہ میں ہی ہے۔ احادیث کی کتب کے مرتبہ میں بالکل نہیں لیکن نسبتاً دیگر کتب تواریخ سے بہتر اور مفید ہے۔

جن کتابوں سے مواد لیا گیا ہے ان کے حوالہ جات حاشیہ میں ذکر کر دیے ہیں تاکہ اہل تحقیق حضرات اگر رجوع کرنا چاہیں تو انھیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ان مآخذ کی فہرست آخر کتاب میں دے دی گئی ہے، اور سن وفات یا سن تالیف ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

اس بات کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ بندہ نے قبل ازیں اپنی تصنیف ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اقربا نوازی کے طعن کے جواب کے طور پر قریب ایک صد صفحات پر

بیان کیا ہے۔ وہاں آں موصوف کے جستہ جستہ حالات کو ایک ضرورت کے تحت یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتے داروں کی صلاحیت اور کارگزاری کے سلسلے میں دیگر حضرات کے ساتھ بالاختصار ذکر کر دیا تھا۔

لیکن اب اس مقام پر آنجناب رضی اللہ عنہ کے حالات بالاستقلال پیش کرنے مقصود ہیں۔ مندرجہ سابقہ احوال میں سے بعض امور کو تسلسل مضمون اور تکمیل واقعات کے طور پر دہرانا ایک ضروری امر ہے جس سے احتراز و اجتناب نہیں ہوسکتا۔ بنا بریں بعض واقعات و احوال کا اعادہ بامر مجبوری ہوگا۔ امید ہے اہل علم حضرات اس معاملہ میں ہمیں معذور سمجھیں گے۔

معذرت

- ناچیز مؤلف نہ عالم ہے نہ خطیب، نہ اعلیٰ انشاء پرداز اور نہ اہل قلم بلکہ ایک بہت ہی کم علم آدمی ہے اور مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلہ کا ادنیٰ خادم ہے۔
- تالیف ہذا میں اپنی محدود معلومات کی حد تک اس موضوع پر علمی مواد پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور حتی المقدور باحوالہ بات ذکر کی ہے اور بیشتر مقامات میں اصل عبارات ساتھ ذکر کر دی ہیں، تاکہ اہل علم حضرات کو تسلی ہو سکے اور عبارت سے مزید فوائد حاصل کرسکیں۔
- بندہ ناچیز کو غلطیوں سے مبرا ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں، اس بنا پر اگر کسی مقام میں نادانستہ طور پر کوئی غلط چیز درج ہوگئی ہو تو ناظرین درگزر فرماتے ہوئے اس کی اصلاح فرما دیں، اور فوری طور پر راقم الحروف کو مطلع کریں، اور دعا فرمائیں کہ مالک کریم بھی ہمیں معاف فرمائے۔

اور بعض حالات کی بنا پر کتاب ہذا کا دوسرا حصہ یعنی ''جواب المطاعن'' پہلے مرتب کیا گیا ہے جبکہ حصہ اول (سیر و سوانح) بعد میں تالیف کیا جا رہا ہے۔ امید ہے ناظرین کرام دوران مطالعہ اس چیز کو ملحوظ رکھیں گے۔

- دیگر گزارش یہ ہے کہ بندہ کی یہ آخری تالیفات ضعف طبع کی وجہ سے عموماً بطور املا کے مرتب ہوئی ہیں، یعنی قلم برداشتہ تحریر نہیں، املا اور قلم برداشتہ تحریر کا جو فرق ہوتا ہے وہ اہل علم پر واضح ہے، ربط عبارات وارتباط مضامین کے سلسلے میں یہ معذرت پیش نظر رہے۔

اب تمہیدی امور (مقام صحابہ، عدالت صحابہ وغیرہ مضامین) پیش خدمت ہیں۔ اس کے بعد اصل مضمون کتاب شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

تمہیدی امور میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور رفیع مقام کے متعلق مختصراً چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پائی جاتی ہے اور دیگر صحابہ کی طرح ان

فضائل و مکارم میں صحابہ کرام بنوامیہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی داخل اور شامل ہیں۔

کتاب اللہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے حق میں متعدد عنوانات کے ساتھ ان کے مقام و مرتبہ کو ذکر فرمایا ہے۔

جماعت صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ

''یعنی تم سب امتوں سے بہتر ہو جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو تم اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور اللہ پر تم ایمان لاتے ہو۔''

اس مقام پر ابن حجر مکی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((فاثبت الله لهم الخيرة على سائر الامم، ولا شيء يعادل شهاده الله لهم بذالك، لانه تعالىٰ اعلم بعباده وما فعلوا عليه من الخيرات وغيرها، بل لا يعلم ذالك غيره تعالىٰ فاذا شهد تعالىٰ فيهم بانهم خيز الامم وجب على كل احد اعتقاد ذالك والايمان به، والا كان مكذبا لله فى اخباره))

(الصواعق الحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۰۸-۲۰۹ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ)

''مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے تمام امم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر ہونے کو ثابت کیا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اپنے بندوں کے حالات کا اللہ کریم زیادہ عالم ہے اور ان سے جو امور خیر صادر ہوئے ان کا بھی زیادہ جاننے والا ہے، بلکہ ان تمام باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر الامم ہونے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دے دی تو ہر شخص پر اس چیز کا اعتقاد و یقین رکھنا لازم ہے ورنہ (العیاذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ کی خبروں کی تکذیب کرنے والا ہوا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

''یعنی اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو معتدل امت تا کہ تم شہادت دو لوگوں پر (قیامت کے روز) اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''

آیت ہذا کی وضاحت میں ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

((......والصحابة فى هذه الاية والتى قبلها هم المشافهون بهذا الخطاب على

لسان رسول الله ﷺ حقیقة فانظر الی کونه تعالی خلقهم عدولا و خیارا لیکونوا شهداء علی بقیة الامم یوم القیامة، حینئذ فکیف یستشهد الله تعالیٰ بغیر عدول او بمن ارتدوا بعد وفاة نبیهم الاستة انفس منهم کما زعمته الرافضة)) (الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص:۲۰۹ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ)

''یعنی اس آیت میں اور اس کے ماقبل والی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر ان الفاظ کے ساتھ اولاً بالذات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کیا گیا ہے، اور وہی بالمشافہہ آپ کے مخاطب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف مسلمان کو نظر کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل اور خیار پیدا فرمایا ہے تا کہ یہ باقی امتوں پر قیامت کے دن شہادت دے سکیں۔ پس اس وقت عادل کے بغیر اس مقام پر اللہ تعالیٰ کیسے شہادت لائے گا؟ کیا ایسے لوگوں نے جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے اور صرف چھ افراد باقی رہ گئے؟ جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ شہادت میں عادل اور خیار ہونا ضروری ہے۔ عادل اور خیار شخص کے بغیر کوئی آدمی شہادت کا اہل نہیں ہوتا اور اس کا قول دیگر شخص پر نافذ اور موثر نہیں ہوتا۔ فلہٰذا گواہی دینے والے عادل صادق اور خیار ہوں گے۔ ظالم، کاذب، اشرار اور فسادی لوگ نہیں ہوں گے۔

پس قرآن کریم کی ان آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل، صادق اور خیار ہونا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورۃ تحریم میں وارد ہے کہ:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

''یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں داخل فرمائیں گے جس کے نیچے نہریں چلتی ہیں، جس روز اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں فرمائیں گے۔ ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔''

اس آیت کی تشریح میں علماء فرماتے ہیں:

((......ومنها قوله تعالی يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ...... (الایۃ پ۲۸) فامنهم الله من خزیه ولا یأمن من خزیه فی ذالك الیوم الا الذین ماتوا والله سبحانه ورسوله عنهم راض فامنهم من الخزی صریح فی موتهم علی کمال الایمان وحقائق الاحسان وفی ان الله لم یزل راضیا عنهم وکذلك رسوله ﷺ)) (الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۰۹، تحت اعتقاد بیان اہل السنۃ)

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اس دن کی رسوائی سے بچائیں گے، اور اس دن رسوائی سے نہیں بچ سکیں گے مگر وہ لوگ جو فوت ہوئے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان سے راضی ہے۔ ان لوگوں کا رسوائی سے محفوظ رہنا اس بات کی وضاحت ہے کہ کمال ایمان اور نیکیوں پر ان کا خاتمہ ہوا، نیز اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ان سے ہمیشہ راضی رہے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والی جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی بدولت اس دن عذاب کی رسوائی سے محفوظ رہیں گے جبکہ کفار اور فساق کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے ۔ ۰ ے گا۔

پس یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت اور عزت افزائی ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور مکارم کو کئی عنوانات کے تحت بیان فرمایا ہے۔

اگر بالفرض بعض دفعہ ان سے لغزش صادر ہوگئی تو اسے معاف فرما کر کمال شفقتوں سے نوازا اور وقتی خطاؤں سے درگزر فرما کر ان پر بے شمار رحمتیں برسائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں ''غزوۂ حنین'' پیش آیا تھا۔ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام، مہاجرین و انصار اور جدید الاسلام مسلمانوں کی عظیم جمعیت تھی۔

قبیلہ ہوازن و ثقیف کے ساتھ اہل اسلام کا مقابلہ ہوا اور شدید جنگ پیش آئی۔ ایک دفعہ مجاہدین کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن اس کے بعد فوراً اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت فرمائی اور سکینہ نازل فرما کر احسان عظیم فرمایا اور ساتھ ہی نزول ملائکہ کی صورت میں غیبی امداد فرمائی جس کو عام لوگ نہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ خصوصی رحمت تھی اور یہ نصرت اور فتح مندی مسلمانوں کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حاصل ہوئی اور کفار کو بھاری شکست ہوئی اور مسلمانوں کو بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔

اس موقع پر اموال غنیمت کو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مجاہدین میں تقسیم فرمایا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان کو بھی غنائم سے وافر حصہ عنایت فرمایا گیا۔

(الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۱۸۳ ج ۲ مع الاصابہ تحت صخر بن حرب، طبع مصر)
(اسد الغابہ ص ۱۲-۱۳ ج ۳، تحت صخر بن حرب، طبع تہران)

اس مقام پر جہاں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت ثابت ہے اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی اس فضیلت میں شامل و شریک ہیں۔

آیات و روایات میں کہیں کسی صاحب کا استثنا نہیں واقع ہوا۔ واقعہ حنین میں شرکت کرنے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان فضائل سے متمتع ہوئے اور اس شرف سے مشرف ہوئے......

سورۂ توبہ میں اس واقعہ کے متعلق فرمان خداوندی اس طرح ہے کہ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(سورة توبه)

اور غزوۂ حنین کے متعلق جو آیات سورت توبہ کے چوتھے رکوع میں آئی ہیں ان میں اللہ نے شاملین غزوہ حنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں متعدد فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ایک تو فرشتوں کے ذریعے ان کی نصرت و اعانت کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) اس مقام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور مومنین جو غزوہ حنین میں شامل ہوئے ان پر سکینہ کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ان مومنین کے حق میں اپنے غیبی لشکر نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) اس موقع پر جو بعض حضرات سے کوتاہی سرزد ہوئی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمانے اور توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

ان تمام عنایات خداوندی کے مستحقین میں حضرت امیر معاویہ جناب ابوسفیان اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور مذکورہ فضیلتیں حاصل کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں سورۃ الحدید کے پہلے رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (پ۲۷)

"یعنی کیا ہے تمھارے لیے کہ تم نہیں خرچ کرتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں، حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے، تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ فتح (مکہ) کے بعد والے لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ باعتبار درجہ کے ان لوگوں کے مقابلہ میں بہت بڑے ہیں جنھوں نے (فتح) مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے "حسنیٰ" یعنی جنت کا وعدہ سب سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

ایک ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ فتح مکہ سے قبل یا اس کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اگرچہ ان کا باہمی فرق مراتب مسلم ہے۔

(۱) علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں تحریر کیا ہے کہ:

((......وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ای المتقدمون المتناهون السابقون والمتاخرون اللاحقون، وعدهم الله جميعا الجنة مع تفاوت الدرجات))

(تفسیر قرطبی ص۲۴۱، ج۱۷ تحت الآیہ سورۃ الحدید)

"یعنی وہ لوگ جو متقدمین اور بہت سبقت کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو متاخرین اور ان سے لاحق ہونے والے ہیں ان دونوں فریقوں کے تمام افراد سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، باوجودیکہ یہ لوگ باہم درجات میں متفاوت ہیں۔"

اور تفسیر روح المعانی میں سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وَكُلًّا) ای كل واحد من الفريقين لا الاولين فقط وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ای المثوبة الحسنى وهی الجنة)) (تفسیر روح المعانی ص۱۷۲، ج۲۷ تحت الایۃ سورۃ الحدید)

(۲) اس مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ سفارینی اور علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ نے ابن حزم رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

((......فقال ابن حزم الصحابة كلهم من اهل الجنة قطعا، قال تعالى لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وقال تعالى اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ فثبت ان جميعهم من اهل الجنة وانه لا يدخل احد منهم النار لانهم المخاطبون بالاية الاولى التی اثبتت لكل منهم الحسنى وهی

الجنۃ)) (حوالہ ہذا ہمارے کتابچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کی تمہید میں قبل ازیں درج ہو چکا ہے)[1]

''یعنی ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قطعی طور پر جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہے فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ہوں یا فتح مکہ کے بعد، سب بے شک اہل جنت ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی آیت مذکورہ میں لفظ منکم کا مصداق اور مخاطب یہی حضرات ہیں اور ان تمام حضرات کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، پھر جن لوگوں کے حق میں حسنیٰ (یعنی جنت) سابقاً ثابت ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، لہٰذا یہ مخاطبین تمام کے تمام حسب وعدہ الٰہی جنت کے مستحق ہیں اور دوزخ سے دور کر دیے گئے ہیں، اور اللہ کریم کا وعدہ سچا ہے، وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔''

مسئلہ ہذا کی تشریح میں مزید یہ چیز ذکر کی جاتی ہے، کہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا مقام ہے اور جہنم اس کی ناراضگی کی جگہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی (حسب فرمان خداوندی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے اور رضامندی اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، (یعنی صفت حادثہ نہیں ہے) اور رضامند ہونے کا فرمان اسی شخص کے حق میں دیتے ہیں کہ جس کے متعلق اللہ کریم کو معلوم ہے کہ یہ شخص موجبات رضا پورا کرے گا اور اس کا انجام درست اور اس کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔

پھر جس شخص پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے وہ آیندہ کبھی اس پر ناراض نہیں ہوتا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ان الرضا من الله صفة قديمة فلا يرضى الا من عبد علم انه يوافيه على موجبات الرضى ومن رضى الله عنه لم يسخط عليه ابدا))

(الصارم المسلول (ابن تیمیہ) ص ۵۷۷ فصل فی حکم سب الصحابہ)

''مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کی صفت قدیمہ ہے، (صفت حادثہ نہیں ہے کہ زائل

---

[1] الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۱ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعہ۔

الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹ جلد اول تحت خطبۃ الکتاب۔

عقیدہ سفارینی ص ۳۷۲ جلد ۲۔

محلی (ابن حزم) ص ۴۴ ج ۱ تحت مسئلہ ۸۵ طبع بیروت

ہو جائے) فلہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں رضامندی دائمی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان کے حق میں دواماً رضامندی ثابت ہونے کی رو سے ان کا دائمی مقام جنت ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھی کتاب اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اس کے لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اہل جنت ہونے کا یقین رکھنا لازم ہے، اور ان تمام حضرات سے ہر قسم کی سوءظنی اور بدگمانی سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

مندرجات بالا نصوص قرآنیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بنو امیہ کا استثنا کہیں نہیں پایا جاتا۔ جب ایسا کہیں نہیں تو صحابہ بنی امیہ بھی قطعاً اور یقیناً اس بشارت میں داخل ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ العبرۃ لعموم الفاظ لا لخصوص الموارد پس ان فضائل و مکارم کے مصداق جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ نیز جنت کی بشارت کے حقدار جیسے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مژدہ جنت کے مستحق ہیں۔

روایات کی روشنی میں

گزشتہ صفحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مکارم کے سلسلے میں چند ایک چیزیں کتاب اللہ کی روشنی میں ذکر کی ہیں۔ اب سطور ذیل میں ان حضرات کی فضیلت اور قدر و منزلت روایات کی روشنی میں مختصراً پیش کی جاتی ہے۔

① ایک روایت میں ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اکرموا اصحابی انہم خیارکم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم))

(مشکوۃ شریف ص ۵۵۳-۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ، فصل ثانی، طبع دہلی)

"یعنی میرے صحابہ کا احترام اور عزت کرو۔ سابق ہوں یا لاحق ہوں، زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں کیونکہ یہ لوگ پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہیں، (تابعین) اور پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہیں (تبع تابعین)۔"

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ......))

(مشکوۃ شریف ص ۵۵۳-۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ، فصل ثانی، طبع دہلی)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کا بہترین دور میرا قرن ہے، یعنی جن لوگوں نے میرے دور کو پایا اور میرے ساتھ ایمان لائے وہ اصحاب ہیں، پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے ملتے ہیں یعنی رتبے میں ان سے قریب ہوتے ہیں اور ایمان اور یقین میں ان کے پیچھے چلنے والے

ہیں...... یہ تابعین ہیں...... پھر وہ لوگ جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں...... (یہ تبع تابعین ہیں)۔"

③ ایک دیگر روایت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((......الله الله فی اصحابی، لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم، ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم...... الخ))

"یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو اور میرے اصحاب کے معاملہ میں کسی کی تنقیص مت کرو، اور ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بناؤ، اور ان کی تعظیم وتوقیر قائم رکھو۔"

مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو مکروہ باتوں کا نشانہ مت بناؤ، جو شخص ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے، جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہے......الخ

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص ان سے محبت کرے وہ ان کے اعمال، مقامات اور ان کی قربانیوں کی وجہ سے ان سے محبت کرے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ ان کی محبت کی لم (وجہ) ان کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کے کمالات ان کے اعمال پر مبنی نہیں ان کے اعمال سے بحث ایک بے جا محنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو شان دی ہے وہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دی ہے اور وہ مقام صحابیت ہے۔ (سبحان اللہ)

④ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی بریدہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((......ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائدا و نورا لهم یوم القیامة)) (رواہ الترمذی، مشکوۃ شریف ص۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ فصل الثانی)

"فرمایا میرے صحابہ میں سے جو صحابی جس علاقے میں فوت ہوا ہے، وہ قیامت کے دن اس زمین والوں کا قائد اور نور ہدایت بنا کر لایا جائے گا۔"

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر اور عظمت کے لیے روایات کا ایک ذخیرہ ہے، جن میں سے صرف چند روایات یہاں ذکر کی ہیں۔ ان تمام روایات میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے مقام اور قدر و منزلت کو واضح فرمادیا ہے اور تمام صحابہ ان مکارم وفضائل کے مصداق اور مستحق ہیں اور ان میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان فضائل اور مکارم میں داخل ہیں۔

علماء ان کے مقام فضیلت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((......واما معاویة فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخیار))

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ملا علی قاری، ص۲۷۲، ج۱۱، باب مناقب الصحابہ، طبع ملتان)

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور صاحب فضیلت صحابہ میں سے ہیں اور اخیار میں ان کا شمار ہے۔''

⑤ امارت اور خلافت کے سلسلے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد فرمودات مروی ہیں جن میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ الائمۃ من قریش، یعنی قوم کے امام اور پیش رو قریش میں سے ہوں گے، اور دیگر روایات میں فرمایا گیا ہے کہ امارت و خلافت کے معاملے میں قریش باقی اقوام سے زیادہ فائق اور متبوع ہیں اور باقی لوگ ان کے تابع اور پیروکار ہیں۔

اس فرمان نبوی کو متعدد محدثین کرام نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ:

((قام معاویة علی المنبر فقال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الناس تبع القریش فی هذا الامر۔ خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا......الخ))

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸، ج ۱۲، کتاب فضائل، طبع کراچی۔

مسند احمد ص ۱۰۱، ج ۴ تحت احادیث معاویہ بن ابی سفیان۔

المطالب العالیہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۰۴ ج ۲ روایت نمبر ۲۰۲۵ باب الخلافۃ فی قریش

''یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دین یا خلافت و امارت کے معاملہ میں دیگر اقوام، قوم قریش کے تابع ہیں۔ دور جاہلیت میں جو لوگ پسندیدہ و اخیار تھے وہ اسلام میں بھی پسندیدہ اور اخیار ہیں جبکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور دین اسلام پر عمل پیرا ہوں۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے قریش کا جاہلیت کے دور کا مرتبہ و شرف کم نہیں کیا۔ جس طرح جاہلیت کے دور میں قریش اپنی قوم کے قائد و رئیس تھے اسی طرح اسلام میں سردار و پیش رو ہیں، بشرطیکہ دین پر قائم رہیں۔

مختصر یہ ہے کہ قبائل قریش کے اسلام لانے سے اسلام میں ان کی عزت افزائی ہوئی، انھیں پچھلی مخالفت کے باعث کہیں عز و شرف سے محروم نہیں رکھا گیا۔ قریش کے متعدد قبائل تھے ان میں بنو امیہ ممتاز قبیلہ تھا۔ جس طرح باقی قبائل کے افراد کو خیار و اخیار فرمایا گیا اسی طرح بنو امیہ قبیلہ کے افراد بھی اس شرف سے نوازے گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو امیہ کی نامور شخصیت ہیں، وہ بھی اس شرف و اعزاز میں شریک و شامل ہیں۔

شرف صحبت کا لحاظ

اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے سلسلہ میں یہ چیز بڑی قابل قدر ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

صحبت کے شرف کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور نعمت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عہد فاروقی کا ایک واقعہ علماء ذکر کیا کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اصابہ کی ابتدا میں اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ:

ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بدوی لایا گیا، اس نے (کسی وجہ سے) حضرات انصار کی ہجو کر دی تھی، بطور سزا دلوانے کے اسے پیش کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حالات کی جستجو کی) تو معلوم ہوا کہ یہ بدوی تو صحابی ہے۔

اس کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے ہجو تو کیا کچھ کی، مجھے معلوم نہیں، اس پر اس کو سزا دی جاتی لیکن اس کے لیے تو شرف صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے، (اس وجہ سے رعایت کر دی اور کوئی سزا نہیں دی)۔

روایت میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے، سزا تو اپنی جگہ ہے، عتاب بھی نہیں کیا کیونکہ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت ہے۔

علماء نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس چیز کی شہادت دیتا ہے کہ دور اول میں یہ حضرات اعتقاد رکھتے تھے کہ شان صحبت پیغمبر کے برابر کوئی چیز نہیں۔

((......ذالك البدوی اتی به عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وقد هجا الانصار فقال لهم عمر لو لا ان له صحبة من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما ادری ما نال فيها لكفيتكموه ولكن له صحبة من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ لفظ علی بن الجعد ورجال الحديث ثقات وقد توقف عمر رضی اللہ عنہ عن معاتبته فضلا عن معاقبته لكونه علم انه لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی ذالك ابين شاهد علی انهم كانوا يعتقدون ان شان الصحبة لا يعدله شیء))

۱۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۱ ج ۱، تحت خطبۃ الکتاب الفصل الثالث
۲۔ الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۲ تحت الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنہ
۳۔ تاریخ ابن عساکر مخطوطہ عکسی ص ۷۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا فرمان

اسی طرح مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات میں فضیلت صحبت کے مضمون کو بار بار دہرایا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

((......فانهم فی فضيلة صحبة خير البشر مشتركون وفضيلة الصحبة فوق جميع الفضائل والكمالات ولهذا لم يبلغ اويس القرنی الذی هو خير

التابعين مرتبة ادنى من صحبته عليه الصلوٰة والسلام، فلا تعدل بفضيلة الصحابة شيئا كائنا من كان فان ايمانهم ببركة الصحابة ونزول الوحي يصير شهوديا ولم يتفق لاحد بعد الصحابة هذا الرتبة من الايمان والاعمال متفرعة على الايمان كمالها على حسب كمال الايمان))

(مکتوبات امام ربانی ص ۴۰، دفتر اول، حصہ دوم مکتوب نمبر ۵۹، طبع لاہور)

''یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اقدس کی صحبت کی فضیلت میں مشترک ہیں اور صحبت کی فضیلت تمام فضائل و کمالات پر فوقیت رکھتی ہے، اسی بنا پر حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ جو خیر التابعین ہیں، وہ ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ صحبت پیغمبر اور نزول وحی کی برکت سے ان کا ایمان شہودی قرار پایا ہے۔ (یعنی مشاہدہ کا ایمان ہے، غائبانہ نہیں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی ایک کے لیے بھی اس مرتبے کا ایمان حاصل نہیں، اور اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں اور اعمال کا کامل ہونا ایمان کے کمال کے موافق اور مطابق ہوتا ہے۔''

ان ضوابط کے پیش نظر شیخ موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات کی فضیلت کے انکار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضل و اکرام کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحبت نبوی کے شرف سے یکساں طور پر مشرف ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا قول

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ اپنے دور کی شخصیت کاملہ ہیں اور اکابر صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں، وہ اپنے ''مکتوبات قدوسیہ'' میں صحابیت کی فضیلت اور مقام صحبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''......آرے در اعتقاد است کہ غیر صحابہ اگرچہ در مرتبہ رفیعہ رسد و صاحب ولایت، و صاحب تصرف، وعطا گردد بمرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نرسد کہ فضل صحبت فضل کلی است۔ وآں فضل جزوی، وفضل جزوی با فضل کلی برابر نبود۔'' (منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۵۰ طبع مجتبائی دہلی)

''مطلب یہ ہے کہ اعتقادیات میں یہ چیز مسلم ہے کہ غیر صحابی اگرچہ بلند مرتبہ ولایت اور مقام تصرف وعطا کو پہنچ جائے پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ صحبت نبوی کو فضیلت کلی کا درجہ حاصل ہے جبکہ مقام ولایت وغیرہ کو فضیلت جزوی کا مرتبہ حاصل ہے اور جزوی فضیلت، فضیلت کلی کے برابر اور مساوی نہیں ہوسکتی۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا بیان

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفضیل کے مسئلے کو نہایت عمدہ انداز

سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''سر تفضیل صحابہ بر ہر کہ بعد از ایشاں آمد آنست کہ ایشاں واسطہ اند میاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وایں جماعت متاخرہ واز جہت غلبہ اسلام بواسطہ ایشاں ورسیدن علم بسبب ایشاں۔ امر ملت مشابہت تمام دارد بدیوارے کے ہر خشت فوقانی متفرع است بر خشت تحتانی دواسطہ استقامت اوست، تا آنکہ کار باساس رسد۔ ہم چنیں ہر قرن متاخرہ مستمد و منت پذیر قرن متقدم است در شرائع اسلام وعلوم و ہدایت و شرع تا آنکہ امر منتہی گردد بصاحب شرع کہ از جانب خدا تعالیٰ شریعت را بی واسطہ آوردہ۔'' (قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ ص ۴۵، طبع مجتبائی دہلی)

''مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے لوگوں پر صحابہ کی تفضیل کی حکمت یہ ہے کہ متاخرین جماعت اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واسطہ اور رابطہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وجہ سے اسلام غالب آیا اور ان کی بدولت ہمیں علم دین پہنچا۔ ملت کے اس معاملہ کی کامل تمثیل ایک دیوار کے ساتھ دی جاسکتی ہے کہ جس کی ہر خشت فوقانی ہر خشت تحتانی پر متفرع ہے اور اس کی استقامت کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اس طریقہ سے دیوار کی تکمیل ہوئی ہے۔ اسی طرح ہر متاخر دور ہر متقدم دور سے استفادہ کرنے والا ہے اور اس کا منت پذیر ہے، یعنی احکام شرعی وعلوم دینی و حصول ہدایت میں متاخرین کا انحصار متقدمین پر ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ صاحب شرع (صلی اللہ علیہ وسلم) تک جا کر منتہی ہوتا ہے جس ذات نے بلاواسطہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے شریعت لائی ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین امت مسلمہ اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حصول دین، وصول شریعت اور اخذ ہدایت کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہیں اور یہ عظیم شرف اور کمال فضیلت کسی دیگر قوم کو نصیب نہیں، یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔

عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مسئلہ ہذا جمہور علمائے امت کے نزدیک مسلم ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل تھے اور ان کا عادل اور خیار ہونا جمہور اہل اسلام کے نزدیک مجمع علیہ اور فیصلہ شدہ امر ہے، کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں۔

اس چیز پر ہم اکابر علماء کے چند ایک بیانات بطور تائید وتصدیق پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کے اطمینان کا باعث ہوسکیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ:

((......(اعلم) ان الذی اجمع علیه اهل السنة والجماعة انه یجب علی کل مسلم تزکیة جمیع الصحابة باثبات العدالة لهم، والکف عن الطعن فیهم

والثناء علیهم)) (الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۰۸ بیان اعتقاد اہل السنۃ)

''یعنی جس چیز پر اہل سنت والجماعت نے اتفاق کر لیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عدالت کا اثبات، ان کے خلاف طعن و تشنیع سے کف لسان اور ان کی ثنا کے ساتھ تزکیہ پیش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔''

① اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کفایہ میں لکھا ہے کہ:

((لان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم واخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القران)) (الکفایہ (خطیب بغدادی) ص ۴۶ باب ماجاء فی تعدیل اللہ ورسولہ)

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل ہونا، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی تعدیل اور ان کے حق میں تزکیہ کی دینے اور ان کو اپنی کتاب میں پسندیدہ قرار دینے کی وجہ سے یقیناً ثابت ہے۔''

② ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب کے مقدمہ میں مسئلہ ہذا کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

((فهم خير القرون وخير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل عليهم وثناء رسول الله ﷺ۔ ولا اعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية افضل من ذالك ولا تعديل اكمل منها))

(الاستیعاب، ابن عبدالبر مع الاصابہ ص ۲ ج ۱، تحت خطبۃ الکتاب)

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر القرون اور بہترین امت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان کی مدح و ثنا کی بدولت ان کی عدالت ثابت ہے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند فرمایا اس سے زیادہ عادل اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اس تزکیہ سے بڑھ کر کوئی اور تزکیہ افضل نہیں ہو سکتا، اور اس تعدیل سے زیادہ مکمل اور کوئی تعدیل نہیں ہو سکتی۔''

③ اور اسی مضمون کی تائید میں ہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

((......وجميع ذالك (النصوص) يقتضى القطع بتعديلهم ولا يحتاج احد منهم مع تعديل الله له الى تعديل احد من الخلق))

(الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۷ ج ۱، فصل ثالث فی بیان حال صحابہ)

''یعنی یہ تمام نصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل کے یقینی ہونے کی متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے ہوتے ہوئے مخلوقات کی طرف سے کسی تعدیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔''

④ اور ابن صلاحؒ نے علوم الحدیث میں مسئلہ ہذا کو نہایت منقح کر دیا ہے اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((……الثانية للصحابة باسرهم خصيصة وهى انه لا يسأل عن عدالة احد منهم، بل ذالك امر مفروغ منه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به فى الاجماع من الامة)) (علوم الحدیث (مقدمہ ابن صلاح) ص۲۶۴، ۲۶۵۔ تحت النوع ۳۹)

''یعنی تمام صحابہ کے لیے خاص طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی عدالت کے بھی متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ امر فیصلہ شدہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نصوص (کتاب وسنت) کے ذریعے سے علی الاطلاق عادل قرار دیے گئے ہیں۔ اور جن حضرات کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے ان کے اتفاق کرنے کی وجہ سے بھی عادل قرار پائے گئے ہیں۔''

⑤ اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں کہ:

((……ثم ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لابس الفتن منهم فكذالك باجماع العلماء الذين يعتد بهم فى الاجماع احسانا للظن بهم ونظراً الى ما تمهدلهم من الماثر، كان الله سبحانه وتعالى اتاح الاجماع على ذالك لكونهم نقلة الشريعة، والله اعلم))

۱۔علوم الحدیث (مقدمہ ابن صلاح) ص۲۶۴ تحت نوع ۳۹

۲۔التقریب مع تدریب الراوی ص۴۰۰، ۴۰۱ تحت نوع ۳۹

''یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل اور خیر ہونے پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے اور اسی طرح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دور کے فتنوں میں مبتلا ہوئے ان کی تعدیل پر بھی قابل اعتماد علماء کا اجماع ہے۔ یہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ان کے ماثر خیر کی طرف نظر کرنے کی بنا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر اجماع مقدر کر دیا، اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت اسلامیہ کے ناقل اور دین کے پہنچانے والے ہیں۔''

⑥ مسئلہ ہذا کو ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب التحریر میں، ابن امیر الحاج رحمہ اللہ نے التقریر والتحبیر (شرح التحریر) میں علامہ سبکی رحمہ اللہ کے حوالے سے مفصل ذکر کیا ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف حوالہ ذکر کر دیا ہے۔

(التقریر والتحبیر از ابن الحاج ص۲۶۰۔۲۶۱ تحت مسئلہ علی الاکثر علی عدالۃ الصحابہ)

⑦ اور ابن مظفر اسفرائنی رحمہ اللہ نے بھی التبصیر فی الدین تحت باب الخامس عشر الفصل الاول فی بیان اعتقاد اہل السنہ میں اس مسئلہ کی عمدہ تفصیل ذکر کی ہے۔ (التبصیر فی الدین، ابن مظفر اسفرائنی ص۱۶۴۔۱۶۵ باب ۱۵)

اہل تحقیق حضرات ان مقامات کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ:
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور وثاقت کا مسئلہ امت کے اکابر علماء کے نزدیک مسلمات میں سے ہے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی پر غیر ثقہ یا غیر عادل ہونے کا طعن کرنا ہرگز روا نہیں۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی زمرہ کے ممتاز فرد ہیں اور اسلام کی نامور شخصیت ہیں اور حاکم عادل ہیں۔ فلہٰذا ان کی دیانت، عدالت اور وثاقت میں کوئی کلام نہیں۔ اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا یکساں حکم ہے۔

تکمیل مسئلہ (حاشیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا مسئلہ جب ذکر کیا جاتا ہے تو مخالفین اور معاندین صحابہ اس مسئلہ کے معارضہ میں ''معیار صحابیت'' کے عنوان سے ایک دستاویز تیار کر کے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد معاصی سرزد ہوئے اور وہ گناہوں میں مبتلا پائے گئے۔ فلہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم عادل اور ثقہ نہیں۔
چنانچہ اس پر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کی ایک فہرست مرتب کرتے ہیں جس میں ان کی ایک ایک لغزش شمار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوءظن پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور عوام میں نفرت اور انتشار پھیلاتے ہیں۔ مثلاً:

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے، شراب خوری، زنا کا صدور اور قذف کا ارتکاب وغیرہ۔
- خطبہ جمعہ کے دوران میں صحابہ اٹھ کر چلے گئے۔
- بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات میں دشمن کے مقابلہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، یا ان سے جہاد میں شرکت سے کوتاہی ہوئی۔
- بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہم قتال کیا جو شرعاً مذموم ہے۔
- اسی طرح کئی خطائیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوئیں۔

بعض مرویات میں ہے کہ اصیحابی اصیحابی انك لا تدری ما احدثوا بعدك بقول معترضین اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا احداث فی الدین اور اعراض عن الدین ثابت ہے۔
اس چیز کے جواب میں چند ایک امور ذیل میں پیش خدمت ہیں جن پر بنظر انصاف غور کرنے سے ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوءظنی مرتفع ہو سکے گی اور اصل صورت حال واضح ہو گی۔
اولاً یہ چیز قابل توجہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا مواد بھی کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن فراہم کیے جاتے ہیں مگر یہ مواد بیشتر تو خالص جھوٹ و افترا اور اختراع ہوتا ہے اور سبائیوں کی خود ساختہ اور روافض و خوارج وغیرہ کی مجروح روایات ہوتی ہیں جو بے سروپا ہونے کی وجہ سے خرافات کے

درجہ میں ہیں۔ اور عموماً ارباب فضول کی یہ منقولات ہوتی ہیں اور ارباب فضول کی مرویات کا اہل فن کے نزدیک کوئی وزن نہیں۔

اس نوع کی مشتبہ وغیر متیقنہ مرویات سے صحابہ کے حق میں اعتراضات مرتب کر کے میدان طعن میں لانا بالکل غلط ہے اور نا قابل تسلیم ہے۔

ثانیاً یہ چیز قابل وضاحت ہے کہ اس دور میں بعض لوگ مرض نفاق میں مبتلا تھے جنھیں منافقین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ اعراب (بادیہ نشین) تھے جو جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے آداب شرعی سے ناواقف تھے۔

پھر اس دور میں منافقوں اور اعراب سے خلاف شرع امور کا صدور اور ان کی کوتاہیوں کا قرآن مجید میں الگ ذکر موجود ہے اور قرآن مجید نے کئی مقامات پر ان لوگوں کے غلط کردار و افعال کا الگ ذکر کیا ہے اور انھیں ایک الگ گروہ کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے ان کی منافقانہ صفات و حالات کو واضح کر دیا ہے۔ (جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہیں پائی جاتیں)۔

علامات منافقین

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا

وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ

يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

وغیرہ وغیرہ کئی آیات میں منافقون کی صفات و علامات ذکر کی گئی ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کا مفہوم یہ ہے کہ:

- جس وقت منافق لوگ نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور بوجھل ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔
- یہ لوگ لوگوں کے سامنے دکھلاوا کرتے ہیں
- اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ نہیں یاد کرتے مگر تھوڑا سا
- یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) نہیں خرچ کرتے مگر برے دل سے (دلی کراہت سے کچھ خرچ کرتے ہیں)
- یہ لوگ برائی کا حکم کرتے ہیں اور اچھائی سے منع کرتے ہیں
- یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں (خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں) انھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا ہے۔

❁ منافقین کو بشارت دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

❁ یہ لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

ماقبل میں منافقین کی چند ایک چیدہ چیدہ صفات کا ذکر قرآن مجید کی روشنی میں ہوا۔ ہر ایک صفت پر نظر کریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان صفات و عادات رذیلہ سے کوسوں دور ہیں اور مومنانہ صفات کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ منافقانہ خصائل کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس چیز پر کتاب و سنت شاہد عادل ہے اور اس دور کے واقعات و حالات گواہ ہیں۔

مخالفین صحابہ اپنی کج روی اور کج فہمی کی بنا پر ان منافقانہ صفات سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملوث کرنے کی جسارت کرتے ہیں حالانکہ منافقانہ صفات کے حامل الگ افراد تھے جن کی منافقانہ صفات کا ذکر قرآن مجید نے بصراحت بیان کیا ہے۔

تعامل نبوی

ثالثاً: علاوہ ازیں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدت العمر جو "تعامل" رہا اور جو "معاملہ" فرماتے رہے یہ چیز بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص دینی کے لیے مستقل شواہد کے درجہ میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل اور معاملات میں ان اعتراضات کا واضح طور پر جواب موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ایماندار تھے اور منافقانہ صفات کے حامل ہرگز نہیں تھے ورنہ ان کے ساتھ صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ معاملات روا نہ رکھے جاتے بلکہ ان سے اجتناب و احتراز اختیار کرتے ہوئے ان کے ساتھ غلظت اور شدت کا معاملہ کیا جاتا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ...... الخ

رابعاً: قرآن مجید کے نزول کا دور مسلمانوں کے لیے حصول تربیت اور اصلاح کا دور ہے، عقائد و اعمال کی تصحیح اور تکمیل دین کا زمانہ ہے۔ ان ایام میں اہل اسلام کی کوتاہیوں اور تقصیروں پر تنبیہ کیا جانا کوئی معیوب نہیں۔ اور دین کے تکمیلی مدارج میں کسی لغزش پر عتاب و سرزنش کا پایا جانا کوئی قبیح چیز نہیں۔ بلکہ یہ چیزیں حسب موقع اصلاحات کے درجہ میں شمار ہوتی ہیں۔

دیگر یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ شریعت کے تمام مسائل بیک وقت نافذ نہیں ہوئے بلکہ احکام شرعی کا اجرا بتدریج عمل میں آیا اور حسب موقع احکام نازل ہوتے رہے اور ان فرمودات پر عمل درآمد ہوتا رہا۔

ان حالات میں بعض مسلمانوں سے آداب شریعت کی ناواقفیت کی بنا پر نادانستہ طور پر کئی امور صادر ہوئے۔ اس صورت میں ان سے خطاؤں کا سرزد ہونا قابل اعتراض نہیں۔ کیونکہ انھیں شرعی مسائل کا پہلے سے علم نہیں تھا۔ مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنے عمل و کردار کو درست کر لیا اور اپنی غلطی

سے تائب ہو کر اس سے کنارہ کش ہو گئے اور بقا علی الخطا سے محفوظ رہے۔

خامساً: بعض مواقع میں اس طرح بھی ہوا کہ چند افراد سے شرعی احکام کے خلاف عمل صادر ہوا تو ان کی غلطی کی اصلاح کے لیے احکام نازل ہوئے جو اس سے قبل مستور اور پوشیدہ تھے اور ان کی غلطی کی وجہ سے امت کے لیے ان مستور احکام کی وضاحت سامنے آئی۔ جیسا کہ بعض لوگ اپنی لاعلمی کی بنا پر خطبہ جمعہ کے دوران میں اٹھ کر چلے گئے تو اس پر قرآن مجید میں ان لوگوں کے متعلق تنبیہ کی گئی اور اس موقع کے آداب امت مسلمہ کے سامنے آئے جو اس سے قبل معلوم نہیں تھے۔

اب اس چیز نے آیندہ کے لیے ہدایت کا کام دیا۔ ایسے واقعات کو مقام طعن میں پیش کرنا عقلمندی نہیں اور ان سے اعتراض تجویز کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

سادساً: صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق بعض خطاؤں اور معاصی کے ایسے واقعات منسوب ہیں جن میں وہ مجتہد ہیں اور انھوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر وہ فعل کیا۔ لیکن بہت سے لوگوں کو ان کی وجہ اجتہاد کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے وہ افعال خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ شرعی حکم پر عمل کرنے کی ایک دوسری شکل ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنے اجتہاد کی بنا پر اگر لغزش اور غلطی سرزد ہو بھی جائے تو وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے اور حسب تصریح حدیث اجتہاد میں خطا ہونے پر گناہ لازم نہیں بلکہ ان کو ایک اجر ملنے کی امید ہے۔ چنانچہ فرمان نبوت اس طرح ہے کہ:

((اذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران اذا حکم واجتهد واخطأ فله اجر واحد)) (متفق علیہ)

ا۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۹۲ باب اجر الحاکم اذا اجتہد الخ)

۲۔ مشکوۃ شریف ص ۳۲۴ باب العمل فی القضا)

سابعاً: اگر بعض افراد سے ایسے کام سرزد ہوئے جو اجتہاد سے متعلق نہیں بلکہ واقع میں معصیت ہیں تو ایسے افعال و اعمال ان کی اسلامی زندگی میں عموماً قلیل و شاذ ہوں گے اور ان کے بے شمار حسنات اور اسلامی خدمات کے پیش نظر یہ قابل ذکر ہی نہیں۔ ان الحسنات یذھبن السیئات ایک مسلم قاعدہ ہے پھر وہ لوگ خشیت الٰہی اور اپنی فطرت سلیمہ کی بنا پر معاصی پر قائم و دائم نہیں رہے بلکہ تائب ہو گئے اور ان کے لاتعداد اعمال صالحہ اور حسنات کثیرہ کی وجہ سے ان کی وہ خطائیں معاف ہو گئیں اور اس معافی کا اعلان کتاب اللہ میں اللہ کریم کی رضامندی (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ) کے عنوان سے کر دیا گیا۔ (المنتقی، ذہبی ص ۲۲۰-۳۲۰)

مسئلہ ہذا کی مزید وضاحت

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے گناہ سرزد ہو گئے اور لغزش پائی گئی تو یہ چیز قابل قدح نہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ''معلوم

فضائل‘‘ اور ’’سوابق اعمال خیر‘‘ کے مقابلہ میں یہ چیز مضر نہیں۔ کیونکہ آخرت میں معصیت کے عقاب کے مرتفع ہونے کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں متعدد صورتیں موجود ہیں جن سے اخروی سزا مرتفع ہو جاتی ہے اور معافی کا سامان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ درج ذیل امور پر توجہ فرمائیں:

- اللہ کریم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نہ صرف مغفرت کا وعدہ فرمایا بلکہ ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ بعض مقامات میں وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ فرمایا اور بعض جگہ ارشاد ہوا کہ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ...... الخ یہ تمام صورتیں مالک کریم کی طرف سے معافی کی ہیں۔
- توبہ گناہ اور معصیت کو مٹا دیتی ہے اور یہ چیز مسلم ہے ((التائب من الذنب کمن لا ذنب له))
- مومن کی حسنات اور نیکیاں اس کے معاصی کو ختم کر دیتی ہیں ((ان الحسنات يذهبن السيئات))
- زندگی میں مومن پر جب مصائب آتے ہیں اور ان پر صبر کرتا ہے تو یہ عمل اس کے معاصی کا کفارہ ثابت ہوتا ہے اور اس سے اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔
- مومن کی مومن بھائی کے حق میں دعائے مغفرت سے اس کے معاصی معاف کر دیے جاتے ہیں۔
- جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں استغفار فرمانا ثابت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے شفاعت وسفارش ہوگی جو یقیناً مغفرت کا باعث اور معافی کا ذریعہ ہے۔
- مومن کے ایسے اعمال صالحہ جاریہ جو اس کی موت کے بعد بھی اس کے لیے اجر وثواب کا ذریعہ ہیں معاصی کی تلافی کا باعث بنتے ہیں۔
- مومن کی وفات کے بعد دوسرے مومن کا اپنے بھائی کے لیے اعمال صالحہ کا اہدا کرنا اور ثواب پہنچانا نجات اخروی کا باعث ہے مثلاً (صدقہ، حج وغیرہ)
- اگر کسی صاحب سے گناہ کی بات سرزد ہوئی اور اتفاقاً اسے توبہ کا موقع نہیں ملا تو برزخی سزا کے ذریعے سے اسے پاک وصاف کر دیا جائے گا تاکہ آخرت کا عذاب اس پر نہ رہے اور اسے اخروی سزا سے نجات مل جائے۔
- اولاد صالحہ ایک صدقہ جاریہ ہے اور پھر اولاد صالحہ کی اپنے والدین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا عند اللہ الکریم مقبول ہے اور اس سے اخروی نجات ہو جاتی ہے۔ (المنتقیٰ۔ ذہبی ص ۳۸۶-۳۹۶)

خلاصہ یہ ہے کہ افراد امت کے معاصی کے سقوط کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان تمام میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ حقدار ہیں، اور بعد والی امت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدح وثنا کے بھی زیادہ مستحق ہیں اور ہر مذمت وعیب کے ازالہ کے لیے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔ (المنتقی، ذہبی ص ۳۲۰)

اسی بنا پر علمائے امت بطور نصیحت تحریر کرتے ہیں کہ:

صحابہ کے ماسوا لوگوں پر ناقدانہ کلام کرنے کی بہ نسبت صحابہ پر نقد کرنا شدید ہے اور اعتراض وارد کرنا زیادہ گناہ ہے کیونکہ یہ حضرات باعتبار عزت وعظمت کے زیادہ محترم ہیں اور باعتبار مرتبہ کے زیادہ قدر و منزلت والے ہیں اور پاکیزہ انساب کے حامل ہیں۔ (المنتقی، ذہبی ۳۲۵)

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمومی وخصوصی فضائل کتاب وسنت سے اس قدر ثابت ہیں جو ان کے ماسوا کے لیے نہیں پائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں اور یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں اور خیر امت ہیں، ان کا انجام بالخیر پایا گیا۔ اور شرعی قاعدہ ہے کہ ((ان العبرة بالخواتیم)) ان حضرات کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

ایک اشتباہ پھر اس کا جواب

مخالفین صحابہ کی طرف سے صحابہ پر ایک مشہور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قیامت میں صحابہ کو دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے: اصیحابی اصیحابی...... الخ یا اصحابی اصحابی...... تو قادر مطلق کی جانب سے فرمان ہوگا کہ ((انك لا تدری ما احدثوا بعدك......)) اور فرمایا جائے گا کہ ((انهم لن یزالوا مرتدین علی اعقابهم منذ فارقتهم))

روایت ہذا میں محدثین نے روایت کی تشریح کے تحت یہ بات ذکر کی ہے کہ ان اصحاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام لائے تھے لیکن بعد میں انھوں نے ارتداد اختیار کر لیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہو گئے۔ اکثر یہ لوگ بنی حنیفہ اور بنی تمیم وغیرہ میں سے تھے جو بطریق وفادت (وفود کی صورت میں) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر بعد میں دین سے انحراف کر کے خائب وخاسر ہوئے۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''مراد از اشخاص مذکورین مرتدین اند کہ موت آنہا بر کفر شد وہیچ کس از اہل سنت آں جماعہ را صحابی نمی گوید و معتقد خوبے و بزرگے آنہا نمی شود اکثر بنی حنیفہ و بنی تمیم کہ بطریق وفادت بزیارت آنحضرت مشرف شدہ بودند باین بلا مبتلا گشتند وخائب وخاسر شدند۔''

مخالفین صحابہ (شیعہ) نے روایت مذکورہ میں اکابر اور مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مراد لے کر طعن ہذا وارد کیا ہے۔

یہ چیز ہرگز درست نہیں اس لیے کہ ان حضرات کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار

مقامات میں ان کے اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں اور ان کے ایمان، اسلام اور اعمال صالحہ پر بشارات ذکر فرمائی ہیں اور احسن جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ...... الخ (توبہ:)

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (الحدید)

اسی طرح بے شمار احادیث میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت اخروی، کامیابی اور دخول جنت کی بشارات ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اسی عالم میں جنت کی بشارت زبان نبوت سے ثابت ہے۔ بنا بریں مذکورہ بالا روایت (اصیحابی اصیحابی...... الخ) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد نہیں ہو سکتے اور ان پر اس روایت کے ذریعے سے اخروی عذاب کی سزا کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ روایت بالا میں ایسے لوگ ہی مراد ہیں جنھوں نے اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کیا اور دین سے برگشتہ ہو گئے۔ وہ صحابہ میں شمار نہیں۔

حاصل بحث

یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اگر بعض مواقع میں خلاف صواب اعمال صادر ہوئے اور خطائیں سرزد ہوئیں تو ان کی معافی و تلافی کا سامان کئی طریقوں سے ہو گیا اور ان کی مغفرت کی بے شمار صورتیں پائی گئیں جیسا کہ ہم نے اس چیز کو سابق سطور میں عرض کر دیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور وثاقت کا مسئلہ نصوص قطعیہ کی روشنی میں یقیناً صحیح ہے اور ضروریات دین میں سے ہے اور اکابرین امت کے فرمودات کے موافق اسے تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح کہ اصل متن کتاب میں درج کیا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب اللہ کی حقانیت اور رسالت کی صداقت کے عینی گواہ ہیں پھر ان کا عادل و صادق العمل ہونا یقینی ہے۔ ان کی ثقاہت و دیانت میں اشتباہ پیدا کرنے اور ان عینی شواہد کو مشکوک تسلیم کر لینے سے دین و اسلام کا اصل مسئلہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اسلام کے مخالفین بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسئلہ سمجھنے کی توفیق بخشے اور اس کے ساتھ یقین نصیب فرمائے۔ آمین

ترتیب مضامین

کتاب ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح کو مدون کر کے اس کو چار ادوار میں تقسیم کیا

ہے:

دور اوّل: آں موصوف کی ولادت سے لے کر اختتام عہد نبوی تک۔ یہ پہلا دور ہے، اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات، خاندانی واقعات، اسلام لانا پھر بعد از اسلام عہد نبوت میں قابل قدر دینی خدمات بجالانا درج کیے ہیں۔

دور دوم: اس دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد صدیقی و فاروقی وعثمانی میں غزوات میں شرکت کرنا، جنگی کارنامے، ملکی فتوحات، پھر اسلام کی اشاعت کے لیے اہم دینی امور سرانجام دینا وغیرہ تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

دور سوم: اختتام خلافت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں فتنوں کا کھڑا ہونا اور شہادت عثمانی کا وقوع پھر اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار اور دفاعی کوششیں، پھر عہد خلافت علوی کے واقعات، واقعہ صفین کے متعلقہ حالات اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور ان کی خلافت سے دستبرداری وغیرہ وغیرہ کا بیان مذکور ہے، اور یہ دور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح تک چلا گیا ہے۔

دور چہارم: صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال تک۔ یہ ان کا اپنا عہد خلافت وامارت ہے، اس کی تفصیل ۱۲ فصول پر مشتمل ہے۔ تمام فصول ہی قابل دید واقعات کے حامل ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد یہ دور زریں عہد ہے۔ اس میں اسلام کی بہت بڑی اشاعت اور ترقی ہوئی حتیٰ کہ اسلام اقصائے عالم تک پہنچا۔ اعدائے اسلام اس عہد میں مغلوب ہوئے اور دین غالب آیا اور اس کا تفوق باقی ادیان عالم پر ثابت ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ممالک کے مفتوح و مغلوب ہونے کے متعلق جو پیش گوئیاں تھیں وہ اس عہد میں تمام ہوئیں، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی کا ظہور ہوا۔ اس عہد میں فروغ اسلام کی یہ سب صورتیں حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اللہ کریم نے پیدا فرما دیں۔ نیز ان کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت مدد و معاون تھی اور دیگر تابعین کی بھی مساعی شامل حال تھیں۔ ان تمام بزرگوں کی شب و روز کی پیہم کوششوں سے اقوام عالم پر اسلام کا پرچم بلند ہوا۔

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اس دور کو بغاوت کا عہد، ظلم و تعدی کا سیاہ دور، جابرانہ حکومت کا زمانہ وغیرہ وغیرہ نازیبا عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں۔

ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ انصاف کے ساتھ اس عہد کے تمام واقعات پر نظر ڈالیں اور اس کے بعد اس دور کے متعلق منصفانہ رائے قائم کریں۔ جن تاریخی روایات کے پیش نظر اس عہد پر نقد کیا جاتا ہے اور

اعتراضات قائم کیے جاتے ہیں وہ روایات قابل اعتماد نہیں، اور ان کی وجہ سے مقام صحابہ کو مجروح و مقدوح نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان کے دفاع کے لیے ہم نے ''جواب المطاعن'' کے نام سے مستقل تالیف مدون کر دی ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ وارد کردہ شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔ (بعونہ تعالیٰ)

ان تمہیدی امور کو ذکر کرنے کے بعد کتاب ہذا کے ہر چہار ادوار کو علی الترتیب ملاحظہ فرمائیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

دور اول

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نسب اور خاندان کی متعلقہ چیزیں پہلے ذکر کرنا مناسب ہیں۔

- آنجناب کا خاندان دیار عرب میں مشہور قبیلہ ''عبد مناف'' میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔
- قبیلہ ''عبد مناف'' کی مشہور شاخیں ''بنو ہاشم'' اور ''بنو امیہ'' ہیں۔
- قبیلہ بنو ہاشم جناب سید الکائنات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات کی وجہ سے تمام قبائل پر فوقیت رکھتا ہے اور شرف وفضیلت میں اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہے۔
- اس دور میں بنی ہاشم کے ذمے سقایہ (آب نوشی کرانا) ہوتا تھا اور حجاج کو دیگر سہولیات فراہم کرنا ان کے فرائض میں تھا۔[1]
- اور قبیلہ بنی عبد شمس اور بنو امیہ وغیرہ وغیرہ اپنی جگہ پر صاحب فضیلت ہیں لیکن بنی ہاشم کے بعد ان کا مقام ہے۔

بنو امیہ کا امتیازی مقام

قبائل قریش میں ان کے جاہلیت کے دور میں کارنامے اس دور کی تاریخوں میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً حرب وضرب اور جنگی معاملات میں قبیلہ بنو امیہ کو فوقیت اور برتری حاصل تھی، اور یہ دیگر قبائل قریش میں سردار اور صاحب دستار شمار ہوتے تھے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ ابو احیحہ سعید بن عاص بن امیہ اپنے قبیلہ بنی امیہ میں صاحب دستار کے نام سے موسوم تھا۔ اس کو ذوالعمامہ کہتے تھے اور اس کے عمامہ کا رنگ مخصوص تھا اور اس دور کے خاندانی دستور کے مطابق کوئی شخص مکہ میں احتراماً اس رنگ کی دستار استعمال نہیں کرتا تھا۔

((وفی بنی امیة ابو احیحة هو سعید بن العاص بن امیة وهو ذوالعمامة کان

---

[1] البدایہ صفحہ ۳۰۱ ج ۴ تحت صفة دخولہ علیہ السلام مکہ

لا یعتم احد بمکة بلون عمامته اعظاما له))[۱]

مختصر یہ ہے کہ اپنے مخصوص اوصاف اور کردار کے لحاظ سے یہ قبیلہ دیگر قبائل قریش میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل تھا اور انھیں خاندانی تفوق حاصل تھا۔

نام ونسب

معاویہ بن ابی سفیان (صخر) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔[۲]

اور آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اور آپ کو رشتہ نبوت کے تعلق سے خال المومنین احتراماً کہا جاتا ہے۔

((هو معاوية بن ابی سفيان صخر بن حرب بن امية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی الاموی ابو عبدالرحمن خال المؤمنين))[۳]

اس مقام سے واضح ہے کہ سید الکونین جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پانچواں دادا "عبد مناف" مشترک ہے۔

نیز یہ چیز بھی ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے متعلقہ کچھ احوال ہم نے قبل ازیں اپنے کتابچہ "حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ" میں ذکر کر دیے ہیں۔ تاہم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں بھی کچھ چیزیں مختصراً ذکر کی جاتی ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل اسلام اور اہل سلام کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور آپ مخالفین کے رئیس شمار ہوتے تھے۔ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جاہلیت کے دور میں قریش کے سرداروں میں سے تھے اور جنگ بدر کے بعد رئیس قوم اور اپنی قوم کا مرجع سمجھے جاتے تھے۔ آپ اپنی قوم کی طرف سے امیر الحروب بھی تھے۔

((وقد كان ابوه (ابو سفيان بن حرب) من سادات قريش فی الجاهلية وآلت اليه رياسة قريش بعد يوم بدر فكان هو امير الحروب من ذالك الجانب،

۱۔ کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۱۶۰ تحت اشراف قریش

اسد الغابہ ص ۳۱۰، ج ۲ تحت سعید بن العاص

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۳-۸۴، ج ۸ تحت سنہ ۵۸ھ

۲۔ نسب قریش، (مصعب زبیری) ص ۱۲۴ تحت ولد ابی سفیان صخر بن حرب

جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱ تحت ولد حرب بن امیہ۔

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷، ج ۸ تحت ترجمہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۰ ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

وکان رئیسا مطاعا ذا مال جزیل))[1]

لیکن جب ان کی تقدیر بدلی ہے اور بخت یاور ہوا ہے اور دولت اسلام سے مشرف ہوئے تو اب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سابق ابوسفیان بن حرب نہیں رہے بلکہ نور ایمان سے منور شدہ تھے ان کا اسلام لانا مقبول ہوا اور حسن اسلام کے ساتھ ممدوح ہوئے۔

((وکان ابوہ من سادات قریش وتفرد بالسئود بعد یوم بدر ثم لما اسلم حسن بعد ذالك اسلامه وکان له مواقف شریفه وآثار محموده فی یوم یرموك وما قبله وما بعده))[2]

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر بلاوجہ معترض ہوتے ہیں اور ان کے دور جاہلیت اور قبل الاسلام کے معاندانہ واقعات کو پیش نظر رکھ کر ان کی تنقیص و تقبیح اور بدگوئی کو کار خیر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام لانا اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برائی سے یاد کرنے سے مسلمان کی اپنی عاقبت خراب ہوتی ہے اور ایمان ضائع ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبیلہ قریش اور غیر قریش میں بے شمار لوگ اولاً دین اسلام کے دشمن تھے تدریجاً اسلام میں ترقی ہوتی گئی اور وہی مخالفت کرنے والے افراد و قبائل دین حق قبول کر کے اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اپنے دور اسلام میں وہی حضرات ملت اسلامیہ کے بہترین خادم ثابت ہوئے، اور فتح مکہ ۸ھ کے بعد اسلام کا غلبہ ہو گیا اور مخالفین خود بخود شرک و کفر ترک کر کے دین اسلام قبول کرتے گئے۔

اس سلسلے میں بہت سے واقعات تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک ہاشمی بزرگ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، یہ قبل الاسلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے اور اسلام و اہل اسلام کے ساتھ کمال عداوت رکھتے تھے اور قادر الکلام شاعر ہونے کی وجہ سے اپنی شاعری میں دین اسلام کی ہجو اور مذمت کرتے تھے۔ جبکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں دفاع کرتے ہوئے ان کے اشعار کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان بن حارث مذکور کے ترجمہ میں علمائے تراجم نے یہ امور تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

البدایہ والنہایہ لابن کثیر میں ہے کہ:

((وکان ابوسفیان بن الحارث) قبل ذالك من اشد الناس علی رسول الله

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱، ج ۸، تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سنہ ۶۰ھ

ﷺ وعلى دينه وعلى من تبعه وكان شاعرا مطيقا يهجو الاسلام واهله، وهو الذى رد عليه حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ قوله۔ ولما جاء هو وعبدالله بن ابى امية يسلما لم يأذن لهما عليه السلام حتى شفعت ام سلمة فأذن له......الخ))[1]

''حاصل یہ ہے کہ قبل الاسلام تو ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کی مخالفت انتہا درجے کی پائی جاتی تھی اور وہ جب اسلام لانے کے لیے فتح مکہ کے موقع پر آنجناب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ایک دوسرا ساتھی بھی تھا، تو آنجناب ﷺ نے ان کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں دی مگر بعد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے ان کا یہ مسئلہ حل ہوا اور اس وقت ابوسفیان بن حارث مذکور کو پریشان کن حالت کے بعد یہ حاضری نصیب ہوئی تھی۔ آخر کار جناب نبی کریم ﷺ نے شفقت فرمائی تو خدمت اقدس میں یہ حاضر ہوئے اور آنجناب ﷺ نے ان کا اسلام قبول فرمالیا۔ اس کے بعد اسلام کی انھوں نے جو بہترین خدمات سرانجام دیں وہ اہل علم پر واضح ہیں۔''

مختصر یہ ہے کہ یہ دونوں ابوسفیان ہمنام بزرگ ہیں، ایک ہاشمی ہیں ایک بنو امیہ سے ہیں، دونوں کا قبل الاسلام ایک جیسا کردار پایا جاتا ہے دونوں پیغمبر اسلام (ﷺ) کے شدید ترین معاند و معارض تھے۔ جب ان کی تقدیر کا رخ بدلا ہے تو دونوں میں عداوت کی جگہ محبت آ گئی، دشمنی دوستی سے تبدیل ہو گئی، سردار دو عالم ﷺ کے غلام بن گئے اور دین و اسلام کے مخلص خدام میں شمار ہوئے (جیسا کہ واقعات اس پر شاہد عادل ہیں)

نہایت افسوس ہے کہ اب بنو امیہ کے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو تو ہدف ملامت قرار دیا جاتا ہے اور ہاشمی ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) پر کوئی طعن و نقد نہیں کیا جاتا۔ کیا علمی دیانت یہی ہے؟

ناظرین کرام! یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے بلکہ یہ قبائلی تعصب ہے اور خاندانی عصبیت ہے۔ کیا کتاب و سنت کے فرمودات ان حضرات کو فراموش ہو گئے ہیں؟

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ...... الخ

المسلم اخوا المسلم لا يظلمه ولا يخذله......الخ

وكونوا عباد الله اخوانا الخ وغیرہ وغیرہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۳ ج ۷ تحت ابی سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ (ابن جزری) اور الاصابہ (ابن حجر) میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ تحت ابی سفیان بن حارث ہذا

سطور بالا میں اختصاراً چند چیزیں بطور موازنہ کے ذکر کر دی ہیں۔ اہل انصاف حق بات کو قبول فرمائیں گے البتہ زیغ عن الحق اور تعصب قبائلی کا کوئی علاج نہیں۔

مادری نسب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔[1]

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی کچھ حالات ہم نے اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں ذکر کر دیے ہیں۔ تفصیلات کے لیے وہاں رجوع فرمائیں۔

لیکن چند ایک چیزیں یہاں ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ یہ بعد میں دستیاب ہوئیں اور قبل ازیں درج نہیں ہو سکیں۔

یہ ظاہر بات ہے کہ قبول اسلام سے قبل ہند بنت عتبہ اہل اسلام کے ساتھ انتہائی عناد اور مخالفت کیا کرتی تھیں۔ اس پر بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ لیکن جب ان کے خاوند حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور میاں بیوی کی قسمت کا رخ بدلا تو ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ایک رات بعد فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئیں اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا اسلام منظور فرما لیا۔

اس موقع پر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا دین اسلام پر نہایت مستقیم ہو گئیں اور ان کا اسلام نہایت پختہ تھا اور صادق الایمان والیقین تھیں۔

چنانچہ امام نووی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کے حسن اسلام کی تائید بالفاظ ذیل تحریر کی ہے:

((ان هنداً اسلمت يوم الفتح وحسن اسلامها هى ام معاوية بن ابى سفيان اسلمت فى الفتح بعد اسلام زوجها ابى سفيان بليلة وحسن اسلامها رضی اللہ عنہا)) [2]

اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان الفصل الاول کے آخر میں لکھا ہے کہ:

((ولما اسلمت كانت على غاية من التثبت واليقظة فانها اثر البيعة الخ))

''یعنی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے جب دین قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئیں تو دین و اسلام پر نہایت پختہ

---

[1] نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۵، تحت ولد ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ
جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱، تحت ولد حرب بن امیہ۔
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۹، ج ۴ تحت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا۔

[2] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۳۵۷ ج ۲ تحت حرف الہا (ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا)
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۷ تحت سنہ ۱۴ھ طبع اول مصر
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۳۸۵ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تھیں اور یقین و استقلال کے ساتھ قائم تھیں۔ یہ چیز بیعت نبوی کے اثرات و برکات میں سے تھی۔"

چند ایک اہم واقعات

پہلا واقعہ: محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا مندرجہ ذیل واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی والدہ ہند سے سنا، وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے ہوئے بیان کرتی تھیں کہ جنگ احد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بزرگوار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ (اپنے غیظ و غضب کی حالت میں) میں نے مثلہ کا معاملہ کیا تھا۔

جب قبیلہ قریش احد سے واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آئی۔ اس کے بعد میں نے ایک خواب تین شب لگاتار دیکھا:

① (خواب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ) ایک رات خواب میں دیکھتی ہوں کہ میں ایک ایسے اندھیرے میں ہوں کہ پہاڑ، زمین کچھ دکھائی نہیں دیتا، ہر طرف ظلمت ہی ظلمت ہے۔ پھر ایک روشنی نمودار ہوئی جس کی بدولت تمام اندھیرا دور ہو گیا۔ میں دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکار رہے ہیں اور دعوت دے رہے ہیں۔

② پھر دوسری شب خواب میں دیکھتی ہوں کہ گویا میں ایک راستہ پر کھڑی ہوں۔ میرے دائیں جانب ہبل (بت) موجود ہے وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہے اور میرے بائیں طرف یساف (بت) موجود ہے وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہے، اس کشمکش کی حالت میں تھی کہ ناگہاں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ اس طرف آؤ۔

③ پھر تیسری شب خواب دیکھتی ہوں کہ میں دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہوں۔ ڈالنے والے مجھے دوزخ میں ڈالنا چاہتے ہیں ناگہاں ہبل (بت) مجھے کہتا ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ اس حالت میں میں نے توجہ کی تو میری پشت کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ آنجناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرے ثیاب (کپڑوں) کو پکڑا اور اس طرح میں دوزخ کے کنارہ سے دور ہو گئی۔

ان مسلسل خوابوں کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گئی اور میں نے کہا کہ قدرت کی طرف سے میرے لیے یہ راستہ واضح کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں اپنے صنم (بت) کی طرف اٹھی (یہ ہمارے گھروں میں موجود تھا) اور اس کو توڑنے لگی اور میں اسے کہتی تھی کہ ایک مدت دراز سے ہم تیری وجہ سے فریب خوردہ تھے۔ آپ کہتی ہیں کہ میں اس کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئی اور شرف بیعت سے سرفراز ہوئی۔

((عن عمر بن عبدالعزیز قال سمعت سلمی مولاۃ مروان بن الحکم تقول حدثنی مروان بن الحکم یقول سمعت معاویۃ بن ابی سفیان یقول سمعت امی ھند بنت عتبۃ تقول وھی تذکر رسول اللہ ﷺ تقول فعلت یوم احد ما فعلت من المثلۃ بعمہ واصحابہ کلما سارت قریش مسیرا فانا معھا بنفسی حتی رایت فی النوم ثلاث لیال رایت کانی فی ظلمۃ لا ابصر سھلا ولا جبلا واری ان تلک الظلمۃ انفرجت عنی بضوء مکانہ فاذا رسول اللہ ﷺ یدعونی۔ ثم رایت فی اللیلہ الثانیۃ کانی علی طریق واذا بھبل عن یمینی یدعونی واذا یساف یدعونی عن یساری واذا رسول اللہ ﷺ بین یدی قال علیہ السلام ھلمی الی الطریق ثم رایت اللیلہ الثالثۃ کانی واقف علی شفیر جھنم یریدون ان یدفعونی فیھا واذا بھبل یقول ادخلی فیھا فالتفت فاذا رسول اللہ ﷺ من ورائی آخذاً بثیابی فتباعدت عن شفیر جھنم وفزعت فقلت ھذا شیء قد بین لی فغدوت الی صنم فی بیتنا فجعلت اضربہ واقول طالما کنت منک فی غرور واتیت رسول اللہ ﷺ فاسلمت و بایعت))[1]

صنم ہذا کی بت شکنی کا واقعہ ہمارے کتابچہ مذکورہ پر بھی درج ہے لیکن اس کے پس منظر کی تفصیلات وہاں ذکر نہیں ہوسکیں، وہ اس روایت کے ذریعے سے مکمل ہوتی ہیں۔

دوسرا واقعہ: ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مفصل تاریخ دمشق میں ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد کا ایک اور واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ:

ابوحصین ہذلی ذکر کرتے ہیں کہ جب ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں تو انھوں نے جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں چمڑے کا ایک مشکیزہ اور بکری کے بھنے ہوئے دو چھوٹے بچے اپنی ایک خادمہ کے ذریعے سے بطور ہدیہ کے ارسال کیے۔ اس وقت آنجناب ﷺ وادی ابطح میں فروکش تھے۔ جب خادمہ آنجناب ﷺ کے خیمہ کے قریب پہنچی تو سلام عرض کیا اور خیمہ کے اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اس وقت جناب نبی اقدس ﷺ اپنی ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر ہاشمی خواتین کے درمیان تشریف فرما تھے۔

---

[1] مسند عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۳، طبع قدیم ملتان ۱۳۴۰ھ
تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء ص ۴۴۸-۴۴۹ تحت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ طبع دمشق

خادمہ نے آ کر عرض کیا کہ میری مالکہ ہند بنت عتبہ نے یہ ہدیہ جناب کی خدمت میں ارسال کیا ہے اور ساتھ ہی وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعتذار کرتے ہوئے عرض کرتی ہیں کہ ہماری بکریوں نے ان ایام میں قلیل سے بچے جنے ہیں، سردست یہ ہدیہ حاضر خدمت ہے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تمھاری بکریوں کے اندر برکت عطا فرمائے اور ان کی اولاد میں اضافہ فرمائے۔ اس کے بعد وہ خادمہ اپنی مالکہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئی اور ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ کلمات برکت کے ساتھ دعا فرمانے کی خبر دی، تو ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ان دعائیہ کلمات سے نہایت خوش ہوئیں اور ان کی خادمہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہماری بکریوں اور ان کی اولاد میں ایسی کثرت اور زیادتی پائی گئی جو اس سے قبل ہم نے نہیں دیکھی تھی ہند رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا و برکت کا نتیجہ ہے اور فرماتیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت فرمائی اور پھر ہند رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دھوپ میں کھڑی ہوں اور ایک سایہ میرے قریب ہے لیکن میں اس کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں اس حالت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب تشریف لائے اور تب میں سایہ میں داخل ہو سکی (یعنی کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ پہنچی)۔ یہ تمام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی برکات کا اثر تھا میں از خود یہ سعادت حاصل نہ کر سکتی تھی۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن ابی حصین الھذلی قال لما اسلمت ھند بنت عتبۃ ارسلت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھدیۃ وھو بالابطح مع مولاۃ لھا بجدیین مرضوفین وقد فانتھت الجاریۃ الی خیمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلمت واستاذنت فاذن لھا۔ فد خلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو بین نسائہ ام سلمۃ زوجتہ ومیمونۃ و نساء من نساء بنی عبدالمطلب فقالت ان مولاتی ارسلت الیک بھذا الھدیۃ وھی معتذرۃ الیک وتقول: ان غنمنا الیوم قلیلۃ الوالدۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارك اللہ لکم فی غنمکم واکثر والدتھا۔ فرجعت المولاۃ الی ھند فاخبرتھا بدعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسرت بذالك وکانت المولاۃ تقول: لقد راٗینا من کثرۃ غنمنا و والدتھا ما لم نکن نری قبل ولا قریب فتقول ھند ھذا دعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبرکتہ، فالحمد للہ الذی ھدانا للاسلام ثم تقول کنت اری فی النوم انی فی الشمس ابدا قائمۃ والظل منی قریب لا اقدر فلما دنا

رسول الله ﷺ منا رأيت كاني دخلت الظل))[1]

مطلب یہ ہے کہ میں کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ پہنچی۔ یہ تمام آنجناب ﷺ کے وجود مسعود کی برکات طیبہ کا اثر تھا جو اس طریقہ سے ظاہر ہوا۔

ان ہر دو واقعات کی پوری طویل عبارت ہم نے اصل ماخذ سے علمائے کرام کی تسلی کے لیے نقل کر دی ہے امید ہے باعث اطمینان ہوگی اور مزید چیزیں استنباط کرنے میں بھی یہ روایت مفید ہوگی۔

تنبیہ...... مخالفین صحابہ کی طرف سے لعنت کا وظیفہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے واقعات اور پھر ان کی اسلام پر پختگی کی چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی ہیں۔ اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیانؓ اور ان کی اہلیہ'' میں حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے احوال کچھ تفصیل سے ہم نے تحریر کیے ہیں جن سے نبی اقدس ﷺ سے ان کی عقیدت کا تعلق، دینی حیثیت اور اسلامی خدمات واضح ہوتی ہیں۔

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام کی خواتین میں ایک بلند پایہ، دین دار اور اعلیٰ کردار کی مالک خاتون تھیں اسلام لانے کے بعد اسلام کی خدمت اور حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہیں اور دین پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

یہ چیز حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اعلیٰ مناقب میں سے ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ بیعت کرنے والی ان خواتین میں یہ داخل ہیں جن کے حق میں فرمان خداوندی ہے:

فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ (ممتحنة)

''یعنی جناب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ان خواتین سے بیعت لیجیے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجیے۔ (یعنی جب یہ خواتین مذکورہ شش شرائط تمام کریں)۔''

مسئلہ بیعت کو مورخین نے بہ عبارت ذیل درج کیا ہے اور جہاں مبایعات کی طویل فہرست دی ہے وہاں لکھا ہے کہ:

((وهند بنت عتبة بن ربيعة بايعت يوم الفتح))[2]

''یعنی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے روز نبی کریم ﷺ سے بیعت کی اور اس نعمت سے شرف اندوز ہوئیں۔''

---

۱ تاریخ دمشق (ابن عساکر) ص ۴۵۶-۴۵۷ جلد تراجم النساء تحت ہند بنت عتبہ، طبع دمشق

۲ کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص ۴۰۸ تحت اسماء النسوۃ المبایعات۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام قبول کر لینے کے بعد دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مذکورہ عز و شرف سے سرفراز ہوئیں اور اپنے پیغمبر کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حصول بیعت کے بعد مغفرت کی دعائیں حاصل کیں۔

لیکن بعض لوگوں کو ان کے ساتھ قلبی عداوت اور ازلی عناد ہے اس بنا پر حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کو مذموم خطابات اور برے عنوانات سے یاد کرتے ہیں کہ یہ جگر خوار تھی۔ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ یہ چیزیں قبل از اسلام کی تھیں اور بعد از اسلام یہ سب معاف ہوگئیں اور اسلام لانے کے بعد شرف وعزت کے متعدد امور سے متمتع ہوئیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔

نیز مخالفین صحابہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے ''ائمہ کرام'' نے دن میں پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے بعد ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت برسانے کی تعلیم وتلقین کر رکھی ہے۔

حالانکہ ائمہ عظام رحمہم اللہ کتاب وسنت کی تعلیم کرنے والے تھے اور دین کی تعلیم یہ ہے کہ شخصی لعنت منع ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ اسے ذکر کر رہے ہیں۔ پھر وہ کس طرح اس قسم کے فرمان جاری کرتے تھے؟ یہ سب ان بزرگوں پر افترا ہے۔

تاہم مخالفین کی معتبر روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے جس میں یہ حکم مذکور ہے۔

ملا باقر مجلسی اپنی مشہور تالیف عین الحیوۃ میں لکھتے ہیں:

''بسند معتبر منقول است کہ حضرت امام جعفر صادق از جائے نماز خود بر نمی خواستند تا چہار ملعون و چار ملعونہ را لعنت نمی کردند پس باید کہ بعد از ہر نماز بگوید:

اللهم العن ابابكر و عمر و عثمان و معاوية و عائشة و حفصة و هند و ام الحكم۔[1]

''اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نمازی ہر پانچ وقت میں نماز کے بعد یہ الفاظ کہے کہ اے اللہ! (ان چار مردوں) پر لعنت فرما اور ان (چار خواتین) عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم پر لعنت فرما۔''
(استغفر اللہ ربی انا للہ وانا الیہ راجعون)

واضح ہو کہ مردوں میں حضرات خلفائے ثلاثہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ اور چار خواتین میں سے پہلی دو خواتین حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما امہات المومنین ہیں تیسری خاتون حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ہیں اور چوتھی خاتون ام الحکم رضی اللہ عنہا

---

[1] عین الحیٰوۃ تالیف ملا باقر مجلسی شیعی ص ۶۶۹ طبع تہران، تحت عنوان اذکار وادعیہ کہ در عقب ہر نماز باید خواندہ شود (فصل دوم)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) ہیں۔

یہ تشریح ہم نے عام دوستوں کے لیے لکھ دی ہے ورنہ اہل علم حضرات اس مفہوم سے اچھی طرح واقف ہیں۔

یہ ان لوگوں کا ورد اور وظیفہ ہے جو یہ پنج گانہ نماز کے بعد ادا کرتے ہیں۔ اس وظیفہ کے بغیر ان کی نماز تمام نہیں ہوتی۔

مندرجات بالا سے ناظرین کرام اندازہ فرما سکتے ہیں کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، امہات المومنین اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن اور اس دور کی اسلام کی معزز خواتین کے ساتھ مخالفین صحابہ کا کیا رویہ رہا ہے اور ان کے دل میں ان کے خلاف کس قدر بغض و عناد بھرا ہوا ہے۔ ان کے حق میں بدگوئی کرنا ان کے معمولات دین اور پنج وقتی اوراد و وظائف میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشیں اور اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے ساتھ حسن ظن کی توفیق عنایت فرمائیں جو آخرت کی نجات میں مفید ہوگا اور بدگوئی و بدگمانی سے دور رکھیں جو قیامت میں موجب خسران ہوگی۔

دعوت غور و فکر

ماقبل میں ناظرین کرام نے مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کار اور شخصی لعن طعن کا طرز عمل ملاحظہ فرمایا۔ اب اس مسئلہ میں ان حضرات کی معتبر کتب سے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ امام موصوف نے شخصی لعنت کے مورد و محل کا مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟

ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیدی قمی کی تصنیف قرب الاسناد میں ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

((ثم قال ابی (ابو عبدالله) ان اللعنة اذا خرجت من صاحبها ترددت بينها وبين الذی يلعن فان وجدت مساغا والاعادت الى صاحبها وكان احق بها فاحذروا ان تلعنوا مؤمنا فيحل بكم))[1]

"مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعنت جب لعنت بھیجنے والے سے صادر ہوتی ہے تو وہ اپنے (محل لعنت) اور لعنت کنندہ کے درمیان تردد کرتی ہے اگر محل لعنت ٹھیک اور جائز ہو تو اس پر پڑتی ہے ورنہ وہ لعنت کنندہ کی طرف عود کرتی ہے اور وہی اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ پس اے لوگو! کسی مومن شخص پر لعنت کرنے سے اجتناب کرو ورنہ وہ لعنت تم پر اترے گی۔"

شخصی لعنت کے متعلق امام صاحب کی یہ تعلیم ہے جو من وعن پیش کر دی ہے۔

① نیز ابو الائمہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نہج البلاغہ میں مروی ہے کہ جب انھوں نے بعض لوگوں کو اہل شام پر سب و شتم کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

---

[1] قرب الاسناد ص ۷ تحت مسئلہ ہذا طبع مکتبہ نینوی، الحدیثہ، تہران۔

((انی اکرہ لکم ان تکونوا سبّا بین...... الخ))[۱]

"یعنی میں تمھارے حق میں سباب (سب وشتم اور لعن طعن کرنے والا) ہونے کو مکروہ جانتا اور ناپسند کرتا ہوں۔"

۲ اسی طرح دیگر مقام پر بھی لعن کرنے والوں کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

((کرھت لکم ان تکونوا شتامین لعانین))[۲]

"یعنی میں تمھارے لیے سب وشتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں۔"

مختصر یہ ہے کہ ناظرین کرام کے سامنے ہم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے فرمودات اور ہدایات ان کی اونچے درجے کی معتبر کتابوں سے پیش کر دیے ہیں اور گیارھویں صدی کے ان کے علماء ملا باقر مجلسی وغیرہ کے اقوال بھی ذکر کر دیے ہیں۔

اب قارئین کرام نتائج قائم کر کے خود ہی فیصلہ فرماویں کہ کون سی بات صحیح ہے؟ اور کونسا طریقہ کار درست ہے؟

ولادت

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سن ولادت کے متعلق ایک چیز تو اہل سیرت نے یہ ذکر کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت کے چونتیس سال بعد سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔ اور سید الکونین جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مشہور اقوال کے اعتبار سے عام الفیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

((وفی سنة اربع وثلاثین من مولده صلی اللہ علیہ وسلم ولد معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ))[۳]

اور اس مسئلہ میں دیگر اقوال اس فن کے علمائے کرام نے اس طرح درج کیے ہیں کہ

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس قبل حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ سات سال بعثت سے پہلے ولادت ہوئی اور نیز تیرہ برس قبل از بعثت کا قول بھی پایا جاتا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول (یعنی بعثت نبوت سے پانچ برس پہلے ولادت ہونا) زیادہ مشہور ہے۔

((ولد قبل البعثة بخمس سنین وقیل بسبع وقیل بثلاث عشرة والاول اشهر))[۴]

ہم نے یہاں تخمیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت کا سن تحریر کیا ہے، صحیح طور پر سال، مہینہ اور تاریخ

---

۱ نہج البلاغہ ص ۴۲۰، ج ۱، تحت من کلام لہ علیہ السلام قد سمع قوم من اصحابہ یسبون اہل الشام۔

۲ اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۵ طبع قاہرہ مصر تحت وقعۃ الصفین۔

۳ سیرۃ حلبیہ ص ۴۰۵ ج ۳ تحت بیان ما وقع من الحوادث من عام ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم الی زمن وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

۴ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (مع الاستیعاب)

پیدائش کا تعین مشکل ہے۔

نسبی تعلقات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاندانی تعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر خاندان بنی ہاشم کے ساتھ بہت قریبی پایا جاتا ہے اور ان دونوں خاندانوں کے نسبی روابط انساب اور تاریخ کی کتابوں میں بڑے مفصل مذکور ہیں۔

دونوں قبیلوں کے نسبی تعلقات ذکر کرنے سے ان کا آپس میں ارتباط ظاہر کرنا مقصود ہے تاکہ ان دونوں قبائل کا آپس میں قرب واضح ہو جائے۔

اوّل: اس سلسلے میں پہلا رشتہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) اور ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کی دختر ہیں۔

آپ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم ہونے کی وجہ سے ام المومنین کے لقب سے مشرف ہیں اور اسی رشتہ کی بدولت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''برادر نسبتی'' ہونے کا شرف حاصل ہے، اور رشتہ ہذا بے شمار نعمتوں اور برکات کا سرچشمہ ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہے اور یہ حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھائی حنظلہ بن ابی سفیان جنگ بدر میں قریش مکہ کی حمایت میں قتل ہو گیا تھا۔ یہ اسلام نہیں لایا تھا۔

جاہلیت کے دور میں جناب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سابق زوج عبیداللہ بن جحش بن رئاب الاسدی تھا جو ارض حبشہ میں فوت ہو گیا تھا۔ اس زوج سے ان کی ایک لڑکی حبیبہ بنت عبیداللہ پیدا ہوئی جس کے نام سے آپ کی کنیت ام حبیبہ مشہور ہوئی۔[1]

دوم: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور تعلق علمائے انساب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ہم زلف'' تھے۔

---

[1] مندرجہ بالا تمام چیزوں کی تصدیق کے لیے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

نسب قریش (مصعب زبیری) ص۱۲۳-۱۲۴، تحت ولد ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ۔

طبقات ابن سعد ص ۶۸ ج ۸ تحت رملہ بنت ابی سفیان ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔

جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص۱۱۱ تحت ولد حرب بن امیہ

تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) ص۷۰-۷۲ ج تراجم النساء، تحت رملہ بنت ابی سفیان، طبع دمشق۔

کتاب المراسیل (ابن ابی داود) ص۲۴-۲۵، باب النظر عند التزویج، طبع مصر

تاریخ یعقوبی شیعی ص۸۴ ج ۲ تحت ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن مسمات قریبہ صغریٰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اوران سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

((وسالفه من قبل ام سلمة معاوية بن ابی سفيان بن حرب بن اميه كانت عنده قريبة الصغرىٰ بنت اميه بن المغيرة اخت ام سلمة لابيها لم تلد له)) [1]

سوم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ (ہند بنت ابی سفیان بن حرب) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی کے فرزند حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں اور اس سے اولاد بھی ہوئی، ان کے ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔

((هند بنت ابی سفيان بن حرب بن اميه الاموية اخت معاوية كانت زوج الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم فولدت له ابنه محمدا)) [2]

چہارم: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند علی اکبر بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ (جو شہید کربلا ہیں) ان کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ کی ماں میمونہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

یہ میمونہ بنت ابی سفیان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خوشدامن ہیں، اور علی اکبر بن حسین رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ علی بن حسین کی والدہ لیلیٰ بنت مرہ کے سگے ماموں ہیں کیونکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی یعنی (خواہرزادی) تھی۔

((ولد الحسين بن علی بن ابی طالب عليا اكبر قتل بالطف مع ابيه وامه ليلى بنت ابی مرة بن عروة بن مسعود الثقفی وامها ميمونة بنت ابی سفيان بن حرب بن امية)) [3]

---

[1] کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۱۰۲، طبع حیدرآباد دکن۔

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۸-۵۹ ج ۳ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل ...... الخ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۹، ج ۴ تحت ہند بنت ابی سفیان بن حرب
تہذیب التہذیب ص ۱۸۱ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث
طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل (طبع لیڈن)

[3] نسب قریش ص ۵۷ تحت ولد حسین بن علی بن ابی طالب
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۵۵ ج ۱ تحت ۶۱ ھ مقتل حسین واصحابہ
مقاتل الطالبین (ابوالفرج اصفہانی شیعی) ص ۵۴ ج ۱ باب ذکر خبر الحسین بن علی ومقتلہ ...... الخ

نوٹ: یہ رشتے شیعہ سنی سب علماء کے نزدیک مسلم ہیں۔
پنجم: حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پوتی لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نکاح میں تھی۔

((وتزوجت لبابة بنت عبيدالله بن عباس بن عبدالمطلب العباس بن على بن ابى طالب، ثم خلف عليها الوليد بن عتبة بن ابى سفيان))[1]

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان یہ چند ایک نسبی تعلقات اور رشتہ داریاں بطور نمونہ ذکر کی ہیں ورنہ اس کے علاوہ بھی متعدد نسبی روابط انساب کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ اس فن کے علماء پر مخفی نہیں۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ خاندان امیر معاویہ خاندان بنو ہاشم کے قریب تر ہے اور یہ کوئی غیر قبیلہ نہیں بلکہ سب اولاد عبد مناف ہیں۔

نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ان ہر دو خانوادوں میں قبائلی عصبیت اور نسلی تعصب نہیں تھا اسلام لانے کے بعد دیرینہ عداوتیں اور دھڑے بندیاں ختم ہو چکی تھیں۔

جو لوگ ان دونوں قبیلوں کے درمیان قبل از اسلام والی عداوت اور عناد کو بعد از اسلام بھی قائم اور ثابت رکھنا چاہتے ہیں اور دن رات اسے پھر سے قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ قبائلی تعصب کا پرچار کرتے ہیں اور یہ درست نہیں حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور یہ رشتہ داریاں اس تخیل کے غلط ہونے پر بطور واقعات کے شاہد عادل ہیں۔

اسلام نے ان قبائل کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا تھا اور انھیں جاہلی تعصّبات سے دور کر دیا تھا اور دینی روابط ان پر غالب آ گئے تھے۔

قبول اسلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف اسلام سے مشرف ہونے کے متعلق متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔
بعض مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں عمرۃ القضا سے قبل اسلام قبول کر چکا تھا لیکن اپنی والدہ (ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا) کے خوف

← منتخب التواریخ (محمد ہاشم خراسانی شیعی) ص ۲۷۱ مقصد سوم امر چہارم باب پنجم طبع جدید تہران۔
منتہی الامال (شیخ عباس قمی شیعی) ص ۳۶۳ ج ا تحت تذکرہ ازواج حسین بن علی رضی اللہ عنہما
[1] کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص ۴۴۱
کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان
کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۲ تحت اولاد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
حواشی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ شیعی) ص ۴۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت نہ کی کیونکہ وہ مجھے کہتی تھیں کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا نفقہ بند کر دیں گے اور تیرے ساتھ کوئی تعاون نہیں کریں گے۔

((وحکی ابن سعد انه کان یقول لقد اسلمت قبل عمرة القضية ولکنی کنت اخاف ان اخرج الی المدینة لان امی کانت تقول ان خرجت قطعنا عنك القوت))[1]

اور بعض حضرات نے ان کا اسلام لانا فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد عمرۃ القضا میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کیا مگر اسے بوجہ خوف اپنے والدین سے مخفی رکھا یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ سب کے سامنے قبول اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ عمرۃ القضاء ۷ھ میں پیش آیا تھا۔

پس اس مسئلہ میں بہ نسبت عام مورخین کے اقوال کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا زیادہ قرین قیاس ہے۔

مورخین کے ایک اندازے کے مطابق اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر کم وبیش اٹھارہ برس کی ہوگی۔

① چنانچہ مصعب زبیری رحمہ اللہ نے نسب قریش میں لکھا ہے کہ:

((ومعاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کان یقول اسلمت عام العمرة القضية ولقیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ووضعت اسلامی عنده وقبل منی))[2]

② اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اسی مسئلہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے

((اسلم وهو ابن ثمانی عشرة سنة وکان یقول اسلمت عام القضية ولقیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فوضعت عنده اسلامی))[3]

③ اسی طرح صاحب اسد الغابہ نے تحریر کیا ہے کہ:

((وکان معاوية رضی اللہ عنہ یقول انه اسلم عام القضية وانه لقی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مسلما و کتم اسلامه من ابیه وامه...... الخ))[4]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (مع الاستیعاب)

[2] نسب قریش ص ۱۲۴ تحت اولاد ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ۔

[3] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۷ ج ۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[4] اسد الغابہ، ص ۳۸۵ ج ۴ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④((فھوفی عمرۃ القضیة المتاخرۃ عن الحدیبیة الواقعة سنة سبع قبل فتح مکة بسنة کان مسلما...... الخ))[1]

⑤ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ثم لما دخل عام الفتح اظھرت اسلامی فجئته فرحب بی))[2]

''یعنی جب فتح مکہ ہوئی تو میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ازراہ کرم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرحبا کہا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق اکابر علماء کی یہ چند عبارات بلفظہٖ نقل کر دی ہیں۔ اس مسئلہ کو دیگر مورخین نے اپنی تصانیف کے مندرجہ ذیل مقامات میں نقل کیا ہے مزید تسلی کے لیے ان کی طرف رجوع فرمائیں، یہاں صرف حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں:

① تاریخ مدینہ دمشق، (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص۶۷۲ ج ۱۶، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

② کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ۱ تحت ۶۰ھ

③ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۸ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

④ تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۲ جلد ج ۲ ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

⑤ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۱، ۱۱۷ ج ۸ تحت فضل معاویہ۔

دور نبوت میں غزوات میں شرکت اور حصول غنائم

فتح مکہ رمضان شریف ۸ھ میں ہوئی اس کے بعد ابتدائے شوال میں غزوہ حنین اور غزوہ طائف پیش آئے یہ دونوں غزوات اسلام کے اہم معرکے تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت اور آنجناب کی زیر قیادت بقول بعض مورخین قریباً بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان غزوات میں شریک ہوئے۔ چنانچہ بنی ثقیف اور بنی ہوازن کے خلاف حنین کے مقام پر شدید قتال پیش آیا۔

اس غزوہ میں جہاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی جذبات کے تحت شریک ہو کر حصہ لیا اور اسلامی اقتدار کی سربلندی کے لیے جہاد و قتال کی مساعی کیں اور آنجناب کی اطاعت و رفاقت میں عنایات کریمانہ سے مستفید ہوئے۔

---

[1] تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۷ ابتداء الفصل الاول مع الصواعق المحرقہ

[2] البدایہ (ابن کثیر) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۱۷ ج ۸۔

طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۷ قسم ثانی طبع لیڈن تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

اس مقام کی تفصیلات تو احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں لیکن صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے متعلقہ چند ایک چیزیں یہاں اجمالاً ذکر کی جاتی ہیں۔ واقعات کی تفصیل ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں۔

① ان غزوات میں بعض دفعہ فریق مقابل (بنی ثقیف) کے ساتھ کلام کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت اہل اسلام کی طرف سے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے پیش قدمی کی اور ان کو آواز دے کر امان کی صورت میں گفتگو کی۔ اس چیز کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((وتقدم ابو سفيان بن حرب والمغيرة بن شعبة رضي الله عنهما فناديا ثقيفا بالامان حتى يكلموهم فامنوهم))[1]

② اسی طرح جب غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی اور انھیں بہت سے غنائم حاصل ہوئے اور مخالفین کے چھ ہزار کے قریب افراد کو قیدی بنا لیا گیا۔ تو ان قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کی اشد ضرورت تھی، سو اس منصب کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو ان کے معاملے کا والی مقرر فرمایا گیا اور امین قرار دیا (جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی لیاقت اور صلاحیت اور ان پر دینی اعتماد کی بین دلیل ہے)

((وفى كلام السهيلى وكان سبى حنين ستة الاف رأس قد ولى صلى الله عليه وسلم ابا سفيان بن حرب رضي الله عنه امرهم وجعله امينا عليهم هذا كلامه اى و لعل هذا بعد رجوعه صلى الله عليه وسلم من الطائف لان ابا سفيان رضي الله عنه كان معه صلى الله عليه وسلم بالطائف كما سياتى))[2]

③ غزوہ طائف کے موقع پر کفار کے ساتھ جب اہل اسلام کا مقابلہ ہوا تو ان کی طرف سے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی کی گئی اور بہت سے مسلمان تیروں سے مجروح ہوئے۔ ان مجروحین میں جناب ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی آنکھ میں آ کر ایک تیر پیوست ہوا تو آنکھ اپنے مقام سے الگ ہو کر باہر آ گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسی چشم کو ہاتھ میں لیے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

((فقال يا رسول الله هذا عينى اصيبت فى سبيل الله فقال النبى صلى الله عليه وسلم ان شئت دعوت فردت عينك وان شئت فالجنة وفى لفظ فعين فى الجنة قال فالجنة ورمى بها من يده اى وقدمت عينه الثانية فى القتال يوم اليرموك عند

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۴۸ ج ۴ تحت غزوۃ الطائف

[2] سیرۃ حلبیہ ص ۱۳۱ ج ۳ تحت غزوۃ الطائف

مقاتلة الروم))[1]

''یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گئی ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور آپ کو آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ اس کے عوض میں جنت چاہتے ہیں (تو اس کو رہنے دیجیے) پس ملے گی، تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسے پھینک دیا اور کہا کہ مجھے جنت مطلوب ہے۔ اور ان کی دوسری آنکھ یوم یرموک میں روم کے خلاف مقاتلہ میں فی سبیل اللہ ختم ہوئی۔''

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دونوں چشموں (آنکھوں) کی قربانی دینے کو ہم نے قبل ازیں کتابچہ (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ) میں تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

④ ان غزوات میں اللہ تعالیٰ نے خاص نصرت فرماتے ہوئے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی اور اسلام کے قاعدہ کے مطابق سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم کو جہاد میں شامل حضرات میں تقسیم فرمایا۔ اس موقع پر بعض افراد اور اشخاص کو عام قاعدہ سے کچھ زائد حصہ خصوصی رعایت سے دیا اور ان کی مالی اعانت فرمائی۔

اس مقام پر خصوصی رعایت کو اہل علم حضرات ''تالیف قلب'' سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وقتی مصالح میں سے ایک تدبیر اور مصلحت تھی جس کے تحت بعض حضرات کو یہ مالی رعایت دی گئی تھی۔

اس مقام پر خصوصی رعایت پانے والوں کی ایک خاصی تعداد ہے جو اہل سیر نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہے۔ ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قابل ذکر افراد ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق چند حوالہ جات ہم یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں تا کہ ناظرین کرام اصل عبارت میں اس چیز کو ملاحظہ فرمالیں۔ عبارت کے بعد ان کا مفہوم ذکر کیا جائے گا۔

① ((وشهد معه حنينا واعطاه مائة من الابل واربعين اوقية من ذهب وزنها بلال، وشهد اليمامة))[2]

② ((الذين اعطاهم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يومئذ مائة من الابل وهم ابوسفيان بن حرب، وابنه معاوية و حكيم بن حزام و الحارث بن كلدة اخوبنى عبدالدار ...... الخ))[3]

③ ((فاعطى صلی اللہ علیہ وسلم للمولفة اى من اسلم من اهل مكة فكان اولهم اباسفيان

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص۱۳۲، ج۳ تحت غزوۃ الطائف۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۱۷ ج۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سنہ ۶۰ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۳۶۰ ج۴ تحت غزوۃ الطائف

بن حرب رضی اللہ عنہ اعطاه اربعين اوقية ومائة من الابل وقال ابنى يزيد ويقال له يزيد الخير فاعطاه كذالك وقال ابنى معاوية فاعطاه كذالك فاخذ ابو سفيان رضی اللہ عنہ ثلث مائة من الابل ومائة وعشرين اوقيه من الفضة وقال بابى انت وامى يا رسول الله لانت كريم فى الحرب وفى السلم اى وفى لفظ لقد حاربتك فنعم المحارب كنت وقد سالمتك فنعم المسالم انت هذا غاية الكرم جزاك الله خيرا))[1]

① ''مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو اونٹ ان کو عنایت فرمائے چالیس اوقیہ بھی عنایت فرمایا۔ جس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وزن کر کے ان کو دیا تھا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنگ یمامہ میں بھی شریک جہاد ہوئے تھے۔''

② ''غزوۂ طائف اور غزوہ حنین کے بعد جن لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز سو سو شتر عنایت فرمایا تھا ان لوگوں میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے فرزند معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ عنہ (برادر زادہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) تھے اور حارث بن کلدہ اخو بنی عبدالدار وغیرہم تھے۔''

③ ''اہل مکہ میں سے جو اسلام لائے اور مولفۃ القلوب تھے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال عنایت فرمایا۔ ان لوگوں میں سے پہلے شخص حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عنایت فرمایا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ میرے بیٹے یزید کے لیے بھی عنایت فرمائیے جس کو یزید الخیر کہا جاتا ہے، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی اتنا ہی حصہ عنایت فرمایا اور پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے فرزند معاویہ کے لیے بھی عنایت فرمائیے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی اتنی ہی مقدار عنایت فرمائی۔ پس اس طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ وصول کیے۔

اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کو میں نے جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان پایا۔ اور بعض روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہتر جنگ کرنے والے پائے گئے اور آپ کے ساتھ صلح و مصالحت کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہترین صلح کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہ آپ کی نہایت درجہ کی عنایت اور غایت درجہ کی شفقت

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۱۳۷، ج ۳ تحت غزوۃ الطائف

ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔"

حاصل یہ ہے کہ یہ واقعات دور نبوی میں پیش آئے۔ مذکورہ حضرات قیادت نبوت کے تحت اسلامی مہمات میں شریک ہوئے۔ جہاں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی قربانیاں پیش کیں اور ثواب آخرت کے ساتھ مالی منافع سے بھی متمتع ہوئے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور برادر حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو بھی اخروی ثواب کے ساتھ مالی فوائد سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔

عہد نبوت میں مناصب

① اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اہل مکہ میں قبیلہ قریش کے صرف چند افراد نوشت وخواند جانتے تھے اور بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ قریش نے اس دور میں حرب بن امیہ سے تحریر کو سیکھا۔ حرب بن امیہ اپنے دور کا اہم خواندہ شخص شمار ہوتا تھا۔[1]

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسلام آیا تو قریش مکہ میں سترہ آدمی ایسے تھے جو تحریر اور نوشت وخواند کا فن جانتے تھے۔ ان افراد میں حضرت عمر بن خطاب، علی المرتضیٰ بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن جراح، طلحہ بن عبیداللہ، ابوسفیان صخر بن حرب، یزید بن ابی سفیان، اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

((دخل الاسلام وفی قریش سبعة عشر رجلا کلهم یکتب عمر بن خطاب وعلی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و ابو عبیدة بن الجراح و طلحة و یزید بن ابی سفیان و ابو سفیان بن حرب بن امیة و معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم ...... الخ))[2]

تاریخ کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، آپ کے برادر یزید رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس دور میں نوشت وخواند کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان کا شمار خواندہ حضرات میں ہوتا تھا۔

② اس مقام پر دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جہاں دیگر کاتب حضرات تھے وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے خاندانی وقار کے پیش نظر کتابت کے منصب سے سرفراز فرمایا گیا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں ان کا خاص مقام تھا۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیت وصداقت اور امانت کی دلیل ہے اور یہ ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں معتمد ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

---

[1] کتاب المصاحف (ابوبکر عبداللہ بن ابی داود سجستانی) ص ۵ تحت خطوط المصاحف

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۷۷ تحت امر الخط، طبع مصر۔

① محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے۔

② جب کبھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کرانے کی ضرورت پیش آتی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلوا کر تحریر کرایا کرتے تھے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو بلا کر لاؤ پس وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کی ضرورت ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ کبار علماء نے یہ تصریح بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت وحی کا فریضہ بھی دیگر کاتبین وحی کی معیت میں ادا کیا کرتے تھے۔

① ((وعن عبدالله بن عمرو ان معاوية كان يكتب بين يدى رسول الله ﷺ)) (رواه الطبرانی واسناده حسن)[1]

② جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ:

((فقال اذهب فادع لی معاوية قال و كان كاتبه فسعيت فاتيت معاوية فقلت اجب نبی الله ﷺ فانه علی حاجة))[2]

③ ((ثنا عفان ثنا ابوعوانة قال انا ابوحمزة قال سمعت ابن عباس رضی الله عنهما يقول كنت غلاما اسعى مع الصبيان قال فالتفت فاذا نبی الله ﷺ خلفی مقبلا فقلت ما جاء نبی الله ﷺ الا الی قال فسعيت حتی اختبئ وراء باب دارقال فلم اشعر حتی تناولنی قال فاخذ بقفای فحطانی حطاءة قال اذهب فادع لی معاوية و كان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبی الله ﷺ فانه علی حاجة))[3]

④ ((ان معاوية كان يكتب الوحی لرسول الله ﷺ مع غيره من كُتّاب الوحی رضی الله عنهم))[4]

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج ۱ تحت مسندات ابن عباس رضی اللہ عنہما

[3] مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج ۱ تحت مسندات ابن عباس رضی اللہ عنہما

[4] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((وكتب له معاوية بن ابى سفيان وحنظلة الاسيدى...... الخ))

⑤ ((وصحب معاوية رسول الله ﷺ وكتب الوحى بين يديه مع الكُتّاب))[1]

⑥ ((واكثر هم ملازمة له زيد بن ثابت و معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما بعد الفتح......الخ))[2]

یہ چند عبارات اس مسئلہ پر بطور نمونہ درج کر دی ہیں تفصیلات میں جانے سے تطویل کا خوف ہے۔ مزید حوالہ جات اس مضمون پر مطلوب ہوں تو ہماری کتاب مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۳۶-۱۳۷ تحت عنوان ''کاتب نبوی ہونا'' کی طرف رجوع فرمالیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ مسئلہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبان نبوی میں شمار تھا اور کتابت وحی وغیروحی دونوں چیزوں کے تحریر کرنے والے تھے۔ یہ فضیلت انھیں طبعی صلاحیت کی بنا پر حاصل تھی اور دین میں پختگی کی علامت ہے اور ان کے عادل وامین ہونے کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ:

((كان لا يستكتب الا عدلا امينا)) [3]

''یعنی آنجناب ﷺ عادل اور امانت دار شخص کے بغیر کسی کو کاتب نہیں بناتے تھے۔''

③ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ایک موقع پر نبی اقدس ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مراسلت نویسی کی فہمائش کرتے ہوئے اس تحریر کی ترتیب بھی تعلیم فرمائی۔

چنانچہ ایک شخص مسعود بن وائل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور اس کا اسلام آنجناب ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس کے بعد مسعود بن وائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ آنجناب (ﷺ) اپنے ایک شخص کو میری قوم کی طرف روانہ فرمائیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آنجناب (ﷺ) کی برکت سے ان کو ہدایت فرمائے گا۔ تو اس کی اس گزارش کے بعد آنجناب ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قوم کی طرف ایک مراسلہ لکھنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے لکھو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس طرح لکھوں؟ تو آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلے تحریر کرو (اس کے بعد دیگر دعوت اسلامی کا مضمون لکھا جائے گا)

((ان مسعود بن وائل قدم على النبى ﷺ فاسلم وحسن اسلامه فقال يا

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ الخمیس (شیخ دیار بکری) ص ۱۸۲ ج ۲ تحت کتابہ علیہ السلام۔

۳ ازالۃ الخفاء ص ۱۴۷ تمت تنبیہ سوم طبع قدیم بریلی۔

رسول الله انی احب ان تبعث الی قومی رجلا یدعوهم الی الاسلام عسی الله ان یهدیهم بك فقال لمعاویة اکتب له فقال یا رسول الله کیف اکتب له؟ قال اکتب بسم الله الرحمن الرحیم فذکر الحدیث))[1]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مراسلہ نبوی کے قاری تھے

گزشتہ سطور میں ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ چیز واضح کر دی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریرات کے لیے خواہ وحی ہوں یا غیر وحی آپ رضی اللہ عنہ خصوصی محرر تھے۔

اس کے بعد مزید یہ چیز بھی واضح کی جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام کی طرف دیگر ملوک اور بادشاہوں کی طرف سے مراسلت ہوتی تھی اور اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تحریرات کے قاری ہوتے تھے۔ یہ چیز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عظیم اعتماد ظاہر کرتی ہے۔

قیصر روم کے قاصد کا واقعہ

چنانچہ اس پر ''قیصر روم'' کے قاصد کا ایک خاص واقعہ محدثین اور مؤرخین نے بڑی تفصیل سے درج کیا ہے۔

اس واقعہ کو ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں اور اس پر چند ایک عبارات بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں تا کہ اہل علم حضرات کو پورا اعتماد ہو سکے اور واقعہ کی حقیقت ان کے ہاں صحیح طور پر نمایاں ہو سکے۔

قاسم بن سلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((عن سعید بن ابی راشد قال لقیت التنوخی رسول هرقل الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بحمص وکان جارا لی شیخا کبیرا قد بلغ الفند اوقرب منه قال اتیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو بتبوك بکتاب هرقل، فناوله رجلا عن یساره فقراهٔ فقلت من صاحب کتابکم الذی یقراهٔ فاذا هو معاویة رضی اللہ عنہ فلما ان فرغ من قراءة کتابی قال ان لك حقا انك رسول، ولو وجدت عندنا جائزة جوزناك بها، انا سفر فقام رجل فقال انا اجوزه ففتح رحله فاتی بحله فوضعها فی حجری فقلت من صاحب الجائزة؟ فقالوا عثمان فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من ینزل هذا؟ فقال فتی من الانصار، انا قال فذهب بی الانصاری۔ مکنت معه))[2]

---

[1] الاصابہ مع الاستیعاب (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۹۳ ج ۳ تحت (۷۹۶۰) مسعود بن وائل

[2] کتاب الاموال (امام ابوعبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ) ص ۲۵۵-۲۵۶ طبع مصر (تحت فصل ما بین الغنیمة والفی ومصرف کل منهما)

یہی واقعہ مسند ابی یعلی میں اس طرح ہے کہ قاصد قیصر روم تنوخی کہتا ہے کہ

((فأتيتُ رسول الله ﷺ وهو مع أصحابه وهم محتبون بحمائل سيوفهم حول بئر تبوك فقلت ايكم محمد؟ فاومأ بيده الى نفسه، فدفعت اليه الكتاب، فدفعه الى رجل الى جنبه فقلت: من هذا؟ فقالوا معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہ فقرأه فاذا فيه كتبت تدعونى الى جنة عرضها السمٰوات والارض فاين النار اذا؟ فقال رسول الله ﷺ "يا سبحان الله" اذا جاء الليل فاين النهار؟ فكتبته عندى ثم قال رسول الله ﷺ انك رسول قوم فان لك حقا۔ ولكن جئتنا ونحن مرملون قال عثمان رضی اللہ عنہ اكسوه حلة صفورية فقال رجل من الانصار على ضيافته...... الخ)) [1]

رسول قیصر کے اس واقعہ کو دیگر محدثین اور مورخین نے بھی اپنی اپنی عبارات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے ناظرین کرام حوالہ جات ہذا کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں:

① مسند امام احمد ص ۴۴۱-۴۴۲، جلد ۳ تحت حدیث تنوخی عن النبی ﷺ۔

② مسند امام احمد ص ۷۴-۷۵ ج ۴ تحت حدیث رسول قیصر الٰی رسول اللہ ﷺ۔

③ مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۵-۲۳۶، ج ۸ رجال ابی یعلی ثقات، تحت باب ما کان عند اہل الکتاب من امر نبوتہ ﷺ۔

④ ابن عساکر کامل ص ۴۱۸ ج ۱، طبع اول دمشق، تحت باب غزاۃ النبی ﷺ بنفسہ تبوک و ذکر مکاتبۃ...... الخ

⑤ ابن عساکر کامل ص ۴۱۹ ج ۱، طبع اول دمشق، تحت باب غزاۃ النبی ﷺ بنفسہ تبوک و ذکر مکاتبۃ و مراسلۃ منہا الملوک۔

⑥ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۶ ج ۵، تحت قدوم رسول قیصر الٰی رسول اللہ ﷺ بتبوک۔

مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اقدس ﷺ نے مشہور صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے قیصر روم کی طرف دعوت اسلام کے لیے مراسلہ ارسال فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں قیصر روم کا قاصد تنوخی اپنے بادشاہ ہرقل کی طرف سے ایک مکتوب لایا تھا۔

تنوخی بیان کرتا ہے کہ آنجناب ﷺ غزوہ تبوک کے سلسلے میں تبوک کے مقام پر اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ (میں آنجناب ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا) میں نے دریافت کیا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ تو آنجناب ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس پر میں نے وہ

[1] مسند ابی یعلی احمد بن علی الموصلی المتوفی ۳۰۷ھ ص ۱۷۱ ج ۳۰ تحت رسول قیصر طبع دمشق

مکتوب آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آنجناب ﷺ نے وہ مراسلہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ تو اہل مجلس نے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) ہیں۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مراسلہ آنجناب ﷺ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں یہ چیز بھی درج تھی کہ آپ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ دوزخ کہاں ہے؟ اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ (مراسلہ کے مضمون کی تفصیلات اپنی جگہ پر درج ہیں)

جب مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آنجناب ﷺ نے رسول قیصر کو ارشاد فرمایا کہ آپ پیغام رساں ہیں اور پیغام رساں کا احتراماً حق ہوتا ہے۔ ہم اس وقت مسافر ہیں اگر ہمارے پاس کوئی عطیہ اور ہدیہ ہوتا تو ہم آپ کو دے دیتے۔ یہ بات سن کر آنجناب ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں اور وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک عمدہ پوشاک نکال لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو حاضرین مجلس نے کہا یہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

اس کے بعد جناب نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اقامت دینے (ٹھہرانے) کی ضرورت ہے۔ کون اس کو جگہ دینے کے لیے تیار ہے؟ تو انصار میں سے ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور اپنے پاس ٹھہرایا۔

حاصل یہ ہے کہ قیصر روم کے اس مراسلے کی خواندگی کے فرائض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے۔

آخر میں شیعہ کے اکابر کا ایک حوالہ اس مسئلہ کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اہلسنّت والجماعت اور شیعہ دونوں کے نزدیک دور نبوت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتابت وحی و غیر وحی و مراسلہ نویسی نیز عہد نامے تحریر کرنے اور پڑھنے کی خدمات پر مامور تھے اور انشا پرداز تھے۔

شیعہ کے قدیم ثقہ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے:

((وكان كتابه الذين يكتبون الوحى والكتب والعهود على بن ابى طالب وعثمان بن عفان و خالد بن سعيد بن العاص بن امية و معاوية بن ابى سفيان و شرحبيل بن حسنة رضی اللہ عنہم الخ))[1]

"یعنی مطلب یہ ہے کہ آنجناب ﷺ کے لیے وحی و مراسلت وعہود و مواثیق وغیرہ تحریر کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت خالد بن سعید بن عاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔"

[1] تاریخ یعقوبی ص ۸۰ ج ۲ تحت کتاب النبیؐ طبع بیروت

قطعہ اراضی کی تسلیم

① یمن کے علاقہ حضر موت کے مقام سے ایک شخص وائل بن حجر کندی رضی اللہ عنہ جو اپنے علاقہ کے رئیس اور اپنی قوم کے سردار تھے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ ان کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں فرمائیں اور صحابہ کے سامنے ارشاد فرمایا کہ یہ وائل بن حجر ہیں، یہاں سے بعید ایک مقام حضر موت سے آ کر یہاں بخوشی اسلام لائے (ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا)۔ ان حالات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قطعہ اراضی عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے خود ذکر کیا کہ:

((فبعث معی معاویة بن ابی سفیان صلی اللہ علیہ وسلم قال وامره ان یعطینی ارضا فیدفعها الی و کتب لی کتابا خاصا یفضلنی فیه علی قومی وکتابا لی ولاهل بیتی بمالنا...... الخ))[1]

"یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو میرے ساتھ روانہ فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے زمین کا ایک قطعہ متعین کر کے میری تحویل میں دے دیں اور ساتھ ہی میرے لیے ایک خاص مکتوب تحریر کرایا جس میں میری قوم پر میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے لیے اور میرے اہل خانہ کے لیے مال و متاع کے متعلق مزید ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔"

واقعہ ہذا مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ان علماء نے یہ واقعہ اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

① صحیح ابن حبان ص ۱۶۶-۱۶۷ ج ۹، ۱۰، تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

② مشکوۃ شریف ص ۲۵۹ فصل ثانی، باب احیاء الموات والشرب بحوالہ ترمذی و دارمی۔

③ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۴۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

④ اسد الغابہ ص ۸۱ ج ۵ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ طبع تہران۔

⑤ الاصابہ (ابن حجر) مع الاستیعاب ص ۵۹۲ ج ۳ تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ۔

مختصر یہ ہے کہ واقعہ ہذا کے ذریعے سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد تھا اور وہ باصلاحیت شخصیت تھے۔ اسی بنا پر قطعہ ارضی کی تعیین و تسلیم جیسے اہم کام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵-۱۷۶ ج ۴ قسم ثانی تحت باب وائل بن حجر رضی اللہ عنہ۔

تنبیہ

اس مقام پر بعض روایات میں وائل بن حجر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشانہ کلمات مذکور ہیں جن میں وائلؓ کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتحقیر معلوم ہوتی ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ مقولہ مشہور ہے کہ ''یک من علم رادہ من عقل باید'' عقلمند آدمی کو سوچنا چاہیے کہ وائل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک ''اعزاز'' اور ''منصب'' مرحمت فرمایا گیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کی تنفیذ وتکمیل کے لیے وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اب ان حالات میں وائل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ آدمی کا احترام ملحوظ رکھنا اور اس کی رضامندی کا خیال رکھنا قرین قیاس ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کے فرستادہ شخص کے ساتھ بہتر سلوک سے پیش آنا اخلاقی فرض ہے۔

یہاں روایت کے راویوں کو خدا خیر سمجھائے انھوں نے واقعہ ہذا میں الٹا معاملہ کر دیا اور وائل رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیر ذکر کی ہے اور ذلت آمیز رویہ دکھایا ہے۔

کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو وائل رضی اللہ عنہ کے سامنے ذلیل کرنے کے لیے بھیجا تھا؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

یہ سب راویوں کی طرف سے واقعہ میں اضافے ہیں اور ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے بلکہ اصل واقعہ پر نظر رکھی جائے جیسا کہ ہم نے پیش کر دیا ہے۔

اس روایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد نبوت کا ثبوت اور ان کی صلاحیت کا اثبات واضح طور پر پایا جاتا ہے۔

ایک دیگر واقعہ

② اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ محدثین اور مورخین نے ذکر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے (بلال رضی اللہ عنہ کے احوال کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے) ان کے لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل البحر کے علاقہ معادن القبلیہ سے قطعات اراضی عنایت فرمائے اور وہاں سے بعض مواضع کو متعین کر کے بطور وثیقہ کے ایک تحریر لکھ دی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے قطعات اراضی عطا کرنے کا یہ وثیقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا۔

((ان رسول الله ﷺ اقطعه القطيعة وكتب له "هذا ما اعطى محمد رسول الله ﷺ بلال بن الحارث اعطاه معادن القبلية غوريها وجلسيها و كتب

معاویة)) [1]

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ نوع کی اہم خدمات کا سرانجام دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری میں دے رکھا تھا اور یہ آپ کے فرائض میں داخل تھا۔

فرمان نویسی

(۴) اسی طرح فرمان نویسی کا ایک اور واقعہ مشہور مورخ ابن شبہ رحمہ اللہ نے ''تاریخ مدینہ منورہ'' میں تحریر کیا ہے کہ:

سہل بن حنظلہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص (عیینہ بن حصن بن بدر اور اقرع بن حابس) حاضر ہوئے اور انھوں نے بعض ضروریات کے متعلق سوال کیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کو پورا کرنے کا امر فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی حاجت روائی کی خاطر ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالہ کی جائے تو حسب ارشاد نبوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو الگ الگ تحریر لکھ کر دے دی۔

((حدثنا سهل ان عيينة بن حصن بن بدر والاقرع ابن حابس دخلا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فسالاه فامر لهما بما سألاه، وامر معاوية رضي الله عنه ان يكتب لهما بذالك، فكتب ودفع الى كل واحد منهما صحيفة)) [2]

اسی ضمن میں سیرت نگاروں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا ایک دیگر واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ ہماری لیے سابقہ وثیقہ از سر نو تحریر کر کے عنایت فرمایا جائے (جبکہ قبل ازیں ان کو قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں ایک تحریر لکھ کر دی گئی تھی) تو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے جدید تحریر لکھوا کر ان کے حوالے کی۔ اس تحریر کا مضمون یہ تھا کہ:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ وثیقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری اور اس کے ساتھیوں کو لکھ کر دیا ہے۔ (آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) میں نے تم کو مقام عینون، جبرون، مطوم اور بیت ابراہیم اور وہ تمام کے لیے انھیں اور ان کی اولاد کو سپرد کر دی ہے۔ پس جو شخص ان کو اذیت پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف میں مبتلا فرمائیں گے۔''

---

[1] مستدرک حاکم ص ۵۱۷ ج ۳ کتاب معرفۃ الصحابہ تحت ذکر بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ۔
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ قلمی ص ۴۴۳ ج ۳) تحت ترجمہ بلال بن حارث رضی اللہ عنہ۔
معجم البلدان (یاقوت حموی) (ص ۳۰۷، ۳۰۸ ج ۱۵) تحت القبلیہ طبع بیروت۔

[2] تاریخ المدینہ المنورہ (ابن شبہ) ص ۵۳۵ ج ۲ طبع قاہرہ

اور اس وثیقہ پر مندرجہ ذیل گواہ اور شاہد قائم فرمائے:

((شهد بذالك ابوبكر بن ابى قحافة وعمر بن الخطاب و عثمان بن عفان بن عفان و على بن ابى طالب و معاوية بن ابى سفيان (رضی اللہ عنہم) و كتب۔ نقل ذالك فى الموهب))[1]

① سیرت حلبیہ ص ۲۴۰-۲۴۱ جلد ۳، تحت مایذکر فیہ ما یتعلق بالوفود......الخ

② شرح مواہب لدنیہ (زرقانی) ص ۳۵۹ جلد ۳، تحت مکاتباتہ علیہ السلام الی الملوک وغیرہم

یعنی اس وثیقہ پر خلفائے اربعہ اور امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کو شاہد قرار دیا گیا اور اس وثیقہ کو حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے تحریر کیا ہے۔

یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عند النبوت وثاقت، عدالت اور دیانت کی واضح دلیل ہے۔

فوائد ونتائج

مندرجات بالا کی روشنی میں مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر باش خادم تھے اور پہلوئے نبوت میں بیٹھنے کے شرف سے مشرف تھے۔ (سبحان اللہ)

② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم اعتماد تھا اور آپ کو خصوصی قرب نبوی حاصل تھا۔ آپ وحی اور غیر وحی دونوں طرح کی تحریر سرانجام دیتے تھے۔

③ نیز بادشاہوں کی طرف مراسلات اور پھر ان کے جواب کی اہم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی جو بڑا باوقار منصب ہے نیز قطعہ اراضی کا تعین اور وثیقہ نویسی کی خدمات سرانجام دینے کی سعادت بھی ان کو نصیب تھی۔

④ کوئی منافق یا عامی قسم کا آدمی ان جلیل القدر مناصب کا اہل نہیں ہوسکتا اور سلطنت کے ایسے اہم امور اس کی تحویل میں نہیں دیے جاسکتے۔

یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کامل ایماندار شخصیت اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معتمد صحابی تھے اور مخلصین صحابہ کرام میں ان کا ایک اہم اور مقتدر مقام تھا۔

ایک واقعہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ میں آپ کے پاس مقیم رہے۔ اس دوران میں آپ کو مختلف اسلامی خدمات سرانجام دینے کا موقع

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری المتوفی ۲۶۲ھ) ص ۵۳۵ ج ۲ طبع مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

نصیب ہوتا رہا۔ ان ایام میں آپ کی مالی و معاشی حالت کچھ اچھی نہ تھی، فقر و فاقہ کا دور تھا لیکن آپ نے اس حالت میں بھی صبر و استقلال کا دامن نہیں چھوڑا اور صابر و قانع رہ کر ملّی و دینی خدمات سرانجام دیں۔

صحیح روایات میں ایک واقعہ مذکور ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی معاشی اور مالی حالات کی ایک کیفیت ملتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ اس دور میں ایک خاتون فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند (ابوحفص بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ) سے طلاق مل گئی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ طلاق عرض کیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں عدت گزارنی ہوگی اور جب یہ مدت گزر جائے تو مجھے آ کر اطلاع دینا۔ چنانچہ ایام عدت گزارنے کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دوبارہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے دو شخصوں (معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم رضی اللہ عنہما) نے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ یعنی منگنی کی گفتگو کی ہے۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کرتی ہوں کہ میں کس شخص کے ساتھ نکاح کروں؟ تو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوجہم اپنی لاٹھی اپنے کندھے پر اٹھائے رکھتا ہے (یعنی غصہ ور ہے اور مار پیٹ کرتا ہے) اور معاویہ بن ابی سفیان صعلوک ہے یعنی وہ مالدار نہیں مفلوک الحال اور نادار ہے۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔

مذکورہ خاتون کہتی ہیں کہ پہلے تو میں نے اسے پسند نہیں کیا لیکن پھر میں نے حسب فرمان نبوی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے وہ خیر و برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر دیگر خواتین رشک کرنے لگیں۔

((قالت (فاطمة بنت قيس) فلما حللت ذكرت له ان معاوية بن ابى سفيان واباجهم خطبانى فقال اما ابو الجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه واما معاوية فصعلوك لا مال له انكحى اسامة بن زيد فكرهته ثم قال انكحى اسامة فنكحته فجعل الله فيه خيرا واغتبطت))[1]

واقعہ ہذا کے ذریعے سے واضح ہوا کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد مدینہ شریف میں مقیم تھے تو اس دوران میں ان پر فقر و فاقہ کی حالت غالب تھی۔ معاشی کمزوری اور مالی پریشان ان کو دینی امور کی بجا آوری سے پیچھے نہیں ہٹا سکی، اور آپ ان حالات میں بھی اسلامی خدمات بڑی مستعدی سے سرانجام دیتے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۸ بحوالہ مسلم شریف تحت باب العدۃ فصل اول طبع نور محمدی۔
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۶ ج ۶ تحت باب العدۃ فصل اول طبع ملتان۔
منتخب من مسند عبد بن حمید ص ۴۵۸ تحت حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔

تھے۔ یہ چیز ان کی دین پر ثابت قدمی کا واضح ثبوت ہے۔

حتات رضی اللہ عنہ سے مواخات

دور نبوی کے آخری سالوں میں بہت سے قبائل مشرف باسلام ہوئے۔ ان قبائل میں بنو تمیم ایک مشہور قبیلہ ہے جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا۔ اس قبیلہ میں ایک شخص بشر حتات بن یزید بن علقمہ تمیمی مجاشعی بھی تھے جو دیگر افراد قبیلہ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے۔

اہل تراجم نے لکھا ہے کہ:

① ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخی بین حتات و معاویة رضی اللہ عنہما فمات الحتات عند معاویة رضی اللہ عنہ فی خلافته))[1]

② ((ان الحتات وفد علی معاویة فمات عنده...... وآخی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بینه وبین معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما))[2]

''مطلب یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حتات بن یزید اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔''

''حتات رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں دمشق تشریف لے گئے اور وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ آپ کا وصال بھی دمشق میں ہوا۔''

تنبیہ

① یہاں اس چیز کی تھوڑی سی وضاحت کی جاتی ہے کہ مشہور و معروف مواخات بین المہاجرین والانصار جو غزوہ بدر سے قبل قائم فرمائی گئی تھی وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ لیکن یہ مواخات الگ ہے جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن ابی سفیان اور حتات بن یزید رضی اللہ عنہما کے درمیان بعد میں قائم فرمائی تھی۔ اس کو سابقہ مواخات کے تحت شمار نہیں کیا جاتا۔

② اور یہاں بعض روایات میں یہ چیز مذکور ہے کہ "فورثه بالاخوة" یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حتات رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے اموال کے وارث ہوئے اور فرزدق شاعر نے اس سلسلے میں چند اشعار کہہ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تعریض کی۔

اکابر علماء نے اس چیز کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۰ ج ۱ تحت حتات بن یزید رضی اللہ عنہ

[2] اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۷۹ ج ۱ تحت باب الحاء والتاء

سیرت ابن ہشام ص ۵۶۰-۵۶۱ ج ۲ تحت قدوم وفد بنی تمیم ونزول سورۃ الحجرات۔

((وهذا القول ليس بشیء لان معاوية رضی اللہ عنہ لم يكن يجهل ان هذه الاخوة لا يرث بها احد))[1]

"مطلب یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ سے ناواقف نہیں تھے بلکہ خوب جانتے تھے کہ اس اخوت کی بنا پر کوئی شخص وارث نہیں بن سکتا۔ الا یہ کہ حتات رضی اللہ عنہ نے وارث ہونے کی صورت میں اس اخوت کے حق میں کوئی وصیت کر دی ہو۔"

ایک فضیلت (قصر شعر نبوی یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنا)

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف قسم کی خدمات سرانجام دیتے تھے جن میں سے بعض اہم خدمات کا ذکر ما قبل میں بقدر ضرورت آ چکا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بال مشقص سے کاٹے تھے۔ (مشقص ایک قسم کا لوہے کا آلہ تھا جس سے بالوں کو کاٹا جا سکتا تھا)

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن معاوية رضی اللہ عنہ قال قصرت عن رأس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمشقص))[2]

روایت مندرجہ بالا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاص تعلق تھا اور مختلف خدمات سرانجام دینے میں شریک رہتے تھے۔ اور جب بعض دفعہ بال مبارک تراشنے کی ضرورت پیش آئی ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کے سرانجام دینے کی بھی سعادت حاصل کی۔

تنبیہ

شارحین حدیث کے نزدیک یہاں بحث چلتی ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا؟ اور کس جگہ پر پیش آیا؟ یہ مباحث اہل علم حضرات کے لیے مقام تحقیق ہے۔

---

1. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۳۲ ج ۳ تحت ذکر ہرب فرزدق من زیاد سنہ ۵۰ھ۔
2. بخاری شریف ص ۲۳۳ ج ۱ کتاب الحج باب الحلق والتقصیر عند الاحلال
مسلم شریف ص ۴۰۸ ج ۱ باب جواز التقصیر المعمر من شعرہ، طبع نور محمدی، دہلی
سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۰۲ ج ۵ کتاب الحج باب ما یفعل المعتمر بعد الصفا والمروۃ
مسند امام احمد ص ۹۶-۹۷ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ

عام دوستوں کے لیے اتنا قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ جہاں اور جس موقع پر بھی یہ (قصر شعر نبوی) کا واقعہ پیش آیا وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً اس خدمت کو سر انجام دینے کا شرف حاصل کیا۔

چنانچہ تابعین کے دور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں مجاہد وعطا وغیرہ رحمہم اللہ نے اس واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور صاحب اس کے ناقل نہیں ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((ما كان معاوية رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم متّهما))[1]

"مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں متہم نہیں ہیں۔ یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط بات منسوب نہیں کرتے بلکہ ٹھیک بات ہی ذکر کرتے ہیں اور قصر شعر (یعنی بال کاٹنے) کا واقعہ درست ہے۔"

تنبیہ

قصر شعر نبوی کے اس واقعہ سے اس بات کی تائید وتصدیق ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بال مبارک بطور تبرک کے محفوظ تھے، تمام زندگی انھوں نے ان کو بحفاظت رکھا اور زندگی کے آخری لمحات میں انھیں اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی جسے ان کی دلی خواہش کے موافق پورا کیا گیا۔ (سبحان اللہ!)

یہ چیز حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کے حق میں بیش بہا فضیلت ہے۔

زبان نبوت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصوصی امور میں خاص خادم تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلامی خدمات سر انجام دیتے تھے۔ اس بنا پر ان کے حق میں وقتاً فوقتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے جو جناب باری تعالیٰ میں یقیناً مقبول ومنظور ہوئے اور ان دعاؤں کی برکات کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت اہم دینی خدمات سر انجام دینے کی عمدہ توفیق نصیب ہوئی۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نبوت سے متعدد دعائیں اپنے اپنے مواقع پر صادر ہوئی ہیں اور ان کو محدثین ومورخین نے اپنی اپنی تصانیف میں بے شمار مقامات پر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

ان دعاؤں کو ہم ناظرین کی خدمت میں ایک ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔ اپنی ناقص جستجو کے مطابق ہم نے حوالہ جات ساتھ تحریر کر دیے ہیں۔ اہل علم رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

---

[1] مسند امام احمد ص ۹۵ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر۔
مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر۔

① عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات ذیل سے دعا فرمائی:

((عبدالرحمن بن ابی عمیرة المزنی رضی اللہ عنہ یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی معاویة بن ابی سفیان اللهم اجعله هادیا مهدیا واهده واهدبه))[1]

''یعنی ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! معاویہ کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا اور ہدایت یافتہ فرما۔ یا اللہ! اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت نصیب فرما۔''

حاصل یہ ہے کہ ان ''دعائیہ کلمات'' کی برکت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے دال علی الخیر ہیں اور فی نفسہٖ اپنے مقام پر ہدایت یافتہ ہیں، اور مخلوق کے لیے باعث ہدایت ہیں۔ یہاں تکرار الفاظ میں مفہوم و مضمون کی تاکید و تکمیل پائی گئی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو بے شمار کبار علمائے محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ ناظرین کرام کی تسلی کے لیے ہم ذیل میں صرف چند حوالہ جات تحریر کرتے ہیں:

① کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

② معجم الاوسط (طبرانی) ص ۳۸۰ ج ۱ مطبوعہ ریاض۔

③ موارد الظمآن (ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④ مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب فصل ثانی۔

⑤ ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (قال الترمذی حسن غریب)

⑥ تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۲۴۰ ج ۳ تحت باب عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ

⑦ طبقات ابن سعد ص ۱۳۶ ج ۷ قسم ثانی تحت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ

⑧ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۸ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

⑨ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۳۵۸ ج ۸ تحت بشر بن حارث حافی

⑩ اخبار اصفہان (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۸۰ ج ۱ تحت ابراہیم بن عیسیٰ

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاریؒ) ص ۳۲۷ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع دکن
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۱، ۱۲ تحت فصل ثانی فی فضائلہ ومناقبہ

⑪ اسد الغابہ ص ۳۸۶ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑫ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۱ ج ۸ بحوالہ طبرانی و امام احمد وغیرہما تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
⑬ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۶-۴۰۷ ج ۲ تحت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ
⑭ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
⑮ تہذب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳-۱۰۴ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
⑯ علل الحدیث (ابن ابی حاتم رازی) ص ۳۶۲ ج ۳ تحت علل الاخبار فی الفضائل
⑰ کتاب الاباطیل (جوزقانی) المتوفی ۵۴۳ھ، ص ۱۹۲-۱۹۳ ج ۱ روایت ۱۸۲ (ہذا حدیث حسن)

(۲) عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

نیز عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ (صحابی) فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیہ کلمات میں نے سماعت کیے، آپ فرماتے تھے:

((یقول (عرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب))

''یعنی اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔''

اس روایت کو مندرجہ ذیل محدثین اور مورخین اور کبار علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے، درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

① فضائل الصحابہ، امام احمد ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
② مسند امام احمد ص ۱۲۷ ج ۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہ الاسلمی رضی اللہ عنہ۔
③ صحیح ابن حبان ص ۳۵۶ ج ۹ تحت باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
④ مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑤ موارد الظمآن (ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑥ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) صفحہ ۳۴۵ ج ۲
⑦ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑧ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑨ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۸ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑩ الاستیعاب (مع الاصابہ) ص ۳۸۱ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑪ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۰ ج ۸ بحوالہ احمد و ابن جریر تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہما
⑫ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۸۵، ۳۸۶ ج ۱ تحت حارث بن زیاد شامی روایت نمبر ۲۰۳۶

⑬ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۱۹۰ ج ۶ تحت فضائل الصحابہ حرف میم (طبع اول) دکن

⑭ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۸، ج ۷ کتاب الفضائل تحت میم (عن عرباض رضی اللہ عنہ بحوالہ ابن نجار) طبع اول

⑮ جزء الحسن بن عرفہ عبدی ص ۶۱ روایت ۳۶، عن حارث بن زیاد، مکتبہ دارالاقصیٰ کویت

⑯ جزء الحسن بن عرفہ عبدی ص ۷۹، روایت ۶۶، عن حریز بن عثمان رحبی (المتوفی ۱۶۳ھ) مکتبہ دارالاقصیٰ کویت

⑰ کتاب الاباطیل (محدث ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم الجوزقانی) ص ۱۹۰ ج ۱ روایت ۱۸۱ (ہذا حدیث حسن)

③ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی مرویات

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کے علاقہ پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ (صحابی) کو والی مقرر فرمایا پھر کچھ عرصہ بعد ان کو اس منصب سے الگ کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حمص کا حاکم بنا دیا۔ اس وقت لوگ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے لگے۔ اس موقع پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج ذیل روایت ذکر کی:

((عن ابی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال: لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللھم اھدہ))

"یعنی عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) کا تذکرہ خیر و خوبی کے سوا مت کرو کیونکہ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ معاویہ کے حق میں فرماتے تھے کہ "اے اللہ! انھیں ہدایت نصیب فرما۔"

روایت مندرجہ بالا کو درج ذیل مقامات پر بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع حیدرآباد، دکن

(۲) ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع قدیم لکھنؤ۔

(۳) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۷ ج ۱۶، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

(۴) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۲، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

④ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت

بعض مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ آپ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ کے نزدیک ہے۔ تو اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے اللہ! اسے علم اور حلم سے پر فرما دے۔"

((كان معاوية رضي الله عنه ردف النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا معاوية ما يلينى منك قال بطنى قال اللهم املأه علماء و حلما))

روایت ہذا مقامات ذیل پر مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

① تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۸۰ ج ۴ قسم ثانی باب وحشی بن حرب حبشی رضی اللہ عنہ۔

② علل الحدیث (ابن ابی حاتم) ص ۳۵۹ ج ۲ روایت ۲۵۹۴ تحت اخبار فی الفضائل

③ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

⑤ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاحب سیادت وحکمرانی کے میں نے نہیں دیکھا۔

((......عن المطلب بن عبدالله بن حنطب عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: ما رأيت احداً من الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اسود من معاوية رضي الله عنه)) [1]

تفرد به هشام بن عمار

⑥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے حق میں وصیت فرمائیے۔ یہ اللہ کی کتاب کے امین ہیں اور عمدہ امین ہیں۔

((...... عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: جاء جبريل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا محمد! استوص معاوية فانه امين على كتاب الله و نعم الامين هو)) [2]

⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت:

عروہ رحمہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم

---

[1] معجم الاوسط (طبرانی) ج ۷ ص ۳۸۹ روایت ۶۷۵۵ طبع ریاض

[2] معجم الاوسط (طبرانی) ج ۴ ص ۵۳۷ روایت ۳۹۱۴ طبع ریاض

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے۔ باہر سے کسی نے دروازہ پر دستک دی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ فرمایا: اسے اندر آنے کی اجازت ہے۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) اندر آئے اس حالت میں کہ ان کے کان پر قلم اٹکا ہوا تھا جس سے وہ لکھتے تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ! یہ تیرے کان پر کیا قلم ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے کام کے لیے ہے۔ جواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور اللہ کی قسم! میں تجھ سے کتابت اس کی وحی کی بنا پر کراتا ہوں، چھوٹا کام ہو یا بڑا میں وحی الٰہی کے تحت بجا لاتا ہوں۔

اگر اللہ تعالیٰ تجھے قمیص (خلافت) پہنائے تو اس وقت تیری حالت کیا ہوگی؟ (تو کس طرح معاملہ کرے گا؟)

یہ فرمان سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! کیا میرے برادر کو اللہ تعالیٰ قمیص پہنائے گا؟ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں!! لیکن (اس دور میں) شرور ہوں گے تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے حق میں دعائے خیر فرمایئے۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ دعا فرمائی:

((اللهم...... الخ))

''اے اللہ! اسے ہدایت کی طرف راہنمائی فرما اور ہلاکت سے بچا۔ اس عالم میں اور عالم آخرت میں اس کی مغفرت فرما دے۔''

((...... عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما كان يوم ام حبيبة رضي الله عنها من النبى صلى الله عليه وسلم دق الباب داق۔ فقال النبى صلى الله عليه وسلم انظروا من هذا؟ قالوا: معاوية۔ فقال: ائذنوا له۔ و دخل وعلىٰ اذنه قلم له يخط به۔ فقال ما هذا القلم على اذنك يا معاوية؟ قال: اعددته لله ولرسوله۔ قال: جزاك الله عن نبيك خيرا۔ والله ما استكتبتك الا بوحى من الله عزوجل۔ وما افعل من

صغيرة ولا كبيرة الا بوحى من الله عزوجل۔ كيف بك لوقد قمصك الله قميصاً؟ يعنى الخلافة۔ فقامت ام حبيبة رضی اللہ عنہا وجلست بين يديه۔ فقالت: يا رسول الله! وان الله مقمّص اخى قميصا؟ قال: نعم۔ ولكن فيه هنات و هنات وهنات۔[1] فقالت: يا رسول الله! فادع له۔ فقال: اللهم اهده بالهدى وجنّبه الردى واغفرله فى الآخرة والاولىٰ)) [2]

اثرات دعا

حاصل کلام یہ ہے کہ زبان نبوت سے یہ چند ایک دعائیں یہاں ذکر کی ہیں جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمائیں کہ اے اللہ! ان کو ہادی بنا اور ان کو ہدایت یافتہ کر دے اور ان کو دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ اے اللہ! ان کو حساب و کتاب کی تعلیم فرما اور اپنے عذاب سے محفوظ فرما۔ نیز ارشاد نبوی ہے کہ اے اللہ! ان کو علم اور حلم سے سرفراز فرما۔

اور یہ واضح امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے حق میں یہ دعائیں ارشاد فرمائیں جسے آپ نے ان کا اہل اور مستحق سمجھا۔ کسی نا اہل اور غیر مستحق کے لیے نہیں فرمائیں۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں پائی جاتی ہیں وہ بھی اہلیت کی بنا پر ہیں۔ مثلاً:

① حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یمن کی طرف روانگی کے وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

((اللهم ثبت لسانه واهد قلبه)) [3]

② اور جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جبکہ ان کو قبیلہ خثعم کے ''کعبہ یمانیہ'' کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ اس وقت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تھی کہ ''میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا'' تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مبارک پھیر کر دعا فرمائی:

((اللهم اجعله هاديا مهديا۔ حتى وجدت بردها)) [4]

---

[1] یہ هنات ای خصال شر (یعنی مختلف قسم کے امور شر پیدا ہوں گے۔ واللہ اعلم)

[2] معجم اوسط (طبرانی) ج۲ ص۴۹۸ روایت ۱۸۵۹ طبع مکتبۃ المعارف، ریاض

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۰۷ ج۵ تحت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الی یمن، بحوالہ مسند احمد۔

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، ص۱۵۳ ج۱۲ تحت کتاب الفضائل، طبع کراچی۔
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۵۶ ج۸ تحت ترجمہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

③ نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب وحکمت کی دعا دی تھی اور فرمایا تھا:

((اللهم علمه الكتاب والحكمة))

تو وہ بڑے اعلیٰ درجہ کے مفسر قرآن ثابت ہوئے۔[1]

اسی طرح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دعائیں منقول ہیں اور وہ یقیناً ان حضرات کے حق میں مقبول ومنظور ہوئیں۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو دعائیں صادر ہوئی ہیں وہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہوئیں اور اپنی جگہ پر موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ولا ارتياب ان دعاء النبى صلى الله عليه وسلم مستجاب فمن كان هذا حاله كيف يرتاب فى حقه))[2]

''یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے حق میں قبولیت میں کس طرح شبہ کیا جا سکتا ہے؟''

اور انھی دعاؤں کی برکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینی خدمات سرانجام دینے کی بہتر توفیق نصیب ہوئی اور انھوں نے ایک مدت دراز تک اسلام کی سربلندی وسرفرازی کے لیے مساعی کیں اور بے شمار ممالک پر اسلام کا پرچم بلند کیا اور دین اسلام کے غالب ہونے کا باعث ہوئے۔

بعض فوائد

① ناظرین کرام مطلع رہیں کہ یہ دعائیں قبل ازیں ہم نے اپنی تصنیف ''اقربا نوازی'' میں صفحہ ۱۳۰ سے ۱۳۵ تک درج کی ہیں لیکن یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ان کو دوبارہ تفصیل سے درج کیا ہے اور یہاں بعض مزید اضافہ جات ذکر کیے ہیں جو مفید تر ہیں۔

② نیز یہاں ہر ایک دعا کے تحت کثرت سے حوالہ جات ذکر کیے ہیں اس میں بعض علمی مصالح پیش نظر ہیں:

(ا) ایک تو یہ چیز ہے کہ روایت میں اگر بعض اسانید کے اعتبار سے کچھ ضعف ہو تو تعدد طرق کی وجہ سے اس کے ضعف کا ازالہ ہو جائے اور اس کی کمزوری کا انجبار محدثین کے نزدیک اس طریقہ سے درست ہو کیونکہ کثرت طرق کی بنا پر روایت مقبول ہو جاتی ہے۔

---

[1] بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ تحت کتاب المناقب، مناقب ابن عباس رضی اللہ عنہ

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (ملا علی قاری) ص ۴۳۸ ج ۱۱ تحت باب جامع المناقب، فصل ثانی تحت روایت اللهم اجعله هاديا۔

(ب) دوسری چیز یہ ہے کہ تمام کتابیں ہر ایک اہل علم کے پاس نہیں ہوتیں تو متعدد کتابیں ذکر کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ جو کتاب ان کے پاس ہوگی اس سے مسئلہ ہذا کے لیے رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

عدم فضیلت کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''عدم فضیلت'' کا ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے جو محض ایک قول ہے، نہ وہ قول نبوی ہے نہ کسی صحابی کا فرمان ہے اور نہ کسی تابعی کا بلکہ یہ بعد کے ایک عالم کا اپنا خیال ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ:

((لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی فضل معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شیء))

''یعنی فضیلت معاویہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح چیز منقول نہیں۔''

اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ہم نے جوابات مطاعن میں ایک مستقل عنوان ''عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ'' کے تحت بقدر ضرورت کلام کر دیا ہے۔ تاہم یہاں بھی ہم اس شبہ کا اجمالاً ازالہ کیے دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر دعائیں ارشاد فرمائی ہیں جن کو ہم نے گزشتہ صفحات میں مع حوالہ جات کے ذکر کر دیا ہے۔ یہ دعائیں ایک ''مستقل فضیلت'' کا باب ہے۔ جس شخص کے حق میں زبان نبوت سے یہ دعائیں صادر ہوئی ہوں وہ یقیناً بڑا خوش بخت اور صاحب فضیلت ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان دعاؤں کے اثرات یقیناً پائے گئے اور ان کو ان دعاؤں کی برکات کی وجہ سے اسلامی و دینی خدمات کی بہترین توفیق نصیب ہوئی۔

یہ دعائیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف اثبات فضیلت کے لیے کافی ثبوت اور شواہد ہیں۔ تاہم نفی فضیلت کے شبہ کے جواب میں ہم ذیل میں علماء کے کچھ بیانات پیش کرتے ہیں جو اس مسئلہ میں نہایت وزنی ہیں۔

① ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ بلدہ دمشق میں نفی فضیلت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((واصح ما روی فی فضل معاویة حدیث ابی حمزة عن ابن عباس انه کان کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه۔ وبعده حدیث العرباض: اللهم علمه الکتاب...... الخ وبعده حدیث ابن ابی عمیرة: اللهم اجعله هادیا مهدیا))[1]

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوط) ص ۶۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

(۲) اور اسی طرح ابن عراق کنانی رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ میں مسئلہ ہذا کے تحت علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

((وقال السیوطی الشافعی اصح ما ورد فی فضل معاویة رضی اللہ عنہ (بن ابی سفیان) حدیث ابن عباس انه کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه بعده حدیث العرباض: اللهم علمه الکتابة۔ وبعده حدیث ابن ابی عمیرة: اللهم اجعله هادیا مهدیا)) [1]

مطلب یہ ہے کہ ابن عساکر و سیوطی و ابن عراق کنانی وغیرہم رحمہم اللہ کبار علماء نے اپنے اپنے مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ''نفی فضیلت'' کے جواب میں ان امور کو زیادہ صحیح چیزیں قرار دیا ہے:

(۱) مثلاً مسلم شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کتابت کے متعلق روایت منقول ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس میں بہترین فضیلت کا ثبوت موجود ہے۔

(۲) اس کے بعد عرباض بن ساریہ (صحابی رضی اللہ عنہ) سے دعائے نبوی کی روایت مذکور ہے وہ بالکل درست ہے اور اس سے فضیلتِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ثابت ہے۔

(۳) بعد ازاں ابن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے جس میں دعائے نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مذکور ہے وہ بھی درست ہے اور شرف و فضیلت کا باعث ہے۔

(۴) اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں مندرجہ بالا روایات پر بحث کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

((واکتفینا بما اوردناه من الاحادیث الصحاح والحسان والمستجادات عما سواها من الموضوعات والمنکرات)) [2]

''یعنی ہم نے اس مسئلہ میں موضوع و منکر روایات سے احتراز کر کے صحیح و حسن اور جید روایات پر اکتفا کر کے انھیں بیان کیا ہے (جو اس فن کے اکابر علماء کے نزدیک قابل اعتماد ہیں)۔''

حاصل یہ ہے کہ مندرجہ روایات حسن کے درجہ میں ہیں اور علمائے امت نے خصوصی طور پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں انھیں فضیلت کی چیزیں شمار کیا ہے اور علیٰ فرق المراتب ان کو لائق استناد قرار دیا ہے۔

---

[1] تنزیہ الشریعہ (ابن اسحاق کنانی) ص ۸ ج ۲ فصل اول تحت باب فی طائفہ من الصحابہ رضی اللہ عنہم۔
ذیل اللآلی الی المصنوعہ (سیوطی) کتاب المناقب ص ۵۷ مطبع علوی لکھنؤ۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

نیز اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حدیث حسن لذاتہ جمہور کے نزدیک قابل حجت ہے فلہٰذا اس اعتبار سے بھی یعنی حسن ہونے کی وجہ سے یہ روایات مقبول ہیں اور نفی فضیلت کے شبہ کے ازالہ کے لیے کافی ہیں۔

مزید یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ آیندہ بحث غزوات میں غزوہ قبرص کے تحت ایک صحیح بشارت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق اس جیش میں شامل ہونے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے جیش ہذا کے امیر خود حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ فلہٰذا وہ جنت کے مژدہ کے مستحق ہیں اور اس صحیح بشارت کے مصداق ہیں۔ یہ امر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یقیناً عمدہ ترین فضیلت ہے۔ لہٰذا حضرت موصوف کے حق میں فضیلت کی نفی کا قول کرنا صحیح نہیں۔

علی سبیل التنزل کے درجہ میں اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ قول درست ہے تو اس مقام پر بعض علماء نے "لا یصح" کے قول کی ایک دوسری توجیہ ذکر کی ہے۔ ناظرین کرام کے فائدہ کے لیے پیش کی جاتی ہے:

((ومراده ومراد من قال ذالك من اهل الحديث انه لم يصح حديث فى مناقبه بخصوصه والا فما صح عندهم فى مناقب الصحابة رضی اللہ عنہم على العموم و مناقب قريش فمعاوية رضی اللہ عنہ داخل فيه))[1]

"یعنی ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی مناقب کے لیے عدم صحت حدیث کا قول ہے۔ ورنہ وہ تمام صحیح و مسلم مناقب جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قریش کے لیے کتاب و سنت میں علی العموم موجود ہیں ان مناقب و فضائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل اور داخل ہیں۔"

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا دعائیں، بشارات صحیحہ اور توجیہات کے باوجود یہ کہنا کہ "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی صحیح فضیلت ثابت نہیں" ہرگز درست نہیں۔ فلہٰذا "نفی فضیلت کا قول" قابل رد ہے اور قبول کے لائق نہیں بلکہ اپنا خیال یہ ہے کہ نفی فضیلت کا قول کسی متعصب ذہن کی پیداوار ہے پھر اس نے ایک مشہور عالم دین کی طرف منسوب کر دیا ہے تا کہ اسے قبولیت عام حاصل ہو جائے۔

امارت و خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اشارات

سابقہ اوراق میں زبان نبوی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض دعائیں ذکر کی گئی ہیں پھر ان دعاؤں کے نتائج و ثمرات اپنی جگہ پر مسلم ہیں اور ان کے اثرات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اسلامی خدمات کی توفیق کی صورت میں نمایاں ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جسے مورخین نے اپنے مقام پر درج کیا ہے۔

اب اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور خلافت کے متعلق جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] المنار المنیف (ابن قیم) ص ۱۱۶ فصل ۳۵ طبع حلب۔

طرف سے بعض اشارات پائے جاتے ہیں جن کو بشارات سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ انھیں محدثین نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ان کو یہاں ذکر کر دینا مفید خیال کیا ہے۔ پھر اس مسئلہ کی بعض تائیدات بھی دستیاب ہوتی ہیں ان کو بھی ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

محدثین نے اس امر کے متعلقہ متعدد روایات اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں۔ ذیل میں ایک ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا جاتا ہے:

مشہور محدث ابن ابی شیبہ نے اس مسئلہ پر درج ذیل روایت ذکر کی ہے:

① ((عن عبدالملك بن عمير قال قال معاوية رضي الله عنه: ما زلت اطمع فی الخلافة منذ قال لی رسول الله صلى الله عليه وسلم: یا معاوية ان ملکت فاحسن))[1]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور تاریخ بلدہ دمشق میں بالفاظ ذیل یہی روایت نقل کی ہے۔ اور نیز ذکر کیا ہے کہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے لیے دیگر شواہد موجود ہیں اس لیے اگر اس میں ضعف پایا جائے تو اس کا ازالہ ان شواہد کی وجہ سے ہوگا:

② ((عن اسماعیل بن ابراهیم بن مهاجر عن عبدالملك بن عمير قال قال معاوية: والله ما حملنی علی الخلافة الا قول النبی صلى الله عليه وسلم لی یا معاوية ان ملکت فاحسن قال البیهقی اسماعیل بن ابراهیم هذا ضعیف الا ان للحدیث شواهد))[2]

نیز عبدالملک بن عمیر کی روایت ہذا کے متعلق کبار علماء نے یہ تصریح بھی ذکر کر دی ہے کہ

((والحدیث حسن کما علمت فهو مما یحتج به علی فضل معاوية...... الخ))[3]

''یعنی یہ روایت درجہ حسن میں ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر استدلال کے قابل ہے۔''

اس مضمون کی متعدد روایات مزید بھی دستیاب ہوتی ہیں مگر اصل مضمون کے اثبات کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

---

1. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۷-۱۴۸ ج ۱۱ آخر کتاب الامراء، طبع کراچی۔
المطالب العالیہ (ابن حجر) ص ۱۰۸ ج ۴ تحت باب فضل معاویہ طبع کویت

2. تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ قلمی ص ۲۹۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

3. الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۱۳۰ بہامشہ تطہیر الجنان، الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعہ فی الصحابہ رضی اللہ عنہم الخ، طبع قدیم مصری مطبع میمنہ۔

اور ان روایات کا مضمون یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ارشاد فرمایا کہ ''اے معاویہ! جب تجھے اقتدار اور جہانبانی نصیب ہو تو رعایا سے بہتر معاملہ کرنا۔'' اس چیز نے خلافت کے معاملہ میں مجھے امید دلائی اور اس بات پر مجھے آمادہ کیا۔

حضرت موصوف ارشاد نبوی کے پیش نظر رعایا کے ساتھ خیر و صلاح کا معاملہ کرتے تھے اور اپنی زندگی کو بھلائی کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے تھے۔ اور آں موصوف نے امارت اور خلافت کے معاملہ میں جو مساعی کیں وہ گویا ان بشارات نبوی کی روشنی میں ان کی تکمیلی صورت تھی۔

④ اور اس مقام پر ایک دیگر روایت جو سعید بن عمرو سے مروی ہے ذکر کی جاتی ہے یہ بھی مضمون سابق کی تائید میں ہے اور شواہد کا درجہ رکھتی ہے۔ اسے علماء نے مرسلاً و موصولاً درج کیا ہے اور ساتھ فرمایا ہے کہ اس کی سند کے رجال صحیح ہیں یعنی ضعیف نہیں۔

((عن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص ان معاویة رضی اللہ عنہ اخذ الاداوة بعد ابی هریرة رضی اللہ عنہ تبع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واشتكى ابوهريرة رضی اللہ عنہ فبینا هو یوضئی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رفع رأسه الیه مرة او مرتین وهو یتوضاء فقال یا معاویة "ان ولیت امرا فاتق الله واعدل" قال فما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حتی ابتلیت۔ "رواه احمد وهو مرسل ورجاله رجال الصحیح۔ ورواه ابو یعلی عن سعید عن معاویة فوصله ورجاله رجال الصحیح" الخ))[1]

''یعنی مطلب یہ ہے کہ سعید بن عمرو کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے) ایک دفعہ بیمار ہو گئے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مشکیزہ (جس سے وضو کرایا جاتا

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۵ ج ۹ تحت ماجاء فی معاویہ رضی اللہ عنہ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۸۶ ج ۵ تحت امرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۴۴۶ ج ۶ تحت ماجاء فی اخبارہ بملک معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ عکسی) ص ۶۹۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مشکوۃ شریف ص ۳۲۳ فصل ثالث کتاب الامارۃ بحوالہ مسند احمد
الناہیہ عن طعن معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۳۳ طبع ملتان از مولانا عبدالعزیز پرہاروی
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۵ فصل ثانی فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیاۃ الخ مع صواعق محرقہ۔

تھا) اٹھا لیا اور وہ وضو کرانے کی خدمت سرانجام دینے لگے۔ اسی اثنا میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا سر مبارک ایک بار یا دو بار اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ''اے معاویہ! اگر امارت وخلافت کا تم کو والی بنایا جائے تو خدا سے خوف کرنا اور عدل وانصاف کرنا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے پیش نظر برابر مجھے یہ خیال رہا کہ میں اس کام میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں اس آزمائش میں داخل ہوا اور مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔''

بہت سے علمائے کبار نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور تائید کی ہے ان میں سے بعض حضرات کے حوالہ جات حاشیہ میں درج کر دیے ہیں رجوع کر کے تسلی کی جاسکتی ہے۔

چند دیگر تائیدات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وخلافت کے متعلقہ ذخیرۂ مرویات میں سے چند ایک روایات جو سابقاً ذکر کی ہیں وہ براہ راست اصل مضمون کی موید ہیں۔ اب سطور ذیل میں بعض چیزیں مسئلہ ہذا کے لیے بطور تائید ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی فضیلت بالواسطہ پائی جاتی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ان چیزوں کا صحیح مصداق اور محمل ہے کیونکہ ایک مدت دراز تک آں موصوف کی امارت وخلافت قائم رہی۔

① چنانچہ حدیث شریف میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

((عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلافة بالمدينة والملك بالشام))[1]

''مطلب یہ ہے کہ اسلامی خلافت مدینہ طیبہ میں ہوگی اور اسلام کی امارت وحکمرانی ملک شام میں قائم ہوگی۔''

② اور تورات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فضائل ومناقب موجود ہیں۔ ایک مشہور تابعی کعب (احبار) نے یہ فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

((عن كعب (الاحبار) يحكى عن التوراة قال نجد مكتوبا محمد رسول الله۔ مولده بمكة وهجرته بطيبة وملكه بالشام...... الخ))[2]

''یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی تورات میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۳ تحت باب ذکر الیمن والشام فصل ثالث

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۴ فصل ثانی من باب فضائل سید المرسلینؐ (طبع نور محمدی دہلی)

مکہ مکرمہ میں ہوگی اور آپ کی دار ہجرت وسکونت مدینہ طیبہ میں ہوگی، آپ کے دین کی حکمرانی ملک شام میں ہوگی۔"

مشہور شارح حدیث ملا علی قاری رحمہ اللہ نے روایت ہذا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((ملکه ای بعد انتهاء مدته وایام خلافته بالشام کما کان لمعاویة رضی اللہ عنہ و من بعده لبنی امیة علی ذالك النظام۔ الخ))[1]

"یعنی آپ کے ایام خلافت کی انتہا ملک شام میں ہوگی، جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد خلفائے بنوامیہ کے دور میں ہوا۔" (یہ بطور غالب احوال کے ہے)

نیز کعب الاحبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وحکومت کے متعلق ایک پیش گوئی منقول ہے کہ:

((قال کعب الاحبار لن یملك احد هذه الامة ما ملك معاویة))

(الصواعق المحرقہ لابن حجر المکی ص ۲۰۰ تحت الخاتمہ)

"یعنی جس طرح حکومت وامارت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ملے گی اس طرح کسی کو نہیں ملے گی۔"

یہ کعبؒ کی پیش گوئی ہے اس لیے کہ کعبؒ خلافت معاویہ سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔

(۳) نیز شریح بن عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار کسی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اہل شام کا تذکرہ قبیح الفاظ میں کیا اور ساتھ ہی کہا گیا کہ اے امیر المومنین اہل شام پر لعنت کیجیے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا اہل شام پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علی و قیل العنهم یا امیر المؤمنین قال لا۔ انی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل الله مکانه رجلا یسقی بهم الغیث وینتصربهم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بهم العذاب))[2]

"مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک شام میں چالیس (۴۰) ابدال ہوتے ہیں جب ان میں سے کوئی ابدال فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا شخص متعین فرما دیتے ہیں اور یہ ایسے بابرکت لوگ ہیں کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں، دشمنوں پر ان کے ذریعے سے غلبہ ہوتا ہے اور ان کے ذریعے سے اہل شام سے عذاب دور کر دیا جاتا ہے۔"

(۴) پھر اس کے بعد ملک شام کے حق میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ذکر کی جاتی ہے جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجلس میں بعض علاقوں کے حق میں برکت کی دعا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اللهم بارك لنا فی شامنا۔ اللهم بارك لنا فی یمننا))

"یعنی اے اللہ! ہمارے ملک شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے علاقہ یمن میں برکت دے۔"

اور جب بعض لوگوں نے علاقہ نجد کے لیے دعا کرنے کی استدعا کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ نجد کو نظر

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ (ملا علی قاری) ص ۶۶ ج ۱۱ تحت الروایہ طبع ملتان۔

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۲-۵۸۳ تحت باب ذکر اہل الیمن والشام فصل ثالث طبع دہلی۔

انداز فرماتے ہوئے ایک دفعہ پھر ملک شام اور ملک یمن کے حق میں دعائیہ کلمات دہرائے اور علاقہ نجد میں فتن وفساد کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

((وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللهم بارك لنا فی شامنا۔ اللهم بارك لنا فی يمننا۔ قالوا يا رسول الله! وفی نجدنا قال اللهم بارك لنا فی شامنا اللهم بارك لنا فی يمننا۔ قالوا يا رسول الله! و فی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة هناك الزلازل والفتن و بها يطلع قرن الشيطان۔ رواه البخاری))[1]

خلاصۃ المرام

① مندرجات سابقہ کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علاقہ شام کے حق میں کئی بشارات پائی جاتی ہیں اور یہ علاقہ بے شمار برکات وفضائل کا حامل ہے۔

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی وخوش بختی ہے کہ انھیں قدرت کی طرف سے اس ملک شام میں ایک طویل مدت تک امارت وخلافت کا موقع نصیب ہوا اور انھوں نے اشاعت دین اور بقائے اسلام کے لیے خوب خدمات سرانجام دیں اور خیر وبرکات کے مستحق ہوئے۔

② نیز عنوان سابق کے تحت جو چیزیں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ امارت وخلافت کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کوششیں کیں وہ کسی ذاتی داعیہ نفس کی بنا پر نہیں تھیں بلکہ آں موصوف کے لیے اس مسئلہ میں دیگر اسباب و وجوہ کے ساتھ بصورت اشارات و بشارات کے یہ دواعی بھی موجود تھے۔ اس بنا پر انھوں نے خلافت کے معاملہ میں اپنی مساعی کو جاری رکھا اور دینی وملی خدمات کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

غلط نظریہ کی تردید

اور بعض لوگوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق جو یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ:

''وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔'' وغیرہ وغیرہ

یہ چیز درست نہیں ہے اور واقعات کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ان احادیث کے مضمون کے مخالف بھی ہے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وامارت کے متعلق ایما پایا جاتا ہے۔ ان کا ہم نے گزشتہ اوراق میں حوالہ پیش کر دیا ہے۔

---

1. مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۲ تحت باب ذکر الیمن والشام فصل اول طبع دہلی

اور اس فن کے کبار علماء کی تحقیق کے بھی برعکس ہے فلہٰذا یہ نظریہ مذکور قابل اعتماد نہیں بلکہ اس سے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں سوء ظن پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اجتناب کی توفیق بخشے۔

گزشتہ سطور میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ مذکورہ غلط نظریہ کے جواب کی خاطر کافی ہے تاہم ایک مشہور عالم حدیث کی تحقیق ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے درج کی جاتی ہے جس میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو خلافت حاصل کی اور منصب خلافت پر فائز ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے انھیں یہ مرتبہ ملا ہے وہ متغلّب خلیفہ نہیں۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں کہ:

(("فنال الخلافة" ای صار خلیفة و سلطانا مالکا للبلاد بدعائه صلی اللہ علیہ وسلم وهو اشارة الی حدیث...... الخ))[1]

((وصار خلیفة حقیقة بعد ما کان الحق مع علی صلی اللہ علیہ وسلم لا متغلبا کما اشار الیه المضف بقوله نال الخلافة...... الخ))[2]

غلط فہمی کا ازالہ

اور بعض اہل علم نے یہ قول کیا ہے کہ:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بالکل آخر میں اسلام لائے تھے اس لیے ان کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔"

مندرجات بالا کی روشنی میں ناقدین کا مذکورہ قول ہرگز درست نہیں اور واقعات کے خلاف ہے۔ اس پہلے دور میں جو چند چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان پر نظر انصاف ڈالنے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ اس قلیل مدت میں اسلام کی نہایت اعلیٰ خدمات سر انجام دیں اور دینی امور کے فروغ میں مکمل طور پر حصہ لیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک ان خدمات پر مامور اور ان کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

اختتامی کلمات برائے دور اول

گزشتہ اوراق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات سے لے کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ یہ دور اول ہے۔ اس عہد میں درج ذیل چیدہ چیدہ حالات آ گئے ہیں:

- خاندان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے پدری و مادری نسب کے حالات۔

[1،2] نسیم الریاض (خفاجی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۳ طبع استنبول فصل فی اجابة دعاءہ

- بنی ہاشم کے ساتھ آپ کے خاندانی (نسبی) روابط۔
- حضرت موصوف کا قبول اسلام، غزوات میں شرکت اور حصول غنائم، نیز عہد نبوت میں متعدد مناصب مثلاً کتابت وحی وغیر وحی وفرمان نویسی اور مراسلات نبوی کی خواندگی اور قطعہ اراضی کی تسلیم وغیرہ وغیرہ کا حاصل کرنا۔
- نیز آں موصوف کے حق میں چند فضائل مثلاً جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنا، آپ کے حق میں نبوی دعائیں اور پھر اثرات دعا وغیرہ کا منقول ہونا۔
- عدم فضیلت کے شبہ کا ازالہ
- خلافت وامارت کے متعلق اشارات نبوی اور بشارات وغیرہ کا پایا جانا۔
- خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک حاضر باش خادم ہونے کی حیثیت سے علمی فوائد حاصل کرنا اور بے شمار دینی مسائل سے متمتع ہونا مندرجات بالا امور کے علاوہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خصوصی طور پر علمائے کبار نے ایک دیگر چیز یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو تریسٹھ احادیث حاصل کر کے امت مسلمہ کو پہنچائی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((روی له عن رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة حديث وثلاثة وستون حديثا))[1]

حاصل یہ ہے کہ عہد نبوت میں اسلام لانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان علمی و دینی خدمات کا سرانجام دینا اور وصال نبوی تک ان پر مامور رہنا یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی صاحب انصاف اہل علم انکار نہیں کرسکتا۔ اس پر دور اول کے مذکورہ حالات شاہد عادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں سے حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کے دینی مقام کی رفعت واضح طور پر ثابت ہے۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

دور دوم

سابقہ دور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی چند دینی و اسلامی خدمات ذکر کی ہیں جن کا تعلق عہد نبوی سے تھا پھر سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال اور وصال کے بعد خلافت راشدہ کا دور شروع ہوا۔ اس میں صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی چار دور ہیں ان ادوار میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقہ امور ذکر کرنے کا قصد ہے تا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات ایک طریقہ سے ناظرین کرام کے سامنے یکجا پیش کی جاسکیں۔

ظاہر بات ہے کہ ان ادوار کے تمام واقعات (جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے) کو یکجا فراہم کرنا بہت مشکل مسئلہ ہے اور عادتاً دشوار ہے تاہم اپنے مقدور کے موافق جو حالات دستیاب ہو سکے ہیں انھیں ایک ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

منصب کتابت اور وثیقہ نویسی

اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کتابت اور وثیقہ نویسی کی بعض خدمات دور صدیقی اور دور فاروقی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کو اختصاراً لکھا جاتا ہے:

① چنانچہ علمائے کرام نے اس سلسلہ میں صدیقی دور کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ اپنے والد عروہ رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عروہ رحمۃ اللہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عروہ رحمۃ اللہ سے دریافت فرمایا کہ اس ''خاص تحریر'' کا کیا ہوا؟ تو عروہ رحمۃ اللہ نے کہا کہ وہ تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! وہ تحریر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اور اس کی تفصیل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ آپ کے والد زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک قطعہ اراضی متعین فرمایا اور اس کے متعلق یہ وثیقہ میں نے لکھا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور اس تحریر کو اپنے پاس پردہ میں رکھ لیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ شاید آپ کسی خاص کام میں مصروف تھے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے

گئے۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ تحریر برآمد کی اور اس کی تکمیل کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے وہ تحریر مکمل کی۔ (واقعہ ہذا کے شروع میں اسی تحریر کو ''المسلول'' سے تعبیر کیا گیا ہے)

((عن هشام بن عروه عن ابيه قال دخلت على معاوية رضي الله عنه فقال لی ما فعل "المسلول" قال قلت هو عندی فقال انا والله خططته بيدی۔ اقطع ابوبكر الزبير رضي الله عنه ارضا فكنت اكتبها قال فجاء عمر رضي الله عنه فاخذ ابوبكر رضي الله عنه يعنی الكتاب فادخله فی ثنی الفراش فدخل عمر رضي الله عنه كانكم علی حاجه فقال ابوبكر رضي الله عنه نعم فخرج فاخرج ابوبكر الكتاب فاتممتهٗ))[1]

(۲) مذکورہ واقعہ کی طرح ایک دوسرا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا تھا۔ اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اہم سرکاری کام میں تعاون کرتے ہوئے وثیقہ نویسی کا فریضہ ادا کیا۔

مورخین نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کے علاقہ میں جابیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کفار (نصاریٰ) کی طرف سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی طرف سے انھوں نے اہل اسلام سے صلح اور امان طلب کرنے کا مطالبہ پیش کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے صلح کرنے اور امان اور مصالحت کا ایک وثیقہ تحریر کرایا اور ان پر جزیہ (شرعی ٹیکس) عائد کیا اور دیگر شرائط بھی ان پر لگائیں جن کو مورخین ابن جریر طبری وغیرہ نے لکھا ہے۔

اس وثیقہ میں اہل اسلام کی طرف سے جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت درج کی گئی وہ مندرجہ ذیل اصحاب ہیں:

خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔

اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شاہد ہونے کے ساتھ ساتھ اس وثیقہ کے انشاء (تحریر) کرنے والے بھی تھے۔ اور یہ وثیقہ ۱۵ھ میں تحریر کیا گیا تھا۔ اور بقول بعض مورخین یہ واقعہ ۱۶ھ میں پیش آیا تھا اور فتح بیت المقدس بھی ۱۶ھ میں ہوئی تھی۔

((فقال عمر رضي الله عنه ان هولاء قوم يستامنون فساروا نحوهم فاذا هم جند من بيت المقدس يطلبون الامان والصلح من امير المؤمنين حين سمعوا بقدومه فاجابهم عمر رضي الله عنه الى ما سألوا، و كتب لهم كتاب امان و مصالحة و ضرب عليهم الجزية، واشترط عليهم شروطا ذكرها ابن جرير، و شهد فی الكتاب خالد بن وليد و عمرو بن العاص وعبدالرحمن بن عوف و

[1] سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۴۵ ج ۶ آخر باب کتاب القطائع اول طبع حیدرآباد دکن

معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وهو كاتب الكتاب وذالك فی سنة خمسة عشر))[1]

کتابت اور وثیقہ نویسی کے صرف دو واقعات یہاں ناظرین کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ ایک واقعہ کا تعلق صدیقی عہد خلافت سے ہے اور دوسرا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا۔

اسی طرح ان ادوار میں اسی نوع کے کئی دیگر واقعات یقیناً پیش آئے جن کو شمار کر لینا آسان کام نہیں۔

ان واقعات کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ''دینی اعتماد'' ثابت ہوتا ہے اور اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وثاقت وصلاحیت معتمد طریقہ سے پائی جاتی ہے اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام اعتماد واضح ہوتا ہے کہ ان اہم وثیقہ جات میں بطور شاہد کے ان کو شامل وشریک کیا جاتا تھا۔

غزوات میں شرکت

جنگ یمامہ

عہد صدیقی میں ایک اہم جنگ ربیع الاول ۱۲ھ میں پیش آئی جسے ''جنگ یمامہ'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے یہ جنگ عقیدہ ختم نبوت پر واقع ہوئی۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہو چکا۔ اس دور میں ''مسیلمہ بن حبیب'' نامی ایک کذاب نے یمامہ کے علاقہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کذاب کو ختم کرنے کے لیے اس کے ساتھ ایک خون ریز جنگ کی۔ جنگ یمامہ میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہوئے اور اس مسئلہ ختم نبوت کو ان حضرات نے کسی ''زبانی بحث ومباحثہ'' یا ''کتابی مناظرہ'' کے ذریعے سے نہیں بلکہ تیغ وسنان اور قوت بازو سے حل کیا اور باطل نبوت کے مدعی کو اور متبعین کو تہ تیغ کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

اس سلسلے میں مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شامل ہوئے اور بقول بعض مورخین مسیلمہ کذاب کے قتل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ بھی شریک تھے۔ مسیلمہ کذاب کو اول اول نیزہ لگانے والے وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تھے جبکہ ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار کے ذریعے سے زخمی کیا تھا اور عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی قتل مسیلمہ میں شریک تھے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور بقول بعض مسیلمہ کے

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۷ جلد ۷ تحت ذکر فتح بیت المقدس ......الخ
تاریخ طبری ص ۱۶۰ ج ۴ تحت ذکر فتح بیت المقدس

قتل میں بھی شامل تھے۔

((وشهد يمامة وزعم بعضهم انه هو الذى قتل مسيلمة حكاه ابن عساكر۔ وقد يكون له شرك فى قتله۔ انما الذى طعنه وحشى و جلله ابو دجانه سماك بن خرشة رضي الله عنه بالسيف))[1]

اور صاحب تاریخ خمیس نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا۔

((وكان معاوية بن ابى سفيان يقول انا قتلته))[2]

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا مورخین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام کی اس مہم میں شامل ہوئے تھے اور مسیلمہ کے قتل میں بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی شرکت ثابت ہے۔

علاقہ شام کی طرف روانگی

صدیقی دور میں علاقہ شام کی طرف مسلمانوں کے مختلف جیوش اور عساکر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ارسال کیے گئے۔ شام کی مہمات میں جیوش کے ارسال کا سلسلہ متعدد بار پیش آیا۔

چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شام کی طرف صدیقی دور میں مہمات سر کرنے کے لیے بھیجا گیا اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان مہمات میں شامل تھے۔

بعض دفعہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مزید کمک کی ضرورت پیش آئی اور حالات کا تقاضا ہوا کہ مزید آدمی روانہ کیے جائیں تو اس وقت بعض لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقاضا کیا کہ ملک شام کی طرف مزید ایک امدادی دستہ بھیجنے کی ضرورت ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا اور ان کو ہدایت فرمائی کہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ شامل ہوں اور ان کی ماتحتی میں خدمات سرانجام دیں۔

چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:

① ((واجتمع الى ابى بكر رضي الله عنه اناس فامر عليهم معاوية رضي الله عنه وامره باللحاق بيزيد فخرج معاوية رضي الله عنه حتى لحق بيزيد))[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۹۶ تحت مسئلہ ہذا

[2] تاریخ الخمیس (شیخ دیار بکری) ص ۲۱۶ ج ۲ تحت واقعہ ہذا

[3] تاریخ ابن جریر طبری ص ۳۰ ج ۴ تحت سنہ ۱۳ھ

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

۲ ((ثم اجتمع عند الصدیق طائفة من الناس فامر علیهم معاویة رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وارسله وراء اخیه یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما))[1]

نیز ابن جریر طبری نے ''خبر الیرموک'' کے تحت بھی ایک موقع پر ذکر کیا ہے کہ لشکر کے کئی دستے تیار ہوئے ان میں سے بعض دستوں پر جو امیر مقرر ہوئے ان میں امیر معاویہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیر بنا کر روانہ کیا تھا۔

((امر علیهم ابوبکر رضی اللہ عنہ معاویة و شرحبیل رضی اللہ عنہما ......الخ))[2]

ایک حکمت عملی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حکمرانی کے مسئلہ میں عمیق بصیرت عطا فرمائی تھی جو عام حکمرانوں میں بہت کم ہوتی ہے۔ حکام کو مناصب دہی اور والیوں میں تقسیم عہدہ جات ایک خاص دقیق امر ہے جو عام لوگوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل ایک خاص بصیرت کا حامل تھا۔ آں موصوف کی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ''حکمت عملی'' یہ تھی کہ اکابرین امت مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر آپ ان سے کم درجے کے حضرات مثلاً عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو عامل بناتے تھے حالانکہ پہلے حضرات کی بصیرت اور ان کا عمل سب سے فائق اور افضل تھا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے بعض حضرات نے اس حکمت عملی کی وجہ دریافت کی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان کی شان سے کم درجہ کے عمل میں ان کو ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے نگران ہوں اور مشورہ کے ساتھ حکومت کی بہتری کے لیے تدبیر کریں اور خلیفہ اسلام کے ساتھ اہم معاملات میں تعاون قائم رکھیں تا کہ مرکز مضبوط اور محفوظ رہے۔

گویا کہ ان اکابرین امت کے حق میں ایک گونہ ''خصوصی تحفظ'' مقصود خاطر تھا جس کی خاطر یہ صورت انھوں نے اختیار کر رکھی تھی۔

اسی مضمون کو ابن سعد رحمہ اللہ نے ''طبقات'' میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((وکان یستعمل رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل عمرو بن العاص و معاویة بن ابی سفیان والمغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہم ویدع من هو افضل منهم

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۴ ج۷ تحت سنہ ۱۳ھ

۲ تاریخ ابن جریر طبری ص۳۲ ج۴ تحت خبر الیرموک سنہ ۱۳ھ

مثل عثمان و علی وطلحه والزبیر وعبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ونظرائهم لقوة اولئك على العمل والبصربه ولا شراف عمر عليهم وهيبتهم له وقيل له ما لك لا تولى الاكابر من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال اكره ان ادنسهم بالعمل))[1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مذکورہ ''حکمت عملی'' کی روشنی میں حکام اور ولات کو ملک کے مختلف جوانب واطراف میں روانہ کیا جاتا تھا بعض کو عراق وغیرہ کی طرف اور بعض کو ملک شام کی جانب بھیجا جاتا۔

چنانچہ اس سلسلے میں شام کے چند وہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مرکز اسلامی کی طرف سے امیر بنا کر روانہ کیا گیا یا ان کا اس ملک میں اسلامی خدمات بجا لانے میں براہ راست تعلق ہے۔ اس دور کے تمام واقعات (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں) کو فراہم کر لینا عملاً دشوار ہے۔ سردست جو واقعات دستیاب ہوئے ہیں انھیں پیش کیا جاتا ہے۔

فتح اردن

علاقہ شام کی فتوحات میں فتح اردن ۱۵ھ میں ہوئی۔ یہ ایک مستقل مہم تھی۔ اس موقع پر لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس موقع پر امیر الافواج تھے لیکن ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امیر الامراء تھے۔ جب سواحل اردن کا معاملہ پیش آیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجنے کے لیے آمادہ کیا اور ان کے ساتھ جو دستہ فوج روانہ کیا اس کے مقدمہ الجیش پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نگران تھے۔

سواحل اردن پر اسلامی افواج نے بڑی زبردست جنگ لڑی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عطا فرمائی یہ فتح حاصل کرنے والے یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما تھے۔

سواحل اردن کی فتح کی خوشخبری حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مرکز روانہ کی اور یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی مساعی کا ذکر کیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سواحل اردن کی مہم میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی نمایاں کارنامے اور اہم کارکردگی پائی جاتی ہے جو قابل ستائش ہے اور معاملہ فہمی و جنگی بصیرت کا روشن نشان ہے۔

((فكتب (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) الى ابى عبيدة رضی اللہ عنہ يستمده فوجه ابو

---

[1] طبقات ابن سعد، ص ۲۰۳ ج ۲ تحت ذکر استخلاف عمر رضی اللہ عنہ، طبع لیڈن

عبيدة رضي الله عنه يزيد ابن ابى سفيان رضي الله عنهما فسار يزيد رضي الله عنه و على مقدمته معاوية رضي الله عنه اخوه ففتح يزيد و عمرو رضي الله عنهما سواحل الاردن۔ فكتب ابوعبيدة رضي الله عنه بفتحها لهما وكان لمعاوية رضي الله عنه فى ذالك بلاء حسن واثر جميل))[1]

مرج الصفر

مرج الصفر کے قتال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ معرکہ میں خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کی تلوار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔[2] جب مسلمان مرج الصفر کے قتال سے فارغ ہوئے تو پندرہ بیس دن بعد انھوں نے شہر دمشق کی طرف رجوع کیا یہ محرم الحرام ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ فتح دمشق کے بعد مسلمانوں نے غوطہ کے مقام پر قبضہ کیا۔[3]

سواحل دمشق

فتح دمشق میں اکابر صحابہ کرام حضرت ابوعبیدہ، خالد بن ولید، یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم حضرات کی مساعی شامل ہے۔ فتح دمشق کے ساتھ ہی اس علاقے کے سواحل صیدا، عرقہ، جبیل، بیروت وغیرہ کی طرف اسلامی فوجوں نے توجہ کی اور ان علاقوں کو بڑی کوشش سے فتح کیا۔

اس موقع پر لشکر کے ''مقدمۃ الجیش'' پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی کمان میں یہ فتوحات کثیرہ ہوئیں خصوصاً ''عرقہ'' کی فتح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش سے ہوئی تھی۔ یہ ان کے فہم و تدبیر کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

((ان يزيد اتى بعد فتح مدينة دمشق صيداء، عرقة وجبيل وبيروت وهى سواحل۔ وعلى مقدمته اخوه معاوية رضي الله عنه ففتحها فتحا يسيرا وجلا كثيرا من اهلها وتولى فتح عرقة معاوية رضي الله عنه نفسه فى ولاية يزيد))[4]

دمشق کی فتح کے بعد اس کے ملحقہ علاقہ جات کی فتح کے لیے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو طرابلس کے علاوہ دیگر سواحل دمشق کی طرف روانہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان علاقہ جات کے قلعوں کی طرف تشریف لے گئے۔ بعض اوقات انھیں وہاں دو دن قیام کرنا پڑتا اور بعض دفعہ کچھ زیادہ ایام صرف ہو جاتے۔ بعض مقامات پر قتال کی نوبت بھی آئی اور بعض دفعہ تیر اندازی ہی کافی رہی۔

۱۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۳ تحت امر اردن، طبع اولیٰ (مصر)

۲۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۶ تحت مرج الصفر

۳۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۷ تحت فتح مدینہ دمشق وارضھا۔

۴۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۳ تحت فتح مدینہ دمشق وارضھا

پس انھوں نے ان علاقوں کو بڑی آسانی سے فتح کر کے حکومت اسلامی میں لے لیا اور ان پر اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔

چنانچہ بلاذری رحمہ اللہ نے اس مضمون کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن الوضین: قال کان یزید بن ابی سفیان وجه معاویة رضی اللہ عنہ الی سواحل دمشق سوی طرابلس فانه لم یکن یطمع فیها۔ فکان یقیم علی الحصن الیومین والایام الیسیرة فربما قوتل قتالا غیر شدید وربما رمی ففتحها))[1]

مختصر یہ ہے کہ دمشق اور اس کے ملحقات کی فتوحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مع دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑی قابل قدر مساعی کیں اور شاندار کارنامے بجالائے اور ان تمام ممالک پر عظمت اسلام کا پرچم لہرایا۔

فتح قیساریہ

مورخین نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی مہم میں کافی وقت صرف ہوا تھا اور اس میں اکابر صحابہ کرام عمرو بن عاص، ابوعبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم نے متعدد بار چڑھائی کی۔

اسی دوران میں ۱۸ھ میں طاعون عمواس سے دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی فوت ہو گئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسی مہم کے دوران میں قیساریہ سے مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو فلسطین اور شام کے علاقوں میں لشکروں کا والی بنایا اور غزوہ قیساریہ کی مہم کو سر کرنے کا حکم دیا۔ اس دوران میں قیساریہ کا محاصرہ جاری تھا اور کئی ہزار فوج قیساریہ کے مقام پر پہنچی ہوئی تھی۔

بقول بعض مورخین اس مہم پر سات سال صرف ہوئے۔

۱۸ھ کے آخر میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے اور دمشق کی طرف چلے گئے اور قیساریہ کی مہم پر اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کو فتح کیا اور فتح کی نوید مسرت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کی۔

بقول بعض مورخین ۱۹ھ میں دمشق میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ کی وفات کی خبر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے برادر کی جگہ جنود اسلام کا امیر اور اس علاقے کا والی مقرر فرمایا۔

اس موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متوفی فرزند یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیے جانے پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جناب نے صلہ رحمی کا خیال رکھا ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا

① ((ولی عمر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلسطین مع ما ولاہ من اجناد الشام و کتب الیہ یامرہ بغزو قیساریۃ وقد کانت حوصرت قبل ذالک فنهض الیها فی سبعة عشر الفا فقاتله اهلها ثم حصرهم و مرض فی اخر سنة ۱۸ ھ فمضی الی دمشق و استخلف علی قیساریۃ اخاه معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ففتحها وکتب الیہ بفتحها ولما توفی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کتب عمر رضی اللہ عنہ الی معاویۃ رضی اللہ عنہ بتولیته ما کان یتولاہ فشکر ابوسفیان رضی اللہ عنہ ذالک له))[1]

② ((وکان یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما هذا نائب عمر رضی اللہ عنہ علی دمشق فلما مات ولی النیابة بعدہ اخوہ معاویۃ رضی اللہ عنہ))[2]

③ ((فلما مات یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سنة بضع عشرہ وجاء البرید الی عمر رضی اللہ عنہ بموته۔ رد عمر رضی اللہ عنہ البرید الی الشام بولایة معاویۃ مکان اخیه یزید۔ ثم عزی ابا سفیان رضی اللہ عنہ فی ابنه یزید۔ فقال: یا امیر المؤمنین من ولیت مکانه؟ قال: اخوہ معاویۃ۔ قال وصلت رحما یا امیر المؤمنین))[3]

مورخین کہتے ہیں کہ ۱۹ھ میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ اس مہم پر سات سال تک محاصرہ رہا۔ آخر کار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے یہ فتح ہوئی۔

④ ((ان قیساریۃ فتحت قسرا فی سنة ۱۹ ھ فلما بلغ عمر رضی اللہ عنہ فتحها نادی ان قیساریۃ فتحت قسرا و کبر و کبر المسلمون وکانت حوصرت سبع سنین و فتحها معاویۃ رضی اللہ عنہ))[4]

اور تاریخ طبری میں ہے کہ

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۷ تحت امر فلسطین، طبع اول مصر
تاریخ ابن خلدون ص ۹۴۷ ج ۲ تحت وقعہ مرج الروم وفتوح مدائن الشام بعدہا
البدایہ ص ۱۲۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

[2] دول الاسلام (ذہبی) ص ۵ ج ۱

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۸ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن شبہ ص ۸۳۷ جز ۳ طبع قاہرہ۔

[4] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۷-۱۴۹ تحت امر فلسطین، طبع اول مصر

((قال ابو معشر کان فتح قیساریة فی هذه السنة اعنی سنة تسع عشرة و امیرها معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما))[1]

''یعنی ۱۹ھ میں فتح قیساریہ ہوئی اور اس مہم کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے ان کی کوشش سے یہ فتح سرانجام پائی۔''

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالہ سے اسے ''الاصابہ'' میں اس طرح تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند ماہ کم سات سال قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک شخص نے مسلمانوں کو قلعہ کے خفیہ راستے کی نشاندہی کی تو اس کے ذریعے سے مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ وہ اتوار کا روز تھا اور رومی اپنے کنیسہ (معبد) میں مجتمع تھے۔ ان کو مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا علم ہی نہ ہو سکا کہ یکا یک مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اس طرح رومی مغلوب ہو گئے۔

اس فتح کا مژدہ تمیم بن ورقا خثعمی نامی قاصد کے ذریعے سے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ فتح قیساریہ کی خوشخبری سن کر جناب امیر المومنین بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا۔

((هشام بن عمار حدثنا یزید بن سمرة عن الحاکم بن عبدالرحمن بن ابی العصماء وکان ممن شهد قیساریة قال حاصرها معاویة رضی اللہ عنہ سبع سنین و مقاتلة الروم الذین یرزقون فیها مائة الف فدلهم النطاق علی عورة وکان من الرهون فادخلهم من قناة یمشی فیها الجمل بالحمل وکان فی یوم الاحد وهم بالکنیسة فلم یشعروا الا بالتکبیر فکان بوارهم، قال یزید بن سمرة فبعثوا بالفتح الی عمر رضی اللہ عنہ مع تمیم بن ورقاء عریف خثعم فقام عمر رضی اللہ عنہ فقال الا ان قیساریة فتحت قسرا))[2]

اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے کتاب الاموال میں مسئلہ ہذا کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حاصرها معاویة رضی اللہ عنہ سبع سنین الا اشهرا ثم فتحوها وبعثوا بفتحها الی عمر بن الخطاب فقام عمر رضی اللہ عنہ فنادی الا ان قیساریة فتحت قسرا))[3]

۱۔ تاریخ ابن جریر طبری، ص ۲۲۵ ج ۴ تحت سنہ ۱۹ھ طبع قدیم۔

۲۔ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹۰ ج ۱ تحت (۸۶۴) تمیم بن ورقاء

تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط عکسی) ص ۲۰۷ ج ۵ تحت حکم بن عبدالرحمٰن الخثعمی۔

۳۔ کتاب الاموال (ابوعبید قاسم بن سلام) ص ۱۰۱ روایت نمبر ۲۷۹ المتوفی ۲۲۴ھ

شیعہ کی طرف سے تائید

مشہور شیعہ مورخ یعقوبی نے اپنی تصنیف ''کتاب البلدان'' میں اسی واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((فخلف عليها (قيسارية) ابوعبيدة بن الجراح رضی اللہ عنہ معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما فافتتحها سنة ثمان عشرة))[1]

''(بقول یعقوبی) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ۱۸ھ میں فتح کیا۔''

اس مقام کے فتح ہونے کی تاریخ میں اگرچہ مورخین کے کئی اقوال پائے جاتے ہیں تاہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فاتح ہونا شیعہ سنی مصنفین دونوں نے نقل کیا ہے اور اسلامی فتوحات میں فتح قیساریہ ایک عظیم مہم تھی جس کو فتح کرنے کی سعادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی اور یہ شرف ان کے حصے میں آیا۔

تنبیہ

جب علاقہ شام میں اہل اسلام کے ہاتھوں بے شمار فتوحات ہوئیں اور مقام حمص اور قنسرین بھی فتح ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کے علاقے کا والی مقرر فرمایا تو مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی دو اور جلیل القدر صحابہ حضرت ابو درداء اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ کو دمشق اور اردن میں منصب قضا پر فائز کیا اور اس کے ساتھ صلوٰۃ کے نظم و نسق پر بھی والی بنایا۔ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو حمص اور قنسرین میں عہدہ قضا پر والی بنایا اور انہیں بھی نماز کے معاملات کا نگران مقرر کیا۔

یہ حضرات صحابہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اپنے اپنے مناصب پر فائز تھے اور اسلامی خدمات سر انجام دیتے تھے۔ ان جلیل القدر صحابہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر حکم ہونا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان کا پتا دیتا ہے۔

احمد بن یحییٰ بلاذری لکھتے ہیں کہ:

((عن تميم بن عطية قال ولى عمر رضی اللہ عنہ معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما الشام بعد يزيد رضی اللہ عنہ و ولى معه رجلين من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الصلاة والقضاء فولى اباالدرداء رضی اللہ عنہ قضاء دمشق والاردن و صلاتهما وولى عبادة رضی اللہ عنہ قضاء حمص وقنسرين و صلاتهما))[2]

---

[1] کتاب البلدان (احمد بن واضح یعقوبی شیعی) ص ۸۵ تحت جند فلسطین۔

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۸ تحت امر فلسطین۔

ایک واقعہ

روایات پر نظر کرنے سے یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہ تقاضائے ضرورت علاقہ شام کی طرف ایک سے زائد سفر کیے۔ اس سلسلے میں ایک بار آنجناب شام کی طرف تشریف لے گئے تو ان ایام میں شام کے علاقہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس علاقہ پر مرکز کی طرف سے والی اور حاکم بنائے گئے تھے وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کی اطلاع ملنے پر آنجناب کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے اور امیر المومنین کی خدمت میں گزارش کی کہ جس علاقہ میں آنجناب تشریف لے جانا چاہتے ہیں وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، اور میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ جب کسی علاقہ میں وبا واقع ہو جائے اور اس مقام پر تم مقیم نہیں ہو تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم وہاں موجود ہو اور وبا پھیل گئی ہے تو (فرار کے طور پر) اس مقام سے مت نکلو۔''

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان نبوی سننے کے بعد واپسی کا ارادہ کر لیا اور وبا کے علاقہ میں تشریف نہیں لے گئے۔

چنانچہ ابوعلی اہوازی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''شرح عقد الایمان'' میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

((عن ابی وائل قال خرجنا مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و هو يريد الشام وقد وقع الوباء و معاوية امير عليها۔ فلما دنوا خرج الينا معاوية فقال: يا امير المؤمنين انا سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: اذا وقع الوباء بارض ولستم بها فلا تدخلوها۔ واذا كنتم بها فلا تخرجوا عنها۔ فرجع عمر))[1]

معلوم ہوا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے مروی ہیں ان پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ اعتماد کر کے عمل درآمد کرتے تھے۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر علمی اعتماد اور دینی وثاقت کی بین دلیل ہے۔

فتح عسقلان

فاروقی دور میں فلسطین کے علاقہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور بہت سے علاقے اہل اسلام نے فتح کیے ان مواضعات میں عسقلان کی فتح کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ مرکز اسلام (مدینہ طیبہ) سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال کیا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں

---

[1] شرح عقد الایمان فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (مخطوطہ) تحت باب ما رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اذا وقع الوباء بارض فلا تدخلوها (مخطوط فی مکتبۃ الاسد السوریا)

سے عسقلان کی طرف توجہ کریں اور اسے فتح کرنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے اس حکم کی تعمیل میں عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

اور بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عسقلان کو فتح کیا تھا اور جب آپ اسے فتح کرنے کے بعد واپس ہوئے تو اہل عسقلان کی روم نے مدد کی اور انھوں نے نقض عہد کر دیا (اور باغی ہو گئے) ۔ان حالات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ پھر وہاں اپنی افواج کو ٹھہرایا اور حفاظی دستے متعین کیے۔

((قالوا وكتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الى معاوية رضی اللہ عنہ يامره بتتبّع ما بقى من فلسطين ففتح عسقلان صلحا بعد كيد۔ ويقال ان عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ كان فتحها ثم نقض اهلها وامدهم الروم ففتحها معاوية واسكنها الرّوابط و وكل بها الحفظة))[1]

مورخین نے لکھا ہے کہ ۲۱ھ میں شام کے علاقہ میں دمشق، بثنیہ، حوران، حمص، قنسرین اور جزیرہ کے علاقہ پر حضرت عمیر بن سعید (سعد) انصاری رضی اللہ عنہ امیر تھے، اور بلقا، اردن، فلسطین، سواحل اور انطاکیہ وغیرہ پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما والی اور حاکم تھے۔

((قال ابن جرير وكان امير دمشق فى هذه السنة (۲۱ھ) عمير بن سعيد رضی اللہ عنہ وهو ايضاً على حمص و حوران و قنسرين والجزيرة وكان معاويه على البلقاء الاردن، وفلسطين والسواحل وانطاكيه، وغير ذالك))[2]

ملک شام میں بے شمار فتوحات ہوئیں اور اسلامی حکومت کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا۔ ان علاقوں میں انتظامات قائم کرنے اور نظم برقرار رکھنے کی ضرورتیں پیش آئیں تو مرکز کی جانب سے ان مقامات پر مندرجہ بالا حکام کا تعین کیا گیا۔ یہ ۲۱ھ تک علاقہ ہذا کے والیوں کا ایک اجمالی خاکہ ہے جو اہل تاریخ نے درج کیا ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔

اس طرح فاروقی دور خلافت میں بلاد شام میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور اس ملک کے مختلف علاقہ جات کو بڑی جدوجہد سے فتح کیا گیا۔

اس سلسلے میں بلاد روم کی طرف بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش قدمی کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۹ تحت امر فلسطین طبع مصر

۲ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۳ ج ۷ تحت ۲۱ھ

تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۵۰ ج ۴ تحت آخر ۲۱ھ

صائفہ کے غزوات جاری رکھے حتیٰ کہ عموریہ کے مقام تک جا پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام جو بلاد روم کے غزوات میں شامل تھے ان میں حضرت عبادہ بن صامت، ابوایوب انصاری، ابوذر غفاری، شداد بن اوس وغیرہم رضی اللہ عنہم زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ان مہمات کو سر کیا اور ان مقامات کو اسلامی حکومت کے دائرہ میں شامل کیا۔

((وقال ابن جرير وفى هذه السنة ۲۳ھ توفى قتادة بن النعمان رضي الله عنه وفيها غزا معاوية رضي الله عنه الصائفة حتى بلغ عمورية معه من الصحابة عبادة بن الصامت و ابوايوب و ابوذر و شداد بن اوس (رضي الله عنهم)۔ وفيها فتح معاوية عسقلان صلحا))[1]

بعض نصائح اور ہدایات ومکتوبات

① حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتیں مختلف اسلامی خدمات پر متعین ہو کر کام کرتی تھیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان حضرات کو حسب موقع نصائح و ہدایات فرماتے اور خطوط بھی ارسال کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات آپ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی قیمتی نصائح تحریر فرمائے اور ان کے لیے ہدایات جاری کیں اور کئی خطوط ارسال کیے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ ایک بار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو درج ذیل نصیحت تحریر فرمائی جو اپنی جگہ بہت پرمغز اور اعلیٰ معانی کی حامل ہے:

((حدثنا معتمر بن سليمان عن النعمان قال كتب عمر رضي الله عنه الى معاوية رضي الله عنه الزم الحق يلزمك الحق))[2]

"مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ حق بات کو لازم پکڑیں، حق آپ کے ساتھ لازم رہے گا۔"

یعنی ہر معاملہ میں امر حق کو ملحوظ رکھیں اور حق بات سے انحراف نہ کریں تو اس کے اثرات وفوائد آپ کو حاصل رہیں گے۔

بعض دیگر مصنفین نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((عن عمر رضي الله عنه انه كتب الى معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما اما بعد: فالزم الحق

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۷ تحت خبر سلمہ بن قیس الاشجعی والا کراد۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۸ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

يبين لك الحق منازل اهل الحق۔ ولا تقض الا بالحق۔ والسلام (ابو الحسن بن زرقوية فى جزئه))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تحریر فرمایا (حمد و صلوٰۃ کے بعد) کہ آپ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس سے اہل حق کے منازل و مراتب آپ پر واضح ہوں گے اور دواماً حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے۔''

② ایک دوسرے مقام پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک نصیحت تحریر کی گئی۔ اسے علماء نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس نصیحت میں آپ نے معاشرہ کے بعض آداب ذکر کیے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے معاویہ! ملاقات کرنے والوں سے تم پردے میں ہو کر مت بیٹھو اور کمزور اور ضعیف آدمی کے لیے تم کو قریب ہونا چاہیے اور اس کو اپنے قریب کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کی زبان کھل کر اپنے معروضات پیش کر سکے اور اس کا دل جری ہو۔ اور جو غریب الدیار اور مسافر ہو اس کی خاص نگہداشت کیجیے۔ کیونکہ جب اس کا رکے رہنا زیادہ ہوگا اور انتظار طویل ہو جائے گا تو وہ تنگی محسوس کرے گا۔ اور اس کی دل شکستگی ہوگی اور وہ حق کو چھوڑ بیٹھے گا (اور اپنے حق سے محروم رہے گا)

((وكتب (عمر رضي الله عنه) الى معاوية رضي الله عنه اياك والاحتجاب دون الناس وادن للضعيف وادنه حتى ينبسط لسانه ويجترى قلبه وتعهد الغريب فانه اذا طال حبسه ضاق اذنه وضعف قلبه وترك حقه))[2]

③ نیز قدیم مورخین نے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عام رعایا کی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال فرمایا کہ

((عن ابيه عن جده عطاء بن مسلم قال كتب عمر رضي الله عنه الى معاوية رضي الله عنه اما بعد فانك لم تؤدب رعيتك بمثل ان تبداهم بالغلظة والشدة على اهل الريبة بعدوا اوقربوا۔ فان اللين بعد الشدة امنع للرعية واحشد لها۔ وان الصفح بعد العقوبة ارغب لاهل الحزم))[3]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل شک و تہمت والے لوگوں پر ابتدا میں تمہیں شدید گرفت رکھنی چاہیے خواہ وہ قریب ہوں یا بعید

---

[1] کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۲۰۸ ج ۸ تحت روایت ۳۵۰۶ کتاب المواعظ والرقائق الخ

[2] ازالۃ الخفا (شاہ ولی اللہ) ص ۱۸۲-۱۹۱-۱۹۲، مقصد دوم تحت الفصل السادس طبع قدیم بریلی۔

[3] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۷۷۵ ج ۲ تحت تقدیر غیبۃ المجاہد بعیداعن اہلہ، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

ہوں کیونکہ فطری طور پر سختی کے بعد نرمی اختیار کرنا رعیت کو نافرمانی سے روکنے اور اطاعت و فرمانبرداری پر مجتمع کرنے والا ہوتا ہے۔ اس طرح سزا دینے کے بعد ان سے درگزر کرنا ہوش مند لوگوں کے لیے زیادہ باعث ترغیب ہوتا ہے۔ تم نے رعیت کو ادب سکھانے اور مہذب بنانے کا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔"

④ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۷ھ یا بقول بعض مورخین ۱۸ھ میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ کے علاقہ میں قحط سالی واقع ہوئی۔ اس کو عام الرمادہ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامی لوگوں کی امداد کے لیے اپنے دیگر علاقوں کے عمال کی طرف مکتوب ارسال فرمائے۔ چنانچہ کوفہ میں سعد بن ابی وقاص، بصرہ میں ابوموسیٰ اشعری، مصر میں عمرو بن عاص، اور شام میں امیر معاویہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف تعاون کے لیے تحریر فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام عمال نے اپنے اپنے علاقوں سے خوراک کی ضرورت کی اشیاء آٹا، گھی، چربی، زیتون وغیرہ اپنے وسائل کے ذریعے سے مرکز اسلام مدینہ طیبہ ارسال کیں۔

مشہور مورخ ابن شبہ رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اسی چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((قال: فكتب اليه ابو موسىٰ رضی اللہ عنہ اما بعد فانی قد وجهت اليك عيرا تحمل الدقيق والزيت والسمن والشحم والمال۔ وكتب اليه سعد و معاوية رضی اللہ عنہما بمثل ذالك۔ وكتب اليه عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قد وجهت السفين ترى بعضها فی اثر بعض))[1]

⑤ اسی طرح مورخین نے اس مقام پر حضرت عمر فاروق اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ علاقہ شام میں تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کے ہمراہ سواروں کی ایک کثیر جماعت تھی اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ آ کر آپ سے ملے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فطری طور پر سادگی پسند تھے) تو اس حالت کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ جماعت تمھاری نگرانی میں ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں یا امیر المومنین! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس طرح بڑی شان وشوکت سے رہتے ہو؟ دیگر بات یہ ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حاجت مند لوگ تمھارے دروازے پر دیر تک انتظار میں کھڑے رہتے ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ بات درست ہے، تو حضرت

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۷۴۴ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ تحت امر الرمادہ وما فعل عمر رضی اللہ عنہ فی ذالک العام۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ (تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں تمھیں اس بات کا حکم دوں کہ تم یہاں سے پا پیادہ چل کر حجاز تک جاؤ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ہم ایسے علاقہ میں مقیم ہیں جہاں مسلمانوں کے دشمن کثیر تعداد میں رہتے ہیں اور ان سے ہمیں سابقہ رہتا ہے اور جاسوسی کرتے ہیں۔ ان حالات میں مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے متنبہ رہنا ضروری ہے اور ان کی نظر میں رعب اور ہیبت قائم رکھنے اور اہل اسلام اور مسلمانوں کے لیے شان وشوکت سے رہنے کی ضرورت ہے۔ اب جو آنجناب ارشاد فرمائیں وہی کیا جائے گا اور جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے اس سے اجتناب کیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایسی صورت میں) نہ میں تمھیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعرض نہیں فرمایا۔

اس موقع پر حاضرین میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کی گرفت سے کس خیر و خوبی سے معاویہ نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اسی وجہ سے ہم نے اس کے کندھوں پر بارگراں ڈال رکھا ہے (اور اہم ذمہ داریاں اس کے سپرد کر رکھی ہیں)

((لما قدم عمر بن خطاب الشام تلقاه معاوية فى موكب عظيم، فلما دنا من عمر رضی اللہ عنہ قال له: انت صاحب الموكب؟ قال نعم يا امير المؤمنين قال: هذا حالك مع ما بلغنى من طول وقوف ذوى الحاجات ببابك؟ قال هو ما بلغك من ذالك قال ولم تفعل هذا؟ لقد هممت ان آمرك بالمشى حافيا الى بلاد الحجاز، قال: يا امير المؤمنين انا بارض جواسيس العدو فيها كثيرة، فيجب ان نظهر من عز السلطان ما يكون فيه غزل الاسلام واهله ويرهبهم به۔ فان امرتنى فعلت، وان نهيتنى انتهيت فقال له عمر رضی اللہ عنہ: لا آمرك ولا انهاك۔ فقال رجل: يا امير المومنين ما احسن ما صدر الفتى عما اوردته فيه؟ فقال عمر رضی اللہ عنہ لحسن موارده و مصادره جشمناه ما جشمناه))[1]

تحفظ حدیث کا اہتمام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے اور روایت کرنے میں ایک خاص نظم

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۴، ۱۲۵ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
ازالۃ الخفا (شاہ ولی اللہ) ص ۱۸۳ مقصد دوم طبع اول بریلی۔

قائم کر رکھا تھا اس کے تحت خاص خاص اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس منصب پر متعین کر کے اطراف و اکناف میں اس امر کے لیے روانہ فرمایا کرتے تھے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہی حضرات بیان کریں اور لوگ ان کی راہنمائی میں روایت حاصل کریں۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ کیا اور معقل بن یسار اور عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کو بصرہ کے علاقہ کی طرف بھیجا۔ عبادہ بن صامت اور ابو دردا رضی اللہ عنہما کو ملک شام کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو امیر شام تھے ان کو خاص ہدایت تحریر کی گئی اور اس چیز کا پابند کیا گیا کہ ان حضرات کے بغیر دیگر لوگوں سے حدیث حاصل نہ کریں اور ان کے سوا کوئی دیگر شخص وہاں حدیث روایت نہ کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں کہ:

''سوم آنکہ علماء صحابہ را در آفاق فرستند و ایشاں را امر نمایند بر روایت حدیث و مرد مانرا حمل کنند براخذ از ایشاں چنانکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ را با جمع بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم را ببصرہ و عبادہ بن صامت و ابودردا رضی اللہ عنہما را بشام و بمعاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نہ کنند۔''[1]

اس دور میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''حفاظت حدیث'' کی یہ ایک تدبیر تھی جو اختیار کی گئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاں مرکز کی طرف سے دیگر ہدایات دی جاتی تھیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تحریر کی گئی تھی کہ حدیث نبوی کے بیان کرنے اور روایت کرنے کا خاص خیال رکھا جائے تا کہ ہر کہ ومہ اس معاملہ میں دخیل ہو کر حدیث نبوی کے اصل مضامین میں کوئی کمی بیشی نہ کر دے اور روایت کے مضمون کو تحفظ حاصل رہے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرکز کی طرف سے اس ہدایت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

قدر شناسی اور قدر دانی کے کلمات

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے حکام اور ولات پر سخت گیری اور شدید گرفت فرمایا کرتے تھے جس کے واقعات ناظرین کرام کے سامنے واضح ہیں۔ اور بسا اوقات معمولی چیزوں پر بھی آپ کا احتساب فرمانا منقول ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ولات اور عمال کی عمدہ کارکردگی پر ان کی قدر دانی قدر شناسی اور عزت افزائی بھی فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرکی اور دانشمندی کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قدر

[1] ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ ص ۶ جز دوم فارسی تحت امر کردن صحابہ را بر روایت حدیث، طبع قدیم بریلی۔

دانی کے کلمات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن میں ان کی طبعی فراست و کمال ہوشمندی کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ اس چیز کو مورخین نے اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

① ((قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تذکرون کسریٰ و قیصر ودھاءھما وعندکم معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

② ((قال تعجبون من دھاء ھرقل و کسریٰ وتدعون معاویة رضی اللہ عنہ))[2]

③ ((کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اذا رئیٰ معاویة رضی اللہ عنہ قال ھذا کسری العرب وھکذا حکی المدائنی عن عمر رضی اللہ عنہ انه قال ذالك))[3]

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ:

① سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ قیصر و کسریٰ کی دانائی اور زیرکی کا ذکر کرتے ہو حالانکہ تمھارے ہاں معاویہ جیسے دانشمند اور زیرک آدمی موجود ہیں۔

② یعنی تم ہرقل اور کسریٰ کی ہوشیاری اور ہوشمندی سے تعجب کرتے ہو اور معاویہ کو چھوڑ بیٹھتے ہو۔

③ بعض دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دانائی و زیرکی میں معاویہ تو عرب کے کسریٰ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دانشمندی اور فکری صلاحیتوں کا اعتراف پایا جاتا ہے اور ان کی فہم و فراست کی حد درجہ قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی گئی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مدبر و مفکر اور معاملہ فہم کی نظروں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتنا بلند مقام تھا اور ان کے نزدیک آپ کتنے عظیم درجہ کے حامل تھے۔

تنبیہ

بعض لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے کسریٰ کا لفظ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی فکر کے مطابق طعن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے اور اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو مخالف لینا چاہتا ہے بلکہ اس کا معنی اور محمل وہ ہے جو اوپر بیان کر دیا ہے ع ''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور والدین کے متعلق ہدایت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے ملک شام کے والی و حاکم تھے

---

[1] الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۶۲ ج ۳ تحت ذکر بعض سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۵، ج ۸، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بحوالہ ابن ابی الدنیا۔

وہاں سے وقتی تقاضوں کے تحت ان کی ملاقات کے لیے بعض دفعہ حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں صرف چند مواقع ملاقات ذکر کیے جاتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور میں حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ کب پہنچے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ابھی پہنچا ہوں اور ابتداءً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو سب سے پہلے اپنے والدین کے پاس جانا چاہیے اور خصوصاً اپنی والدہ ہند (رضی اللہ عنہا) کے پاس حاضر ہوں۔

چنانچہ اس ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ہند رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کی والدہ ہند رضی اللہ عنہا نے بطور نصیحت کہا کہ امیر المومنین کے ذریعے سے تم کو ترقی ملی ہے، اس لیے ہمیشہ جو چیز ان کو پسند ہو اس کا خیال رکھو اور جو چیز انھیں ناپسند ہو اس سے اجتناب کرو۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور حسب حال ان سے گفتگو فرمائی۔

((وقد حج عمر رضی اللہ عنہ فدخل علیه معاویة رضی اللہ عنہ فقال له عمر رضی اللہ عنہ متی قدمت قال الان وبدات بك قال: فائت ابو يك وابدأ بهند رضی اللہ عنہم فانصرف معاوية رضی اللہ عنہ فبدأ بهند رضی اللہ عنہا فقالت له: يا بنی انه والله۔ وقد استنهضكم هذا الرجل فاعلموا بما يوافقه و اجتنبوا ما يكرهه...... الخ))[1]

ایک دیگر ملاقات

مشہور مورخ ابن شبہ نے ''تاریخ مدینہ منورہ'' میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نوعمر تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک بار فرمایا کہ آپ ملاقات کے لیے نہیں آتے؟ تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک روز آپ کے ہاں ملاقات کے لیے آیا تھا لیکن امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ آپ خلوت میں گفتگو میں مصروف تھے اور آپ کے فرزند عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوئی وہ واپس آ گئے تو میں بھی ان کو دیکھ کر واپس آ گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ میرے فرزند ابن عمر سے اجازت میں زیادہ حقدار ہیں۔

((قال (حسین بن علی رضی اللہ عنہما) فاتيته يوما وهو خال بمعاويه رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہما بالباب لم يدخل فرجع ابن عمر رضی اللہ عنہما فلما رايته يرجع رجعت۔

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جز رابع، قسم اول، طبع یروشلم

فلقيني عمر رضي الله عنه بعد ذالك فقال اى بنى لم ارك اتيتنا۔ قلت قد جئت وانت خال بمعاوية فرأيت ابن عمر يرجع فرجعت قال انت احق بالاذن من ابن عمر ...... الخ))[1]

اس واقعہ میں حضرت سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی توقیر وعزت افزائی کے علاوہ یہ چیز بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلوت میں ملاقات کے مواقع میسر آتے تھے اور ان کے ساتھ اہم امور میں باہم مشورے کیے جاتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظروں میں قابل اعتماد شخصیت تھے نیز اہل مشورہ لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

تنبیہ

یہ واقعہ قبل ازیں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ حصہ فاروقی ص ۲۶۱ باب سوم فصل سوم میں بھی گزر چکا ہے لیکن وہاں واقعہ مختصراً بیان کیا گیا تھا۔ اس مقام پر ذرا تفصیل پائی گئی ہے اور ایک قدیم ماخذ ابن شبہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے سالانہ وظیفہ

تراجم کی کتابوں سے مسئلہ ہذا تلاش کرنے سے اگرچہ متعدد روایات ملتی ہیں لیکن ایک روایت ابن عبدالبر (صاحب الاستیعاب) نے اس طرح ذکر کی ہے کہ:

((ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه رزق معاوية رضي الله عنه على عمله الشام عشرة الاف دينار كل سنة))[2]

"یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دس ہزار دینار سالانہ بطور وظیفہ کے مقرر فرمائے جب آپ علاقہ شام پر والی مقرر کیے گئے۔"

اور بقول ذہبی رحمہ اللہ اسّی (۸۰) دینار ماہوار مشاہرہ مقرر کیا۔

((ان عمر افرد معاوية بالشام ورزقه فى كل شهر ثمانين دينار))[3]

اس مسئلہ میں دیگر روایات بھی موجود ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف دو عدد روایات بالا ذکر کر دی ہیں۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد کے حکام اور والیوں کے مشاہرے عموماً

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری) ص ۷۹۹ ج ۳ المتوفی ۲۶۲ھ تحت حبس عمر رضی اللہ عنہ الحطیہ فی ہجاہ الزبرقان بن بدر، طبع قاہرہ (مکتبہ ابن تیمیہ)

[2] الاستیعاب مع الاصابہ، ص ۳۸۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

قلیل مقدار میں ہوتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ ایک کثیر رقم مقرر کیا گیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قریباً چار برس تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام رہے لیکن ان کو کبھی تبدیل نہیں کیا گیا اور نہ ان کو معزول کیا بلکہ مزید علاقہ جات ان کی تحویل میں دیتے رہے اور اختیارات میں توسیع کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مشاہرہ یا سالانہ وظیفہ دیگر حکام سے زیادہ دیا۔ یہ چیز جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی دلیل اور ان کی حسن کارکردگی کی تصدیق و تائید ہے وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نقاد خلیفہ کے ہاں ان کے مقبول و معتمد ہونے کا بین ثبوت ہے اور ملّی خدمات کو صحیح طور پر بجالانے کی شہادت ہے۔

اختتام عہد فاروقی اور ابتدا عہد عثمانی

۲۳ھ کے آخر میں ۲۷ ذی الحجہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ آپ کی شہادت کا باعث ایرانی مجوسیوں کی سازش تھی۔ ابولولو فیروز نامی ایرانی نژاد مجوسی اصل قاتل تھا اور اس کے ساتھ ہرمزان اور جفینہ وغیرہ اس کام میں اس کے معاون تھے اور یہ لوگ ایک خاص منصوبہ کے تحت مرکز اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ چنانچہ ان اعدائے اسلام کے ہاتھوں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شہادت پائی اور اللہ کریم کی جناب میں حاضر ہو گئے اس واقعہ ہائلہ کی تفصیلات اپنی جگہ پر مذکور ہیں ہم ان کی طرف اس وقت نہیں جاسکتے۔

تحصین سواحل (سواحل کی مضبوطی)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ملک شام کے بیشتر علاقے فتح ہو چکے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تمام مقامات پر حاکم تھے۔ یہ مفتوحہ علاقہ جات انھی کے زیر انتظام تھے اور ان میں پوری طرح نظم قائم تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے اور انھوں نے زمام خلافت سنبھالی تو جہاں انھوں نے دیگر مفتوحہ ممالک اسلامیہ کی طرف فرامین جاری کیے وہاں انھوں نے ملک شام کے لیے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرمایا اور جن انتظامات کی مزید ضرورت محسوس کی ان کی جانب انھیں توجہ دلائی حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال فرمایا اس مکتوب میں سواحل بحر کی مضبوطی اور حفاظتی دستوں کے تعین کا حکم دیا اور جو لوگ ان مقامات میں اقامت پذیر ہوں ان کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ:

((فلما استخلف عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کتب الی معاویة یامره بتحصین السواحل وشحنتها واقطاع من ینزله ایاها القطائع ففعل))[1]

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا۔

اس مقام پر ایک دوسری روایت مورخین نے اس طرح ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس علاقے کے سواحل بحر کے حالات تحریر کیے اور اس بات کی اجازت طلب کی کہ بحری غزوات شروع کیے جائیں۔ اس کے جواب میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف درج ذیل فرامین ارسال کیے کہ

ان سواحل بحر کے قلعوں کی مرمت کی جائے اور وہاں دفاعی قتال کرنے والوں کو تیار رکھا جائے، قلعوں پر نگران دستے مقرر کیے جائیں اور وہاں روشنی کا بھی انتظام کیا جائے۔

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وقتی تقاضوں کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری غزوات کی اجازت نہیں دی اور ان کے اس تقاضے کو اس وقت ملتوی رکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بحری غزوات کے اجرا کے سلسلے میں اس لیے متقاضی تھے کہ ان کے خیال میں اس سے اسلام کی تبلیغ و ترویج میں ترقی ہوگی اور یہ دین اسلام کے غلبہ و تفوق کا باعث ہوگا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری غزوات شروع کرنے کی تجویز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی تو انھوں نے اپنی ابتدائے خلافت میں ہی بحری غزوات شروع کرنے کی اجازت دے دی اور فرمان جاری کیا کہ سواحل بحر پر جہاد کرنے کی پوری تیاری کریں۔ سابقہ جیوش کے علاوہ مزید لوگوں کو اس مہم کے لیے آمادہ کریں اور ان لشکریوں کے لیے مستقل جاگیریں متعین کر دیں۔ مجاہدین کو اقامت گاہیں عطا کریں اور علاقوں میں مسجدیں تعمیر کریں اور جو مسجد ان کی خلافت سے پہلے تعمیر ہو چکی ہیں ان کو مزید وسیع کریں۔

اسی مسئلہ کو بلاذری نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن سعید بن عبدالعزیز قال ادرکت الناس و هم یتحدثون ان معاویة رضی اللہ عنہ کتب الی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعد موت اخیه یزید یصف له حال السواحل فکتب الیه فی مرمة حصونها و ترتیب المقاتلة فیها واقامة الحرس علی مناظرها واتخاذ المواقید لها ولم یاذن له فی غزو البحر وان معاویة رضی اللہ عنہ لم یزل بعثمان رضی اللہ عنہ حتی اذن له فی الغزوة بحرا و امره ان یعد فی السواحل اذا غزا و اغزا جیوشا سوی من فیها من الرتب وان یقطع الرتب ارضین ویعطیهم ماجلا عنه اهله من المنازل ویبنی المساجد ویکبر ما کان ابتنی منها قبل خلافته))[1]

---

[1] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴-۱۳۵ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا۔

فتح بلاد روم میں مرکز کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ۲۴ھ میں اہل روم نے ایک عظیم لشکر تیار کیا جس سے اہل شام خائف ہو گئے اور انھوں نے مرکز اسلام میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس امر کی اطلاع بھیجی اور امداد اور تعاون کی درخواست کی۔

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو تحریری حکم ارسال فرمایا کہ یہ مکتوب پہنچنے پر آپ ملک شام میں مسلمان بھائیوں کی امداد کے لیے ایک امانت دار اور بہادر شخص کی ماتحتی میں آٹھ یا نو ہزار مجاہدین بھیج دیں۔

چنانچہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ والی کوفہ نے مرکز کی طرف سے مکتوب ملنے پر لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور ان کو امیر المومنین کے فرمان کی اطلاع دی اور مسلمانوں کو جہاد کی اس مہم میں شرکت پر آمادہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت اور اہل شام سے تعاون کی ترغیب دلائی اور تین دن کے اندر قریباً آٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کر کے سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ملک شام روانہ کیا۔ وہاں لشکر اسلام کے امیر حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ دونوں لشکر مجتمع ہوئے تو انھوں نے اجتماعی طور پر بلاد روم پر حملہ کیا اور فتح حاصل کر کے بے شمار لوگوں کو قیدی بنا لیا، بہت سے غنائم حاصل کیے اور متعدد قلعوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

((فقام الولید بن عقبة رضی اللہ عنہ فی الناس خطیبا حین وصل الیه کتاب عثمان رضی اللہ عنہ فاخبرهم بما امره به امیر المؤمنین (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) و ندب الناس و حثهم علی الجهاد و معاونة معاویة رضی اللہ عنہ و اهل الشام۔ وامر سلمان بن ربیعة علی الناس الذین یخرجون الی الشام فانتدب فی ثلاثه ایام ثمانیة آلاف فبعثهم الی الشام و علی جند المسلمین حبیب بن مسلمة الفهری رضی اللہ عنہ۔ فلما اجتمع الجیشان شنوا الغارات علی بلاد الروم۔ فغنموا وسبوا شیاء کثیرا و فتح حصونا کثیرة ولله الحمد))[1]

گرمیوں کے غزوات (صائفہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی ابتدا میں (دو سال کے بعد) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد روم کی فتوحات کا ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس طرح کہ اس ملک کے جن علاقوں میں سخت سردی ہوتی تھی

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ج ۱۵۰ ج ۷، بحوالہ طبری تحت سنہ ۲۴ھ
تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۰۰ ج ۲ تحت ولایۃ الولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ الکوفہ صلح آرمینیہ و آذر بیجان
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۰۵-۲۰۶ تحت فتوح آرمینیہ۔

ان کی طرف موسم گرما میں مجاہدین کو روانہ کیا جاتا تھا ان غزوات کو صائفہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں سردیوں میں جہاد موقوف کر دیا جاتا اور آیندہ موسم گرما میں پھر مجاہدین کو ان علاقوں میں جہاد پر روانہ کر دیا جاتا۔ ایک مدت تک جہاد کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے اور کئی لوگوں کو قیدی بنالیا گیا۔ اس طرح دشمنان اسلام پر ایک گونہ رعب قائم ہو گیا۔

اور بقول بعض اہل تاریخ ان ایام میں مجاہدین بلاد روم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرسوس کے مقامات میں انھوں نے قلعوں کو خالی پایا، وہاں انھوں نے اپنے عساکر اور جیوش جمع کر دیے۔

((ان الشام كان قد جمعها لمعاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما لسنتين مضتا من خلافة عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وقد احزره غاية الحفظ وحمى حوزته۔ و مع هذا له فی كل سنة غزوة فی بلاد الروم فی زمن الصيف و لهذا يسمون هذا الغزوة الصائفة۔ فيقتلون خلقا و ياسرون اخرين، ويفتحون حصونا و يغنمون اموالا و يرعبون الاعداء))[1]

((ثم غزا معاوية الروم و بلغ عمورية ووجد ما بين انطاكية و طرسوس من الحصون خاليا فجمع فيها العساكر حتى رجع و خربها))[2]

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں موسم گرما میں بلاد روم کی جانب غزوات کا سلسلہ جاری تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے اور ان کی ماتحتی میں یہ مہم شروع رہتی تھی اسی چیز کو قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے (جو طبری سے قدیم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں) اپنی تاریخ میں یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((الصائفة: كتب عثمان الى معاوية ان يغزى بلاد الروم فوجه يزيد ابن الحر العبسى ثم عبدالرحمن بن خالد بن الوليد على الصائفتين جميعا ثم عزله و ولى سفيان بن عوف الغامدى فكان سفيان يخرج من البر و يستخلف على البحر جنادة بن ابی امية فلم يزل كذالك حتى مات سفيان فولى معاويه عبدالرحمن بن خالد بن وليد ثم ولى عبيد الله بن رباح و شتى فی ارض الروم))[3]

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۷ ج ۷ تحت سنہ ۳۱ھ (ابتدا)

۲ تاریخ ابن خلدون، ص ۱۰۰۱-۱۰۰۲ ج ۲ تحت ولایۃ الولید بن عقبہ الکوفہ الخ

۳ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۹ ج ۱ تحت آخر سنہ ۳۵ھ طبع عراق۔

''یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ بلاد روم کی طرف غزوات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ اس فرمان کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن حر عبسی اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو اس اہم کام کے لیے متوجہ کیا اور گرمیوں میں جہاد کرنے والے مجاہدین پر انھیں امیر تجویز کیا۔ (اس طرح ایک مدت تک یہ کام جاری رہا) اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن حر عبسی کو معزول کر کے ان کے قائم مقام سفیان بن عوف غامدی رحمہ اللہ کو والی بنایا۔

سفیان بن عوف غامدی رحمہ اللہ اپنی آمد و رفت کی صورت میں جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو بحر میں اپنا نائب مقرر کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتیٰ کہ سفیان بن عوف رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو والی بنایا پھر ان کے بعد عبیداللہ بن رباح کو والی بنانے کی بھی ضرورت پیش آئی اور ان کو والی بنایا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس علاقہ کے حالات کے تقاضوں کے موافق ان اشخاص کو بلاد روم میں پھیلائے ہوئے اور اس طریقہ سے ملک کا نظم و نسق قائم کیے ہوئے تھے۔

ملک روم کی فتوحات کے سلسلے میں یہ چند ایک چیزیں اختصاراً ذکر کی گئی ہیں لیکن فی الواقع ان کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ یہ سب مراحل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں کے نتائج میں حل ہوئے اور ان کا آں موصوف کے اعلیٰ کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔

فتح قبرص

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جو غزوات ہوئے ان میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے، غزوات کا یہ سلسلہ نہایت وسیع تھا اور ان کی بڑی تفصیلات ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض مہمات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

۲۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کئی قلعوں کو فتح کیا۔ اور مورخین لکھتے ہیں کہ ۲۷ھ میں آپ نے قنسرین کو بھی فتح کر لیا۔ اور بعض مورخین کا قول ہے کہ ۲۷ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

((وفیھا ۲۵ھ فتح معاویة الحصون))[1]

((وفیھا ۲۷ھ غزا معاویة قنسرین))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۷ تحت سنہ ۲۵ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۲ ج ۷ تحت سنہ ۲۷ھ

((فی ھذہ السنة ۲۷ھ غزا معاویہ قبرص))

فتح قبرص کے متعلق اہل تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض مورخین نے اس غزوہ کا وقوع ۲۷ھ اور بعض نے ۲۸ھ لکھا ہے اس کے ماسوا بھی اقوال پائے جاتے ہیں۔ اس غزوہ کی تفصیلات اپنی جگہ پر بہت کچھ دستیاب ہیں لیکن ہم اختصار کے پیش نظر اس میں سے صرف چند ایک چیزیں اس مقام پر ذکر کرتے ہیں۔

محل وقوع

معلوم ہونا چاہیے کہ قبرص بلاد شام کے مغرب میں ایک الگ مستطیل شکل کا معروف جزیرہ ہے جو ساحل دمشق کے قریب ہے۔ اس جزیرہ میں بے شمار ثمرات پائے جاتے ہیں اور اس میں معادن (کانیں) بھی ہیں اور یہ بہت عمدہ اور زرخیز علاقہ ہے۔

((وھی جزیرة غربی بلاد الشام فی البحر مخلصة وحدھا ولھا ذنب مستطیل الی نحو الساحل مما یلی دمشق و غربیھا اعرضھا و فیھا فواکه کثیرة ومعادن وھی بلدة جید))[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری غزوات کی بڑی کوشش سے اجازت حاصل کی تھی جیسا کہ قبل ازیں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جزیرہ قبرص کی طرف بھی اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے عظیم لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اور ساتھ ہی دوسری جانب سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ایک لشکر کثیر لے کر ان کی امداد کے لیے آ پہنچے۔ ان حضرات کی کمان میں دونوں افواج اس مقام پر مجتمع ہو گئیں۔

اہل قبرص کے ساتھ اہل اسلام کی عظیم جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور انھوں نے مخالفین کے بے شمار لوگوں کو تہ تیغ کیا اور لاتعداد لوگوں کو قید کر لیا۔ مسلمانوں کو اس سے کثیر اموال بطور غنیمت حاصل ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ فتح عظیم عنایت فرمائی۔ آخر کار اہل قبرص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کرنے کی شرط قبول کرتے ہوئے صلح کر لی۔

((فلما کان عثمان رضی اللہ عنہ الح معاویة رضی اللہ عنہ علیه فی ذالك فاذن له فرکب فی المراکب فانتھی الیھا و وافاہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ الیھا من الجانب الاخر۔ فالتقیا علی اھلھا فقتلوا خلقا کثیرا و سبوا سبایا کثیرة

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳، ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

وغنموا مالا جزيلا جيدا))[1]

((ثم صالحهم (اهل قبرص) معاوية رضی اللہ عنہ على سبعة الاف دينار فى كل سنة وهادنهم))[2]

واقعہ شہادت ام حرام رضی اللہ عنہا اور نمازیوں کے لیے جنت کا مژدہ

اکابر علماء نے لکھا ہے کہ معرکہ قبرص میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود شرکت فرمائی آپ کی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ من بنی عبد مناف اس معرکہ میں آپ کے ساتھ تھیں۔ علاوہ ازیں اکابر صحابہ کرام مثلاً ابوذر غفاری، ابودرداء، شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی اس غزوہ میں آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں جن کے متعلق حدیث صحیح میں ایک پیش گوئی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہے۔ آپ نے خواب سے بیدار ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس نے اپنے اوپر جنت کو واجب کر لیا۔ اس ارشاد کے سننے پر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں ان میں شامل ہوں گی؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔

((قال ابن الاثير وكانت (ام حرام رضی اللہ عنہا) تلك الغزوة غزوة قبرص۔ فدفنت فيها وكان امير ذالك الجيش معاوية بن ابى سفيان فى خلافة عثمان رضی اللہ عنہ و معه ابو ذر، ابودرداء، وغيرهما من الصحابة رضی اللہ عنہم وذالك فى سنة سبع و عشرين قال ابو عمر كان معاوية غزا تلك الغزوه بنفسه و معه امراته فاخته بنت قرظة من بنى نوفل بن عبد مناف))[3]

اور بخاری شریف میں ہے کہ

((قال عمير فحدثنا ام حرام انها سمعت النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقول: "اول جيش من امتى يغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت ام حرام: قلت يا رسول الاله! انا فيهم؟

۱،۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱ تحت امر قبرص

۳ الاصابہ، ابن اثیر جزری ص ۴۲۴ ج ۴ تحت (۱۲۱۵) ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۵-۱۳۶ جلد اتحت سنہ ۲۸ھ طبع اول عراق

قال انت فیهم))[۱]

یہ پیش گوئی بخاری شریف کے متعدد مقامات پر مذکور ہے اور مسلم شریف میں بھی ام حرام رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ مفصل ذکر کیا گیا ہے ان مقامات کے بعض حوالہ جات حاشیہ میں دیے گئے ہیں۔ واقعہ کی تمام عبارات کو نقل کرنا موجب طوالت تھا اس لیے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے دو حصے ہیں:

ایک ام حرام رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کے متعلق ہے کہ اس غزوہ میں شامل لوگوں کو جنت نصیب ہوگی یہ واقعہ ۲۷ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اہل اسلام کی افواج کو پیش آیا۔

اور اس پیش گوئی کا دوسرا حصہ مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کے غزوہ کے متعلق ہے جو ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں پیش آیا۔ اس کی مزید تشریح و تفصیل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد خلافت کے حالات کے تحت ان شاء اللہ ذکر کی جائے گی۔ مدینہ قیصر والے مجاہدین کے حق میں بھی مغفرت کا ارشاد نبوی موجود ہے۔

((وکان فتحها علی یدی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما راکب الیها فی جیش کثیف من المسلمین ومعه عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ وزوجته ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا التی تقدم حدیثها فی ذالك حین نام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتها ثم استیقظ یضحك...... الخ))[۲]

جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ قبرص سے فارغ ہو کر واپسی کا سفر اختیار کرنے لگے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا ایک بغلہ (خچر) پر سوار ہوئیں مگر اس سے گر پڑیں اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ جزیرہ قبرص میں ان کی قبر مبارک ہے وہاں کے لوگ ان کا بہت احترام کرتے ہیں اور بعض اوقات بارش طلب کرنے کے لیے ان سے توسل کرتے ہیں وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک صالحہ خاتون کی قبر ہے۔

اس واقعہ سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی کیونکہ ام حرام رضی اللہ عنہا پہلے بحری غزوہ میں شریک ہوئیں اور وہیں انتقال کر کے جنت میں خیمہ زن ہوئیں۔

---

۱ بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ۱ کتاب الجهاد باب ما قیل فی قتال الروم

بخاری شریف ص ۳۹۱ ج ۱، ص ۴۰۳ ج ۱، ص ۹۲۹ ج ۲ طبع نور محمدی دہلی۔

مسلم شریف ص ۱۴۱-۱۴۲ ج ۲ کتاب الامارة باب فضل الغزو فی البحر طبع نور محمدی دہلی

حلیة الاولیاء (ابونعیم احمد بن عبداللہ) ص ۶۲ ج ۲ تحت ترجمہ (نمبر ۱۴۰) ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

((فلما ارادوا الخروج منها (قبرص) قدمت لام حرام بغلة لتركبها فسقطت عنها فاندقت عنقها فماتت هناك قبرها۔ هنالك يعظمونه ويستسقون به ويقولون قبر المرأة الصالحة))[1]

فوائد

مختصر یہ ہے کہ جزیرہ قبرص کی فتح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے ہوئی اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مہم میں ان کے ساتھ شامل تھے اور اس غزوہ کے اہل جیش کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت یہ حضرات اس بشارت کے حق دار ہوئے یہ ایک بڑی خوش نصیبی ہے اور پیغمبر اسلام کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں ایک بہت بڑی سعادت مندی کا مژدہ ہے۔

اور یہ بحری جنگیں مذکورہ پیش گوئیوں اور بشارتوں کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین فضائل و کمالات میں شمار کی جاتی ہیں۔

نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ غزوات اسلامی تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کے مصداق تھے کیونکہ ان میں شریک و شامل مجاہدین کو جنت اور مغفرت کی بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک حریص، ملک گیر اور متغلّب بادشاہ نہیں تھے بلکہ اس بشارت نبوی کے اعتبار سے برحق والی و حاکم تھے اور اسلام کے صحیح خادم اور دین کے علمبردار تھے اور اس کو فروغ بخشنے والے تھے۔

ایک فقہی اختلاف

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ابوذر غفاری (جندب بن جنادہ) رضی اللہ عنہ کی اقامت بلاد شام میں تھی اور اس دور کے متعدد اہم واقعات میں ان کی شمولیت پائی جاتی ہے جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت ۳۰ ہجری میں ایک فقہی مسئلہ میں اختلاف رائے رونما ہوا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں رائے یہ تھی کہ سیم و زر ہو یا دوسرے اموال ہوں ان کو خزانہ بنانا اور جمع کرنا ناجائز ہے۔ آپ ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کو ناجائز قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ زائد مال کو صدقہ کر دیا جائے۔ آپ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے تھے کہ:

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۸۷ ج ۲ تحت سنہ ۲۷ھ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۶ ج ۱ تحت ۲۸ھ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۲۴ جلد ۴ تحت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۶۰ تحت امر قبرص

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

اور لوگوں میں اس مسئلہ کو علانیہ بیان کرتے تھے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی اس مسئلہ میں یہ رائے تھی کہ مالی صدقات واجبہ ادا کرنے کے بعد اموال کو جمع کرنا جائز اور مباح ہے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کی عوام الناس میں تشہیر سے منع کرتے تھے۔ لیکن ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کی اور لوگوں میں اس وجہ سے ایک قسم کی پریشانی رونما ہونے لگی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس معاملے کی پوری تفصیل تحریر کی اور ساتھ ہی اس مسئلے کا حل طلب کیا۔ جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمان ارسال کیا کہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ طیبہ بھیج دیا جائے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمان دیا کہ آپ واپس آ جائیں۔

چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا گیا۔ جب آپ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ پر تنبیہ کی اور اس موقف سے رجوع کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اس مسئلہ سے عوام میں ایک قسم کا حرج واقع ہوتا ہے اور پریشانی بڑھتی ہے۔ لیکن حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر زہد کا غلبہ تھا اس بنا پر وہ اپنے موقف سے باز نہ آئے اور رجوع اختیار نہیں کیا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ سے باہر ربذہ کے مقام پر اقامت اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور بقدر کفایت ان کے لیے مالی وظیفہ جاری کر دیا۔

اس مسئلہ کو ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ نے عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے:

((فخرج (ابو ذر رضی اللہ عنہ) حتی نزل الربذة فخط بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ عنہ صرمة من الابل واعطاه مملوكين وارسل اليه ان تعاهد المدينة حتى لا ترتد اعرابيا ففعل))[1]

اور علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ اس مسئلہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

((ونزل (ابوذر رضی اللہ عنہ) الربذة وبنى بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ عنہ صرمة من الابل (يعنى قطعة منها) واعطاه مملوكين واجرى عليه رزقا وكان يتعاهد المدينة وبين المدينة والربذة ثلاثة اميال))[2]

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ٦٧ ج ٥ تحت سنہ ۳۰ھ اخبار ابی ذر رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۵-۱۵۶ ج ۷ تحت سنہ ۳۰ھ
کتاب التمہید والبیان ص ۷۴-۷۵-۷۶، (محمد بن یحییٰ بن ابی بکر اشعری مالکی اندلسی) طبع بیروت

[2] تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۲۹ ج ۲ تحت بدأ الانتقاض علیٰ عثمان رضی اللہ عنہ طبع بیروت لبنان

لیکن محدثین میں سے ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنے مصنف میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باسند روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ کے متعلق ایک اپنا بیان ہے۔ ہم اس بیان کو اہل علم کی معلومات میں اضافہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ یہ روایت حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ان مطاعن سے براءت کرتی ہے جو اس سلسلے میں ان حضرات پر کیے جاتے ہیں۔

((عن زید بن وهب قال مررنا علی ابی ذر بالربذة، فسالنا عن منزله قال: (ابو ذر رضی اللہ عنہ) کنت بالشام، فقرات هذه الاية: الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الخ))

((فقال معاويه رضی اللہ عنہ: انما هی فی اهل الکتاب۔ فقلت: انها لفینا وفیهم۔ قال: فکتب الی عثمان رضی اللہ عنہ ان اقبل، فلما قدمت رکبنی الناس کانهم لم یرونی قبل ذالك فشکوت ذالك الی عثمان رضی اللہ عنہ فقال: لو اعتزلت فکنت قریبا فنزلت هذا المنزل فلا ادع قوله ولو امروا علی عبدا حبشیا))[1]

"یعنی ایک شخص زید بن وہب کہتے ہیں کہ ربذہ کے مقام پر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ہمارا گزر ہوا تو (عند الملاقات) ہم نے ان سے ربذہ کے مقام پر ان کے مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن دنوں میں علاقہ شام میں تھا اس دوران میں قرآن مجید کی آیت الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ ...... الخ (یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے) کا مضمون لوگوں میں اس طرح بیان کیا کہ اس آیت میں ہر ایک کے لیے حکم عام ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں ہے اور میرا اصرار تھا کہ یہ آیت اہل کتاب اور ہم سب کے لیے ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں میرے لیے حکم دیا کہ آپ مدینہ شریف واپس آ جائیں (تاکہ مناقشہ ختم ہو جائے) پھر جب میں حسب الحکم واپس آ گیا تو لوگ میرے پاس جمع ہو جاتے گویا انھوں نے مجھے قبل ازیں نہیں دیکھا ہوا تھا۔ پس اس معاملہ کی میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (فتنہ کو فرو کرنے کے لیے اور شکایت کا ازالہ کرنے کے لیے) فرمایا کہ آپ مدینہ شریف کے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱۰-۱۱۱ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی
بخاری شریف ص ۱۸۹ ج ۱ کتاب الزکوۃ باب اثم مانع الزکوۃ طبع نور محمدی دہلی

قریب کسی الگ مقام پر قیام پذیر ہو جائیں تو بہتر ہے پس میں نے یہاں قیام اختیار کر لیا اور ان کے حکم کو ترک نہیں کیا۔''

فوائد ونتائج

مسائل میں فقہی اختلاف کا رونما ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف جب اخلاص نیت پر مبنی ہو اور حدود شرعی سے متجاوز نہ ہو تو کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں کسی توہین اور ان کی تنقیص کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق ان کو باعزت طریقہ سے شام سے مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں موقف متفردانہ تھا اس لیے ان کو ''خلیفۃ المسلمین'' نے ایک مقام پر اقامت پر پابند کر دیا اور ساتھ وظیفہ مالی بھی جاری کیا اور ان پر کسی قسم کا ظلم وتشدد روا نہیں رکھا گیا اور یہی طریقہ ان کی شان کے شایاں تھا۔

لوگوں نے اس واقعہ کے متعلق بہت طول طوال قصے تصنیف کر لیے ہیں اور جبر واکراہ کی ایک داستان بنا دی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل واقعہ یہی کچھ تھا جو ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

اور مندرجہ بالا مسئلہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی عبارت میں بطریق ذیل نقل کیا ہے۔ علمائے کرام ملاحظہ فرمائیں:

((وفی هذه السنة (۳۰ھ) وقع بین معاویة وابی ذر رضی اللہ عنہما بالشام وذالك ان ابا ذر رضی اللہ عنہ انکر علی معاویة رضی اللہ عنہ بعض الامور۔ و کان ینکر علی من یقتنی مالا من الاغنیاء ویمنع ان یدخر فوق القوت ویوجب ان یتصدق بالفضل ویتاول قول الله سبحانه وتعالیٰ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ......الخ) فینهاه معاویة عن اشاعة ذالك فلا یمتنع فبعث یشکوه الی عثمان رضی اللہ عنہ ، فکتب عثمان رضی اللہ عنہ الی ابی ذر رضی اللہ عنہ ان یقدم علیه المدینه فقدمها فلامه عثمان رضی اللہ عنہ علی بعض ما صدر منه، واسترجعه فلم یرجع فامره بالمقام بالربذة وهی شرق المدینة))[1]

اب اہل علم حضرات کو ان حوالہ جات سے اصل واقعہ اور اس کا پس منظر معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۰ھ طبع اول مصر

تنبیہ

اس مقام پر یہ چیز بیان کر دینا ضروری خیال کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض اوقات بعض فقہی مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اجتہادی اختلاف رائے اپنی ذات میں کوئی عیب نہیں ہے۔ معترض لوگ اس من وجہ اختلاف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک مستقل طعن کی شکل دے دیتے ہیں اور لوگوں میں اسے نہایت قبیح تعبیر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اجتہاد ورائے کی چیز ہوتی ہے کوئی لائق اعتراض اور قابل طعن بات نہیں ہوتی۔

اسی زمرہ میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو عبادہ بن صامت اور ابو درداء اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئیں۔ وہ فقہی مسائل میں تحقیق کے اختلاف کے درجہ میں ہیں اور یہ حضرات اپنی جگہ مجتہد اور فقیہ تھے۔

مختصر یہ ہے کہ ابوذر غفاری، عبادہ بن صامت اور ابودرداء رضی اللہ عنہم وغیرہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقہی مسائل میں اختلاف کسی ذاتی رنجش اور عناد کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ تحقیق کے مختلف ہونے کے درجہ میں تھا۔ اور یہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین بھی بعض دفعہ پایا جاتا ہے اور اس کو کوئی شخص قبیح نہیں سمجھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی ان اختلافات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے۔

ہدایات

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض دفعہ خصوصی ہدایات جاری کی جاتی تھیں اور آپ ان ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے۔

اس دور میں اہل اسلام کو فتوحات کی بنا پر بے شمار غنائم حاصل ہوتے تھے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین نے بعض ہدایات اس طرح ارسال فرمائیں کہ جب مال غنیمت جمع ہو جائے تو اس کے پانچ برابر برابر حصے کیے جائیں (اور قرعہ اندازی کے لیے) ایک حصہ پر ''للہ'' کا لفظ تحریر کیا جائے پھر ان پانچ حصوں میں قرعہ اندازی کی جائے اور قرعہ اندازی کے ذریعے سے جو حصہ اللہ کے لیے متعین ہو اسے امیر حاصل کرے۔

((عن مالك بن عبدالله الخثعمي قال كنا جلوسا عند عثمان رضي الله عنه فقال: من هاهنا من اهل الشام؟ فقمت فقال ابلغ معاوية رضي الله عنه اذا غنم غنيمة ان يأخذ خمسة اسهم فيكتب على سهم منها "لله" ثم ليقرع فحيثما خرج منها فلياخذه))[1]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲۹-۴۳۰ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی
درمنثور (سیوطی) ص ۱۸۷ ج ۳ تحت الآیہ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ ... الخ

① ((عن مالك بن عبدالله الخثعمى قال: كنت بالمدينة فقام عثمان بن عفان رضي الله عنه فقال هل هاهنا من اهل الشام احد؟ فقلت نعم يا امير المؤمنين! قال فاذا اتيت معاوية فامره ان فتح الله عليه ان يأخذ خمسة اسهم ثم يكتب فى احدها "لله" ثم يقرع فحيث ما وقع فلياخذه))

② ((وفى هذا بيان انه لا ينبغى للاميران يتخير اذا ميز الخمس من الاربعة الاخماس ولكنه يميزه بالقرعة ...... الخ))[1]

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تقسیم اموال کی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور فتوحات میں غنائم کی تقسیم حسب طریق شرعی ہوتی تھی اور ان معاملات کو مرکز کی ہدایات کی روشنی میں سرانجام دیا جاتا تھا اور ان مسائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی حدود سے متجاوز نہیں ہوتے تھے بلکہ احکام شرعی کا لحاظ رکھتے تھے اور ان پر کاربند تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان مسائل میں خود روی اور خود رائی کا پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات کے خلاف ہے۔

ایک اشتباہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اس بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک جغرافیائی اور جنگی نقطہ نظر سے نہایت اہم صوبے کا بارہ سال کے طویل عرصہ تک گورنر متعین کیے رکھا جس کی وجہ سے ان علاقوں پر آپ کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور انھوں نے یہاں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں گویا یہ صوبہ شام ان کی خود مختار ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر اس مشترکہ طعن کرنے میں مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس منصب اور اقتدار سے غلط فائدہ اٹھایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرکز کی ہدایات قبول نہیں کیں اور امیر المومنین کی اطاعت سے سرتابی کی اور اپنے صوبہ کی خود مختاری کی بنا پر ان سے جنگ و پیکار پر آمادہ ہو گئے۔

ازالہ

مذکورہ بالا اشتباہ کے ازالہ کے لیے درج ذیل چیزوں پر نظر انصاف فرمائیں، امید ہے مسئلہ صاف ہو جائے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے علاقہ شام پر کوئی جدید حاکم نہیں بنایا بلکہ حضرت عمر

---

[1] شرح السیر الکبیر (سرخسی) طبع جدید ص ۸۸۹ جلد ۳ طبع حیدر آباد دکن، ص ۲۷۸ ج ۲ تحت ابواب سہمان الخیل والرجالہ

فاروق رضی اللہ عنہ (جو اپنی فراست و دانش مندی اور نقاد ہونے میں معیاری خلیفہ راشد تھے) نے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد آپ کو اس علاقہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ مدینہ دمشق میں اور مندرجہ ذیل علماء نے اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

① ((ثم جمع (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) الشام کلها لمعاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما واقر عثمان رضی اللہ عنہ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ علی الشام))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سابق خلیفہ راشد کی متابعت میں ان کو ولایت شام پر برقرار رکھا سابق خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا تمام علاقہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرنگرانی کر دیا تھا۔''

② اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے یوں ذکر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انھوں نے مجھے دینی امور میں امیر مقرر فرمایا۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنائے رکھا اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم برقرار رکھا۔ اور میں نے ان سب حضرات کی خدمت بجالانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جس نے بھی مجھے والی اور حاکم مقرر کیا وہ مجھ سے راضی رہا۔

چنانچہ اس چیز کو طبری نے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معصوما فولانی وادخلنی فی امره ثم استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ فولانی ثم استخلف عمر رضی اللہ عنہ فولانی ثم استخلف عثمان رضی اللہ عنہ فولانی فلم ال لاحد منهم ولم یولنی الا هو راض عنی...... الخ))[2]

③ نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ رعایا اور عوام الناس کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی اہم شکایت پیش نہیں آئی جس کی وجہ سے خلفائے راشدین کو ان کے معزول اور برطرف یا کم از

---

1. تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ عکسی) ص ۶۹۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان۔
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۹ ج ۱ تحت الشامات
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۸۸ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)
تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ

2. تاریخ طبری ص ۸۷ ج ۵ تحت ذکر تسیر من سیر من اہل کوفہ الیہا، سنہ ۳۳ھ طبع قدیم مصر۔

کم تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طبعی صلاحیتوں کی بنا پر اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن سر انجام دیتے تھے اور اپنے فرائض منصبی عمدہ طریقہ سے ادا کرتے تھے اور حکمرانی کے بہترین سلیقہ کی بنا پر عوام الناس کے مسائل حل کرنے میں کوئی سقم باقی نہیں چھوڑتے تھے۔

⑤ ان حالات کے تحت اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مزید مفتوحہ علاقے ان کی تحویل میں دے دیے اور ان کے اختیارات وسیع کر دیے تو یہ اپنی جگہ پر ایک درست کارروائی تھی اور اس سے فتنہ وفساد کھڑا ہونے کا کوئی اندیشہ اور امکان نہیں تھا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس منصب سے الگ نہیں کیا اور علاقہ شام کی ولایت سے تبدیل نہیں کیا۔

فلہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ کار کو گروہی تعصب یا قبائلی عصبیت پر محمول کرنا نہایت ناانصافی ہے اور بے جا طعنہ زنی ہے۔

جن لوگوں نے اس مسئلہ میں حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر اعتراضات قائم کیے ہیں انھوں نے اپنے قلبی عناد اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔ یہ امر ہرگز قابل اعتراض نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں اور امور حکمرانی میں مہارت کی دلیل ہے۔

حقیقت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کی مدت کا طویل ہونا اور سولہ سترہ برس تک حاکم اور والی رہنا مرکز کے ساتھ ان کے نزاع کا باعث نہیں تھا بلکہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حالات میں جو ابتری واقع ہوئی اور لوگوں میں اس کی وجہ سے جو اختلافات رونما ہوئے وہ امور باعث نزاع تھے اور خصوصاً دم عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ بنیادی اختلاف کی حیثیت رکھتا تھا۔

چنانچہ حضرت طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی یہی مذکور مسائل تھے جن کی بنا پر فریقین میں تنازعات قائم ہوئے۔ یہ فریق کسی منصب پر نہیں تھا اور نہ انھوں نے تحفظ منصب کے لیے یہ تنازعات کھڑے کیے تھے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرکز سے اختلاف تحفظ منصب کے لیے نہیں تھا بلکہ مخالفت کے وجوہ وہی ہیں جو اوپر ذکر کر دیے ہیں۔

یہاں دور دوم ختم کیا جاتا ہے اس کے بعد شہادت عثمانی سے دور سوم شروع ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اختتامی کلمات برائے دور دوم

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد کے بعد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی وملّی خدمات کو ''دور دوم'' کے عنوان کے تحت مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

اس دور دوم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں

بھی مراسلت نگاری اور وثیقہ نویسی کی خدمات سرانجام دیں اور صدیقی دور خلافت میں مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں جنگ یمامہ میں شرکت کی۔

اسلام کے غزوات میں پہلے نائب امیر کے طور پر اور پھر اپنے برادر گرامی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسلامی افواج کے امیر عساکر کی حیثیت سے ملّی خدمات کا فریضہ بطریق احسن تمام کیا اور ان کی مساعی سے علاقہ شام میں متعدد فتوحات ہوئیں۔ اردن، فتح قیساریہ، عسقلان، قبرص وغیرہ اور بلاد روم کے وسیع علاقہ جات مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کے زیرنگیں ہوئے۔ علاوہ ازیں متعدد دینی و ملّی خدمات بھی سرانجام دیں جن کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں آ چکی ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا اسلام کے حق میں نفع بخش ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

دور سوم

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظتی تدابیر

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جو اختلافات کھڑے کیے گئے ان کا پس منظر اور ان کے اسباب وعلل ہم قبل ازیں ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' حصہ عثمانی کے اواخر باب پنجم میں اور ''مسئلہ اقربا نوازی'' کی آخری بحث خامس میں وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں کہ

ان مسائل کو کھڑا کرنے والے لوگ فسادی فطرت تھے دین واسلام کی ترقی اور دینی اقتدار انھیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور وہ اسلام کے استحکام اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ پھر ان مذموم مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے مرکز اسلام کو ختم کرنے کی سازشیں کیں۔ اور بظاہر ان اشرار نے یہ عنوان قائم کر رکھا تھا کہ خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندوں اور حکام نے اسلامی احکام کو ترک کر رکھا ہے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جبر واستبداد کا نظام اپنا رکھا ہے، سو اب جب خلیفہ وقت ان مسائل کے حل کرنے میں ناکام ہیں اور بے بس ہیں، فلہٰذا انھیں منصب خلافت سے الگ ہو جانا چاہیے۔

ان کے یہ نظریات ایک قسم کی سازش اور فریب دہی تھی اور مرکز اسلام کو نقصان پہنچا کر اہل اسلام میں تفرقہ قائم کرنا اور پھوٹ ڈالنا ان کا اصل مطمح نظر تھا۔ اور ان لوگوں کو علمائے محققین نے اشرار، ظالم، سرکش، عنادی وفسادی وغیرہ کے عنوانات سے ذکر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قتل عثمانی کا فتنہ کھڑا کرنے والے یہ افراد ان عنوانات کے واقعی حقدار اور مصداق تھے۔

ان حالات میں ان شورشوں کے باعث جہاں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سلسلے میں اپنی جگہ بڑے متفکر تھے کہ یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد میں کہیں کامیاب نہ ہو جائیں اور خلافت اسلامی کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔

اس صورت حال کے پیش نظر بعض دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے بطور فہمائش کلام کیا اور فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور ان کو پیغمبر اسلام کا منصب عطا فرمایا۔ پھر اللہ کریم نے ان کے تعاون کے لیے ایسے صحابہ کو پسند فرمایا جن میں قبیلہ قریش کے بہترین لوگ تھے۔ ان کے

ذریعے سے اسلام کی حکومت قائم ہوئی اور ان میں اسلامی خلافت کو جاری کیا گیا۔ پس خلافت اس دور میں ان ہی کی شان کے مناسب ہے۔

چنانچہ ابن خلدون نے اس چیز کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((ثم ذکر (معاویة رضی اللہ عنہ) بعثة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الله ارتضی له اصحابا کان خیارهم قریشا فبنی الملك علیهم وجعل الخلافة فیهم، ولا یصلح ذالك الا بهم))[1]

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خلیفہ اسلام امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کئی قسم کے بے جا اعتراضات اٹھائے ہوئے تھے اور اس طریقہ سے خلفاء کی تنقیص شان کے در پے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور ان کے لیے افہام وتفہیم کی سعی کی لیکن اس چیز کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اپنی مفسدانہ کارروائیوں میں لگے رہے اور جارحانہ اقدامات میں بڑھتے گئے۔

اس کے بعد اس دور میں جب ایسے حالات پیدا ہو گئے اور محسوس کیا جانے لگا کہ شاید یہ مفسد لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی ہجومی کارروائی نہ کریں تو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں تشریف لائیں کیونکہ وہاں کے لوگوں میں امراء کی اطاعت عام ہے۔

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام پر جانا پسند نہیں کرتا۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری صورت یہ ہے کہ ملک شام سے ایک دستہ فوج آپ کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں جو آپ کی حفاظت ونگرانی بطریق احسن سر انجام دے گا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس صورت میں یہ جیش مدینہ طیبہ کے باشندوں مہاجرین وانصار کے لیے تنگی کا باعث ہوگا اور اہل مدینہ پر ایک قسم کا بوجھ پڑے گا جو مجھے پسند نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے امیر المومنین! خطرہ ہے کہ آپ پر اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ میرے لیے کافی ہے اور وہی کارساز ہے جب ان حفاظتی تدابیر پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رضامند نہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر شام کے لیے تلوار اور کمان سے مسلح ہو کر نکلے اور مہاجرین وانصار کی مجالس میں بھی گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملے اور ان حضرات کے ساتھ اس نازک موضوع پر گفتگو کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور انھیں ان

[1] تاریخ ابن خلدون ص۱۰۳۲ ج۲ تحت بدء الانتقاض علیٰ عثمان رضی اللہ عنہ۔

کے اعداء سے بچانے کی تاکیدات کیں اور پھر اس کے بعد سفر شام پر روانہ ہو گئے۔

مورخین نے یہ واقعہ بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((ان معاوية لما ودعه عثمان حين عزم على الخروج الى الشام عرض عليه ان يرحل معه الى الشام فانهم قوم كثيرة طاعتهم للامراء فقال: لا اختار بجوار رسول الله ﷺ سواه۔ فقال اجهز لك جيشا من الشام يكونون عندك ينصرونك؟ فقال: انى اخشى ان اضيق بهم بلد رسول الله ﷺ على اصحابه من المهاجرين والانصار۔ قال معاوية رضی اللہ عنہ فوالله يا امير المومنين لتغتالن۔ او قال: لتغزين ، فقال عثمان رضی اللہ عنہ: حسبى الله ونعم الوكيل۔ ثم خرج معاوية رضی اللہ عنہ من عنده وهو متقلد السيف وقوسه فى يده، فمر على ملاء من المهاجرين والانصار فيهم على بن ابى طالب وطلحة والزبير رضی اللہ عنہم فوقف عليهم واتكأ على قوسه وتكلم بكلام بليغ يشتمل على الوصاة بعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ والتحذير من اسلامه الى اعداءه، ثم انصرف ذاهبا))[1]

محاصرہ دار عثمان رضی اللہ عنہ اور تحفظ کی مساعی

مورخین نے لکھا ہے کہ مختلف علاقہ جات سے سرکش اور فسادی عناصر جو آگے چل کر خوارج کے نام سے موسوم ہوئے، مدینہ طیبہ میں مجتمع ہو گئے اور انھوں نے خلیفہ اسلام سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حالات اس قدر سنگین ہو گئے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی تک جانا دشوار ہو گیا۔

ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور والی بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر اور والی کوفہ کو مدینہ طیبہ کے ان ابتر حالات سے مطلع کیا اور مفسدین کی مدافعت اور مدینہ طیبہ سے ان کے اخراج کے لیے فوجی دستے طلب کیے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جیش روانہ کیا۔ یزید بن اسد قشیری نے بھی ایک دستہ ارسال کیا اور اسی طرح اہل کوفہ و بصرہ نے حفاظتی دستے مدینہ طیبہ کی طرف بھیجے۔ لیکن جب مدینہ طیبہ میں مفسدین کو امدادی لشکروں کی آمد کی خبر ہوئی تو انھوں نے محاصرہ تنگ کر دیا اور امدادی لشکروں کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے قبل ہی خلیفہ اسلام کو شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

امدادی جیوش جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے اور بقول بعض مورخین وادی القریٰ میں آ گئے تو ان کو امیر

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۶۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۴ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۴۰ ج ۲ تحت حصار عثمان رضی اللہ عنہ ومقتلہ ..... الخ طبع لبنان

المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو یہ امدادی اور حفاظتی دستے شام اور کوفہ بصرہ وغیرہ کو واپس چلے گئے۔

اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بحوالہ ابن جریر یہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے۔ اور فتوح البلدان میں بھی یہ مضمون درج ہے:

((وقد ذكر ابن جرير ان عثمان رضی اللہ عنہ لما راى ما فعل هولاء الخوارج من اهل الامصار من محاصرته فى داره۔ و منعه الخروج الى المسجد۔ كتب الى معاوية رضی اللہ عنہ بالشام و الى عبدالله بن عامر بالبصرة و الى اهل الكوفة، يستنجدهم فى بعث جيش يطردون هولاء من المدينة فبعث معاوية رضی اللہ عنہ حبيب بن مسلمة وانتدب يزيد بن اسد القشيرى فى جيش، وبعث اهل الكوفة جيشا واهل البصره جيشا۔ فلما سمع اولئك بخروج الجيوش اليهم صمموا فى الحصار فما اقترب الجيوش الى المدينة حتى جاءهم قتل عثمان رضی اللہ عنہ كما سنذكره))[1]

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، جنازہ اور دفن

ان اشرار اور مفسدین نے خلیفہ اسلام کے گھر کا ایک طویل مدت تک محاصرہ جاری رکھا۔ مدت محاصرہ کے متعلق متعدد اقوال تاریخ میں موجود ہیں۔ بعض اہل تاریخ کے نزدیک یہ محاصرہ قریباً بائیس (۲۲) روز رہا اور بعض نے مدت محاصرہ اس سے زیادہ تحریر کی ہے۔ بہرکیف ان لوگوں نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ بعد العصر خلیفہ اسلام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بے دردی سے اپنے مکان میں ہی شہید کر ڈالا۔ یہ مکان مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس دن روزہ دار تھے جمعہ کے روز وہ شہید کیے گئے اور ہفتہ کی رات مغرب اور عشا کے درمیان جنازہ پڑھا گیا اور انھیں جنت البقیع کے قریب حش کوکب میں دفن کیا گیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ محدثین کے قول کے مطابق مشہور صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور دفن کیا۔

((عن قتادة صلى الزبير على عثمان رضی اللہ عنہ ودفنه...... الخ))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۸۰ ج ۷ تحت ذکر حصر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سنہ ۳۵ھ
کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۱۲ تحت عنوان فتح ارمینیہ

[2] مسند احمد ص ۷۴ ج ۱، تحت مسندات عثمان رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۱۵ تحت سنہ ۳۵ھ فصل فی خلافتہ طبع دہلی

((وکان یومئذ صائما و دفن لیلة السبت بین المغرب والعشاء))[1]

مسئلہ ہذا کی مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' باب پنجم صفحہ ۳۹۰-۳۹۱ ملاحظہ فرمائیں۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کیسے افراد تھے؟ اور ان کا حکم

علمائے امت اور کبار مورخین نے اس مسئلہ کو واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں امت کے بہترین لوگوں میں سے کوئی شخص شریک نہیں تھا، اور نہ مہاجرین و انصار میں سے کوئی ان مفسدین کے ساتھ تھا۔ اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے والے مفسدین اشرار، اوباش اور اجڈ قسم کے لوگ تھے۔

((ثنا عبدالاعلی بن الهیثم قال حدثنی ابی قال قلت للحسن رضی اللہ عنہ اکان فی من قتل عثمان رضی اللہ عنہ احد من المهاجرین والانصار؟ قال: لا! کانوا اعلاجا من اهل مصر))[2]

اور دیگر علماء نے قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیثیت اور کیفیت مندرجہ ذیل عبارات میں ذکر کی ہے جس سے ان کا فسادی اور شریر ہونا واضح طور پر ثابت ہے:

① ((ان اخیار المسلمین لم یدخل واحد منهم دم عثمان رضی اللہ عنہ لاقتل ولا امر بقتله وانما قتله طائفة من المفسدین فی الارض من اوباش القبائل واهل الفتن))[3]

② ((فمن الذی اجتمع علی قتل عثمان رضی اللہ عنہ؟ هل هم الا طائفة من اولی الشر والظلم ولا دخل فی قتله احد من السابقین))[4]

③ ((ان قتلة عثمان رضی اللہ عنہ لم یکونوا بغاة بل ظلمة وعتاة لعدم الاعتداد بشبهتهم ولانهم اصروا علی الباطل بعد کشف الشبهة وایضاح الحق لهم))[5]

---

[1] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۰۱ تحت ولد ابی العاص بن امیہ
طبقات ابن سعد ص ۵۴ جلد ثالث قسم اول تحت من دفن عثمان ومتی دفن، طبع لیڈن

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۵ ج ۱ تحت حالات شہادت عثمانی

[3] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۶ ج ۲

[4] منتقی (ذہبی) ص ۵۴۳

[5] المسامرۃ فی شرح المسایرہ ص ۱۵۹-۱۶۰ ج ۲ تحت الاصل الثامن۔ طبع مصر

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ:

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے میں اس دور کے بہترین مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی شامل نہیں تھا اور نہ اچھے لوگوں نے کسی کو ان کے قتل کے لیے کہا تھا۔ خلیفہ اسلام کے قتل کرنے والے فسادی، شریر، فتنہ انگیز اور اوباش و اُجڈ قسم کے لوگ تھے۔

علمائے عقائد ان لوگوں کے حق میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ باغی نہیں تھے بلکہ ظالم اور سرکش اور مذہب کے نافرمان تھے۔ باغی کے لیے تو پھر بھی کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہوتی ہے یہ تو نرے مفسد تھے۔ ان کے پیدا کردہ شبہات کا کچھ اعتبار اور وزن نہیں۔ شبہات کے رفع دفع ہونے اور حق بات کھل جانے کے باوجود وہ باطل چیز پر اصرار کیے ہوئے تھے۔

کچھ مدت کے بعد یہی لوگ خوارج کی شکل میں رونما ہوئے اور خلفائے برحق سیدنا علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے ادوار خلافت میں انھوں نے ان حضرات کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔

کیا قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ راضی تھے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل عبارت درج کی ہے:

((واما ما يذكره بعض الناس من ان بعض الصحابة اسلمه ورضى بقتله فهذا لا يصح عن احد من الصحابة انه رضى بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل كلهم كرهه ومقته وسب من قتله ولكن بعضهم كان يود لو خلع نفسه من الامر كعمار رضی اللہ عنہ و محمد بن ابى بكر وغيرهم))[1]

''یعنی یہ بات جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر کچھ صحابہ راضی تھے یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو مکروہ اور مبغوض جانا اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار کیا اگرچہ بعض لوگ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امر خلافت سے دستبردار ہو جائیں جیسے عمار و محمد بن ابی بکر وغیرہ۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظریہ یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حق پر ہیں ان کا موقف اور کردار صحیح ہے اور خلیفہ صالح ہیں، خلافت سے دستبرداری کا تقاضا بالکل بے جا اور غلط ہے۔

مدافعت عثمانی میں اہل مدینہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار

اس مقام پر ایک شبہ کا رفع کرنا مناسب ہے کہ جب مفسدین اور اشرار نے دار عثمان کا محاصرہ کر لیا اور حالات شدید تر ہو گئے تو اہل مدینہ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدافعت کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور خلیفہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۸ ج ۷ تحت واقعات ہذا سنہ ۳۵ھ

برحق کی حمایت کرنے سے کیوں کنارہ کش رہے؟ اس شبہ کے ازالہ کے لیے درج ذیل چیزیں ملحوظ رکھیں:

ایک بات یہ ہے کہ اسلام کا قاعدہ ہے کہ خلیفہ اسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے (بشرطیکہ وہ حکم اسلام کے شرعی قواعد کے خلاف نہ ہو)

اس قاعدہ کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدافعت کی اجازت طلب کی جو انھوں نے نہ دی اب ظاہر ہے کہ خلیفہ کے اذن کے بغیر کوئی اقدام کرنا اس اسلامی ماحول میں ممکن العمل نہ تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بار بار اس امر کی اجازت چاہی لیکن جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اپنی ذات کی حفاظت کے لیے قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' اور آپ نے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں کو قسمیں دلا کر واپس کر دیا۔

تلوار سے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں میں زید بن ثابت انصاری، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ اور سلیط بن سلیط رضی اللہ عنہم وغیرہم کے اسماء مورخین اور محدثین نے ذکر کیے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے گروہوں میں جنگ و قتال کی اجازت نہیں دی اور امت مسلمہ کو اپنی ذات کے لیے خوں ریزی سے بچا لیا اور خود شہید ہو گئے۔ اہل اسلام کے حق میں خیر خواہی کا یہ جذبہ بے مثال ہے۔

اس مسئلہ کو قبل ازیں اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں صفحہ ۳۸۴-۳۸۸ پر باحوالہ ذکر کر دیا ہے فلہٰذا یہاں حوالہ جات کی عبارت درج کرنے سے بخوف طوالت گریز کیا ہے۔ حاشیہ میں حوالہ جات مذکور ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔[1]

مزار عثمان رضی اللہ عنہ

گزشتہ سطور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اجمالاً ذکر کر دی گئی ہے اور آپ کے جنازہ اور دفن کا ذکر بھی اختصاراً ہو چکا ہے۔ اب یہاں یہ چیز ذکر کرنا مناسب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کرنے سے اس وقت اشرار و مفسدین (خوارج) مانع ہوئے تھے اس وجہ سے جنت البقیع سے ملحق مقام پر مرقد بنائی گئی تھی۔ بقول بعض اس جگہ کو حش کوکب کہا جاتا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے ذرا مزید محفوظ کیا گیا اور مزار اور بقیع کے درمیان دیوار قائم کی گئی اور اہل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے موتیٰ کو اس قبر کے پاس دفن کریں۔

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۱ تحت سنہ ۳۵ھ الفتنہ فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ
سنن سعید بن منصور ص ۲۶۲ ج ۳ قسم ثانی طبع مجلس علمی ڈابھیل
طبقات ابن سعد ص ۴۸-۴۹ ج ۳ تحت ذکر ما قیل لعثمان فی الخلع

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ:

((وقد اعتنى معاوية رضي الله عنه فى ايام امارته بقبر عثمان رضي الله عنه ورفع الجدار بينه وبين البقيع وامر الناس ان يدفنوا موتاهم حوله))[1]

لیکن مرورِ زمانہ کے بعد یہ دیوار ختم ہوگئی اور قبرستان بقیع کا حلقہ وسیع ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ مقام جنت البقیع میں شامل ہوگیا۔

ایک معذرت

اس بات کو ذکر کر دینا فائدہ مند ہے کہ یہاں چند عنوانات (مثلاً شہادت عثمان، جنازہ، دفن، قاتلین عثمان کا تعارف اور اہل مدینہ کا معاملہ وغیرہ) کو ایک ضرورت کے تحت اختصاراً مکرر درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح آئندہ صفحات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت سے لے کر آنجناب کی شہادت تک کے بعض واقعات کو بھی بقدر ضرورت مکرر ذکر کیا گیا ہے (حالانکہ یہ مباحث سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سابقاً بیان ہو چکے ہیں)

ان امور کا یہاں (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) میں دوبارہ بیان کرنا ایک مجبوری امر ہے کیونکہ ان مواقع کے مباحث اور حالات باہم مشترک ہیں ان کے ترک کر دینے سے مضامین کتاب کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا اور کتاب کے قاری کے لیے یہ واقعات ایک نظر میں سامنے نہیں آ سکتے۔ امید ہے ناظرین کرام مضامین کے اس تکرار میں ہمیں معذور سمجھیں گے اور اس وضاحت کے بعد اس قسم کے اعتراضات کرنے سے اجتناب فرمائیں گے۔

نیز گزارش ہے کہ تکرار مضامین کا لفظ دیکھ کر یہاں کے مندرجات کو چھوڑ نہ دیں بلکہ ملاحظہ فرمائیں کیونکہ کئی اہم چیزوں کا اضافہ بعد میں کیا گیا جو سیرت علوی مرتب ہونے کے وقت سامنے نہ تھیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول

خلیفہ چہارم کی بیعت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہونے کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے بہت تیزی سے بیعت کرنے کا تقاضا کیا جو لوگ واقعہ شہادت کا باعث تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چونکہ ان لوگوں سے دلبرداشتہ اور ناخوش تھے اس لیے انھوں نے برسر عام ان کی بیعت لینے سے انکار کیا۔ پھر صورت حال اور پیچیدہ ہوگئی اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ سو آخرکار آپ نے حالات کی

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۱ ج ۷ تحت فصل كانت مده حصاره عثمان الخ

نزاکت کی وجہ سے بیعت کرنا قبول کرلیا۔ کیونکہ ان حالات میں امت کو بغیر امیر کے چھوڑ دینا کسی صورت میں درست نہیں تھا اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اس منصب کے لیے بیشک اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکابر حضرات حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی ان لوگوں نے مجبور کیا تھا اور وہ ہر وقت ان کے قتل کے درپے تھے۔ سو بقول مورخین انھوں نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان حالات میں بیعت کی کہ وہ کوئی فیصلہ ازخود نہ کر سکتے تھے انھوں نے اس اضطراری کیفیت میں بیعت کی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

((ثم قال الزبیر (بن عوام رضی اللہ عنہ) انما بایعت علیاً واللج علی عنقی و السلام))[1]

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ'' میں اس بحث کے تحت ذکر کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ بیعت بروز پنجشنبہ بتاریخ چوبیس (۲۴) ماہ ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں ہوئی اور اس کے بعد دوسرے روز عام اہل مدینہ نے مسجد نبوی میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

((وخرج علی رضی اللہ عنہ الی المسجد فصعد المنبر...... ویتوکأ علی قوسہ فبایعہ عامۃ الناس))[2]

ان فسادی عناصر نے بیعت ہذا پر اس بنا پر زیادہ زور دیا تھا کیونکہ وہ اس مسئلہ میں جناب امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر ان کے سامنے کوئی اور صورت پناہ کی نہیں تھی۔[3] اس چیز کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قرۃ العینین میں اس طرح درج کیا ہے۔ حوالہ ہذا کی عبارت ''سیرت علوی'' میں دے دی گئی ہے۔

بیعت سے تاخیر

یہاں ایک چیز ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ان پیش آمدہ حالات کے تحت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور قاتلین کے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں پیش پیش ہونے سے بہت پریشان خاطر تھے اور قصاص دم عثمان کے مسئلہ کو تاخیر میں ڈالنے کی وجہ سے بہت مضطرب تھے۔ نزاکت حالات کے پیش نظر انھوں نے بیعت کے مسئلہ میں تاخیر اختیار کی اور اس موقع پر بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔

ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام ذکر کیے جاتے ہیں: مثلاً عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، صہیب رومی، محمد بن مسلمہ انصاری، زید بن ثابت اور اسامہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم[4]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۶ ج ۷ ذکر بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

[2] البدایہ ص ۲۲۵ ج ۷ تحت ذکر بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

[3] قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ ص ۱۴۳ طبع مجتبائی دہلی تحت مسئلہ ہذا

[4] البدایہ ص ۲۲۶ ج ۷ تحت بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

اصل میں ان حضرات کے سامنے بھی یہی رائے تھی کہ قصاص دم عثمان کی، کوئی بہتر صورت پیدا کر کے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا جائے اس کو تاخیر میں ڈالنا موجب فساد ہے اور کئی خرابیوں کا باعث ہے۔

مکہ کی طرف روانگی

''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جب اہل مدینہ نے بیعت کر لی تو اس کے بعد جلد ہی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بعض امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہا پہلے ہی حج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ پھر ان حضرات کے وہاں ''شہادت عثمانی'' کے قصاص کے مسئلہ میں مذاکرات ہوئے اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ آخر کار ان حضرات نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور وہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیلات اپنی جگہ پر مذکور ہیں۔

اہل شام کی طرف شہادت عثمانی کی اطلاع

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس حسرت ناک واقعہ کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ پر غالب تھے۔ اس سلسلے میں بقول بعض مؤلفین نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی حضرات ملک شام کی طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین کی خدمت میں واقعہ شہادت عثمانی کے اندوہ گیں حالات اور دردناک منظر بیان کیے اور ساتھ ساتھ قاتلین کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا اور ان کے ساتھ مجتمع رہنا بھی بیان کیا، اور ان لوگوں کی شر انگیزیوں اور سرگرمیوں کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

تو واقعات ہذا معلوم ہونے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے بھی قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کا اظہار کیا۔ ان حضرات کی بھی یہی رائے ہوئی کہ ان قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قصاص لیا جائے پھر اس کے بعد ہم خلیفہ رابع کی بیعت تسلیم کریں گے۔ اس صورت کے بغیر ہمارا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت تسلیم کر لینا مشکل ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں تھے بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو شام میں مقیم تھے) مثلاً عبادہ بن صامت، ابودرداء، ابوامامہ اور عمرو بن عبسہ وغیرہ رضی اللہ عنہم و دیگر اکابر تابعین رحمہم اللہ بھی شامل تھے۔

البدایہ میں ہے کہ:

((قام فی الناس معاویة رضی اللہ عنہ و جماعة من الصحابة رضی اللہ عنہم معه یحرضون الناس علی المطالبة بدم عثمان رضی اللہ عنہ ممن قتله من اولئك الخوارج فهم عبادة بن الصامت وابودرداء وابو امامة وعمرو بن عبسة وغیرهم))[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۷ ج ۷ تحت واقعات بعد از بیعت علی رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اس مطالبہ قصاص دم عثمان میں ابتدا سے ہی اکیلے نہ تھے ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی اور ان حضرات کی نظر انتقام جن لوگوں کی طرف تھی وہ خوارج تھے۔ یہ خوارج کی بالکل ابتدائی صورت ہے۔ انھی لوگوں نے آگے چل کر باقاعدہ خوارج کا نام پایا۔

ایک وضاحت یعنی عمال عثمانی کی معزولی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عنان خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ ولات اور حکام میں تبدیلیاں کرنے کا قصد فرمایا تو اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے اس کے خلاف تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ عثمانی حکام اور ولات کو فی الحال اپنے اپنے مناصب پر متعین رہنے دیا جائے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ملک شام میں اپنے حال پر چھوڑا جائے اور ان کو اپنے مقام سے نہ ہلایا جائے۔ بعد میں حالات کے موافق جو تبدیلی چاہے عمل میں لائی جائے۔

چنانچہ البدایہ لابن کثیر میں ہے کہ

((ثم ان ابن عباس رضی اللہ عنہما اشار علی علی رضی اللہ عنہ باستمرار نوابه فی البلاد، الی ان یتمکن الامر، وان یقر معاویة خصوصا علی الشام))[1]

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کو قبول نہیں کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ عمال کو اپنے اپنے مناصب سے معزول کر دیا اور اپنے آدمی ان کے قائم مقام مقرر کر دیے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر ان خارجیوں کے پروپیگنڈے پر تھی جس سے ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا کہ یہ ولات و حکام اپنی ذمہ داریاں صحیح ادا نہیں کر رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ ان لوگوں کو نئے نظم و عمل میں لانے کے لیے ان کے ابتدائی خیالات کا یکسر خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ نہیں کہ آپ واقعی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان تعینات سے ناخوش تھے۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی شام روانگی

اس سلسلے میں آپ نے ملک شام پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ والی شام بنا کر روانہ فرمایا۔ جب وہ یہ حکم نامہ لے کر تبوک کے مقام پر پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستوں سے معارضہ ہوا انھوں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے شام کے لیے امیر متعین کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی شام مقرر کیے گئے ہیں تو تشریف لائیں اور اگر آپ کو کسی دوسرے نے امیر شام متعین کیا ہے تو واپس چلے جائیں۔ اس پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸ ج ۷ تحت آخر سنہ ۳۵ ھ

نے کہا کہ تم لوگوں نے جو کچھ واقعہ ہو چکا ہے سن نہیں لیا؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمیں معلوم ہے اور ہم واقعات سن چکے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو آگے جانے نہیں دیا گیا اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

((وعلى الشام سهل بن حنيف بدل معاوية رضي الله عنه فسار حتى بلغ تبوك فتلقته خيل معاوية رضي الله عنه فقالوا من انت؟ فقال: امير، قالوا: على اى شىء؟ قال: على الشام، فقالوا: ان كان عثمان بعثك فحى هلابك، وان كان غيره فارجع فقال: او ما سمعتم الذى كان؟ قالوا: بلى فرجع الى على رضي الله عنه))[1]

حالات کی پراگندگی

یہ صورت حال صرف شام کے علاقوں میں ہی نہیں بلکہ کوفہ اور بصرہ وغیرہ کے علاقہ جات میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے روانہ کردہ والیوں کے ساتھ اسی قسم کے معارضے پیش آئے اور مخالفتیں بھی سامنے آئیں اور دمِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ بھی ہر جگہ سنا گیا بلکہ یہ بات روز بروز شدت اختیار کرتی گئی اور حالات دگرگوں ہوتے گئے۔ علمائے کرام نے ان پیدا شدہ حالات اور کوائف کو مختصر کلمات میں اس طرح درج کیا ہے کہ:

((وانتشرت الفتنة وتفاقم الامر واختلفت الكلمة))[2]

''یعنی اس فتنہ کی بنا پر لوگوں میں انتشار پھیل گیا اور معاملہ حدود سے متجاوز ہو گیا اور بجائے اس کے کہ کلمہ اسلام میں وحدت ہو حالات میں افتراق واقع ہوا اور اب امت باقاعدہ دو گروہوں میں بٹ گئی۔''

صفین کی طرف اقدام

واقعہ جمل کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے علاقہ شام کی طرف تشریف لے جانے کا قصد کیا اور کوفہ سے نخیلہ کے مقام پر پہنچے۔ وہاں اپنے جیوش اور عساکر کے متعلقہ انتظامات درست کیے اور کوفہ پر ابو مسعود عقبہ بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔ اس مقام پر حالات کے اعتبار سے ضروری تیاری کے بعد آں جناب ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے فرات کے قریب ذی الحجہ ۳۶ھ میں قیام فرمایا۔

بصرہ کے علاقہ میں جنگ جمل جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں لڑی جا چکی تھی اور وہ بھی اسی قصاص دمِ عثمانؓ کے مسئلے کی بنا پر فریقین میں پیش آئی تھی۔ یہ ابتدا ایک ''مجلس مصالحت'' تھی جسے مفسدین نے انجام کار جنگ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸-۲۲۹ ج ۷ تحت ابتدا سنہ ۳۶ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۷ تحت ۳۶ھ

بنا دیا۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا فریق مغلوب ہوا جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے اختتام جنگ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین کے بارے میں اعلان فرمایا کہ ان کی حرمت وعزت آج کے اس واقعہ کے بعد بھی وہی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ واقعہ ہذا قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں اپنے متعلقات کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اس بنا پر ہم یہاں واقعہ جمل کی تفصیلات ذکر نہیں کر رہے اس کتاب کا موضوع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اس لیے ماقبل کے مضامین کے اعتبار سے ہم یہاں واقعہ صفین کے کچھ متعلقات بقدر ضرورت ذکر کریں گے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے حالات و واقعات جب ملک شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اس جنگ میں شہید ہو چکے ہیں اہل بصرہ شکست سے دو چار ہوئے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت غالب آ چکی ہے تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قصاص دم عثمانؓ کی طلب کے لیے آمادہ کیا اور اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں اپنا امیر بنا کر بیعت کی یہ بیعت دم عثمانؓ کے قصاص کی طلب کے لیے تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے منعقد نہ ہوئی تھی۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((عن ابن شهاب الزهری قال لما بلغ معاوية رضی الله عنه واهل الشام قتل طلحة والزبير رضی الله عنهما وهزيمة اهل البصرة وظهور علی رضی الله عنه عليهم دعا اهل الشام معاوية رضی الله عنه للقتال معه علی الشوری والطلب بدم عثمان رضی الله عنه فبايع معاوية اهل الشام علی ذالك امير غير خليفة))[1]

صفین کا محل وقوع اور تاریخ اجتماع

بلاد شام کے مشرقی جانب میں ''صفین'' نام کا ایک مقام ہے جہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا۔ یہ محرم ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے جنود وعساکر کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ شام کی مشرقی سرحد کے قریب آ پہنچے۔ اس مقام پر دونوں فریق اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ مجتمع ہوئے۔

صفین میں ہر ایک فریق کا اپنا موقف

اس مقام پر اس چیز کو واضح کر دینا مناسب ہے کہ فریقین کے درمیان ''مابہ النزاع'' اور ''مابہ الاختلاف'' کون سا مسئلہ تھا جس کی بنا پر فریقین میں یہ قتال پیش آیا تو اس سلسلے میں ہر ایک فریق کا موقف

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکسی، ص ۲۰۷، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

پیش کیا جاتا ہے:

① امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے فلہٰذا اہل شام پر لازم ہے کہ وہ بھی میری بیعت کر لیں اور اطاعت قبول کریں اگر یہ صورت اختیار نہیں کریں گے تو پھر قتال ہوگا۔

② نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف بھی تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ قصاص دم عثمانؓ کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے وہ لوگ میری بیعت کریں پھر مطالبہ قصاص دم عثمانؓ پیش کریں اس کے بعد اس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

اور ابن العربی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یہی مسئلہ بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وکان علی رضی اللہ عنہ یقول ادخل فی البیعة واحضر مجلس الحکم واطلب الحق تبلغه))

((فقال لهم علی رضی اللہ عنہ ادخلوا فی البیعة واطلب الحق تصلوا الیه)) [2]

③ علمائے کرام نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے پیش نظر یہ بات تھی کہ فریق مقابل ہمارے نزدیک اہل بغی میں سے ہے فلہٰذا جب تک یہ لوگ حق کی طرف رجوع نہ کریں ان کے ساتھ قتال لازم ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

((اذ حجة علی رضی اللہ عنہ ومن معه ما شرع لهم من قتال اهل البغی حتی یرجعوا الی الحق)) [3]

فریق مقابل کا موقف

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (جن میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے جو ملک شام میں مقیم تھے) کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین علوی جیش میں موجود

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول مصر

[2] شرح ترمذی (ابن العربی مالکی) ص ۲۲۹ ج ۱۳ تحت شرح مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ
تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۶ سورۃ الحجرات تحت مسئلہ رابعہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۰۱ جلد ۲ تحت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

[3] فتح الباری (ابن حجر) ص ۲۴۶ ج ۱۳ تحت باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس
کتاب التمہید (ابوشکور سالمی) ص ۱۶۶، ۱۶۷ تحت القول السابع فی خروج معاویہ رضی اللہ عنہ طبع حزب الاحناف لاہور۔

ہیں ان سے قصاص لیا جائے، اور ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا نزاع نہیں ہے۔

(۲) نیز جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں اور ان کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اس وقت تک ہم بیعت نہیں کر سکتے۔ یا پھر دیگر صورت یہ ہے کہ قاتلین کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تاکہ ان سے قصاص لیا جا سکے۔

(۳) حاصل مقصد یہ ہے کہ امر خلافت آپ کے لیے ہم تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ اہل فساد اور اہل شر کو ختم نہ کیا جائے، جنھوں نے خلیفہ برحق کا محاصرہ کر کے انھیں ناحق شہید کیا ہے۔ یہ چیز دین کے معاملہ میں بڑی رخنہ انداز ہوئی ہے اور اہل اسلام میں خلل عظیم کا موجب ہے۔

مندرجات بالا کی تائید میں درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ذکر کیا ہے کہ:

((قال معاویة رضی اللہ عنہ ما قاتلت علیا الا فی امر عثمان))[1]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا قتال صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہے۔"

(۲) شیعہ کے ایک مشہور مورخ نصر بن مزاحم منقری نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ

((واما الخلافة فلسنا نطلبها))[2]

"یعنی ہم اس مقام پر خلافت کے طلبگار نہیں۔"

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے علمائے کرام نے یہ وجہ تحریر کی ہے کہ:

((حجة معاویة ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوما و وجود قتلته باعیانهم فی العسکر العراقی))[3]

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین بذات خود عراقی جیش میں موجود ہیں۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۲ ج ۱۱ کتاب الامراء (کراچی)

[2] واقعہ صفین (نصر بن مزاحم منقری شیعی) ص ۷۰ تحت کتاب معاویہ وعمرو رضی اللہ عنہما الی اہل المدینہ

[3] فتح الباری (ابن حجر) ص ۲۴۶ ج ۱۳ کتاب الاعتصام باب ما یذکر من ذم الرای الخ

تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۶ تحت سورۃ الحجرات مسئلہ رابعہ

④ شیخ شعرانی اور صاحب مسامرہ وغیرہ رحمہم اللہ نے اصل نزاع کی وضاحت کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ:

((ولیس المراد بما شجر بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما المنازعة فی الامارة کما توهمه بعضهم وانما المنازعة کانت بسبب تسلیم قتلة عثمان رضی اللہ عنہ الی عشیرته لیقتصوا منهم))[1]

"یعنی ان دونوں حضرات کے مابین خلافت میں نزاع نہیں تھا (جیسا کہ بعض کو وہم ہوا) بلکہ قاتلوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے سپرد کر دینے میں تنازع تھا تا کہ وہ ان سے قصاص لے سکیں۔"

مندرجات بالا کی روشنی میں فریقین کے الگ الگ نظریات اور موقف سامنے آ گئے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ وجوہ کے جواب میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دلیل معذرت یہ ذکر کی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں قاتلین کو شرعی سزا دینا یا فریق مقابل کے سپرد کرنا عظیم شر و فساد کا موجب ہوگا اور اس کی وجہ سے قبائل میں ایک اور انتشار اور اضطراب واقع ہوگا اور معاملہ نظم و ضبط سے خارج ہو جائے گا فلہٰذا اس معاملہ میں تعجیل کے بجائے تاخیر لازم ہے۔ اس چیز کو اکابر علماء نے یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((لان علیا کان رای ان تاخیر تسلیمهم اصوب اذا المبادرة بالقبض علیهم مع کثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسکر یؤدی الی اضطراب امر الامامة العامة))[2]

اس طرح ہر ایک فریق کے مواقف سامنے آ گئے لیکن یہ دونوں فریق اپنے اپنے نظریات پر شدت سے قائم رہے اور نتیجہ خیز امر سامنے نہ آ سکا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کا ذکر کر دینا مفید سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ شرعی قواعد کی رو سے مقتول کے قریبی ورثاء کو قصاص طلب کرنے کا حق ہوتا ہے اور یہی لوگ مطالبہ قصاص کے صحیح حقدار ہوتے ہیں۔ اس ضابطہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو

---

[1] کتاب الیواقیت والجواہر (شعرانی) ص ۷۷ ج ۲ تحت مبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف، الخ
المسامرہ (کمال بن ابی شریف) ص ۱۵۸-۱۵۹ ج ۲ تحت الاصل الثامن فی فضل الصحابہ
الصواعق المحرقہ ص ۲۱۶ مع تطہیر الجنان تحت بحث ہذا

[2] الیواقیت والجواہر (شعرانی) ص ۷۷ ج ۲ تحت مبحث ۴۴ بیان وجوب الکف
الصواعق المحرقہ ص ۲۱۶ مع تطہیر الجنان تحت بحث ہذا

قصاص دم عثمانؓ کا مطالبہ پیش رکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ فلہذا ان کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے درج ذیل چیز پیش خدمت ہے:

مطالبہ قصاص دم عثمانؓ اٹھانے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند شامل تھے اور خاص طور پر حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء اور مصنفین نے اس مسئلہ کو تصریحاً ذکر کر کے اشکال رفع کر دیا ہے ذیل میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

سلیم بن قیس ہلالی شیعی کہتے ہیں کہ:

((ان معاوية يطلب بدم عثمان و معه ابان بن عثمان وولد عثمان))[1]

''یعنی دم عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزند شامل تھے۔ مطالبہ ہذا کے معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد اور اکیلے نہیں تھے۔''

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ابومسلم خولانی رحمہ اللہ اور ان کی جماعت کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الى ...... الخ))[2]

''یعنی میں مقتول مظلوم خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ (والیوں کی طرف سے) میرے سپرد کیا گیا ہے اس بنا پر میں مقتول کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں۔''

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور اقدام صحیح ہے۔

پس اس اشتباہ کو شیعہ کے کبار علماء اور اہل سنت کے مصنفین نے رفع کر دیا ہے اب اس پر مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔

ناظرین کرام کی معلومات میں اضافہ کے لیے اتنی بات مزید درج ہے کہ سلیم بن قیس ہلالی کو شیعہ کے علماء اصحاب امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں تو اس استشہاد سے زیادہ پختہ اور کیا بات ہو سکتی ہے؟

بعض لوگوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ قصاص کو غیر آئینی اقدام قرار دینا ان کی معلومات کی کمی کی بنا پر ہے اور ان کے وسعت مطالعہ کا یہ پہلو خاصا کمزور ہے۔ ورنہ یہ معاملہ کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اور ہرگز اصول شرعی کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے۔

---

[1] کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی الشیعی العامری ص ۱۵۳ مطبوعہ نجف اشرف تحت بحث معاویہ قراء الشام وقضاتہم۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

فریقین میں صلح کی مساعی

ہر دو فریق کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات نے رفع نزاع کی کوششیں کیں۔ ان میں سے بعض کاوشوں کا ہم یہاں مختصراً ذکر کرتے ہیں:

① ایک تو یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ایک مراسلہ دے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب روانہ فرمایا۔

خط کا مضمون یہ تھا کہ مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) نے ہماری بیعت کر لی ہے۔ آپ کو اور آپ کے علاقہ کے لوگوں کو اس بیعت میں داخل ہونا چاہیے۔ واقعہ جمل اسی نزاع کی وجہ سے پیش آ چکا ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام جا کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اہل شام کو اس خط سے مطلع کرنے کے بعد مشورہ طلب کیا تو ان حضرات نے بیعت سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا جائے یا قاتلین کو ہمارے حوالے نہ کیا جائے ہم ہرگز بیعت نہیں کریں گے۔

((وبعثه وكتب معه كتابا الى معاوية رضي الله عنه يعلمه باجتماع المهاجرين والانصار على بيعته ويخبره بما كان فى وقعة الجمل ويدعوه الى الدخول فيما دخل فيه الناس...... فلما انتهى اليه جرير بن عبدالله اعطاه الكتاب فطلب معاوية عمرو بن العاص ورءوس اهل الشام فاستشارهم فابوا ان يبايعوا حتى يقتل قتلة عثمان رضي الله عنه او ان يسلم اليهم قتلة عثمان رضي الله عنه...... الخ))[1]

اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے آگاہ کر دیا۔

عزلت نشینی

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جب اس مسئلے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے فریقین سے الگ ہو کر قرقیسیا کے مقام پر عزلت نشینی اختیار کر لی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطلع کر دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کی شرائط کو قبول نہیں کیا۔[2]

((ثم سكن جرير رضي الله عنه الكوفة وارسله على رضي الله عنه رسولا الى معاوية رضي الله عنه ثم

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳ ج ۷ تحت وقعۃ الصفین
تاریخ طبری، ص ۲۳۵ ج ۵ تحت توجیہ علیؓ جریرؓ بن عبداللہ الخ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳ ج ۷ تحت وقعۃ الصفین
اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۱ تحت بحث ہذا

اعتزل الفريقين وسكن قرقيسيا حتى مات سنة احدى وقيل اربع وخمسين))[1]

''یعنی اس مراسلت اور پیغام رسانی کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فریقین سے غیر جانبدارانہ طور پر الگ ہو کر قرقیسیا کے مقام پر سکونت پذیر ہو گئے حتیٰ کہ (علیٰ اختلاف الاقوال) ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔''

یہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آدمی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ردعمل سے ان کا ان سے علیحدہ ہو جانا بتلاتا ہے کہ اب وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ موقف میں کچھ وزن محسوس کرنے لگے تھے۔

② اسی طرح ایک مشہور تابعی عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے اپنے دیگر احباب (علقمہ بن قیس، عامر بن عبد قیس، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم) کے ہمراہ کوشش کی کہ فریقین میں رفع نزاع کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔

چنانچہ یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلے کے لیے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کا اس سلسلہ میں کیا مطالبہ ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ درپیش ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں قاتلین پناہ لیے ہوئے ہیں اس بنا پر ہم ان سے یہ مطالبہ کیے ہوئے ہیں۔

پھر یہ مطالبہ ان حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا کر عرض کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((والله ما قتلت ولا امرت ولا ما ليت))[2]

''یعنی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے نہ میں نے اس بات کا حکم دیا ہے اور نہ میں نے اس چیز پر قاتلین سے تعاون کیا ہے۔''

قاتلین اپنی تاویلات فاسدہ کی بنا پر اس فتنہ میں پڑ گئے اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میری خلافت سے قبل قتل کر دیا۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں تقاضا کرتے تھے کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے جنود و جیوش میں موجود ہیں ان سے قصاص دلایا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل سے براءت کے بعد ان کا اپنی بیعت اور اطاعت کا مطالبہ مقدم تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے قصاص دم عثمان کا تقاضا پیش پیش تھا۔ اس

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۳۴ ج ۱ تحت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۸ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث ہذا

جدوجہد کے باوجود کوئی مابہ الاتفاق چیز سامنے نہ آسکی جس پر نزاع ختم ہوسکتا۔

③ اس موقع پر کبار علماء نے ایک اور کوشش کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ:

ایک بزرگ ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ ہیں جو اپنے زہد وتقویٰ اور عبادت میں مشہور تھے انھوں نے بھی اپنے احباب کے ہمراہ جذبہ اخلاص کے تحت اس مسئلہ میں رفع اختلاف کی کوشش کی۔

چنانچہ ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ اپنے احباب کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ خلافت کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تم جانتے نہیں ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں؟ اور میں ان کا قریبی رشتہ دار، چچا کا بیٹا ہوں اور میں ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں۔ تم جناب علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلین عثمان ہمارے سپرد کر دیں، ہم امر خلافت ان کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور مذکورہ گفتگو ان کی خدمت میں ذکر کی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کو ان کے حوالے نہیں کیا۔

اور اس مقام پر بعض روایات میں اس طرح بھی مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ وہ بیعت میں داخل ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں اس کے بعد یہ مسئلہ میرے ہاں پیش کریں اور فیصلہ طلب کریں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر آمادہ نہ ہوئے۔

چنانچہ ابن عساکر، ابن کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ رحمہم اللہ علماء نے اس گفتگو کو اپنے اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے:

((جاء ابومسلم الخولانی واناس معه الی معاویه رضی اللہ عنہ فقالوا له انت تنازع علیا رضی اللہ عنہ ام انت مثله؟ فقال معاوية رضی اللہ عنہ لا والله انی لاعلم ان علیا افضل منی وانه لاحق بالامر منی ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه وانما اطلب بدم عثمان فاتوه فقولوا له فلیدفع الی قتلة عثمان رضی اللہ عنہ واسلم له فاتوا علیا رضی اللہ عنہ فکلموه بذالك فلم یدفعهم الیهم))[1]

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص۱۰۷ ج۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ ص۱۲۹ ج۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص۹۳ ج۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص۱۶۸ ج۲ تحت وقعۃ الصفین سنہ ۳۷ھ طبع مصر
عقیدۃ سفارینی ص۳۲۸-۳۲۹ ج۲ تحت قتل عمارؓ والقول فی المعاویہؓ

اور بعض روایات میں مندرجہ بالا مضمون کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔

((ویحاکمهم الی فامتنع معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

رفع نزاع کے لیے ناظرین کرام کے سامنے متعدد مساعی ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان حضرات کی جانب سے یہ مخلصانہ کد و کاوش تھی جو نتیجہ خیز نہ ہوسکی اور فریقین اپنے اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے اس کے بعد حالات میں روز بروز اور شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

فسادیوں کا کردار

اس موقع پر مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جن کی منازعت کے ہولناک عواقب اور خطرناک انجام پر نظر نہیں تھی یہ لوگ اپنی ''جبلی شرپسندی'' اور ''فطرتی فساد انگیزی'' سے باز نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ ان عناصر نے جانبین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے بجائے ان میں اور بدظنی پھیلائی اور انھیں ایک دوسرے سے دور کیا اور معاملہ سلجھانے کے بجائے الجھا دیا اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر اصرار کیا۔

ان مفسدین نے اہل اسلام میں ایک عظیم فساد برپا کر دیا جس کے مضر اثرات سے امت مسلمہ نہ بچ سکی اور اس کے مہلک نتائج سے قوم محفوظ نہ رہی اور ان واقعات کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے اختلافی مباحث کا ایک باب مفتوح ہو گیا جس کے انسداد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ باہمی مساعی اور مراسلت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور شریروں کی شرانگیزیوں کی وجہ سے فریقین میں اختلاف اور شدید ہوتا گیا جو اس دور کے اندوہناک واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فتراسلوا فلم یتم لهم امر فوقع القتال الی ان قتل من الفریقین))[2]

''یعنی جانبین میں مراسلت ہوئی لیکن کسی بات پر معاملہ تمام نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہوئے۔''

جنگی تفصیلات سے اجتناب

کتب تاریخ میں جنگ صفین کی بہت کچھ طول طوال تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ ان طویل واقعات کو ذکر کرنا موضوع کو بلا مقصد طویل کرنا ہے۔ پھر ان میں واقعات کی نوعیت، تعداد شرکاء اور ان کے جیوش کی تعداد، پھر ان کے امرا کا تقرر، پھر محاذ جنگ میں جنگی تفصیلات اور مقتولین جانبین کی تعداد وغیرہ یہ سب چیزیں مختلف

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص۷۲-۷۳ ج۱۳ تحت کتاب الفتن بعد از باب خروج النار۔

[2] فتح الباری شرح بخاری ص۷۳ ج۱۳ تحت بحث ہذا (کتاب الفتن)

فیہ امور ہیں اور ان کا ذکر متنوع تعبیرات کے ساتھ پایا جاتا ہے اور ان متخالف امور میں کوئی توجیہ و تطبیق پیدا کر لینا اور واقعات کی نئے سرے سے جانچ پڑتال نہ صرف یہ کہ بے فائدہ ہے بلکہ ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اور حلقہ انضباط سے خارج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کی وادی تفصیلات میں قدم رکھنا پھر ان کی وسعتوں کو سلامتی سے طے کر لینا کوئی سہل امر نہیں ہے بلکہ صعب تر ہے اور ''محالات عادیہ'' کے درجہ میں ہے۔ فلہٰذا اکابر علماء نے اس میں جو اجمال اختیار کیا ہے ہم نے اس پر اکتفا کرنا بہتر خیال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اگر چہ طبری سے کم تفصیلات درج کی ہیں لیکن پھر بھی قتال کے کچھ واقعات لکھے ہیں اور اس کے باوجود وہ بعض مقامات پر تحریر کرتے ہیں کہ:

((فقتل فی هذا الموطن خلق کثیر من الفریقین لا یعلمهم الا الله وقتل من العراقیین خلق کثیر ایضا))[1]

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ:

((فقتل خلق کثیر من الاعیان من الفریقین فانا لله وانا الیه راجعون))[2]

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ ان مواضع میں فریقین کی جانب سے بہت سے لوگ مقتول ہوئے جن کی صحیح تعداد اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

البتہ اتنی چیز ذکر کر دینے میں حرج نہیں ہے کہ فریقین کی طرف سے جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں جناب عمار بن یاسر، خزیمہ بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے تھے اور اس معرکہ میں ان کی شہادت ہوئی۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی حدیث شریف میں موجود ہے۔ مزید اس کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ اپنے مقام پر پیش کیا جائے گا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے عبیداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ذوالکلاع اور حوشب وغیرہم اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جنگ صفین میں متعدد اکابر حضرات کی شہادت ہوئی جیسا کہ اجمالاً سطور بالا میں لکھا ہے لیکن ان کے اسماء کی تصریحات نہیں تحریر کی جا رہیں۔ اور مندرجہ بالا بزرگوں (حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ذوالکلاع وحوشب) کے نام ذکر کر دینے میں ایک خاص وجہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ان مباحث کے آخر میں درج ہو گی کچھ انتظار فرمائیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۱ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث صفین

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ تحت واقعات صفین

تحکیم

صفین کے مقام پر فریقین کے درمیان شدید قتال واقع ہوا۔ بقول بعض مورخین چہار شنبہ، پنجشنبہ، جمعہ اور شب شنبہ ابتدائے ماہ صفر ۳۷ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین لمحے تھے اور ان ایام میں سخت لڑائی ہوئی۔[1]

اس موقع پر اہل شام کی طرف سے قتال ختم کرنے کے لیے یہ تدبیر کی گئی کہ "اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے۔" چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیش کش کی گئی اور آنجناب نے مصالحت کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لڑائی بند کر دی گئی اور یہ طے ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) اس مسئلہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا جائے۔

بنا بریں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکم منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ثالث تسلیم کر لیے گئے۔[2] کتاب اللہ کی روشنی میں یہ حضرات جو فیصلہ کریں وہ منظور ہوگا۔ اور اس طرح طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں ثالث حضرات دومۃ الجندل کے مقام پر مجتمع ہو کر فیصلے کا اعلان کریں۔

اور بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ "اذرح"[3] نامی دومۃ الجندل کے قریب ایک مقام تھا اس میں فیصلہ تحکیم تجویز کیا گیا اور علیٰ اختلاف الاقوال یہ واقعہ ۱۰ یا ۱۳ صفر ۳۷ھ کا ہے۔

خوارج کی ابتدا

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آنجناب کے حکمین تسلیم کر لینے کو غلط قرار دیا اور اس فیصلہ کے خلاف رائے کا اظہار کیا اور سختی سے کہا کہ حکمین کو تسلیم کرنا شرعاً درست نہیں ہے اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ لگا کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے الگ ہو گئے اور آپ کے

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۱ ج ۷ تحت حالات صفین سنہ ۳۷ھ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۳، ۱۷۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ
العبر (ذہبی) ص ۴۳ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ
طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ تحت ذکر تحکیم الحکمین
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۲ ج ۷ تحت بحث واقعہ صفین ۳۷ھ
طبقات ابن سعد ص ۴ ج ۴ ق ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

[3] معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۴۸۸ ج ۸ تحت دومۃ الجندل
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۳، ۱۷۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

ساتھ تعاون سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک الگ مقام پر جا ٹھہرے جسے ''حروراء'' کہتے تھے اور بقول بعض مورخین یہ جماعت بارہ ہزار کے قریب تھی۔ ان کو خوارج کہا جاتا ہے۔

((وابوا ان يساكنوه فی بلده ونزلوا بمكان يقال له "حروراء" وانكروا عليه اشياء فی ما يزعمون انه ارتكبها))[1]

''یعنی ان لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شہر میں سکونت اختیار کرنے کو بھی گوارا نہ کیا اور حروراء کے مقام پر اقامت اختیار کی اور اپنے زعم میں انھوں نے آنجناب پر کئی چیزوں کے ارتکاب کے اعتراضات قائم کر لیے۔''

ایک وضاحت

علمائے کرام تو اس چیز سے واقف ہیں لیکن عام ناظرین کے لیے ذکر کر دینا مفید ہے کہ یہ خارجی طبقہ اپنی کج فکری اور شدت ذہنی کی بنا پر جس طرح سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے، اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے بھی سخت خلاف تھے اسی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر یورش کی پھر اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم ہر سہ حضرات پر ایک پروگرام کے تحت قاتلانہ حملے کیے۔ یہ واقعات اپنے مقام پر ذکر کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

چنانچہ واقعہ تحکیم پیش آنے کے بعد ہر ایک فریق اپنے اپنے بلاد کی طرف واپس ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ آ گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت بلاد شام کی طرف واپس ہوئے۔

اس واقعہ تحکیم کے اثرات یہ تھے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اس مسئلہ پر افتراق و انتشار واقع ہو گیا تھا (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت اور اہل شام میں سکون تھا اور اس مسئلہ میں کوئی اضطراب و اختلاف نہیں تھا۔

((ورجع علی رضی اللہ عنہ الكوفة باصحابه مختلفين عليه۔ ورجع معاوية رضی اللہ عنہ الی الشام باصحابه متفقين عليه))[2]

اور اپنے اپنے بلاد کی طرف فریقین کی یہ واپسی صفر ۳۷ھ میں پیش آئی۔ بعدہ درمیان میں چند ماہ وقفہ رہا اور مراسلت جاری رہی اور فیصل حضرات کے متعین مقام دومۃ الجندل (اذرح) میں مجتمع ہونے کے لیے

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۸ ج ۷ تحت خروج الخوارج

[2] نصب الرایہ (زیلعی) ص ۷۰ ج ۴ کتاب البیوع تحت الحدیث الخامس
طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ بحث تحکیم الحکمین طبع لیڈن

کوششیں ہوتی رہیں۔

اجتماع فریقین اور فیصلہ میں ناکامی

آخرکار دونوں فریق رمضان المبارک ۳۷ھ میں دومۃ الجندل (اذرح) کے مقام پر مجتمع ہوئے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ ان کی جانب سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما شریک مجلس ہوئے اور دیگران کے ہم نوا حضرات ساتھ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود شامل اجتماع ہوئے اور ان کے ہم خیال احباب بھی شریک ہوئے۔

فریقین کے منتخب فیصل حضرات حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مقام مذکور پر تشریف لائے۔ مزید جو اکابرین امت اس موقع پر شامل ہوئے تھے ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی، ابوجہم بن حذیفہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔[1]

اس مقام پر مورخین کے بیانات بہت کچھ مختلف ہیں۔ بنا بریں حقیقت واقعہ کے مطابق مسئلہ کو صاف کر لینا سہل کام نہیں ہے تاہم اتنی چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ جب دونوں فیصل حضرات جمع ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر اور خیر اندیشی کی خاطر غور و فکر فرمایا۔ دونوں بزرگوں کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو اپنے مناصب سے الگ کر دیا جائے اور یہ معاملہ پھر سے اکابرین امت کی صوابدید پر چھوڑا جائے۔ وہ جس شخصیت کو اس منصب کے لائق تر سمجھیں اس کو منتخب کر لیں۔ انتخاب میں مذکور حضرات میں سے کسی ایک پر اتفاق کریں یا ان کے ماسوا کسی دوسرے شخص کو تجویز کر لیں۔

((فلما اجتمع الحکمان تراوضا علی المصلحۃ للمسلمین ونظرا فی تقدیر امور ثم اتفقا علی ان یعزلا علیا و معاویۃ رضی اللہ عنہما ثم یجعلا الامر شوری بین الناس یتفقوا علی الاصلح لھم منھما او من غیرھما))[2]

یہاں ان دونوں حکمین کی رائے کا ذکر بعض مورخین نے اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو والی بنانے کی طرف اشارہ کیا جبکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو والی بنانے کی رائے پیش کی کہ وہ بھی علم و عمل اور زہد میں ایک مقام کے حامل تھے۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ آدمی تو صادق اور صحیح ہیں لیکن آپ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۱-۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین ۳۷ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

نے اپنے فرزند کو ان فتنوں میں ملوث کر دیا ہے۔

((وقد اشار ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بتولیة عبدالله بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فقال له عمرو رضی اللہ عنہ: فول ابنی عبدالله فانه يقاربه فی العلم والعمل والزهد۔ فقال له ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انك قد غمست ابنك فی الفتن معك وهو مع ذالك رجل صدق))[1]

اور بعض دیگر مورخین کے نزدیک حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا جائے مگر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس رائے سے متفق نہیں ہوئے۔ اس طرح مزید اس مسئلہ میں بحث و تمحیث چلتی رہی لیکن ان امور میں اختلاف آراء کی بنا پر انتشار واقع ہو گیا اور کوئی متفق فیصلہ نہ ہو سکا اور تحکیم نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔ اصلاح بین المسلمین کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ اس چیز کو خلیفہ ابن خیاط (جو طبری سے قدیم تر مورخ ہیں) نے مختصر الفاظ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فلم يتفق الحكمان على شیء وافترق الناس)) [2]

''یعنی دونوں فیصل حضرات کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اس بنا پر لوگوں میں افتراق و انتشار واقع ہو گیا اور لوگ مختلف ہو گئے۔''

ان حالات میں فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس چلے گئے اس کے بعد اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جا کر بیعت خلافت کی۔ اس سے قبل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے بیعت خلافت نہیں لی تھی اور نہ خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

((وبايع اهل الشام لمعاوية رضی اللہ عنہ بالخلافة فی ذی القعدة سنة سبع وثلاثين)) [3]

''یعنی اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر ذی القعدہ ۳۷ھ میں بیعت خلافت کی۔''

اس سے قبل وہ اپنے سابقہ منصب امیر شام پر فائز تھے جو ان کو سابق خلفاء کی جانب سے حاصل تھا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قرۃ العینین (ص ۲۷۸ طبع دہلی) میں یہ چیز اس طرح ذکر کی ہے کہ:

''معاویہ قبل تحکیم ادعاء خلافت نہ کردہ بود و بیعت خلافت نگرفتہ۔''

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۲، ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱ تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ (المتوفی ۲۴۰ھ)

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط (المتوفی ۲۴۰ھ) ص ۱۷۴ ج ۱، تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ
تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۲۵ ج ۲ تحت ولایہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

ایک تشریح

تحکیم کے موقع پر مورخین اور ان کے بعض رواۃ نے جو تعبیریں اختیار کی ہیں وہ حقائق و واقعات کے خلاف ہیں ان کے متعلق یہاں ایک انتباہ ذکر کر دینا مفید ہے۔

انتباہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ معاملات میں ظاہر بین تھے اور سیاسی بصیرت کے حامل نہیں تھے۔ نیز وہ معاملہ فہمی میں زیرک نہیں تھے۔

اور اسی طرح کئی مورخین حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو واقعہ ہذا میں ''خداع اور مکار'' شخص کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ سب بیان کرنے والوں کی اپنی قبیح تعبیریں ہیں جو ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص کا موجب بنتی ہیں اور تحقیر کا تاثر دیتی ہیں۔ سو یہ روایات کسی صورت میں صحیح نہیں۔

اس مقام پر پہلے ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری اور جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے باہم مکالمہ کی روایات پر نقد اور تجزیہ پیش کرتے ہیں، جن کی بنا پر لوگوں نے ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کی تحقیر و تنقیص کے درپے ہوئے۔

اس کے بعد ہم ان حضرات کے مقام و مرتبہ کو اختصاراً بیان کر کے ان کے حق میں صفائی پیش کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس سلسلے میں عموماً طبری کی روایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کے رواۃ پر اہل فن نے جرح اور تنقید ذکر کی ہے۔ فلہٰذا یہ روایتیں درجہ اعتماد سے ساقط ہیں۔

سند پر کلام

طبری کی ان روایات کا بنیادی راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ یہ شخص علمائے رجال کے نزدیک سخت قسم کا شیعہ اور رافضی ہے ضعیف ہے اور کچھ قابل اعتماد نہیں، اخباری آدمی ہے۔

((لوط بن یحیی ابو مخنف اخباری لا یوثق به...... تالف لا یوثق به...... ترکه ابوحاتم وغیره۔ قال الدارقطنی ضعیف، قال یحیی بن معین (مره) لیس بشیء۔ قال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارهم))[1]

مطلب یہ ہے کہ ابو مخنف نا قابل اعتماد ہے متروک ہے بیکار ہے، صحابہ کے نام سے جلنے والا ہے شیعہ

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۴۱۹، ۴۲۰ ج ۳ طبع بیروت، تحت لوط بن یحییٰ
لسان المیزان (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۹۲ ج ۴ تحت لوط بن یحییٰ (طبع دکن)

ہے روایتیں چلانے والا اخباری ہے (اور قصہ گو راوی ہے) اور قصہ گو لوگوں کے بیانات قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

طبری کی ان روایات کا دوسرا راوی ابو جناب کلبی یحییٰ بن ابی حیہ ہے۔ یہ شخص اہل فن کے نزدیک مندرجہ ذیل جرح ونقد کے ساتھ مجروح ومقدوح ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں:

((كان ممن يدلس عن الثقات۔ ما سمع من الضعفاء فالتزق به المناكير التي يرويها عن المشاهير۔ قال (يحيى بن سعيد القطان) ليس بشيء۔ قال (يحيى بن معين) كان ضعيفا)) [1]

اسی ابو جناب کلبی پر ابن عدی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل جرح اور نقد کیا ہے:

((متروك الحديث...... كوفي ضعيف...... وهو من جملة المتشيعين بالكوفة)) [2]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ:

((قال يحيى بن سعيد القطان لا استحل ان اروى عنه۔ قال النسائى والدارقطني ضعيف...... كان يدلس)) [3]

مندرجہ بالا تنقیدات کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ شخص مدلس تھا اور ضعیف راویوں سے جو کچھ سنتا اس چیز کو ثقات کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے مشاہیر لوگوں سے منکر روایات نقل کی ہیں۔ علمائے فن کے نزدیک یہ شخص ضعیف ہے بلکہ کسی درجہ میں نہیں اور اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ یہ شخص شیعان کوفہ میں سے تھا اور یحییٰ قطان رحمہ اللہ اس کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ میں اس شخص سے روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

مختصر یہ ہے کہ اس مقام کی روایات کے مرکزی رواۃ مندرجہ بالا جرح کے ساتھ مجروح اور مقدوح ہیں اور اہل فن کے نزدیک نہایت غیر معتمد اور نا قابل اعتبار ہیں۔

پس ان روایات کی روشنی میں مذکور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جو تنقیص وتحقیر کی جاتی ہے وہ سراسر افترا اور دروغ گوئی ہے۔ اس قسم کے تاریخی اور اخباری ملغوبات کی بنا پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم سطور ذیل میں ان ہر دو صحابہ کرام کے دینی مقام کو واضح کرنے کے لیے چند ایک چیزیں پیش

---

[1] کتاب المجروحین (ابن حبان) ص ۲۷ ج ۳ تحت یحییٰ بن ابی حیہ (طبع دکن)

[2] الکامل (ابن عدی) ص ۲۶۶۹، ۲۶۷۰ ج ۷ تحت یحییٰ بن ابی حیہ

[3] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۷۱ ج ۴ تحت یحییٰ بن ابی حیہ (طبع بیروت)

کرتے ہیں جن سے ان حضرات کی اہلیت وصلاحیت اور دیانت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں ان کی عدالت پر شواہد کے درجہ میں ہیں۔ ان کے ملاحظہ کر لینے کے بعد ایک منصف مزاج اور حق پسند آدمی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر اس قسم کے مطاعن وارد کرنے کا ہرگز روادار نہیں ہوگا بلکہ تحکیم کے موقع کے حالات کو ان کے فکری اختلاف اور اجتہادی رائے کے تنوع پر محمول کرے گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری (عبداللہ بن قیس) رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب سے ان کے تراجم مملو ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ آپ جلیل القدر اور فاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

① آپ متعدد بار اسلامی حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے حتیٰ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بعض علاقوں (زبید، عدن) پر عامل اور والی مقرر فرمایا۔

② اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا۔

((استعمل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ابا موسٰی الاشعری (عبدالله بن قیس رضی اللہ عنہ) علی زبید وعدن۔ ثم ولی الکوفة والبصرة لعمر رضی اللہ عنہ))[1]

③ بعدہٗ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کوفہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کسی معاملہ میں اختلاف کی بنا پر کوفہ سے نکال دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کریں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا اور آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کوفہ کے عامل اور والی رہے۔

((وفیها (سنة ۳۴ھ) اخرج اهل الکوفة سعید بن العاص وولوا ابا موسٰی الاشعری وکتبوه الی عثمان رضی اللہ عنہ یسالونه ان یولی ابا موسٰی فولاه))[2]

یہ چیزیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فطری اہلیت اور طبعی صلاحیت پر دال ہیں۔ کسی سطحی آدمی اور سادہ لوح شخصیت کو ایک وسیع علاقہ کی حکومت سپرد نہیں کی جاتی اور نہ اس کو امیر اور والی مقرر کیا جاتا ہے۔ نیز جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو تسلیم ومنظور کر لینا ان کی دیانت وامانت ولیاقت کی بڑی قوی دلیل ہے۔

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۵۵ ج ۲ تحت ترجمہ ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۴۵ ج ۱ تحت سنہ ۳۴ھ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۷ ج ۱ تحت تسمیہ عمال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

اسی طرح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دیانت، امانت اور صداقت اسلام میں مسلمات میں سے ہے اور بے شمار فضائل وکمالات کے یہ حامل ہیں۔

① نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ''عمرو بن عاص قریش کے صالحین میں سے ہیں۔''

((قال طلحة بن عبيدالله رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ان عمرو بن العاص من صالحی قریش))[1]

② نیز آپ کی دیانت کی یہ زبردست دلیل ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے علاقہ پر ان کو عامل مقرر فرمایا اور آپ پورے عہد نبوی میں وہاں عامل رہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو ولایت عمان سے تبدیل نہیں فرمایا۔

((واستعمله رسول الله صلى الله عليه وسلم على عمان فلم يزل عليها مدة حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم واقره عليها الصديق رضي الله عنه))[2]

③ اسی طرح عہد نبوت کا ایک دیگر واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے۔ اس سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقام دیانت اور اخلاص مزید واضح ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگی مہم پیش آئی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف فرمان دے کر آدمی بھیجا کہ عمرو بن عاص سے جا کر کہو کہ وہ اپنی تیاری کے ساتھ ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تیاری کر کے حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا اور مال غنیمت عنایت فرمائے گا اور ہم اس مال میں سے تجھے بھی عنایت کریں گے۔

((فقلت یا رسول الله! ما كان هجرتی للمال وما كانت الا لله ولرسوله قال نعما بالمال الصالح للرجل الصالح۔ رواه فی شرح السنة وروی احمد نحوه وفی روایته نعم المال الصالح للرجل الصالح))[3]

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر جزری) ص ۱۱۷ ج ۴ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶ ج ۸ بحوالہ ترمذی تحت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

[3] مشکوۃ شریف ص ۳۲۶ فصل ثانی، باب رزق الولاۃ وہدایاہم، طبع نور محمدی دہلی۔

اور بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ:

((قلت يا رسول الله! انى لم اسلم رغبة فى المال انما اسلمت رغبة فى الجهاد والكينونة معك قال يا عمرو نعما بالمال الصالح للمرء الصالح))[1]

''یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے مال کے لیے ہجرت نہیں کی بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور جہاد کے لیے ایمان لایا اور ہجرت کی۔''

بقول بعض روایات ''میں نے اس لیے ہجرت کی تھی کہ مجھے جناب کی معیت نصیب رہے'' تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عمرو! پاک اور حلال مال نیک اور صالح شخص کے لیے عمدہ ہوتا ہے۔''

۴ اسی طرح مسند امام احمد میں دور نبوت کا ایک واقعہ درج ہے۔ وہ بھی قابل لحاظ ہے۔

ایک بار سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دو شخص اپنا ایک تنازع (کیس) لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ارشاد فرمایا کہ ان متخاصمین کے درمیان تنازع کا فیصلہ تم کرو۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس معاملہ میں آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ میں زیادہ اولیٰ ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو) اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (بطور استفادہ اور طلب وضاحت کے) عرض کیا کہ اگر میں ان کے مابین تنازع کا فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سودمند ہوگا؟ ان کی اس گزارش پر بطور قاعدہ کے ارشاد نبوت ہوا کہ (واقعہ ہذا کی عبارت اس طرح ہے)

((عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما عن عمرو بن العاص رضی الله عنه قال جاء رسول الله صلی الله علیه وسلم خصمان يختصمان فقال لعمرو اقض بينهما يا عمرو! فقال انت اولى بذالك منى يا رسول الله! قال وان كان قال فاذا قضيت بينهما فما لى؟ قال ان انت قضيت بينهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان انت اجتهدت فاخطأت فلك حسنة))[2]

---

[1] فضائل الصحابہ، امام احمد ص ۹۱۲ ج ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

روایت ہذا کا مضمون درج ذیل مقامات پر بھی ہے:

مسند امام احمد ص ۱۹۷ ج ۴ تحت حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

مسند امام احمد ص ۲۰۲ ج ۴ تحت بقیہ حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

[2] مسند احمد ص ۲۰۵ ج ۴ تحت بقیہ حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

''یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کیا تو تمھارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا کی تو پھر بھی تمھارے لیے ایک نیکی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا سے واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک نہایت صالح مخلص اور دیانتدار شخص تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے دو متخاصمین کے تنازع کا فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا اور بطور ترغیب ساتھ ہی قضا کا قاعدہ فہمائش کیا۔

یہ چیزیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طبعی صلاحیت اور دینی وثاقت پر دال ہیں۔ یہ بزرگ بارگاہ نبوت سے ہدایت یافتہ اور کمال اخلاص کے حامل تھے۔ عہد نبوت میں ان پر پورا پورا اعتماد کیا جاتا تھا اور ان میں خدع و نفاق ہرگز نہیں تھا۔

⑤ نیز اکابر تابعین میں سے ایک بزرگ قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم نشین رہے۔ ان حضرات کی ہم نشینی کے تاثرات اپنی ایک روایت میں ذکر کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی کمال دیانت اور کمال اخلاص اور دینی وثاقت ثابت ہوتی ہے۔

قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((قال صحبت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلا اقرأ لکتاب الله ولا افقه فی دین الله ولا احسن مداراة منه وصحبت طلحة بن عبیدالله رضی اللہ عنہ فما رایت رجلا اعطی لجزیل عن غیره مسئلة منه وصحبت معاویة رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فما رایت رجلا اثقل حلما منه وصحبت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فما رایت رجلا ابین او قال انصح ظرفا منه ولا اکرم جلیسا ولا اشبه سریرة بعلانیة منه...... الخ))[1]

''یعنی میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا وہ اللہ کی کتاب کے بہت قاری اور اس کے دین کے بڑے فقیہ تھے، بڑی عمدہ خاطر و مدارات کرنے والے تھے۔ ان صفات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بہتر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا میں ہم نشین رہا وہ سوال کیے بغیر بہت کچھ عطا کیا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی رہا ہوں۔ میں نے ان سے بہتر حلیم الطبع کوئی شخص نہیں دیکھا۔ پھر قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۵۲۶ ج ۱۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۹ ج ۲ تحت تذکرہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
اصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲-۳ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (مختصراً)

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں رہا ہوں تو میں نے ان کا ظرف نہایت خالص پایا۔ وہ بڑے باعزت اور شریف ہم نشین تھے ان کا باطن ظاہر کے بالکل موافق اور مشابہ تھا (صاحب اخلاق تھے ان میں نفاق نہیں تھا)۔''

مندرجہ بالا امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحکیم کے ثالث اور فیصل حضرات ایماندار، دیانتدار اور صاحب اخلاص تھے۔ ان میں غداری اور بدنیتی نہ تھی۔ یہ حضرات نفاق سے دور تھے۔ امت کے مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ اپنی دیانتدارانہ رائے کی بنا پر انھوں نے اپنی اپنی فریق کی جانب سے نمایندگی کی۔ کسی حیلہ اور مکر کی بنا پر انھوں نے یہ معاملہ نہیں کیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ تحکیم کے مسئلے میں اجتہاد فکر کی بنا پر رائے میں اختلاف واقع ہوا تھا جو دوسرے فریق نے تسلیم نہیں کیا۔ اس وجہ سے یہ حضرات کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ "المجتهد قد يخطي ويصيب" یعنی مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا اور صواب دونوں کا محتمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ حضرات اس مقام پر قابل اعتراض اور مورد طعن نہیں۔ اور اگر یہ چیز پیش نظر رکھی جائے کہ ما شاء الله كان وما لم يشاء لم يكن اور وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ تو اس نوع کا تردد دور ہو جاتا ہے۔

بعض اہم مباحث اور ازالہ شبہات

گزشتہ اوراق میں ''واقعہ صفین'' کا ایک مختصر سا خاکہ تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کے وقوع کے بعد اسلامی تاریخ میں کئی پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے معترضین نے مطاعن صحابہ کے لیے اس سے ایک مستقل دستاویز تیار کر لی۔ اعدائے اسلام نے طعن و تشنیع کے لیے اس کو ہدف بنا لیا اور مخالفین صحابہ نے طعنہ زنی کی خاطر اس کو زینہ قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بندوں کی تدبیر پر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب رہتی ہے۔ جمل وصفین کے واقعات جن حالات میں پیش آئے وہ نہایت ہنگامی اور ناقابل ضبط حالات تھے۔ اب ان حالات و واقعات کو صحیح طور پر ضبط کر لینا اور منقح کرنا ہمارے لیے ''محالات عادیہ'' میں سے ہے، اور ان کے تکوینی حکم و مصالح کو دریافت کرنا ہمارے دائرہ فکر و دانش سے بالاتر ہے۔

اکابرین امت کی ہدایات کی روشنی میں ان واقعات کے متعلق چند مباحث درج کیے جاتے ہیں جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوء ظنی رفع کرنے اور بدظنی دفع کرنے میں مفید ہوں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لیے سودمند ثابت ہوں گے۔ (بعونہ تعالیٰ)

نیز ان مباحث کے ساتھ ساتھ ازالہ شبہات کا سلسلہ بھی چلایا گیا ہے تاکہ ان مواقع پر پیش آمدہ اعتراضات کا ازالہ بھی حسب موقع ہو سکے اور ان کے لیے کوئی الگ فصل قائم کرنے کی حاجت نہ رہے۔

گشتی مراسلہ

اس سلسلے میں ہم بطور تمہید و مبادی کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان درج کرتے ہیں جس میں خود انھوں نے اہل صفین کے ساتھ مابہ الاختلاف مسئلہ کی نوعیت واضح کر دی ہے اور اس میں کوئی خفا باقی نہیں چھوڑا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گشتی فرمان بالفاظ ذیل شیعہ کی معتمد کتب میں مذکور ہے:

((وكان بدء امرنا انا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد، ونبينا واحد، ودعوتنا فى الاسلام واحدة، لا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ﷺ ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء))[1]

''حاصل یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو چٹھی اپنے مملوکہ شہروں کی طرف لکھ کر ارسال کی اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو ان کو اہل صفین کے ساتھ پیش آئے تھے اور فرمایا کہ ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم لوگ اور ملک شام کے لوگ (ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کے لیے) جمع ہوئے حالانکہ واضح بات یہ ہے کہ ہم دونوں (قوموں) کا رب ایک اور ہم دونوں کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ان کا اور ہمارا تمام (دینی معاملہ) بالکل ایک جیسا ہے۔ لیکن خون عثمان کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں...... الخ (یعنی ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں)''

گشتی مراسلہ ہٰذا کے ذریعے سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ:

① اہل صفین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و جماعت معاویہ) کا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا کوئی مذہبی اختلاف نہ تھا بلکہ دونوں فریق کا مذہب ایک تھا اور دونوں جماعتیں مومن و مسلمان ہونے میں ایک تھیں اور دونوں کی دعوت دینی متحد و متفق تھی۔

---

[1] نہج البلاغہ ص ۱۱۴ ج ۲ تحت من کتاب لہ علیہ السلام کتبہ الی اہل الامصار یقتص فیہ ما جری بینہ و بین اہل صفین (طبع مصر)
شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۱۹۴ ج ۵ خطبہ ۵۷ طبع تہران۔
شرح نہج البلاغہ الدرۃ النجفیہ ص ۳۴۴ تحت من کلام لہ علیہ السلام الی الامصار یقتص الخ (طبع قدیم) ایران۔

② تصدیق ایمانی میں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے فائق نہ تھا یکساں اور برابر تھے اور کامل الایمان تھے کوئی ناقص الایمان نہ تھا۔

③ صرف ایک سیاسی مسئلہ باعث اختلاف ہوا یعنی دم عثمان اور صرف اس ایک مسئلہ میں باہمی نزاع تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں صراحت فرمائی کہ "ہم خون عثمان سے بری ہیں۔"

مراسلہ ہذا کے ذریعے سے بہت سے شبہات خود بخود مرتفع ہو گئے تاہم اب حاصل مباحث چند عنوانات کی صورت میں بھی پیش خدمت ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

① اظہار تأسف

واقعہ ہذا پر اکابر حضرات کی جانب سے اظہار تأسف پایا جاتا ہے۔ یہ قتال جن حضرات کے درمیان واقع ہوا وہ سب اس پر متاسف ہوئے۔ کئی غلط فہمیاں حائل تھیں جن کی بنا پر غیر اختیاری حالات پیدا ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی۔ یہ حضرات اس واقعہ پر نہایت کبیدہ خاطر تھے اور اس کے وقوع پر ہر دو فریق نہایت مغموم و محزون ہوئے۔

① چنانچہ جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات اس نوع کی کبار علماء نے نقل کی ہیں ایک موقع پر جناب حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا آپ فرماتے تھے:

((یا لیت امی لم تلدنی ولیت انی مت قبل الیوم))[1]

"یعنی جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے پریشانی کے عالم میں فرمایا کاش میری ماں نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا اور کاش میں اس روز سے قبل فوت ہو گیا ہوتا۔"

② اسی طرح ایام صفین میں ایک دوسرے موقع پر جب آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے کے لیے اپنی جانب سے حکم تجویز کیا تو آپ پر ایک اضطرابی کیفیت تھی اسے علماء نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ اسے یہ عبارت ذیل نقل کرتے ہیں:

((عن سلیمان بن مهران قال حدثنی من سمع علیا رضی اللہ عنہ یوم صفین وهو عاض علی شفتیه لو علمت ان الامر یکون هکذا ما خرجت۔ اذهب یا ابا موسیٰ فاحکم ولو خر عنقی))[2]

"یعنی سلیمان بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے موقع پر

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۸۴ ج ۳ قسم ثانی طبع دکن
کتاب السنۃ (امام احمد) طبع مکہ مکرمہ ص ۱۹۶

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۱۵ طبع کراچی روایت ۱۹۶۹۸ تحت کتاب الجمل

خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا۔ اس وقت آپ کی اضطرابی کیفیت یہ تھی کہ آپ اپنے لب مبارک کو زیر دندان کرتے تھے اور فرماتے تھے اگر اس معاملہ کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی تو میں اس کے لیے کبھی نہ نکلتا۔ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیں اور فیصلہ کریں اگرچہ اس میں مجھے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔"

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی کتاب الآثار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے تمام روایت کتاب مذکور میں ملاحظہ فرمائیں۔

((عن علی رضی اللہ عنہ انه قال لابی موسٰی رضی اللہ عنہ حین حکمه خلصنی منها ولو بعرق رقبتی...... الخ))[1]

"یعنی جناب علی رضی اللہ عنہ نے جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم و فیصل بنایا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں ہمیں خلاصی دلایئے اگرچہ میری گردن کی رگ ہی کیوں نہ چلی جائے۔ (یعنی اگرچہ مجھے کمال نقصان ہی اٹھانا پڑے)۔"

یہ فرامین اظہار تاسف کے طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صادر ہوئے یہ ان حضرات کے تقویٰ، دیانت اور خشیت الٰہی کے غلبہ پر محمول ہیں۔ یہ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد اس کی ندامت پر دلالت نہیں کرتے۔

نیز مندرجہ بالا فرامین علوی کا محمل اور موقف جو تجویز کیا گیا ہے بعینہ اس نوع کی اضطرابی کیفیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بعض اوقات طاری ہوتی تھی اور آں موصوفہ رضی اللہ عنہا بھی واقعہ جمل پر اظہار تأسف اور گریہ فرماتی تھیں تو وہ کسی جرم کے ارتکاب کی تلافی پر ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کا یہ فعل کمال اتقا اور خشیت الٰہی کے غلبہ کی بنا پر تھا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر اس نوع کی کیفیات غلبہ حال کی صورت میں پیش آیا کرتی ہیں۔

② ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں نے اس مقام پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں فریق کے باہم قتال ذاتی عناد اور نسلی عداوت کی بنا پر واقع ہوئے۔ ان حضرات کے درمیان دیرینہ دشمنی تھی اور ایک دوسرے کے خلاف ان کے سینے کینہ اور بغض سے پر تھے اور دنیاوی اغراض ان کے پیش نظر تھیں۔ اس بنا پر انھوں نے یہ جمل و صفین کی جنگیں لڑیں اور اہل اسلام میں عظیم فساد برپا کر دیا۔

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں ہم چند امور پیش کرتے ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں

---

[1] کتاب الآثار (امام ابو یوسف) ص ۲۰۸ روایت ۹۲۹ طبع بیروت لبنان بحواشی ابی الوفاء الافغانی

ان شاء اللہ تعالیٰ شبہات بالا رفع ہو سکیں گے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند فرمودات اور ان کی جماعت کے اکابر حضرات کے اس موقع کے اقوال ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فریق ثانی کی طرف سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی جو اپنی جگہ پر اس شبہ کے ازالہ کا موجب ہو سکیں گی۔

اوّل: اپنے فریق مقابل (اہل صفین) کے حق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو جواب میں فرماتے ہیں جو اپنے مقابلین کے حق میں غلو کرتے ہوئے کفر کی نسبت کر رہا تھا۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلین کو کافر کہہ رہا تھا۔ اس وقت اس شخص کو تنبیہ کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یوں ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو بلکہ ان کے حق میں کلمہ خیر ہی کہو۔ تحقیق ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی اور ہم اپنی جگہ پر یہ خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا کفر اور اسلام کا اختلاف نہیں ہے اور نہ ہمارے دین الگ الگ ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ انھوں نے گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف تجاوز کیا اور ہم خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے حقوق سے تجاوز کیا۔ اس نقطہ نظر پر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔

① تاریخ ابن عساکر میں مذکور ہے کہ:

((حدثنا ابوزرعة عن جعفر بن محمد عن ابیه قال سمع علی رضی اللہ عنہ یوم الجمل او یوم صفین رجلا یغلوا فی القول یقول الکفر قال لا تقولوا فانهم زعموا انا بغینا علیهم وزعمنا انهم بغوا علینا))[1]

② علامہ ابن تیمیہ اور ذہبی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ:

((قال اسحق بن راهویة حدثنا ابونعیم حدثنا سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیه قال سمع علی رضی اللہ عنہ یوم الجمل او یوم صفین رجلا یغلوا فی القول فقال لا تقولوا الا خیرا انهم قوم زعموا انا بغینا علیهم وزعمنا انهم بغوا علینا فقاتلناهم))[2]

③ نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں یہی سوال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کیا اہل

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) کامل ص ۳۲۹ ج اطبع دمشق

[2] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳ تحت الکلام ولما قال السلف ان اللہ یامر الخ
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۳۵
تہذیب ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۳ ج ۱ باب ماورد من اقوال المنصفین

بغاوت (جمل وصفین والے) مشرک ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ لوگ تو شرک سے فرار کر کے مسلمان ہوئے، یہ کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟

پھر سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ منافق ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں)

پھر دریافت کیا گیا کہ آخر ان کا کیا حکم ہے؟ اور یہ لوگ کس درجہ میں ہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے خلاف انھوں نے بغاوت کر دی ہے۔

((سئل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وھو القدوۃ عن قتال اھل البغی من اھل الجمل والصفین امشرکون ھم؟ قال لا من الشرك فروا فقیل امنافقون؟ قال لا لان المنافقین لا یذکرون الله الا قلیلا قیل له فما حالھم؟ قال اخواننا بغوا علینا))[1]

ایک وضاحت

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کی روشنی میں یہ چیز اس طرح واضح ہوئی کہ "اخواننا بغوا علینا" میں ''اخوت دینی'' مراد ہے اور بغی سے ''بغاوت لغوی'' مراد ہے (یعنی زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا وغیرہ) اور اصطلاحی بغاوت مقصود نہیں۔ اس چیز پر روایات بالا قرینہ ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ''بغاوت اصطلاحی'' اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک خلیفہ برحق کے خلاف کسی شخص کا اپنی رائے اور تاویل کی بنا پر کھڑے ہونا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کسی خلیفہ کے باغی نہ تھے پھر بھی فرماتے تھے کہ ان کا گمان ہے کہ ہم نے ان پر بغاوت کی۔ تو معلوم ہوا کہ مذکورہ کلمات میں بغاوت شرعی و اصطلاحی معنی میں مراد نہیں۔ یہاں لغوی مفہوم مراد ہے۔

شیعہ کی طرف سے تائید

① شیعہ اکابر نے اپنے ائمہ کرام سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں:

((جعفر عن ابیه (محمد باقر) ان علیًا علیہ السلام لم یکن ینسب احدا من اھل حربه الی الشرك ولا الی النفاق ولكن یقول ھم اخواننا بغوا علینا))[2]

''یعنی امام جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے والد امام محمد باقر رحمہ اللہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل

---

[1] تفسیر قرطبی ص ٣٢٣-٣٢٤ ج ١٦ تحت فاصلحوا بین اخویکم

[2] قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر حمیری) ص ٤٥ طبع قدیم

کرتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ اپنے محاربین کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے کہ یقیناً وہ ہمارے بھائی ہیں انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔"

(۲) اور اسی طرح امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((جعفر عن ابیہ ان علیا علیہ السلام کان یقول لاھل حربہ انا لم نقاتلھم علی التکفیر لھم ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا ولکنا راینا انا علی حق و راوا انھم علی حق))[۱]

"مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ امام باقر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین کے حق میں فرماتے تھے کہ ہم ان سے ان کی تکفیر کی بنا پر قتال نہیں کر رہے اور نہ ان سے اس وجہ سے قتال کر رہے ہیں کہ وہ ہماری تکفیر کرتے ہیں۔ (یہ بات نہیں ہے) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ حق پر ہیں۔"

حاصل یہ ہے کہ ان کا اور ہمارا قتال کفر و اسلام کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حق ہونے اور ناحق ہونے پر ہوا ہے۔

شیعہ کے اکابر نے اپنے ائمہ سے یہ فرمودات نقل کیے ہیں جو اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تشریح کے محتاج نہیں۔

گزشتہ اوراق میں ہر ایک فریق کا اپنا اپنا موقف بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصرار تھا کہ پہلے خلافت کی بیعت تمام کی جائے، بعد میں مطالبات قصاص وغیرہ پیش کیے جائیں۔ فریق مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا احباب کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اہم ہے اسے پہلے حل کیا جائے جبکہ مفسدین آپ کے گروہ میں موجود ہیں اور بیعت خلافت اس کے بعد ہوگی۔ پس یہی چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان فرمودات میں بیان کی گئی ہے۔

دوم: اسی طرح ایک دوسرا واقعہ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں پیش آیا۔ وہ اس طرح کہ ایک دن جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے تھے تو اس وقت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے انھوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو دیکھا جس کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کر ڈالا تھا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ بے چارہ کل مسلمان تھا اور آج کافر مرا پڑا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسا نہ کہو یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔

(۱) ((عن سعد بن ابراھیم قال خرج علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ذات یوم و معہ

---

[۱] قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر حمیری شیعی) من علماء القرن الثالث ص ۴۵ طبع ایران

عدی بن حاتم الطائی فاذا رجل من طی قتیل قد قتله اصحاب علی فقال عدی یا ویح هذا کان امس مسلما والیوم کافرا فقال علی رضی الله عنه مهلا کان امس مومنا وهو الیوم مؤمن))[۱]

(۲) ایک دیگر مقام پر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے آنجناب سے اصحاب معاویہ کے مقتولین کے متعلق سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن ہیں (ان پر کفر کا اطلاق درست نہیں)۔

((عن محمد بن راشد عن مکحول ان اصحاب علی رضی الله عنه سألوه عن من قتلوا من اصحاب معاویة قال هم المومنون...... وفی روایة سئل عن من قتل بصفین ما هم؟؟ قال هم المومنون))[۲]

سوم: نیز اس مقام پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا ایک قول اپنے مقابلین (اہل شام) کے حق میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اہل شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اور ان کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبی ایک ہیں اور ان کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے (یعنی ہم دونوں فریق اہل اسلام میں سے ہیں) لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو کر امر حق سے متجاوز ہو چکے ہیں، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تا کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

((عن زیاد بن الحارث قال کنت الی جنب عمار بن یاسر رضی الله عنهما بصفین ورکبتی تمس رکبته فقال رجل کفر اهل الشام فقال عمار رضی الله عنه لا تقولوا ذالك، نبینا و نبیهم واحد وقبلتنا وقبلتهم واحدة ولکنهم قوم مفتونون حادوا عن الحق۔ فحق علینا ان نقاتلهم حتی یرجعوا الیه))[۳]

مندرجہ بالا چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۶۷ تا ۱۷۹ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[۱] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۳۰ ج ا طبع دمشق
تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۳ ج ا

[۲] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۳۰ ج ا طبع دمشق
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳ طبع لاہور
المنتقی (ذہبی) ص ۳۳۵ طبع مصر۔

[۳] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰ ج ۱۵ طبع جدید کراچی روایت ۱۹۶۸۷ تحت کتاب الجمل۔
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱، ۶۲ ج ۳
فتح الباری شرح بخاری ص ۷۳ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن، طبع قدیم مصر

کے حالات میں ذکر کی ہیں اور یہاں کچھ مزید حوالے اضافہ شدہ ہیں اور عنوانات دوسرے طریق سے مرتب کیے ہیں۔

یہ ایک فریق کے متعلق چند چیزیں نقل کی ہیں اور آیندہ سطور میں فریق مقابل کی چند چیزیں درج کی جاتی ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات

ذیل میں چند چیزیں ایسی ذکر کی جا رہی ہیں جو اس بات پر قوی قرینہ ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان جدال و قتال عناد پر مبنی نہ تھا بلکہ ان سے اپنے اپنے نظریات کے تحت یہ امور صادر ہوئے، جانبین ایک دوسرے کے حق میں نیک نیت تھے ان میں کوئی گروہی اور نسلی عداوت نہ تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کے حق میں کینہ ور اور حاسد نہیں تھے مثلاً:

① اس مقام پر وہ گفتگو جو ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی وہ بھی قابل ذکر ہے۔ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ:

((انت تنازع علیا رضی اللہ عنہ ام انت مثله؟ فقال معاویة رضی اللہ عنہ لا! واللہ انی لاعلم ان علیا افضل منی وانه لاحق بالامر منی ...... الخ))[1]

''کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں، کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی وہ زیادہ حقدار ہیں...... الخ''

یہ دونوں حوالہ جات قبل ازیں اپنے مقام پر ذکر ہو چکے ہیں لیکن یہاں اس مقصد کے لیے دوبارہ ذکر کیے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی ذاتی عناد اور نسلی عداوت نہیں تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور فرق مراتب کا لحاظ رکھتے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔

② نیز علماء نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قتال جاری تھا اور تا حال واقعہ تحکیم تک نوبت نہیں پہنچی تو ان ایام میں شاہ روم نے ان کے جنگی حالات پر نظر کرتے ہوئے اہل اسلام پر حملہ کر دینے کی تیاری کی اور موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں پر حملہ کے لیے ایک

---

[1] تاریخ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۱۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۶۸ ج ۲ تحت وقعۃ الصفین سنہ ۳۷ھ
عقیدہ سفارینی ص ۳۲۸، ۳۲۹ ج ۲ تحت قتل عمار رضی اللہ عنہ والقول فی معاویہ رضی اللہ عنہ

عظیم لشکر جمع کیا۔

ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شاہ روم کے اس مقصد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ روم کو مراسلہ بھیجا:

((والله لئن لم تنته و ترجع الى بلادك يالعين لاصطلحن انا وابى عمى عليك ولاخرجنك من جميع بلادك ولاضيق عليك الارض بما رحبت فعند ذالك خاف ملك الروم وانكف وبعث يطلب الهدنة)) [1]

''یعنی اللہ کی قسم! اگر تو اس اقدام سے باز نہیں آئے گا اور اپنے بلاد کی طرف واپس نہیں ہو گا تو اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) تیری مخالفت میں باہم صلح کر لیں گے اور میں تجھے تیری آبادیوں سے نکال کر چھوڑوں گا اور زمین کے فراخ ہونے کے باوجود اسے تم پر تنگ کر دوں گا۔ اس پر بادشاہ روم نے خوف کھایا اور ایسے اقدام سے رک گیا اور قاصد بھیج کر صلح کا خواستگار ہوا۔''

③ نیز اسی طرح ایک اور واقعہ اس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا ہے تاہم مقصد کے لیے مفید ہے یعنی ایک فریق کے دوسرے فریق کے حق میں نظریات واضح ہوتے ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو آپ بے ساختہ گریہ کرنے لگے۔ ان کی اہلیہ ان کے پاس موجود تھیں وہ کہنے لگیں کہ آپ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ برسر پیکار رہے اور اب رونے لگے ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ پر کلمہ ترحم کہنے کے بعد یوں ارشاد فرمایا کہ تو نہیں جانتی کہ اہل اسلام کا فضیلت، فقہ اور علم میں کس قدر نقصان ہوا ہے اور کیسی گرانقدر ہستی سے قوم محروم ہوگئی ہے۔

((لما جاء خبر قتل على رضي الله عنه الى معاوية رضي الله عنه جعل يبكى۔ فقالت له امراته اتبكيه و قد قاتلته؟ فقال ويحك! انك لا تدرين ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم)) [2]

④ گزشتہ واقعہ کی تائید میں ایک اور واقعہ مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ ضرار صدائی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے جو شیعہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاج العروس شرح قاموس (علامہ مرتضیٰ زبیدی) ص ۲۰۸ ج ۷ تحت مادہ اصطفین طبع قدیم۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ و ذکر شیء من ایامہ ودولتہ

علماء نے بھی تفصیل سے لکھا ہے اور ہماری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حمایتی لوگوں میں سے ایک شخص ضرار صدائی تھے وہ آنجناب کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ وہ کہنے لگے اس مسئلہ میں مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار فرماتے ہوئے کہا کہ میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ تو یہ چیز ضرور بیان کر۔

پس ضرار رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنا شروع کیے ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے اتنا روئے کہ ان کی ریش تر ہوگئی۔

ضرار صدائی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب[1] میں ذکر کیا ہے اور دیگر علماء نے بھی اسے لکھا ہے۔

((وکان ضرار من اصحابه (علی) علیہ السلام فدخل علی معاوية بعد موته فقال: صف لی علیا فقال او تعفینی عن ذالك فقال والله لتفعلن فتکلم بهذا الفصل فبکی معاوية حتی اخضلت لحيته))[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ سابقہ سطور میں دونوں فریق کی جانب سے چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں اور اس نوع کے واقعات مزید بھی تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام امور اس بات پر قرائن ہیں کہ ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے درمیان مذکورہ جنگ و جدال جو وقتی طور پر پیش آئے وہ بنا بر عناد نہ تھے اور فساد نیت پر مبنی نہ تھے بلکہ اجتہاد فکر اور نظریاتی اختلاف کی بنا پر پیش آئے یہ ہنگامی مسائل کے درجہ میں تھے اور ختم ہو گئے۔ جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

البتہ صاحب عناد راویوں نے اور زیغ عن الحق کرنے والے ناقلین نے ان چیزوں کو دوامی کینہ اور عداوت کی صورت میں نقل کیا ہے۔

اس بحث کے آخر میں علمائے سیرت و حدیث اور مورخین کے وہ اقوال ذکر کیے جاتے ہیں جس سے اصل مسئلہ منقح ہو جاتا ہے اور وارد کردہ شبہ کا دفعیہ ہوتا ہے۔

① علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

---

[1] الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۴۳ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

[2] درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۳۶۰ طبع قدیم ایران۔
شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۲۷۶ جلد ۵ طبع تہران
شرح نہج البلاغہ (حدیدی) ص ۳۷۴-۳۷۵ جلد ۴ طبع بیروت، تحت ذکر من خبر ضرار بن حمزہ الصدائی لمعاویہ عند دخولہ علی معاویہ

((فیما کان بینهم من الفتن کما وقع بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما احسن التاویلات والمحامل لانها امور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة))[1]

''یعنی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور فتن میں جو واقعات پیش آئے ان کے لیے عمدہ تاویل اور بہترین محمل قائم کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات ان کے اجتہاد رائے کی بنا پر ان سے صادر ہوئے تھے کسی نفسانی اغراض کی خاطر اور دنیاوی طمع اور حرص کے لیے نہیں واقع ہوئے تھے جیسا کہ جاہل اور نادان لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔''

④ مشہور مورخ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((کان طریقهم فیها الحق والاجتهاد ولم یکونوا فی محاربتهم لغرض دنیوی اولایثار باطل او لاستشعار حقد کما قد یتوهمه متوهم وینزع الیه ملحد))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جب فتنہ واقع ہوا تو ان کا طریقہ اس معاملہ میں تلاش حق کی خاطر تھا اور بطور اجتہاد تھا کسی دنیاوی غرض کے لیے ان کے درمیان یہ محاربات نہیں تھے اور کسی باطل چیز کو ترجیح دینے کے لیے بھی نہیں تھے اور نہ کینہ و بغض کی بنا پر تھے جیسا کہ بعض لوگوں کو اس بات کا وہم ہوا ہے اور ملحد شخص اس کو باطل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔''

③ ایک دیگر شبہ کا ازالہ

یہاں ایک اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جمل و صفین میں جو قتال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں واقع ہوئے بظاہر یہ قرآن مجید کی آیت کریمہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے برخلاف ہیں۔ ان کا یہ عمل آیت مذکورہ کے مفہوم کے متعارض ہے۔ حالانکہ یہ حضرات بالیقین قرآن مجید کے عامل اور حامل تھے۔

اعتراض ہذا کو صاف کرنے کے لیے چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر بنظر انصاف غور کر لینے سے یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے:

① اس مقام پر مسئلہ ہذا کی تفہیم کے لیے اہل علم ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی جماعت یا گروہ

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء (شہاب الدین خفاجی) ص ۴۶۷ ج ۳ تحت فصل ومن توقیرہ وبرہ توقیر اصحابہ الخ، مطبوعہ مطبع عثمانیہ ترکی۔

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۴ تحت انقلاب الخلافہ الی الملک، طبع بیروت

کی تعریف کی جائے یا ان کے اوصاف و احوال ذکر کیے جائیں تو ان کا بیان کرنا ایک مجموعی حیثیت سے ہوتا ہے اور وہاں غالب احوال کے اعتبار سے ان اوصاف کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور ان کا عمومی و اجتماعی طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ خصوصی افراد کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔

پھر اگر وہاں اس کا جزوی طور پر خلاف پایا جائے یا اس جماعت کے بعض افراد سے بعض اوقات کوئی چیز اس کے متعارض صادر ہو جائے تو وہ اس حکم کلی اور قاعدہ عمومی کو نہیں توڑتی۔

مختصر یہ ہے کہ کسی امر جزوی کا کسی امر کلی کے خلاف پایا جانا اہل فہم کے نزدیک اس کلیہ میں قادح اور متعارض نہیں سمجھا جاتا۔

② دوسری یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات ہر دو فریق میں اختلاف رونما ہوتے ہیں اور قتال تک نوبت پہنچتی ہے تاہم ان سے رحمت کی صفت بتمامہ مفقود نہیں ہوتی اور شان شفقت بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں بھی دونوں فریق نیک نیتی کے ساتھ اپنے فریق کو حق بجانب خیال کرتے ہوئے دوسرے فریق سے محارب ہوئے تھے لیکن ذاتی عداوتوں اور نفسانی اغراض کے لیے نبرد آزما نہیں ہوئے۔ اس چیز پر یہ قرائن موجود ہیں:

① ہر ایک فریق نے مخالف فریق کے ایمان کا انکار نہیں کیا اور ان کو بے دین قرار نہیں دیا۔ نیز ایک فریق نے متقابل فریق کے فضائل اور دینی کارناموں کا انکار نہیں کیا بلکہ اعتراف کیا۔

② اسی طرح کوئی فریق دوسرے فریق کو ذلیل اور رسوا کرنے کے درپے نہیں ہوا حتیٰ کہ اپنے مقابل کو قیدی نہیں بنایا، مال نہیں لوٹا، ان کی خواتین کی بے حرمتی نہیں کی اور ان کے کسی زخمی کو مزید زخمی نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

③ جمل و صفین کے واقعات میں ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا تھا اور اجتہاداً حق کے لیے دوسرے فریق سے مناقشہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک شرعی حق کی خاطر فریق مخالف کے ساتھ قتال پر آمادہ تھا اور یہ چیز رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے مفہوم کے خلاف نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ایک امر دینی اور اپنے شرعی حق کو قائم رکھنے کے لیے بعض اوقات شدت اختیار کی جاتی ہے۔ جیسے اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات دور نبوی میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں پیش آئے۔ باوجود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمت للعالمین'' ہیں اور مومنوں پر ''رؤف الرحیم''۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی شان اخوت کی صفت موجود ہونے کے باوجود اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات رونما ہوئے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض دینی مسائل اور معاشرتی معاملات میں اختلافات پیش آتے رہے۔

پھر ان حضرات کے باہم قتال کی نوعیت اس قسم کی ہے جیسے اللہ جل شانہ کو مومنین کے بعض اعمال پر غصہ آتا ہے اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے برے اعمال پر ناراض ہوتے ہیں یا ماں کو اپنی اولاد کے افعال بد پر بعض دفعہ ناراضی ہوتی ہے حالانکہ ان سب میں رحمت اور شفقت کی صفت موجود ہے اس کے باوجود غیظ وغضب بھی پایا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان متقابل صفات کا اپنے اپنے مقام پر پایا جانا مسلمات میں سے ہے ان میں کوئی تعارض وتدافع نہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ نے موضح القرآن میں اس آیت کے تحت بہترین چیز ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔"

اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مناقشات وقتال کا مسئلہ عمدہ طریقہ سے صاف ہو جاتا ہے کہ رحمت وشفقت کی صفات کا اپنا مقام ہے اور شدت اور سختی اپنی جگہ پر کی جاتی ہے۔

ان حضرات نے سختی کے مقام پر سختی اور شدت کا مظاہرہ کیا اور نرمی وشفقت کے موقع پر نرمی اور الفت کو اختیار کیا۔ پس اس طریقہ سے ان حضرات کے مذکورہ واقعات آیت کے خلاف نہیں پائے گئے اور نہ اس سے متعارض ہیں۔

علمائے عظام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو منازعات جاری ہوئے ان کا درجہ اس طور پر سمجھنا چاہیے جیسا کہ

① حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان ماجرا پیش آیا۔ اس بات کے باوجود یہ لوگ حد نبوت اور حد ولایت سے خارج نہیں ہوئے۔ اسی طرح جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافی واقعات پیش آئے وہ بھی اسی درجہ میں ہیں۔

((قال ابن فورك و من اصحابنا من قال ان سبيل ما جرت بين الصحابة من المنازعات كسبيل ما جرى بين اخوة يوسف مع يوسف علیہ السلام ثم انهم لم يخرجوا بذلك عن حد الولاية والنبوة فكذالك الامر فيما جرى بين الصحابة رضی اللہ عنہم))[1]

② اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

[1] تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت الایہ۔ وان طائفتان من المومنين...... الخ (الحجرات)

میں ایک مسئلہ پراختلاف رائے ہوا اور اس پر تنازع پیش آیا حتیٰ کہ سر کے بال کھینچنے اور دست و گریبان ہونے تک نوبت پہنچی۔

یہ تنازع دشمنی کی بنا پر واقع نہیں ہوا اور اس واقعہ کو کوئی بھی عداوت پر محمول نہیں کرتا۔

(۳) اسی طرح باپ کا بیٹے کو تادیب و تنبیہ کے طور پر زدوکوب کرنے کے واقعات محبت و شفقت پدری کے خلاف نہیں سمجھے جاتے۔ نیز جراح اور سرجن (ڈاکٹر) کا نشتر لگانا حتیٰ کہ بعض اعضاء کا کاٹ دینا اور مریض کو تکلیف پہنچانا مریض کے حق میں رحمت اور شفقت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تنازعات کے ان واقعات کو مذکورہ تمثیلات اور تشبیہات کی روشنی میں اہل فہم حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں اور ان واقعات اور آیت رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے درمیان تطبیق پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں۔

مذکورہ بالا چند چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کو قریب الی الفہم کرنے کے لیے پیش کر دی ہیں ورنہ اہل علم و فکر حضرات پر یہ مسئلہ مخفی و پوشیدہ امر نہیں۔

(۴) اہل صفین کے ساتھ حسن معاملہ

صفین کے مقام پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے فریق مقابل سے بہترین سلوک روا رکھا گیا اور ان سے حسن معاملہ سے پیش آئے۔

اس سلسلہ میں کئی واقعات اس نوع کے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے چند ایک مقام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

صفین میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے کچھ زخمی افراد کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے احباب نے اسیر بنا لیا پھر ان میں سے بعض کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان لوگوں کے لیے غسل اور کفن دفن کا انتظام کیا گیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قال عقبة بن علقمة اليشكرى شهدت مع على رضي الله عنه يوم صفين فاتى بخمسة عشرا اسيرا من اصحاب معاوية رضي الله عنه فكان من مات منهم غسله وكفنه وصلى عليه))[1]

''یعنی عقبہ بن علقمہ یشکری کہتے ہیں کہ صفین میں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے پندرہ عدد قیدی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے

---

[1] تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۴ جلد ۱، باب ما ورد من اقوال المنصفین فی من قتل من اہل الشام بصفین۔

پھر ان میں سے جو شخص فوت ہو گیا اس کو آپ نے غسل اور کفن دلایا اور خود اس پر نماز جنازہ پڑھی۔"

مقتولین صفین جنتی ہیں

سعید بن منصور رحمہ اللہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ نعیم بن ابی ہند رحمہ اللہ جو ایک بزرگ ہیں اپنے چچا سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں:

ان کے چچا کہتے تھے کہ میں صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ہم نے نماز کے لیے اذان کہی اور فریق مقابل نے بھی اپنی جگہ پر اذان دی۔ ہم نے بھی جماعت کے لیے اقامت کہی اور انھوں نے بھی نماز کے لیے اقامت کہی پھر انھوں نے نماز ادا کی اور ہم نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ہم لوگوں کے سامنے یہ منظر تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان مقتولین پڑے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

① ((ما تقول فی قتلانا وقتلاهم؟ فقال من قتل منا ومنهم یرید وجه الله والدار الاخره دخل الجنة))[1]

"یعنی ہمارے مقتولین اور ہمارے فریق مقابل کے مقتولین کے حق میں جناب کا کیا ارشاد ہے؟
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی رضا اور فکر آخرت کے ارادہ پر ہم دونوں فریق میں سے مقتول ہوا؟ وہ جنت میں جائے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ دونوں فریق میں سے اخلاص کی بنا پر قتل ہونے والے شہید ہیں اور جنت میں جائیں گے کیونکہ یہ کفر و اسلام کی جنگ نہیں بلکہ اختلاف رائے پر ہوئی ہے اس میں غرض فاسد نہیں اور ہر فریق کو اپنا موقف اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

② اسی نوع کی ایک دیگر روایت کبار علماء نے نقل کی ہے اس میں بھی یہی مسئلہ درج ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے متعلق حکم دریافت کیا گیا تو آنجناب نے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

((قتلاناوقتلاهم فی الجنه))[2]

"یعنی ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین دونوں فریق جنت میں جائیں گے۔"

---

[1] سنن سعید بن منصور ص ۳۷۴ ج ۳ قسم ثانی روایت ۲۹۶۸ طبع مجلس علمی کراچی

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۳ ج ۱۵ باب ما ذکر فی الصفین روایت ۱۹۷۲۶
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (بحوالہ طبرانی)
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۵ ج ۳ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۱۷۴ ج ۱۶ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۷ ج ۶ تحت وقعۃ الصفین طبع اول

تنبیہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مخالف فریق کے مقتولین کو بھی جنت کا مستحق فرما رہے ہیں۔
یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ان مقتولین کو اپنے فعل میں ایک مجتہد کا مقلد قرار دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مجتہد تھے اور ان کی مخالفت خطاء اجتہادی پر محمول تھی اور ان کے مقتولین اپنے مجتہد کی تقلید میں قتل ہوئے ہیں لہٰذا وہ بھی جنتی ہیں۔

مندرجات بالا کے ذریعے سے واضح ہوگیا کہ ان حضرات کے درمیان تحاسد وتعاند کی بنا پر یہ واقعات پیش نہیں آئے۔ جہاں باہم حسد وعناد پایا جائے وہاں اس نوع کے تبصرے نہیں ہوتے اور حسن معاملات کے سارے وجوہ مفقود ہوتے ہیں۔

③ اسی طرح اس مضمون کو عامر شعبی رحمہ اللہ نے اپنی عبارت میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((قال الشعبی هم اهل الجنة لقی بعضهم بعضا فلم یفر أحد من احد))[1]

''یعنی اہل صفین اہل جنت میں سے ہیں ان کے بعض کا بعض سے قتال ہوا لیکن کسی ایک نے بھی دوسرے سے فرار نہیں کیا۔''

اور چونکہ ان کا قتال اخلاص کی بنا پر تھا (اور دل میں عناد نہیں رکھتے تھے) اس وجہ سے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں۔

تنبیہ

مندرجہ بالا حوالہ جات میں سے بعض حوالے ہم اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۷۰ پر پیش کر چکے ہیں۔ یہاں اس مضمون میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں دونوں فریق کے مقتولین کی مغفرت کے متعلق چند ایک بشارات (بصورت خواب) بھی ان ابحاث کے آخر میں ہدیہ قارئین ہوں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

چند فقہی احکام

جمل وصفین کے واقعات سے علمائے سلف نے بعض فقہی احکام مرتب کیے ہیں ان کی توضیح اس طرح کرتے ہیں کہ دور نبوت میں کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگ اور قتال ہوا تو ان کے متعلقہ احکام اس دور میں معلوم ہو گئے چنانچہ بعد میں کفار سے جو قتال پیش آئے تو ان کے حق میں سابقاً احکام اور قواعد موجود تھے۔ لیکن جب اہل تاویل اور اہل بغی کے ساتھ یعنی اہل اسلام میں باہمی حروب وقتال واقع ہوئے تو ان کے متعلق فقہی احکام (مثلاً غسل، جنازہ، کفن دفن اور فراہم شدہ مال وغیرہ کے متعلق) صراحتاً معلوم نہ تھے اور نہ

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۷ ج ۷ تحت آخر قصہ صفین

مدون تھے اور ان کی کوئی مثال ونظیر بھی قبل ازیں سامنے نہ تھی۔

جمل وصفین پیش آنے کے بعد ان واقعات کے ذریعے سے اس صورت حال کے احکام معلوم ہوئے اور بعد کے علماء وفقہائے کرام نے باغیوں کے احکام یہیں سے حاصل کیے۔ گویا یہ جنگیں ان مسائل کی تشریح کے لیے ایک تکوینی مصلحت وحکمت کا درجہ رکھتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان

اور امام الائمہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مقام میں یہ مسئلہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ امور اختیار نہ کرتے تو اہل اسلام کے ساتھ قتال کے متعلقہ احکام کسی کو معلوم نہ ہوتے...... الخ [1]

چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان میں ذکر کیا ہے:

((وقد مر عن الشافعی رحمۃ اللہ علیہ انہ قال اخذت احکام البغاۃ والخوارج من مقاتلۃ علی رضی اللہ عنہ لاھل الجمل وصفین والخوارج)) [2]

''یعنی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باغیوں اور خارجیوں کے متعلقہ فقہی احکامات میں نے ان لوگوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال کرنے سے حاصل کیے ہیں۔''

اور صاحب احکام القرآن فاضل قرطبی رحمہ اللہ نے درج ذیل عبارت میں اس مسئلہ کو نقل کیا ہے:

((ان حکمۃ اللہ تعالیٰ فی حرب الصحابۃ التعریف منھم لاحکام قتال اھل التاویل۔ اذ کان احکام قتال اھل الشرک قد عرفت علی لسان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وفعلہ)) [3]

''قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی حرب و جنگ کی (تکوینی) حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل شرک وکفر سے قتال کے احکامات قول وفعل نبوی کے ذریعے سے واضح ہو چکے تھے، لیکن اہل تاویل سے قتال کے احکام معلوم نہ تھے وہ صحابہ کی جنگوں کی وجہ سے معلوم ہوئے۔''

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کے بعد متعدد فرمودات جاری کیے تھے۔ ذیل میں ان سے بعض فقہی احکام بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ مثلاً

① جس شخص نے اپنا دروازہ بند کرلیا اس کو ایذا نہ دی جائے اس کو امان ہے۔

---

[1] کتاب المناقب، امام اعظم، موفق بن احمد مکی ج ۲ ص ۸۳ طبع دائرۃ المعارف دکن، باب ۲۴

[2] تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) الصواعق المحرقہ ص ۱۳۱ فصل ثالث طبع مصر تحت تنبیہ۔

[3] تفسیر قرطبی، ص ۳۱۹ ج ۱۶ تحت الآیہ فاصلحوا بینھما۔ الخ (سورۃ الحجرات)

② ہتھیار ڈالنے والے پر امان ہے۔ (پھر تعرض نہیں کیا جائے گا)
③ مدبر (پیٹھ پھیر کے جانے والے) کا تعاقب نہ کیا جائے۔
④ اسیر (قیدی) کو قتل نہ کیا جائے۔
⑤ زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے۔
⑥ مقتولین سے ہتھیار و لباس سلب نہ کیے جائیں۔
⑦ مسلمان مرد کو غلام اور مسلمان عورت کو لونڈی نہ بنایا جائے۔
⑧ کسی عورت کی پردہ دری نہ کی جائے یعنی اسے بطور لونڈی کے حلال نہ کیا جائے۔
⑨ شکست خوردہ لوگوں کے اموال کو مال غنیمت کا حکم نہ دیا جائے۔
⑩ جس مال کا مالک متعین طریقہ سے معلوم ہو جائے اسے مالک کی طرف لوٹایا جائے۔

اسی طرح کے فقہی احکام کی اصل وہ فرمان نبوی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ''المغنی'' میں اسے نقل کیا ہے:

((عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: يا ابن ام عبد: فقال ما حكم من بغى على امتى؟ فقلت: الله و رسوله اعلم۔ فقال: لا يتبع مدبرهم ولا يجهز على جريحهم ولا يقتل اسيرهم ولا يقسم فيئهم))[1]

''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: جو میری امت پر بغاوت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے (جنگ سے) پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، ان کے زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے اور ان کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور ان کے اموال کو فے کا حکم دے کر تقسیم نہ کیا جائے۔''

مندرجہ بالا فقہی احکامات کو محدثین وفقہاء ومورخین اور اکابر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں بوضاحت نقل کیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی پوشیدہ امر نہیں اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں۔

واقعہ صفین کے متعلق خاص طور پر یہی احکام علماء نے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً ابن ابی شیبہ اور ابن سعد رحمہما اللہ وغیرہ لکھتے ہیں کہ:

((عن ابي امامة رضي الله عنه قال: شهدت صفين فكانوا لا يجهزون على جريح ولا يطلبون موليا ولا يسلبون قتيلا))[2]

---

[1] المغنی (ابن قدامہ) ص ۵۳۲ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲۴ ج ۱۲ طبع کراچی تحت کتاب الجہاد، روایت ۱۵۱۲۵
طبقات ابن سعد ص ۱۳۲ ج ۷ ق ۲ تحت ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ طبع اول

''یعنی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں واقعہ صفین میں حاضر تھا اس موقع پر صورت حال یہ تھی کہ مجروح کو مزید مجروح نہیں کرتے تھے اور پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہیں کرتے تھے اور کسی مقتول کا لباس و ہتھیار سلب نہیں کرتے تھے۔''

ان مسائل کو فقہائے کرام اور اکابر علماء نے اپنی اپنی عبارت میں مفصل تحریر کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں، ارباب تحقیق وہاں رجوع فرما کر تسلی حاصل کر سکتے ہیں:

① المبسوط (سرخسی) ص ۱۲۶-۱۳۶ ج ۱۰ تحت باب الخوارج
② نصب الرایہ (زیلعی) ص ۴۶۳ ج ۳ کتاب السیر باب البغاۃ
③ فتح القدیر (ابن ہمام) ص ۴۱۲ ج ۴ باب البغاۃ، طبع مصر
④ فتح الباری (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۷-۴۸ ج ۱۳ باب قصۃ الجمل
⑤ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۴ ج ۶ کتاب الفتن من قسم الافعال
⑥ الفتنۃ وقعۃ الجمل ص ۱۸۱ باب سیرۃ علی فیمن قاتل یوم الجمل
⑦ تاریخ ابن جریر طبری ص ۶ ج ۶ تحت سنہ ۳۷ ھ

مذکورہ احکامات جو جمل و صفین کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں ان کو شیعہ کے کبار علماء نے بھی اسی نوعیت سے درج کیا ہے۔ ہم ذیل میں صرف حوالہ جات ذکر کرتے ہیں یہاں ان کتب کی عبارت درج کرنے میں طوالت ہوتی ہے۔ ناظرین کرام رجوع کر کے تسلی فرما سکتے ہیں:

① وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری شیعی) ص ۲۳۰ تحت خطبہ علی فی التحریض علی القتال، طبع مصر
② الاخبار الطوال (ابو حنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۱۵۱ تحت وقعۃ الجمل، طبع مصر
③ علل الشرائع (ابن بابویہ قمی شیعی) ص ۶۰۳ باب ۳۸۵ نوادر العلل۔

مختصر یہ ہے کہ علمائے کرام کے فرمان کے مطابق ان جنگوں سے قبل اہل اسلام میں قتال ہونے کے متعلق بعض فقہی احکام مستور تھے ان کے ''تکوینی مصالح'' بھی معلوم نہ تھے جو ان کے وقوع کے بعد سامنے آئے۔ ان چیزوں کو مالک کریم جل شانہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس طرح کیوں ہوا؟ یہ چیزیں ہم لوگوں کے فہم و ادراک کی رسائی سے بالاتر ہیں۔

⑤ واقعات ہذا اکابرین امت کی نظروں میں

اہل علم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جن ایام میں باہمی مشاجرات و محاربات وقتی طور پر پیش آئے وہ ابتلا کا دور تھا اور اسے ''دور فتن'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور کے احکام پر امن دور کے ایام سے مختلف ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ان مشاجرات کے مسائل میں دونوں فریق سے الگ

اور غیر جانبدار رہی اور کسی فریق کے ساتھ حمایت نہیں کی۔ ان حضرات کو ''قاعدین'' اور ''معتزلین'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((وکان من الصحابة فریق لم یدخلوا فی شیء من القتال))[1]

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو جدال و قتال کے ان واقعات میں کسی ایک فریق کے ساتھ بھی شامل نہیں ہوئی اور الگ رہی۔''

قاعدین حضرات کا موقف

① ان حضرات کا موقف تھا کہ بعض نصوص میں وارد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ قتال کے ایام میں علیحدگی اختیار کرنا بہتر ہے۔

② نیز اہل اسلام کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر وعیدات وارد ہیں یہ بات ان کے پیش نظر تھی۔

③ دیگر یہ چیز بھی ان کے سامنے تھی کہ اس فتنہ کے مفاسد اس کے مصالح پر غالب آتے جا رہے ہیں اور ان کی اصلاح کی کوئی صورت سامنے نہیں آ رہی اس وجہ سے بھی ان امور سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

چنانچہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ابن حجر رحمہ اللہ نے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وکان ابومسعود رضی اللہ عنہ علی رأی ابی موسٰی رضی اللہ عنہ فی الکف عن القتال تمسکا بالاحادیث الواردة فی ذالك وما فی حمل السلاح عَلَی المسلم من الوعید))[2]

''یعنی کف عن القتال کے معاملہ میں مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے مسئلہ میں وعید موجود ہونے کی وجہ سے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا وہی خیال تھا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا خیال تھا یعنی وہ ان امور میں عملاً حصہ لینے کے حق میں نہیں تھے۔''

اسی چیز کو شرح طحاویہ میں بہ عبارت ذیل بیان کیا گیا ہے:

((وقعد عن القتال اکثر الاکابر لما سمعوه من النصوص فی الامر بالقعود فی الفتنة ولما رأوه من الفتنة التی تربو مفسدتها عن مصلحتها))[3]

انتباہ

مقصد یہ ہے کہ ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشاجرات ہذا سے اجتناب کرنا اور غیر جانبدار رہنا یہ

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۰۱، ۵۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

[2] فتح الباری شرح بخاری ص ۵۰ ج ۱۳ تحت باب قصۃ الجمل

[3] شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ ص ۴۳۱ تحت بحث ہذا، مطبوعہ مکتبہ الریاض

اہل اسلام کے لیے عملی سبق اور خاموش نصیحت ہے کہ ان تنازعات میں حصہ نہ لیا جائے اور یہاں جواز و عدم جواز کی بحثیں قائم نہ کی جائیں۔ ایک فریق کی طرفداری کر کے دوسرے فریق پر الزامات عائد نہ کیے جائیں اور تنقیدات کا باب مفتوح نہ کیا جائے ان مسائل میں بحث و مباحثہ سے کف لسان کیا جائے اور زبان طعن دراز نہ کی جائے اور دشنام طرازی سے زبان کو بچایا جائے۔

اسی میں ایمان کی خیر اور دین کی سلامتی ہے اور یہی طریق کبار علمائے اسلام کے نزدیک اسلم ہے اور اہل دیانت کے ہاں یہ شیوہ مستحسن ہے۔

سلف صالحین کی ہدایات

مشاجرات بین الصحابہ کے مسئلہ پر اکابر تابعین اور دیگر علمائے امت کے بے شمار فرمودات بطور نصیحت کے کتابوں میں مرقوم ہیں ان میں سے بقدر ضرورت چند ایک ناظرین کی خدمت میں تحریر کیے جاتے ہیں ایک منصف مزاج اور دیندار شخص کے لیے یہ کافی و وافی ہیں۔

① جلیل القدر بزرگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (جو اپنے عدل اور انصاف میں مشہور ہیں) کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقشات اور اختلافات کا ذکر بعض افراد نے کیا (جیسا کہ لوگ اپنی مجالس میں گزشتہ واقعات کو تجزیہ و تبصرہ کی خاطر دہرایا کرتے ہیں) تو اس صورت کو دیکھ کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

((قال (محمد بن النضر) ذكروا اختلاف اصحاب محمد ﷺ عند عمر بن عبدالعزيز فقال امر اخرج الله ايديكم منه ما تعملون السنتكم فيه؟))[1]

''یعنی یہ وہ معاملات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟''

مطلب یہ ہے کہ تمہیں زبان استعمال کر کے ان چیزوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

② اسی نوعیت کی ایک دوسری روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے صاحب طبقات ابن سعد نے نقل کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور اہل جمل و صفین کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو اس خلیفہ عادل نے معقول انداز میں بہترین جواب دیا کہ:

((سئل عمر بن عبدالعزيز عن على و عثمان رضي الله عنهما والجمل وصفين وما كان بينهم فقال تلك دما كف الله يدى عنها وانا اكره ان اغمس لسانى فيها))[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۸۲ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۹۱ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (طبع لیڈن)

''فرمایا کہ یہ خوں ریزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو دور رکھا تو میں اب اپنی زبان کو اس میں ملوث کرنا پسند نہیں کرتا (یعنی استعمال نہیں کرنا چاہتا اور کسی طرف حصہ نہیں لیتا)۔''

ان مشاجرات کے حق میں خلیفہ منصف کے یہ نصائح اور عملی ہدایات ہیں کہ ان واقعات میں کلمہ خیر کے بغیر زبان استعمال نہ کی جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں حرف شکایت زبان پر نہ لایا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس میں اپنی رائے زنی کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

③ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مشاجرات بین الصحابہ کے مسئلہ کے متعلق اکابرین امت کی آرا اور ان کی ہدایات بہترین پیرائے میں درج کی ہیں۔ ایک بزرگ محاسبی رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ ارشادات نقل کیے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد ﷺ وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا قال المحاسبی رحمہ اللہ علیہ نحن نقول كما قال الحسن ونعلم ان القوم كانوا اعلم بما دخلوا فيه منا و نبتدع ما اجتمعوا عليه ونقف عند ما اختلفوا فيه ولا تبتدع رايا منا۔ ونعلم انهم اجتهدوا وارادوا الله عزوجل اذ كانوا غير متهمين فی الدين ونسأل الله التوفيق))[1]

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور قتال کے حق میں جناب حسن بصری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ یہ کیسے پیش آئے تھے؟ اور ان کا حکم کیا ہے؟ اور ہمیں ان میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ تو اس پر جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ:

① نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان معاملات میں موجود اور حاضر تھے ہم لوگ موجود نہ تھے بلکہ غائب تھے۔

② (شرکائے واقعہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے، ہم نہیں جانتے (کہ یہ واقعات کیسے اور کس طرح پیش آئے؟)

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن امور پر مجتمع اور متفق ہوئے ان میں ہم ان کی اتباع کرتے ہیں۔

④ اور جن چیزوں میں ان کا اختلاف اور تنازع واقع ہوا ہم ان چیزوں میں توقف اختیار کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے ان زریں فرمودات کے بعد جناب محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی

[1] الجامع الاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت وان طائفتان من المومنین سورۃ الحجرات

حضرت شیخ حسن بصری رحمہ اللہ کے فرمان کے موافق قول کرتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے ہدایت فرمائی اور ہمارا یقین ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ عالم تھے جن امور میں وہ داخل ہوئے پھر جن چیزوں پر ان کا اجماع ہو گیا اس میں ہم ان کے پیروکار ہیں اور جن امور میں ان کا اختلاف ہو گیا ان میں ہم مداخلت نہیں کرتے بلکہ توقف اور اجتناب کرتے ہیں اور ہم اپنی طرف سے کوئی جداگانہ رائے قائم نہیں کرتے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ انھوں نے اخلاص کی بنا پر مجتہدانہ رائے قائم کی (پھر اس پر گامزن ہوئے) یہ لوگ دین کے معاملہ میں غیر متہم تھے اللہ تعالیٰ سے ہم خیر کی توفیق طلب کرتے ہیں اور ان کے بارے میں حسن ظن اور نیک گمان رکھتے ہیں۔''

④ سابقہ ہدایات کی طرح امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اس مسئلہ میں یہ نصیحت منقول ہے:

((قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ من السلف تلك دما طهر الله عنها ايدنا فلنطهر عنها السنتنا))[1]

''یعنی امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر سلف صالحین کا فرمان ہے کہ یہ وہ خون ریزیاں ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں اور بچائے رکھیں۔''

یہ ان حضرات کی اس مسئلہ میں بڑی قیمتی ہدایات ہیں ان کو پیش نظر رکھنا ہمارا دینی و اخلاقی فرض ہے۔

⑤ مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں اکابرین کے فرامین ایک تسلسل کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں اسی طریقہ کے مطابق حضرت شیخ المشائخ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا جاتا ہے اس میں حضرت شیخ نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کے حق میں کف کرنے اور ان کے عیوب و نقائص بیان کرنے سے رکنے پر اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہل سنت والجماعت متفق ہیں ان کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہے جس طریقہ پر بھی پیش آیا۔

حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلاف ہوا ان تمام چیزوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور ہر فضیلت والے کو اس کے موافق فضیلت دینا درکار ہے۔

---

[1] شرح مواقف ص ۳۷۴ ج ۸ طبع مصر تحت المقصد السابع انه يجب تعظيم الصحابه كلهم۔
الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۱-۳۲۲، الجزء سادس عشر تحت وان طائفتان من المومنين...... الخ (الحجرات)

((واتفق اهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم والامساك عن مساويهم واظهار فضائلهم ومحاسنهم وتسليم امرهم الى الله عزوجل على ما كان وجرى من اختلاف علي و طلحة و الزبير و عائشة ومعاوية رضي الله عنهم على ما قدمنا بيانه و اعطاء كل ذى فضل فضله...... الخ))[1]

⑥ نیز علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قتال کے متعلق نصیحت کی ہے اور ساتھ ہی دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک صحابی کے حق میں خطا کو متعین طور پر نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے ان افعال میں مجتہد کی حیثیت میں تھے اور اخلاص کی بنا پر ان سے یہ افعال صادر ہوئے۔ یہ تمام حضرات ہمارے لیے پیش رو اور مقتدر امام ہیں ہمیں ان کے باہمی مناقشات کے متعلق رکنے کے لیے حکم ہے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں برائی کے ساتھ نہ کریں۔

① ایک وجہ تو یہ ہے کہ انھیں صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے اور اس کا بہت بڑا احترام ہے۔

② دوسرا یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سب اور طعن کرنے سے ہمیں منع فرمایا ہے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خطائیں معاف فرما دی ہیں اور اس نے ہمیں ان کے حق میں رضامندی کی خبر دے رکھی ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((لا يجوز ان ينسب الى احد من الصحابة خطا فغلوه مقطوع به اذا كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وارادوا الله عزوجل وهم كلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم لا نذكرهم الا باحسن الذكر لحرمة الصحبة ونهى النبى صلى الله عليه وسلم عن سبهم وان الله غفرلهم واخبر بالرضا عنهم))[2]

''یعنی یہ جائز نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو یقینی طور پر خطا پر کہا جائے کیونکہ وہ سب کے سب ان کاموں میں جو انھوں نے کیے مجتہد کے درجہ میں تھے اور ان سب کے پیش نظر اللہ کی رضا تھی صحابہ سب ہمارے لیے امام ہیں اور جو کچھ ان میں اختلافات ہوئے ان سے زبان کو روکے رکھنا ایک عبادت ہے اور ہم انھیں اچھے ذکر کے سوا اور کسی طرح یاد نہیں کرتے۔ یہ ان کی صحابیت کا احترام ہے اور اس لیے بھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بے شک انھیں بخش دیا ہے اور اس نے اپنے ان سے راضی ہونے کی خبر بھی دے دی ہے۔''

---

[1] غنیۃ الطالبین ص ۱۴۰ (شیخ عبدالقادر جیلانی) تحت فصل ونعتقد اہل السنہ طبع نول کشور لاہور

[2] الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۱ ج ۱۶ تحت آیت وان طائفتان من المومنین...... الخ (الحجرات) طبع مصر۔

⑦ مشاجرات بین الصحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جس طرح ہم نے سابقہ اکابرین امت کے اقوال ذکر کیے ہیں اسی طرح اب اس بحث کے اختتام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک قول ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام میں جو تنازعات پیش آئے ان کی وجہ سے کسی ایک پر بھی طعن کرنے اور عیب لگانے سے اہل سنت والجماعت نے منع کیا ہے اور اس منع پر اہل السنۃ کا اتفاق ہے اگرچہ یہ جانا جائے کہ کون حق پر ہے وجہ یہ ہے کہ یہ باہمی حروب اجتہاد کی بنا پر تھیں (عناد اور نسلی عصبیت کی بنا پر نہ تھیں) اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے والے کو معاف فرما دیا ہے۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجتہد مصیب کو دو اجر دیے جاتے ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر ملتا ہے۔''

((واتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذالك ولو عرف المحق منهم لانهم لم يقاتلوا فى تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالىٰ عن المخطى فى الاجتهاد بل ثبت انه يوجر اجرا واحدا وان المصيب يوجر اجرين كما سياتى بيانه فى كتاب الاحكام))[1]

یہ تمام فرمودات اپنے اپنے مفہوم میں واضح ہیں ان پر مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں۔

ہدایات کا ماخذ

گزشتہ صفحات میں سلف صالحین کی متعدد روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان کا اصل ماخذ بعض وہ روایات ہیں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں مثلاً:

((عن حذيفة بن يمان رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون بين ناس من اصحابى فتنة يغفرها الله لهم لصحبتهم اياى- يستن بهم فيها ناس بعدهم يدخلهم الله بها النار))[2]

''یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ میں فتنہ ہو گا میری صحبت کی وجہ سے ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان کے طریقہ پر ان کے بعد بعض لوگ فتنہ میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں داخل کرے گا۔''

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۲۸ ج ۱۳ کتاب الفتن باب اذ التقی المسلمین بسیفیہما

[2] تفسیر احکام القرآن (قرطبی) ص ۳۹۱ ج ۷ تحت آیت واتقوا فتنه لا تصيبن الذين ظلموا...... الخ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۳، ۲۳۴ ج ۷ باب فیما کان فی الجمل والصفین وغیرہما۔

حاصل یہ ہے کہ ''جمل وصفین'' جیسے فتنوں میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مبتلا ہوئے احادیث کی روشنی میں ان کی مغفرت اور بخشش ہو جائے گی۔ لیکن بعد والے لوگ جو اس طرح کی جنگ کھڑی کریں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

ان ارشادات نبوی کے پیش نظر اکابرین امت نے اہل اسلام کو مذکورہ ہدایات ونصائح فرمائے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے اور نقد و جرح کرنے سے کلی اجتناب کیا جائے کیونکہ ان کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔

① حاصل یہ ہے کہ تنازعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بطور نقد وتنقید حصہ لینے سے اکابرین امت نے منع فرمایا ہے اور کف لسان کرنے کی ہدایات کی ہیں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

② ان کے ان معاملات میں حسن ظن رکھنے کا فرمان دیا ہے۔

③ اسی چیز میں دنیا وعقبیٰ کی سلامتی مُضمر ہے اور حفاظت دین و ایمان کے لیے اسلم اور محتاط طریق یہی ہے۔

آخر کلام

اس طویل سمع خراشی سے مقصد یہ ہے کہ جمل وصفین والوں کے حق میں ہمارے نظریات سلف صالحین رحمہم اللہ کے فرمودات کے موافق ہونے چاہئیں اور ہمارے تاثرات ان کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں اور جداگانہ رائے زنی سے اجتناب اور جدید تجزیہ وتبصرہ سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

اہل صفین کے حق میں رؤیائے صالحہ

اب ہم اہل صفین کے حق میں دو عدد بشارتیں بطریق خواب ذکر کرتے ہیں جو مسئلہ ہذا کی تائید میں پیش کرنے کے قابل ہیں امید ہیں ناظرین کرام انھیں بنظر استحسان دیکھیں گے۔

یہ رؤیائے صالحہ ہیں جن کو اکابر محدثین اور مورخین نے اپنی معتمد تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اہل صفین کے حق میں یہ ''بشارت عظمیٰ'' تصور کی جاتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ اور تاریخی شواہد کی موجودگی میں اگرچہ اس کی چنداں حاجت نہیں تاہم فطری طور پر ''رؤیائے صالحہ'' اور ''مبشرات صادقہ'' سے ایک قسم کا اطمینان اور سکون نیک طبائع میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بنا بریں ذیل میں اس واقعہ کے متعلق چند مبشرات صحیحہ درج کی جاتی ہیں جنھیں کبار علماء نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کو رد نہیں کیا۔ یہ چیز عند العلماء قبولیت کی علامت ہے۔

ابو میسرہ کا خواب

تابعین میں ایک بزرگ عمرو بن شرجبیل رحمہ اللہ گزرے ہیں جن کی کنیت ابو میسرہ ہے۔ یہ حضرت عمر

فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشہور تلمیذ اور ان سے ثقہ راوی ہیں۔ آپ بڑے راست گو اور معتمد شخصیت تھے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو میسرہ رحمہ اللہ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شریک قتال تھے۔ ابو میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اہل صفین کے معاملہ کے متعلق بڑے تردد اور پریشانی میں تھا اور میں ان دونوں فریق کے درمیان کوئی فیصلہ کن بات معلوم نہیں کر سکا تھا۔

پس اس حالت میں مجھے ایک خواب میں دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہو کر اہل صفین کے پاس پہنچا ہوں وہ ایک سرسبز باغ میں ہیں اور وہاں نہریں چل رہی ہیں پھر وہاں میں نے جنتیوں کے خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے خیمے ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ خیمے ذوالکلاع اور حوشب کے لیے ہیں (یہ دونوں بزرگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے) اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ ان کا مقام اور قیام آگے ہے۔ میں نے کہا یہ کیسے ہوا حالانکہ بعض نے بعض کو قتل کیا تھا؟ جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کو واسع المغفرت پایا پس اس نے ان سب کی مغفرت فرما دی۔ پھر میں نے پوچھا کہ اہل نہروان کا کیا ہوا؟ تو اس کے متعلق جواب ملا کہ وہ شدت اور سختی میں ڈال دیے گئے ہیں۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن ابی وائل قال رای فی المنام ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل وکان افضل اصحاب عبدالله (بن مسعود رضي الله عنه) قال رأيت كانى ادخلت الجنة فرأيت قبابا مضروبة فقلت لمن هذه؟ فقيل هذا لذى الكلاع وحوشب و كانا ممن قتل مع معاوية رضي الله عنه يوم صفين۔ قال قلت و اين عمار واصحابه ؟ قال امامك۔ قلت كيف وقد قتل بعضهم بعضا؟ قال فقيل انهم لقوا الله فوجدوه واسع المغفرة قال قلت فما فعل اهل النهر؟ قال فقيل لقوا برحا))

ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ کے اس واقعہ خواب کو مندرجہ ذیل محدثین اور مورخین نے بھی اپنی اپنی عبارات کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف ان کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں تا کہ اہل تحقیق رجوع فرما کر تسلی کر سکیں۔ عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ان تمام حوالہ جات میں سب سے مفصل واقعہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔ اور مندرجہ بالا عبارت مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے۔

① مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰-۲۹۱ ج ۱۵ تحت باب ما ذکر فی صفین طبع کراچی

② کتاب السنن (سعید بن منصور خراسانی) ص ۳۶۹ ج ۳ باب جامع الشہادۃ طبع مجلس علمی

③ طبقات ابن سعد ص ۱۸۸، ۱۸۹ ج ۳ آخر ترجمہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (طبع لیڈن)

④ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۴ ج ۳ طبع بیروت

⑤ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۴۳ ج ۴ تحت عمرو بن شرحبیل ابو میسرہ رحمہ اللہ

⑥ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۴ ج ۸ تحت قتال اہل البغی، طبع حیدر آباد، دکن

⑦ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۳۷۹ ج ۵ تحت حوشب بن سیف

⑧ العبر (ذہبی) ص ۴۰ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

⑨ مرأۃ الجنان (یافعی) ص ۱۰۳-۱۰۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

⑩ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۸۲ ج ۱ تحت الحوشب ذو ظلیم

⑪ الناہیہ عن طعن معاویہ رضی اللہ عنہ (مولانا عبدالعزیز) ص ۷ طبع ملتان

تنبیہ

مذکورہ بالا قریباً دس عدد علمائے کرام کے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں ان حضرات میں سے بعض نے ان اسناد کے صحیح ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔ مثلاً حافظ ذہبی، بسوی، یافعی اور ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے اس روایت کی صحت کی تصریح کی ہے نیز ان حضرات نے واقعہ ہذا کے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید نہیں کی۔ پس یہ چیز اس کے قابل قبول ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲) بشارت ثانیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خواب

صالح خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے دور کے اکابر تابعین میں مشہور ثقہ اور معتمد شخصیت ہیں۔ ان کا ایک خواب محدث ابوبکر بن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور دیکھتا ہوں کہ ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما جناب کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے۔ پھر ان دونوں کو ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جلد ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس مکان سے برآمد ہوئے اور کہنے لگے ''رب کعبہ کی قسم! اس معاملہ کا میرے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔'' پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مکان سے باہر آئے اور یوں کہہ رہے تھے کہ ''رب کعبہ کی قسم! میرے لیے مغفرت فرما دی گئی۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ تمام واقعہ نقل کیا ہے اصل عبارت اہل

علم کے اطمینان کے لیے تحریر کی جاتی ہے:

((عن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ قال رأیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام وابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جالسان عنده فسلمت علیه وجلست۔ فبینما انا جالس اذا اتی بعلی و معاویة رضی اللہ عنہما فادخلا بیتا واجیف الباب وانا انظر فما کان باسرع من ان خرج علی رضی اللہ عنہ وهو یقول قضی لی و رب الکعبة۔ ثم ما کان باسرع ان خرج معاویة رضی اللہ عنہ وهو یقول غفرلی ورب الکعبة))[1]

مندرجہ بالا رؤیائے صالحہ کو امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور تصنیف ''کیمیائے سعادت'' میں یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے عبارت بعینہ درج کی جاتی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدم با ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نشستہ چون با ایشان نشستم ناگاہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) را بیاوردند و در خانہ فرستادند و در بہ بستند۔ در وقت علی (رضی اللہ عنہ) را دیدم کہ بیروں آمد و گفت قضی لی ورب الکعبہ یعنی حق مرا نہاند پس بزودی معاویہ (رضی اللہ عنہ) بیروں آمد و گفت غفرلی ورب الکعبہ مرا نیز عفو کردند و بیامرزیدند۔''[2]

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں بیٹھ گیا تو ناگہاں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے اور پھر جلد ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور آ کر کہا کہ رب کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا اور بخش دیا گیا ہے۔''

ان بشارات کی روشنی میں مسئلہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی نے صفین والے حضرات کے ساتھ عفو اور معافی کا معاملہ فرما دیا ہے اور ان کی باہمی آویزشوں سے درگزر فرما کر مغفرت فرما دی ہے۔ فلہٰذا ہم لوگوں کو بھی ان کے حق میں حسن ظن رکھنا لازم ہے اور ان کے متعلق بدگمانی اور سوء ظنی سے پرہیز کرنا ضروری ہے (جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا گیا ہے)۔

---

[1] کتاب الروح (ابن قیم) ص ۳۱ تحت مسئلہ ثالثہ طبع حیدر آباد دکن۔
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (ماورد فی مناقبہ وفضائلہ) طبع مصر

[2] کیمیائے سعادت فارسی ص ۴۸۴ مطبع محمدی ممبئی تحت پیدا کردن احوال مردگان کہ مکشوف شدہ است بطریق خواب

تنبیہ

بحث ہذا کے آخر میں رفع شبہ کے طور پر چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواب محض وہم اور گمان ہوتا ہے اس بنا پر اس پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ اس سے کوئی صحیح تاثر لیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں چند امور تحریر کیے جاتے ہیں:

دراصل خواب کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ''رؤیائے صالحہ'' اور صحیح ہوتے ہیں اور بعض محض وہم اور پریشان خیالی ہوتی ہے جس کو ''اضغاث احلام'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صحیح خواب (رؤیائے صالحہ) کے متعلق قرآن مجید میں متعدد واقعات موجود ہیں مثلاً:

① حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے متعلق اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَا ذَا تَرٰی ...... الخ

② حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ (سورۃ یوسف)

③ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب مبارک جس کا ذکر لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوۡلَہُ الرُّءۡیَا بِالۡحَقِّ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ ...... الخ (سورۃ فتح) میں فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح دیگر بھی کئی رؤیا کے واقعات صحیحہ پائے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی صحیح رؤیا کے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

① جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں ہے الا المبشرات۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الرویا الصالحۃ یراھا الرجل الصالح او تری لہ))[1]

''یعنی مبشرات کی تشریح فرماتے ہوئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نیک خواب ہیں جو نیک انسان خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا شخص دیکھتا ہے۔''

② نیز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں مگر رؤیائے صالحہ ہے۔

((لیس یبقی بعدی من النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ))[2]

---

[1] موطا امام مالک ص ۳۸۷ باب ما جاء فی الرؤیا طبع مجتبائی دہلی
مسند دارمی ص ۲۷۲ کتاب الرؤیا باب فی قولہ تعالیٰ لھم البشری ...... الخ

[2] موطا امام مالک ص ۳۷۸ تحت باب ما جاء فی الرویاء طبع دہلی۔

ان احادیث کی روشنی میں متعدد واقعات رویائے صالحہ کے متعلق پائے جاتے ہیں مثلاً:

① حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب موطا امام مالک میں مذکور ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرہ میں آ کر گرے ہیں۔ پس میں نے اس خواب کو اپنے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیان کیا۔ پھر جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا اور میرے حجرے میں ہی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہوئے تو اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ:

((هذا احد اقمارك وهو خيرها))[1]

''یعنی یہ ان تین چاندوں میں سے ایک ہیں اور یہ ان سب سے بہتر ہیں۔''

② دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جو آپ نے جمعہ کے روز خطبہ میں ذکر فرمایا:

((ايها الناس انى رايت ديكا احمر نقرنى نقرتين ولا ارى ذالك الا حضور اجلى))[2]

''یعنی اے لوگو! میں نے ایک سرخ مرغ دیکھا ہے کہ اس نے دو چونچیں مجھ پر لگائیں، اور اس سے میں نے اپنے انتقال کو قریب سمجھا ہے۔''

اس نوع کے بہت سے رؤیائے صحیحہ دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن تائید مسئلہ کے لیے مندرجہ بالا اشیاء کافی ہیں۔

مذکورہ امور کی روشنی میں یہ ہر دو خواب جو اہل صفین کے حق میں ہم نے ذکر کیے ہیں ان کو ''حجت اقناعی'' کے درجہ میں قبول کیا جاتا ہے اور ان کو محض وہم اور خیال قرار دے کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ پس ان کی وہی حیثیت ہے جو ایک صحیح خواب کی ہوتی ہے اور ایک ایماندار شخص کے لیے قابل اطمینان ہے اور صالح طبائع کے لیے سکون قلبی کی خاطر مفید ہے۔

فلہٰذا اہل صفین کے حق میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ مالک کریم نے ان کی مغفرت کا سامان فرما کر ان کو نجات دے دی ہے۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

چند واقعات

جنگ صفین کے بعد واقعہ تحکیم میں جب ناکامی ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے اپنے لیے خلافت کی بیعت لے لی، اور بیعت ہذا ذی القعدہ ۳۷ھ میں منعقد ہوئی۔ اس سے قبل آپ اپنے سابقہ منصب امیر شام ہونے کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور خلافت کے مدعی نہیں تھے۔

---

[1] موطا امام مالک ص ۸۰ تحت باب ما جاء فی دفن المیت۔ طبع دہلی

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲-۷۳ ج ۱۱ بحث ما عبرہ عمر رضی اللہ عنہ (طبع کراچی)

((ثم لما كان من امر الحكمين ما كان واختلف اهل العراق علىٰ علي رضي الله عنه و بايع اهل الشام معاوية رضي الله عنه بالخلافة))[1]

"یعنی حکمین کا معاملہ (تحکیم کے مسئلہ میں) جو ہوا سو ہوا، اور اہل عراق بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر آپس میں مختلف ہو گئے تو اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن عراق میں اب پہلی سی نہ رہی تھی اور حکمین کی اس رائے نے کہ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ رہیں نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر رہیں نئے حالات پر اثر ڈالا۔

اسی مسئلہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((وقد كانوا استفحل امرهم حين انصرف علي رضي الله عنه من صفين وحين كان من امر التحكيم ما كان و حين نكل اهل العراق عن قتال اهل الشام وقد كان اهل الشام حين انقضت الحكومة بدومة الجندل سلموا على معاوية رضي الله عنه بالخلافة وقوى امرهم جدا))[2]

"یعنی جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صفین سے واپس ہوئے اور تحکیم کا معاملہ جو ہوا سو ہوا تو اس معاملہ کی اہمیت بڑھ گئی اور جب اہل عراق اہل شام کے قتال سے رجوع کرنے لگے اور حکومت کا نظام دومۃ الجندل پر جاتا رہا تو اہل شام نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور ان کا معاملہ بہت قوی ہو گیا۔"

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور آپ اہل شام کے لیے خلیفہ اور امیر متعین ہو گئے۔

تحکیم میں ناکامی کے واقعہ سے لے کر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح (۴۰ھ) تک کے درمیانی دور میں فریقین کے عمال اور فوجی قائدین کے درمیان جو تصادم وتعارض کے مختلف واقعات پیش آئے ان کی حیثیت مقامی اور وقتی طور پر عبوری دور کی جھڑپوں سے زیادہ نہیں خود حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اس دور میں کوئی معرکہ قائم نہیں ہوا۔

اب اس دور کے چند ایک واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے کچھ قابل ذکر ہیں، تمام تفصیلات پیش کرنا یہاں مقصود نہیں۔

---

۱ تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۲۵ ج ۲ تحت ولایۃ عمرو بن العاص مصر
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱ تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ھ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقام پر مصر کے بارے میں اپنے عمال و ولاۃ اور اہل الرائے سے مشورہ کیا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہ؟ سب نے اس کا ہاں میں جواب دیا۔

((فعند ذالك جمع معاوية رضي الله عنه امراءه عمرو بن العاص، شرحبيل بن السمط وعبدالرحمن ابن خالد بن الوليد والضحاك بن قيس و بسر بن ابى ارطاة واباالاعور السلمى، وحمزة بن سنان الهمدانى وغيرهم رضي الله عنهم، فاستشارهم فى المسيرة الى ديار مصر فاستجابوا له))[1]

''یعنی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے امراء حضرت عمرو بن عاص، شرحبیل بن سمط، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، ضحاک بن قیس، بسر بن ابی ارطاۃ، ابو الاعور سلمی اور حمزہ بن سنان ہمدانی وغیرہم رضی اللہ عنہم سے دیار مصر کی طرف پیش قدمی کے لیے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے اس اقدام کی تائید کی۔''

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (جنھوں نے عہد فاروقی میں مصر کو فتح کیا تھا) کو مصر کی طرف روانہ کیا اور اس موقع پر انھیں چند نصائح اور ہدایات فرمائیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خشیت الٰہی، مومنانہ نرمی اور ان کی صلح و اتفاق کی پالیسی کا پتہ چلتا ہے۔

((واوماه بتقوى الله والرفق والمهل والتودة وان يقتل من قاتل ويعفو عن من ادبر وان يدعوا الناس الى الصلح والجماعة))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اللہ سے خوف کرنے، نرمی اور حوصلہ مندی کی ہدایت فرمائی، مقابلہ کرنے والوں کے خلاف قتال کرنے اور پشت دے کر جانے والے کو معاف کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں۔''

دوسری جانب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما والی مصر کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

محمد بن ابی بکر ناتجربہ کار و نوخیز جوان تھے جب آپ مصر پہنچے تو اہل مصر نے آپ کو خفت کی نگاہ سے دیکھا نیز محمد بن ابی بکر بعض امور میں جلد باز ثابت ہوئے اور اہل مصر پر اقتدار قائم کرنے میں ناکام رہے خصوصاً خربتا کے علاقہ میں جو لوگ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان کی مظلومانہ شہادت سے خاصے متاثر تھے ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ ھ

ان حالات کی اطلاع جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی تو جناب نے اشتر نخعی کو محمد بن ابی بکر کی معاونت کے لیے روانہ فرمایا۔ اشتر نخعی ابھی مصر نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جب آنجناب کو اشتر کے انتقال کی خبر پہنچی تو آپ بہت مغموم اور متاسف ہوئے۔

ادھر جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ مصر پہنچے تو خربتا کے لوگ بھی آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان حضرات کا محمد بن ابی بکر سے معارضہ ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ ان کا اثر وہاں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بہت کم تھا آخر کار محمد بن ابی بکر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے تمام انتظامات کو سنبھال لیا۔ یاد رہے کہ محمد بن ابی بکر اور اشتر نخعی دونوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے میں حصہ لیا تھا اور حملہ آوروں میں بھی شامل تھے۔ گو محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شرم دلانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے واقعہ کو دردناک اور المناک بنانے کے لیے رواۃ نے ایک بڑی داستان ذکر کی ہے جو بے اصل ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت ''محمد بن ابی بکر کے قتل کے طعن'' کے تحت جوابات مطاعن میں پیش کر دی ہے۔ ناظرین کرام وہاں ملاحظہ فرما سکیں گے۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ کے علاقہ پر والی تھے۔ ایک موقع پر آپ زیاد بن ابیہ کو بصرہ پر اپنا نائب مقرر کر کے کوفہ تشریف لے گئے۔ اِس دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو حضرمی اہل بصرہ کی طرف ایک مکتوب لے کر بنی تمیم کے ہاں پہنچے۔ اس مکتوب میں ان لوگوں کا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہد کا بیان تھا اور انھیں اس عہد کو ایفا کرنے کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو حضرمی کی حمایت میں ہو گئے اور انھیں اپنے ہاں پناہ دی۔

((وفی هذا الحین بعث معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما کتابا مع عبدالله بن عمرو الحضرمی الی اهل البصرة یدعوهم الی الاقرار بما حکم له عمرو بن العاص رضی الله عنه فلما قدمها نزل علی بنی تمیم فاجاروه))[1]

اس واقعہ کی خبر جب زیاد بن ابیہ کو بصرہ میں پہنچی تو اس نے قبیلہ بنی تمیم کے حالات کو درست کرنے کے لیے اعین بن ضبیعہ کی نگرانی میں ایک دستہ فوج روانہ کیا مگر قبیلہ بنی تمیم سے معارضہ کے دوران میں امیر دستہ قتل ہو گیا۔

ان واقعات کی اطلاع جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آنجناب نے جوابی کارروائی کے لیے جاریہ بن

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۳۱۲ ج۷ تحت واقعات سنہ ۳۸ھ

قدامہ تمیمی کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔ جاریہ بن قدامہ نے عبداللہ بن عمرو حضرمی اور بنی تمیم کو اپنے موقف سے رجوع کرنے کی دعوت دی مگر انھوں نے رجوع نہیں کیا اور اپنے موقف پر قائم رہے۔ اس پر جاریہ بن قدامہ نے ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا قتال کی نوبت آئی اور جاریہ نے ان کو شکست دی اور جلا ڈالا۔[1]

جب عبداللہ بن عمرو حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے قتل اور پھر ان کو آگ میں جلا ڈالنے کی خبر ارض فارس وغیرہ میں پہنچی تو ان علاقہ جات کے لوگ سخت برہم ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے جذبات اور بھڑک اٹھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور مرکز سے برگشتہ ہو کر سرکشی اختیار کی اور اہل فارس نے علاقہ کے حاکم سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نکال دیا...... الخ

((وکانوا قد منعوا الخراج والطاعة وسبب ذالك حين قتل ابن الحضرمی واصحابه بالنار حين حرقهم جارية بن قدامة فی تلك الدار كما قدمنا فلما اشتهر هذا الصنيع فی البلاد تشوش قلوب كثير من الناس علی علی رضی الله عنه واختلفوا علی علی رضی الله عنه ووضع اكثر اهل تلك النواحی خراجهم ولا سيما اهل فارس فانهم تمردوا واخرجوا عاملهم سهل بن حنيف...... الخ))[2]

چنانچہ اس واقعہ کی بنا پر ارض فارس کے حالات کو درست کرنے کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو علاقہ فارس کا حاکم مقرر فرما کر روانہ کیا اور انھوں نے اپنی بصیرت اور کدو کاوش سے حالات کو درست کیا۔

③ مورخین نے ایک اور واقعہ بھی جو اس دوران میں پیش آیا یہاں ذکر کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بسر بن ابی ارطاۃ جب علاقہ یمن میں پہنچے تو وہاں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی یمن تھے۔ ان کا باہمی معارضہ ہوا مگر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان حالات میں بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہما کا مقابلہ نہ کر سکے اور کوفہ چلے گئے اور وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حالات بیان کیے تو آنجناب نے بسر بن ابی ارطاۃ کے مقابلہ کے لیے جاریہ بن قدامہ نے ایک جمعیت کے ساتھ یمن کی طرف روانہ فرمایا جب بسر رضی اللہ عنہما کو جاریہ بن قدامہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور جاریہ بن قدامہ نے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حمایتیوں کو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے اٹھے ہوئے تھے قتل کر دیا اور جلا ڈالا۔

((ولما بلغ عليا رضی الله عنه خبر بسر وجه جارية بن قدامة فی المين...... فسار

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۶ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۸ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۹ھ

جاریه (بن قدامة) حتی بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شیعة عثمان وهرب بسر واصحابه))[1]

تنبیہ

واقعہ ہذا کے تحت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو معصوم فرزندوں کے قتل کے واقعہ (کہ بسر بن ابی ارطاۃ نے یہ ظلم کیا تھا) کو مورخین نے ذکر کیا ہے۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے مظالم کو نمایاں کرنے اور اس داستان کو حسرتناک بنانے کے لیے ہے ورنہ یہ واقعہ بے اصل ہے اس کو دلائل کے ساتھ ہم نے مطاعن کے جوابات میں بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مصالحت ومہادنت یعنی فریقین میں معاہدہ جنگ بندی

۳۸ھ - ۳۹ھ کے درمیانی دور میں باہمی معارضات کے متعدد واقعات مختلف علاقہ جات میں پیش آئے۔ ان کی وجوہ اور اسباب مختلف تھے ان معاملات میں مورخین کے مختلف نوع کے نظریات پائے جاتے ہیں بہرکیف ان کے اسباب وعلل جو کچھ بھی ہوں ان کی تفصیلات ذکر کرنا مطلوب نہیں۔ اتنی بات ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ان حالات میں ایک قسم کی اضطرابی کیفیت تھی اور ملک میں باہمی انتشار کا دور دورہ تھا۔

اندریں حالات دونوں فریق (سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے درمیان حرب وضرب کے سلسلہ کو ختم کرنے کے لیے مراسلت اور مکاتبت ہوئی جس کے نتیجہ میں ۴۰ھ میں بین الفریقین صلح ہوگئی، جسے معاہدہ جنگ بندی سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں ہے اور یہ صلح نامہ درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھا:

① عراق کا ملک اور اس کے ملحقات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت ہوں گے۔

② ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ہوں گے۔

③ کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔

④ ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔

((وفی هذه السنة (۴۰ھ) جرت بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما "المهادنة" بعد مکاتبات یطول ذکرها علی وضع الحرب بینهما وان یکون ملك العراق لعلی ولمعاویة الشام ولا یدخل احدهما علی صاحبه فی عمله بجیش ولا غارة ولا غزوة...... و امسك كل واحد منهما عن قتال الاخر وبعث الجیوش

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت حالات سنہ ۴۰ھ

الی بلاده واستقر الامر علی ذالك)) [1]

اور ابن کثیر رحمۃ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ:

((وانه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کان شاهدا للصلح)) [2]

''یعنی اس صلح نامہ کے شاہدین اور گواہوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔''

مختصر یہ ہے کہ انجام کار ان کشیدہ حالات کی اصلاح کے لیے فریقین میں باہمی مہادنت اور مصالحت ہوگئی۔ یہ ۴۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین یہ قیام امن کے حالات دشمنان اسلام کو کسی صورت میں گوارا نہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ آپس میں لڑتے نہیں اور پھر سے ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے تو انھوں نے ان سب اکابر کو قتل کرنے کی سکیم تیار کر لی۔ چنانچہ انھوں نے اسی سال رمضان المبارک ۴۰ھ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ و حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم تینوں حضرات پر حملہ کرایا اور اسلام سے اپنے بغض و عداوت کا پورا ثبوت دیا۔ اس پروگرام میں جو لوگ ان دشمنان اسلام (یہود و مجوس) کے کام آئے وہ خوارج تھے۔

اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

چنانچہ حرم کعبہ میں تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم الحمیری الکندی المرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی جمع ہوئے اور انھوں نے قتل کا ایک اہم منصوبہ تیار کیا جسے پورا کرنے کے لیے اپنی جانوں کو فدا کرنے کا عہد کیا۔

خارجیوں کا خیال تھا کہ جب تک یہ تین شخص یعنی علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم زندہ ہیں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے ہمارے بھائیوں (یعنی خوارج) کو قتل کیا ہے، لہٰذا ہم پر ان ہر تین اشخاص کو قتل کر کے اہل بلاد کو راحت پہنچانا لازم ہے۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۱۹۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۰ھ طبع مصر
کتاب التمہید (ابوالشکور سالمی) ص ۱۶۹ تحت القول الثامن فی قتل الحسین رضی اللہ عنہ طبع لاہور۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

((فلو شرینا انفسنا فاتینا ائمة الضلال فقتلناهم فارحنا منهم البلاد واخذنا منهم ثار اخواننا فقال ابن ملجم اما انا فاکفیکم علی بن ابی طالب وقال البرك وانا اکفیکم معاویة وقال عمرو بن بکر وانا اکفیکم عمروبن العاص فتعاهدوا وتواثقوا ان لا ینکص رجل منهم عن صاحبه حتی یقتله او یموت دونه فاخذوا اسیافهم فسموها واتعدوا لسبع عشرة رمضان ان یبیت کل واحد منهم صاحبه فی بلده الذی هو فیه))[1]

''مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے آپس میں اس طور پر معاہدہ کیا کہ ابن ملجم مرادی نے کہا کہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے قتل کا میں ذمہ لیتا ہوں اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا میں عہد کرتا ہوں اور عمرو بن بکر (یا بکیر) نے کہا کہ عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کو ہلاک کرنے کے لیے میں کافی ہوں۔ اور سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ کی تاریخ طے کی کہ ان کے بلاد میں پہنچ کر صبح کی نماز میں حملہ کیا جائے۔ اس منصوبہ کو تمام کرنے کے لیے انھوں نے آپس میں پختہ عہد کیا کہ ہم ان کو قتل کریں گے یا خود اپنی جان دے دیں گے۔ اور اس عہد کے بعد یہ تینوں خارجی اپنے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے کوفہ، شام اور مصر کی طرف چل دیے۔''

اس پروگرام کے تحت عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ پہنچا اور مقررہ تاریخ سترہ رمضان المبارک کو صبح کی نماز سے قبل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ یہ ضرب شدید تھی اس سے حضرت جان بر نہ ہو سکے اور تین دن بعد بروز جمعہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ شہید ہو گئے۔[2]

قبل ازیں شہادت علوی کا یہ واقعہ ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں بقدر ضرورت تفصیل سے درج کر دیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

برک بن عبداللہ خارجی اپنے طے شدہ منصوبہ کے تحت متعین تاریخ (سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ) کو ملک شام دمشق پہنچا۔ صبح کی نماز میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اس نے ایک زہر آلود خنجر کے ساتھ وار کیا اور اس سے آپ کی سرین شدید زخمی ہوگئی۔ حملہ آور پکڑا گیا تو کہنے لگا کہ میں آپ کو ایک

۱۔ البدایہ والنہایہ ص ۳۲۶ ج ۷ تحت صفۃ مقتلہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ
طبقات ابن سعد ص ۲۳ ج ۳ تحت عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی۔
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۳۹، ۱۴۰ ج ۹ باب احوال علی رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۰ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت صفۃ مقتل علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ

خوشخبری دیتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو کہنے لگا کہ میرے ساتھی نے اسی تاریخ کو علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) پر حملہ کیا ہے اور اس کو ختم کر دیا ہوگا۔ بعدہ اس حملہ آور برک بن عبداللہ تمیمی کو شر کے سدباب کی خاطر قتل کر دیا گیا اور علاج معالجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کے مقام پر مقصورہ تعمیر کرایا جس میں حفاظتی انتظامات کیے گئے۔

((واما صاحب معاوية وهو البرك فانه حمل عليه وهو خارج الى صلوة الفجر فی هذا اليوم فضربه بالسيف وقيل بخنجر مسموم فجاءت الضربة فی وركه فجرحت اليته ومسك الخارجی فقتل۔ وقد قال لمعاويه رضی اللہ عنہ اتركنی فانی ابشرك ببشارة۔ فقال وما هی؟ فقال ان اخی قد قتل فی هذا اليوم علی بن ابی طالب...... فامر به فقتل...... ومن حينئذ عملت المقصورة فی المسجد الجامع وجعل الحرس حولها فی حال السجود))[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

تیسرے خارجی عمرو بن بکر (بکیر) نے مصر پہنچ کر صبح کی نماز کے وقت امام نماز پر حملہ کر دیا۔ اس روز جناب عمرو بن عاص اتفاقاً بیمار ہو گئے تھے اور انھوں نے نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا خارجہ رضی اللہ عنہ آپ کے ایک پولیس افسر تھے اور قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس خارجی کے قاتلانہ حملہ سے خارجہ موصوف رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور عمرو بن بکر خارجی کو پکڑ لیا گیا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کی موت کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد اس قاتل کو فساد کی جڑ کاٹنے کے لیے قتل کر دیا گیا۔

((واما عمرو بن بكر (بكير) فقعد لعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فی تلك الليلة التی ضرب فيها معاوية رضی اللہ عنہ فلم يخرج واشتكى فيها بطنه فامر خارجة بن حبيب و كان صاحب شرطة وكان من بنی عامر بن لؤی فخرج يصلی بالناس فشد عليه وهو يرى انه عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فضربه بالسيف

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۹ ج ۷ تحت صفۃ مقتل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سنہ ۴۰ھ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۴۲، ۱۴۴، ج ۹ تحت آخر باب احوال علی رضی اللہ عنہ۔
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۱۷۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔

فقتله۔ قال عمرو رضی اللہ عنہ اردتنی والله اراد خارجة وقدمه وقتله...... الخ))[1]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار تاسف اور مدح سرائی

گزشتہ سطور میں خوارج کے اجتماعی منصوبہ قتل کی قلیل سی وضاحت ذکر کی گئی ہے۔ اس سے خوارج کی اکابر اہل اسلام کے حق میں کینہ اور بغض وعداوت واضح ہوتی ہے۔

اس پروگرام کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خوارج کے ہاتھوں شہادت واقع ہوگئی اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قدرت کاملہ نے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ بے ساختہ رونے لگے اور بار بار ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہتے تھے اس وقت آپ اندرون خانہ تشریف فرما تھے آپ کی زوجہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ آپ اس خبر پر اس قدر رو رہے ہیں اور اظہار افسوس کر رہے ہیں حالانکہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے ساتھ آپ جنگ و جدال کرتے رہے؟ اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں معلوم نہیں ہے اور تم نہیں جانتی کہ کس قدر فضیلت فقہ اور علم سے لوگ محروم ہو گئے ہیں (اور یہ چیزیں لوگوں میں سے مفقود اور ختم ہو گئیں)۔

یعنی آنجناب کی شہادت اس دور کے لوگوں کے لیے عظیم خسارہ ہے۔

((عن جرير بن عبدالحميد عن مغيرة قال لما جاء قتل علی رضی اللہ عنہ الی معاوية رضی اللہ عنہ جعل يبكی ويسترجع۔ فقالت له امرأته تبكی عليه وقد كنت تقاتله فقال لها و يحك انك لا تدرين ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم...... وفی رواية انها قالت له بالامس تقاتلنه واليوم تبكينه؟))[2]

اسی طرح اس موقع پر ایک دوسری روایت ضرار صدائی رحمہ اللہ سے شیعہ وسنی علماء نے ذکر کی ہے۔ اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حالات سن کر رنج والم کا اظہار کرنا پایا جاتا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ضرار صدائی رحمہ اللہ (جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حامی تھے) ایک دفعہ حضرت

---

1. مجمع الزوائد (ہیثمی) ص۱۴۲-۱۴۴ ج۹ باب آخر احوال علی رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۹ ج ۷ تحت مقتل علی رضی اللہ عنہ
کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص۲۹۴ طبع حیدرآباد دکن۔

2. تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص۷۱۵ ج۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۳۰ ج۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۵ ج۸ تحت عنوان خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ضرار! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی توصیف ذکر کیجیے تو ضرار رحمہ اللہ نے پہلے تو عرض کیا اے امیر المومنین آپ مجھے اس چیز سے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں آپ ان کی توصیف ضرور بیان کریں تو وہ ذکر کرنے لگے:

((فکان واللہ بعید المدی شدید القوی یقول فصلا و یحکم عدلا یتفجر العلم من جوانبه وتنطق الحکمة من نواحیه ویستوحش من الدنیا وزهرتها...... فبکی معاویة وقال رحم الله ابا الحسن کان والله کذالك۔ فکیف حزنك علیه یا ضرار؟ قال حزن من ذبح ولدها وهو فی جحرها))[۱]

''مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قسم! علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ معاملہ کی انتہا کو پہنچنے والے تھے اور مضبوط قویٰ رکھتے تھے آپ فیصلہ کن بات کہتے اور انصاف کے ساتھ حکم کرتے تھے ان کے جوانب سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے اور ان کے اطراف سے حکمت و دانائی کی باتیں صادر ہوتی تھیں دنیا اور اس کی تازگی سے وحشت پکڑتے تھے...... وغیرہ''

حضرت موصوف کے یہ اوصاف سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہتے تھے: اللہ کریم ان پر رحم فرمائے اللہ کی قسم! ابو الحسن (رضی اللہ عنہ) ایسے ہی تھے۔ پھر کہنے لگے کہ اے ضرار! تیرا ان پر غم کھانا کس نوعیت کا ہے؟ ضرار رحمہ اللہ نے کہا کہ میرا غمگین ہونا اس عورت کی طرح ہے جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے...... الخ

شیعہ علماء کی طرف سے تائید

ضرار صدائی رحمہ اللہ کی روایت کو شیعہ کے بیشتر علماء نے اپنی تصانیف میں اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

((وکان ضرار من اصحابه (علی المرتضی) علیہ السلام فدخل علی معاویة بعد موته فقال صف لی علیا فقال او تعفینی عن ذالك فقال (معاویة) والله لتفعلن فتکلم بهذا الفصل فبکی معاویة حتی احضلت لحیته))[۲]

---

[۱] الاستیعاب مع الاصابہ ص ۴۴-۴۵ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

[۲] شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) ص ۴۷۴، ۴۷۵، ۳ ج ۴ ذکر من خبر ضرار بن حمزہ الخ (طبع بیروت)

شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۲۷۶ ج ۵

درہ نجفیہ ص ۳۶۰ طبع قدیم ایران

المسماۃ بالروضہ فی فضائل علی مع معانی الاخبار وعلل الشرائع ص ۱۲۰ طبع قدیم۔

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ضرار صدائی رحمہ اللہ آنجناب کے انتقال کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے سامنے علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کریں۔ پہلے تو ضرار رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھے اس بات سے معاف رکھیے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تجھے ضرور بیان کرنا چاہیے۔ پس انھوں نے توصیف علی رضی اللہ عنہ کا مضمون بیان کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔''

سنی وشیعہ علماء کے مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر رنج وغم کا اظہار کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ ان حضرات کے درمیان سیاسی اختلاف اب بہت کچھ رو بہ اصلاح ہو رہے تھے اور ان میں کوئی ذاتی عناد نہیں تھا، وہ ایک دوسرے کے حق میں فضیلت کے قائل تھے اور ایک دوسرے کے علمی مقام کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے۔

یہ چیزیں ان کی مومنانہ صفات کے مناسب ہیں اور صالحین کے طریقہ کار کے یہی شایان شان ہیں۔

انتباہ

① شہادت عثمانی سے لے کر شہادت علی تک کے دوران میں بیشتر واقعات مکرر طور پر ذکر ہوئے ہیں اور سیرت علوی میں ان کا ذکر ہو چکا ہے لیکن یہاں متعدد حوالہ جات اور بعض دیگر امور کا اضافہ کیا گیا، اور واقعات کے تسلسل کا لحاظ رکھنا بھی پیش نظر ہے۔

② نیز یہ چیز بھی مولف کے پیش نظر ہے کہ ناظرین کرام میں جس صاحب کے سامنے سیرت علوی نہیں آ سکی اور صرف ''سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' دیکھنے کا اسے اتفاق ہوا تو وہ بھی ان معلومات مفیدہ سے مستفید ہو سکے محروم نہ رہ جائے۔ ان چیزوں کے پیش نظر ان مضامین کا تکرار مجبوراً ہوا ہے اور یہی معذرت ہم نے قبل ازیں ''مزار عثمان'' کے عنوان کے بعد ذکر کر دی تھی یہاں اس کی یاد دہانی کرائی ہے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

بیعت خلافت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے بعد انتقال سے قبل بعض لوگوں نے آں موصوف سے عرض کیا کہ جناب کے بعد کیا ہم آپ کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو حسن سے بیعت کا نہ حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

چنانچہ اہل عراق نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جلد ہی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی کچھ قلیل عرصہ حالات حسب معمول پر سکون رہے۔ چند ماہ بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعض امراء اور اہل جیش نے آپ کو اہل شام کے ساتھ قتال پر آمادہ کیا۔ اگرچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر قتال بین

المسلمین کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر حالات کے تقاضوں کے تحت مجبوراً ملک شام کے خلاف اقدام کرنے کے لیے مدائن کے عسکری مستقر میں تشریف لے گئے۔

اس موقع پر بقول بعض مورخین حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے سر برآوردہ لوگوں کو مدائن کے ایک قصر (محل) میں جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ اس شرط پر بیعت کی ہے کہ جس سے میں صلح کروں گا تمھاری بھی اس سے صلح ہوگی اور میں جس سے محاربت اور قتال کروں گا تم بھی اس سے قتال کرو گے۔ حالات کے پیش نظر میں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کرلیا ہے پس تمھیں بھی ان کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔

((جمع الحسن رضی اللہ عنہ روس اهل العراق فی هذا القصر۔ قصر المدائن۔ فقال: انکم قد بایعتمونی علی ان تسالموا من سالمت وتحاربوا من حاربت، وانی قد بایعت معاویة فاسمعوا له واطیعوه))[1]

جب آپ کے ارادہ کی خبر آپ کی جماعت کے دیگر افراد اور اہل جیش کو ہوئی تو ان میں کئی قسم کے انتشار اور افتراق رونما ہوئے اور اہل عراق کی طرف سے اطاعت امیر سے روگردانی کے آثار پیدا ہو گئے چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان حالات کو دیکھ کر اپنی جماعت سے ہی دل برداشتہ اور رنجیدہ خاطر ہو گئے۔

اس موقع پر مورخین نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے انتشار و اختلاف کو بڑی رنگ آمیزی سے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں تاہم مورخین کے بیانات سے اتنی چیز ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی جماعت کے بعض برگشتہ افراد نے آپ کے لیے ایذا رسانی کی اور برا سلوک اختیار کیا جس کی بنا پر آپ بہت ملول ہوئے اور اپنے سیاسی مقابلین کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ کرلیا۔

حضرت موصوف کی جماعت کی بدسلوکی کا صرف ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

((عن عمار الدهنی قال نزل الحسن بن علی المدائن وکان قیس بن سعد علی مقدمته ونزل الانبار فطعنوا حسنا رضی اللہ عنہ وانتهبوا سرادقه))[2]

"یعنی عمار دہنی کہتے ہیں کہ (حسب پروگرام) علاقہ مدائن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے آپ کے جیش کے مقدمہ پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہما حاکم تھے پھر اس کے بعد انبار کے مقام پر پہنچے تو

۱۔ کتاب المعرفہ والتاریخ (یعقوب بسوی) ص ۳۱۷-۳۱۸ ج ۳ تحت العصر الاموی خلافت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۳۰ ج ۱ تحت تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

۲۔ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۷۵۵-۷۵۶ ج ۲ تحت ما جاء فی الکوفہ......الخ۔
تاریخ بغداد ص ۱۷۸ ج ۱ تحت قیس بن سعد بن عبادۃ

وہاں ان کے اپنے لشکریوں نے آنجناب کو نیزوں سے زخمی کر ڈالا اور آپ کے خانگی اموال لوٹ لیے۔''

شیعہ کی طرف سے تائید

چنانچہ شیعہ علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں اس مقام پر اس مضمون کو بایں نوع ذکر کیا ہے کہ:

((عن يزيد بن وهب الجهنی قال لما طعن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما بالمدائن اتيته وهو متوجع فقلت ما ترى يا ابن رسول الله فان الناس متحيرون فقال ارى والله معاوية خير لی من هؤلاء يزعمون انهم لی شيعة ابتغوا قتلی وانتهبوا ثقلی واخذوا مالی ...... الخ))[1]

''مطلب یہ ہے کہ یزید بن وہب جہنی کہتا ہے کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مدائن میں نیزہ سے زخمی کیا گیا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچا آپ درد کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! لوگ اس معاملہ میں (مجوزہ صلح میں) متحیر اور حیران ہیں، جناب کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ امام نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) میرے لیے بہتر ہیں۔ جو لوگ میرے شیعہ ہونے کے دعویدار ہیں انھوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرے مال اموال کو لوٹ لیا...... الخ''

اور اس طرح اسی مضمون کو ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور تصنیف ''بحار الانوار'' میں لکھا ہے کہ:

((لما طعن الحسن بن علی بالمدائن اتيته وهو متوجع فقلت ما ترى يا ابن رسول الله فان الناس متحيرون فقال ما ارى والله معاوية خير لی من هؤلاء يزعمون انهم لی شيعة ابتغوا قتلی و نتهبوا ثقلیٰ واخذوا مالی والله لان آخذ من معاوية عهدا احقن به دمی وامن به فی اهلی خير من ان يقتلونی فتضيع اهل بيتی واهلی))[2]

ملا باقر مجلسی نے یہ بات طبری کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق یہاں بیان کی ہے اور مزید برآں کہتے ہیں کہ:

امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے ایسا عہد لے لوں جس میں میری جان کی

---

[1] الاحتجاج (شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی) ص ۱۴۸ تحت احتجاج حسن بن علی علیٰ معاویہ فی امامۃ من یستحقھا، طبع قدیم ایران۔

[2] بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۱۰ ج ۱۰ تحت علت مصالحت مذکورہ طبع قدیم ایران۔

حفاظت ہو اور میرے اہل کی امان ہو، وہ میرے لیے اس چیز سے بہتر ہے کہ میرے شیعہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے اہل بیت کو تباہ و برباد کر دیں۔

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے اور اس چیز کو بہتر خیال کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شیعوں سے بہتر قرار دیتے تھے۔

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح

واقعہ ہذا اسلام میں اپنے پس منظر میں ایک بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور مورخین نے یہاں بہت کچھ رطب و یابس چیزیں فراہم کی ہوئی ہیں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ اس واقعہ کو محدثین کی روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے تا کہ اصل حقیقت حال کے زیادہ قریب ہو۔ بعد ازاں تاریخی روایات درج کر دی جائیں۔

چنانچہ بخاری شریف کتاب الصلح میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت امام حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے پہاڑوں کے مانند لشکر اور جیوش باہم متقابل ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لشکر اور عساکر ایک دوسرے کو قتل کیے بغیر پسپا ہونے والے نہ تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم ''خیر الرجلین'' تھے یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر ایک فریق دوسرے کو قتل کر ڈالے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو قتل کر دے تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان عورتوں اور بال بچوں اور کمزور لوگوں کی نگہداشت کون کرے گا؟ یعنی اس صورت میں یہ لوگ ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔

تو ان حالات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی عبد الشمس کے دو افراد عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہما کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح نامہ پیش کیجیے اور انھیں صلح پر آمادہ کیجیے۔

یہ دونوں حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اس مسئلہ پر گفتگو کر کے صلح کی دعوت دی۔ اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو فرمایا کہ ہم بنو عبد المطلب ہیں (اپنے اہل و عیال، اقربا اور خدام پر بخشش، توسع اور کرم کرنا ہماری جبلت میں داخل ہے) اور اس مال سے ہم ان سب کو حقوق ادا کرتے ہیں اور اب اس امت میں بہت انتشار اور فساد واقع ہو گیا ہے۔

اس پر ان دونوں بزرگوں نے کہا کہ آپ کی ضروریات اور تقاضے پورے کیے جائیں گے اور مطالبات تسلیم کیے جائیں گے۔ جناب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان وعدوں کے ایفا کا ذمہ دار کون ہو گا؟ ان دونوں نے کہا ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صلح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مصداق ہے جو ابوبکرہ (نفیع بن حارث ثقفی) رضی اللہ عنہ سے میں نے سنی۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ کے پہلو میں منبر پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ (عالم طفولیت میں) بیٹھے تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے دوران میں کبھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ہم لوگوں کی طرف التفات فرماتے۔ اس خطبہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔''

اس موقع پر آپ نے ہر جماعت کو فئہ عظیمہ فرمایا، کسی ایک کو نہیں گرایا۔

((فصالحه قال الحسن (البصری) ولقد سمعت ابا بکره یقول رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی رضی اللہ عنہما الی جنبه وهو یقبل علی الناس مرة وعلیه اخری ویقول اِنَّ ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین))[1]

فائدہ

اس مقام پر یہ چیز قابل التفات ہے کہ نبوت کی عظیم پیش گوئی جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اقدام ہذا کی صورت میں تمام ہوئی جو ان کے حق میں اعلیٰ فضیلت پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہایت خوش بختی ظاہر ہوئی کہ وہ اس بشارت عظیمہ کے پورے ہونے کا ذریعہ بنے اور اس کی تکمیل کا انھیں شرف نصیب ہوا اور اہل اسلام کے دو متحارب گروہوں کی مصالحت کا باعث ہوئے۔

واقعہ ہذا گزشتہ سطور میں محدثین کی روایات کی روشنی میں مذکور ہوا اور ایک حوالہ شیعہ کا بھی بطور تائید کے حاشیہ میں ذکر کر دیا ہے۔ اب اس واقعہ کو مورخین کی تاریخی روایات کی بنا پر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ واقعہ کی مزید تفصیلات بھی سامنے آ سکیں۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((ولما رای الحسن بن علی رضی اللہ عنہما تفرق جیشه علیه مقتهم وکتب عند ذالك الی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما و کان قد رکب فی اهل الشام فنزل مسکن

[1] بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علیؓ ابنی ہذا ...... الخ
الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد) ص ۱۶۵ ج ۲۳ تحت ابواب خلافۃ الحسن، الباب الاول فی خلافتہ
بحار الانوار از ملا باقر مجلسی شیعی ص ۸۷ ج ۱۰ تحت معالی امور ہما ...... الخ

یراوضه علی الصلح بینهما۔ فبعث الیه معاویة رضی اللہ عنہ عبدالله بن عامر و عبدالرحمن بن سمرة۔ فقدما علیه الکوفة فبذلا له ما اراد من الاموال فاشترط ان یاخذ من بیت مال الکوفة خمسة الاف الف درهم، وان یکون خراج دار ابجرد له وان لا یسب علی رضی اللہ عنہ وهو یسمع، فاذا فعل ذالک فنزل عن الامرة لمعاویه و یحقن الدماء بین المسلمین۔ فاصطلحوا علی ذالک واجتمعت الکلمة علی معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

((وهو (عبدالرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ) کان احد السفیرین بین معاویة والحسن رضی اللہ عنہما))[2]

''مطلب یہ ہے کہ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے جیش میں افتراق اور انتشار دیکھا تو انھیں سخت ناراضی ہوئی اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ (اس روایت کی بنا پر) اس پر آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا۔ ادھر اہل شام آمادہ تھے پس اپنے مسکن پر ٹھہرے اور جانبین کے درمیان صلح کی کوشش کی گئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہما کو اس مقصد کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ذمہ لیا۔ پس حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کہ کوفہ کے بیت المال سے وہ پچاس لاکھ درہم حاصل کریں گے اور دار ابجرد کا خراج بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہوگا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی موجودگی میں ہتک آمیز کلام نہیں کیا جائے گا۔

ان شرائط پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ امر خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلافت کا معاملہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں مسلمانوں کا خوں ریزی سے بچاؤ کرنا اور مسلمانوں کو کلمہ واحد پر جمع کرنا مقصود نظر تھا چنانچہ اس طور پر ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر امر خلافت مجتمع ہو گیا۔

تنبیہ

علمائے کرام نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بہت سی شرائط پر مصالحت کی تھی اور جن امور کی انجام دہی کی ذمہ داری قبول کی ان کو ایفا کیا اور پورا کر دیا۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ:

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴-۱۶ ج ۸ تحت خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ ھ

((انه اشترط عليه شروطا كثيره فالتزمها ووفى له بها))[۱]

شرائط صلح شیعہ کے بیانات کی روشنی میں

① شیعوں کے قدیم ترین مورخ دینوری نے سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور صلح کی شرائط کو مندرجہ ذیل عبارت میں تحریر کیا ہے:

((ولما راى الحسن من اصحابه الفشل ارسل الى عبدالله بن عامر بشرائط اشترطها على معاوية على ان يسلم له الخلافة وكانت الشرائط الا ياخذ احدا من اهل العراق باحنة وان يومن الاسود والاحمر، ويحتمل ما يكون من هفواتهم، ويجعل له خراج الاهواز مسلما فى كل عام ويحمل الى اخيه الحسين بن على فى كل عام الفى الف ويفضل بنى هاشم فى العطاء والصلات على بنى عبدالشمس))[۲]

''یعنی قدیم شیعی مورخ دینوری تحریر کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بزدلی کا شکار پایا تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کے لیے چند شرائط ارسال کیں کہ ان پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دیں گے۔ وہ شرائط یہ تھیں:

(۱) اہل عراق پر دشمنی اور کینہ کی بنا پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

(۲) ہر اسود و احمر کو امان دی جائے گی (یعنی عام رعایا کو امان ہوگی)۔

(۳) لوگوں کی یاوہ گوئی کو برداشت کیا جائے گا۔

(۴) علاقہ ''اہواز'' کا مکمل خراج ہر سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے گا۔

(۵) ان کے برادر حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو بیس لاکھ درہم سالانہ (وظیفہ) دیا جائے گا۔

(۶) عطایا اور صلہ جات میں بنی ہاشم کو بنی عبدالشمس پر فضیلت دی جائے گی اور ان کا حق فائق رکھا جائے گا۔''

اس مقام پر دینوری شیعی نے مزید لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ شرائط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیں اس طرح صلح ہذا مکمل ہوگئی اور جانبین اس پر راضی ہو گئے۔

② مذکورہ واقعہ کو جو باہمی مصالحت کے دوران میں پیش آیا دیگر قدیم شیعہ مورخ یعقوبی نے بھی اپنے

---

۱ الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۷ تحت بیان اعتقادات اہل السنۃ والجماعۃ طبع ثانی مصر

۲ اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۱۸ تحت مبایعہ معاویہ بالخلافہ طبع مصر

انداز کے مطابق مفصل تحریر کیا ہے چنانچہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف چند حضرات کو صلح کی غرض سے روانہ کیا۔ وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت مدائن کے جنگی حالات میں اقامت پذیر تھے ان لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کے متعلق گفتگو کی۔ اس کے بعد جب یہ حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر آئے تو لوگوں کو سنا کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کے ذریعے سے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچا لیا اور وہ فتنے کے فرو ہونے کا باعث ہوئے اور انھوں نے صلح منظور کر لی۔

جب یہ چیز سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے جیوش میں پہنچی تو وہاں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا اور انھوں نے ان لوگوں کی صداقت میں کچھ شک نہ کیا اور جوش میں آ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا جنگی سامان لوٹ لیا۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں چل دیے مگر جراح بن سنان اسدی نے چھپ کر نیزہ مارا اور آنجناب کی ران کو زخمی کر دیا اور آپ کو نہایت بے آبرو کیا۔

اس کے بعد یعقوبی مزید ذکر کرتے ہیں کہ:

((وحمل الحسن الى المدائن وقد نزف نزفا شديدا واشتدت به العلة فافترق عنه الناس وقدم معاويه العراق فغلب على الامر والحسن عليل شديد العلة فلما راى الحسن ان لا قوة به وان اصحابه قد افترقوا عنه فلم يقوموا له۔ صالح معاوية، وصعد المنبر فحمد الله واثنى عليه وقال: ايها الناس! ان الله هداكم باولنا وحقن دمائكم بأخرنا وقد سالمت معاوية...... الخ))[1]

"(بقول شیعی مورخ) مطلب یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں مدائن کی طرف لے جایا گیا۔ آپ خون آلود تھے۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، لوگ آپ سے علیحدگی اختیار کرنے لگے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق میں جا پہنچے اور خلافت پر ان کا غلبہ ہونے لگا۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شدید علیل تھے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے میں قوت نہ دیکھی اور ان کے ساتھی ان سے جدا ہو گئے اور تعاون سے کنارہ کش ہو گئے تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

(جب کچھ حالت بہتر ہوئی) تو منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کی اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اول کے ساتھ تمھیں ہدایت بخشی اور ہمارے آخر کے ساتھ تمھارے خون کی حفاظت کی

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۱۵ ج ۲ تحت خلافۃ الحسن بن علی طبع بیروت

(تمھیں خوں ریزی سے بچالیا) میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی ہے یعنی امر خلافت ان کے سپرد کر دیا ہے۔''

یہ شیعہ مورخین کے بیانات ہیں جو انھوں نے اپنے نظریات کے مطابق درج کیے ہیں۔

(۳) نیز شیعہ کے مشاہیر علماء نے صلح ہذا کی شرائط میں مزید یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں دیگر شرائط کے علاوہ یہ شرط بھی لگائی تھی کہ

''کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے راشدین صالحین پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔''

شیعہ کے فاضل اربلی لکھتے ہیں کہ:

((بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما صالح علیه الحسن بن علی بن ابی طالب معاویة بن ابی سفیان صالحه علی ان یسلم الیه ولایة امر المسلمین علی ان یعمل فیهم بکتاب الله تعالیٰ و سنة رسوله ﷺ وسیرة الخلفاء الراشدین الصالحین...... الخ)) [1]

قبل ازیں یہ چیز شیعہ کی تصریحات کے مطابق درج کی جا چکی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی تمام شرائط کو منظور کر لیا تھا اور ان کی ایفا کی تھی۔

فائدہ

مندرجہ بالا صلح کی شرط سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت برحق اور صحیح تھی اور ان کی دینی وثاقت مسلّم تھی اور ان حضرات کا عہد خلافت قابل تقلید تھا اسی بنا پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے وقت خلفائے راشدین کی سیرت پر عمل درآمد کی شرط لگائی۔

(۴) یہاں مزید اس چیز کو ذکر کر دینا ناظرین کرام کے لیے فائدہ بخش ہے کہ جس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ باشرائط صلح و مصالحت کر کے بیعت کر لی تھی اور وہ اس پر رضامند اور مطمئن تھے اور اور کسی طرح بھی پشیمان اور پریشان نہیں تھے، اسی طرح آں موصوف کے برادر گرامی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بیعت ہذا میں شامل تھے اور اس معاہدہ کی تمام کارگزاری میں شریک کار تھے اور اس کو صحیح قرار دیتے تھے۔

لیکن اس دور میں بقول شیعہ مورخین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

---

[1] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ (علی بن عیسیٰ الاربلی) ص ۱۴۵ ج ۲ تحت عنوان فی کلامہ علیہ السلام و مواعظہ و ما یجری معہا مع ترجمہ فارسی ترجمۃ المناقب طبع تبریز، ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۲۳ ج ۱۰ کیفیۃ مصالحۃ الحسن...... الخ طبع قدیم ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۶۵ ج ۴۴ تحت باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن بن علی...... الخ طبع جدید ایران

حبیب السیر ص ۶۴ از غیاث الدین المدعو بخواند میر۔

کو اس صلح و مصالحت کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کی اور ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف جنگ و پیکار پر آمادہ کرنا چاہا، تو جناب سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے ان کی اس پیش کش کے جواب میں ارشاد فرمایا:

((فقال الحسین انا قد بایعنا و عاھدنا و لا سبیل الی نقض بیعتنا))[1]

"یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لی ہے اور ان سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اب بیعت ہذا کو توڑ ڈالنے کے لیے کوئی راستہ نہیں۔"

اسی مسئلہ کو شیعہ کے مجتہدین نے مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک بار عراق کے شیعان علی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوبات ارسال کیے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور باہمی معاہدہ کے نقض پر زور دیا اور اس عقد کو ختم کر دینے کا تقاضا کیا۔ شیخ مفید شیعی نے اس سلسلے میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جواب کو بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((ان بینه و بین معاویة عھدا و عقدا لا یجوز له نقضه حتی تمضی المدۃ...... الخ))[2]

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے درمیان عہد اور عقد (بیعت) ہو چکا ہے اس کو توڑنا جائز نہیں تاوقتیکہ معاہدہ کی مدت (خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ) ختم ہو جائے۔"

مندرجات گزشتہ سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دونوں برادر حضرات کی بیعت درست تھی اور ان کے نزدیک عقد مصالحت بالکل صحیح تھا اور اس پر دونوں حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما مدۃ العمر قائم رہے۔

یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت کے لیے وزنی شہادت ہے اور ان کی حکومت عادلہ کی خاطر واضح دلیل ہے۔

تنبیہ

بعض لوگوں نے مقام شرائط میں ایک شرط یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ شرط عائد کی تھی کہ "جناب معاویہ کے بعد حضرت حسن خلیفہ ہوں گے۔" اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا دیا تھا تا کہ وہ امر خلافت پر بعد میں ہمیشہ مسلط رہیں۔

اس شرط کے متعلق درج ذیل چیزیں قابل غور ہیں ان پر توجہ کر لینے سے اس شرط کا سقم واضح ہو جائے گا:

① قدیم مورخین طبری وغیرہ اور خصوصاً شیعہ کے قدیم تر مورخین دینوری، مسعودی اور یعقوبی وغیرہ نے

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ طبع مصر تحت بحث مبایعہ معاویہ بالخلافہ...... الخ

[2] کتاب الارشاد (شیخ مفید شیعی) ص ۱۸۱-۱۸۲ طبع ایران۔

جہاں شرائط صلح ذکر کی ہیں ہماری معلومات کی حد تک ان میں شرط مذکورہ بالا کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے یہ عمدہ موقع تھا۔

نیز معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخین کے دور تک شرائط میں یہ چیز شامل نہ تھی ایک مدت دراز کے بعد لوگوں نے اس شرط کا اضافہ کرلیا اور زہر خورانی کے طعن کے لیے اس کو زینہ بنایا۔

یہ چیز نقلی طور پر پیش کی گئی ہے۔

(۲) اب عقلی طور پر توجہ کریں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کا مسئلہ اس دور کے اکابر کے سامنے پیش کیا تو بعض اکابر نے اس چیز سے اختلاف کرتے ہوئے کلام کیا (جیسا کہ تواریخ میں منقول ہے) تو اس موقع پر ان لوگوں نے یہ چیز نہیں ذکر کی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں آپ کی خلافت تھی اب ان کی وفات کے بعد آپ کو خلافت کا حق نہیں اور صلح کی شرائط میں یہ مسئلہ داخل تھا۔

فلہٰذا اس بات کو اختلاف کرنے والے بزرگوں کا پیش نہ کرنا بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ صلح کی شرائط میں یہ شرط داخل نہ تھی ورنہ وہ حضرات اس موقع پر اس شرط کو ضرور پیش کرتے۔

مذکورہ بالا سطور میں صلح کے متعلق شیعہ کے متقدمین و متاخرین علماء کی چند توضیحات ذکر کی ہیں۔ اس کے قریب قریب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے متعلق شیعہ علماء کے بیانات درج کیے ہیں اور بیشتر بطور الزام نقل کیے ہیں۔ اس میں بھی اس بات کی وضاحت آ گئی ہے کہ یہ صلح ''اصلاح امت'' کے لیے تھی اور فتنہ کو ختم کرنے کی خاطر کی گئی۔ عبارت نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ناظرین کرام تسلی کے لیے درج ذیل مقام کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

تحفہ اثناء عشریہ ص ۱۸۱ باب ہفتم در امامت تحت عقیدۂ ششم، طبع لاہور

صلح و مصالحت کی تاریخ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف البدایہ والنہایہ میں ذکر کرتے ہیں کہ:

((وقال ابوالحسن علی بن المدینی: کان تسلیم الحسن الامر الی معاویة فی الخامس من ربیع الاول سنة احدی واربعین وقال غیرہ فی ربیع الاخر و یقال فی غرة جمادی الاولی۔ فالله اعلم))[1]

اور اسی مسئلہ کو دیگر محدثین و مورخین نے بھی بالوضاحت اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے مثلاً:

خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں کہ:

((وفیھا سنة الجماعة اجتمع الحسن بن علی بن ابی طالب و معاویة (بن ابی

---

[1] البدایہ والنہایہ، ص ۱۸ ج ۸، ص ۲۱ ج ۸ تحت سنہ ۴۱ھ فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

سفیان) رضی اللہ عنہما فاجتمعا بمسكن من ارض السواد ومن ناحية الانبار فاصطلحا وسلم الحسن بن علی الی معاوية و ذالك فی شهر ربيع الاخر او فی جمادی الاولی سنة احدى واربعين))[1]

"مندرجات بالا کا مطلب یہ ہے کہ عام الجماعت ۴۱ھ میں حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما "انبار" کے نزدیک ارض سواد کے مسکن میں جمع ہوئے اور دونوں نے (خلافت کے معاملہ میں) باہم صلح کر لی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سپرد کر دیا اور کنارہ کش ہو گئے یہ واقعہ ربیع الاخریٰ یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں پیش آیا۔"

حاشیہ میں مزید چند ایک حوالہ جات اس مسئلہ پر درج کر دیے ہیں تا کہ اہل تحقیق حضرات رجوع کر کے تسلی کر سکیں۔

صلح کے بعد باہمی گفتگو کا ایک منظر

عامر شعبی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی تو میں بھی اس موقع پر حاضر تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجیے کہ آپ نے امر خلافت کو ترک کر دیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ تو اس موقع پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے مقام سے اٹھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"دانشمندوں میں سے زیادہ دانشمند وہ شخص ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور عاجزوں میں سے وہ شخص زیادہ عاجز ہے جو فاجر ہے (پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا) یہ معاملہ جس میں امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اور ہم نے اختلاف کیا، یا تو میرا حق تھا جسے میں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے ترک کر دیا اور یا یہ امر اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ (بہرکیف) میں نے لوگوں کو خوں ریزی سے بچانے کی خاطر یہ صورت (صلح) اختیار کی۔"

((قال الشعبی: فسمعته علی المنبر حمد الله واثنی علیه ثم قال: اما بعد: فان اکیس الکیس التقی، وان اعجز العجز الفجور، وان هذا الامر الذی

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۷ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ عام الجماعہ
مستدرک حاکم ص ۱۷۴ ج ۳ تحت مصالحۃ الحسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما
تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) صفحہ ۲۱۰ ج ا تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاستیعاب (ابن عبدالبر) (مع الاصابہ) ص ۳۷۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ مع الاستیعاب تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۶-۳۸۷ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اختلفت فیه انا ومعاویة حق کان لی فترکته لمعاویة۔ او حق کان لامرء احق به منی وانما فعلت هذا لحق دماءکم وان ادری لعله فتنة لکم ومتاع الی حین))[1]

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ (شیعہ کتب سے)

گزشتہ اوراق میں یہ چیز دلائل کے ساتھ واضح کر دی گئی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں صلح کر لی اور خلافت و امارت کا معاملہ بتمامہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور انھیں ''خلیفۃ المسلمین'' برحق تسلیم کر لیا۔

اب اس مقام پر اسی مسئلہ کی مزید تشریح بایں طور ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر گرامی جناب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں حضرات نے شرعی دستور کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر دی تھی۔

چنانچہ یہ چیز اہل سنت والجماعت کی روایات کے اعتبار سے تو مسلم ہے لیکن شیعہ کے نزدیک بھی یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے اور بے شمار شیعہ علماء نے اپنی تصانیف میں بالوضاحت درج کیا ہے۔ ہم یہاں جناب سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کے فرمان کی روشنی میں بعض حوالہ جات ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

① ((قال سمعت ابا عبدالله یقول ان معاویة کتب الی الحسن بن علی صلوت الله علیهما ان اقدم انت والحسین واصحاب علی فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادة الانصاری فقدموا الشام فاذن لهم معاویة واعد لهم الخطباء فقال یا حسن! قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیہ السلام قم فبایع فقال فبایع ثم قال یا قیس قم فبایع فالتفت الی الحسین ینظر ما یأمره فقال یا قیس انه امامی یعنی الحسن))[2]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۲ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء روایت ۱۰۴۷۷ طبع کراچی
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۳۷ ج ۲ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۳ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۸۱ ج ۳ تحت تذکرہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما
بحار الانوار (ملا باقر مجلسی شیعی) ص ۱۱۲ جلد ۱۰ طبع قدیم باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن بن علی...... الخ۔

[2] رجال کشی طبع قدیم ممبئی ص ۱۰۲ طبع تہران تحت قیس بن سعد بن عبادہ
کتاب بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۲۲-۱۲۴ ج ۱۰ تحت باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن بن علی (طبع قدیم ایران)

''مطلب یہ ہے کہ جناب جعفر صادق فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ آپ اور آپ کے برادر حسین اور حضرت علی المرتضٰی کے دیگر احباب ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ جب یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہما بھی روانہ ہوئے۔ یہ حضرات ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی وہاں اس مجلس میں کئی خطباء جمع کیے گئے تھے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اٹھیے اور بیعت کیجیے پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس کے بعد انھوں نے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے) حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی اٹھیں اور بیعت کریں پس حضرت حسین رضی اللہ عنہ اٹھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سے کہا تم بھی اٹھو اور بیعت کرو۔ قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف التفات کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قیس! وہ میرے امام ہیں (آپ بھی بیعت کرلیں)۔''

② اور اسی مسئلہ کو شیخ ابو جعفر طوسی شیعی نے اپنی تصنیف ''امالی شیخ طوسی'' مجلس یازدہم ماہ صفر ۴۵۷ھ کے تحت بالفاظ ذیل درج کیا ہے۔

((الا و انی قد بایعت هذا و اشار بيده الى معاوية))[1]

''(یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے) اپنے ہاتھ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: خبردار! میں نے ان سے بیعت کرلی ہے۔''

شیعہ کے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب امر خلافت میں صلح کی تھی تو اس وقت ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر دی تھی۔ یہ چیز شیعہ کی معتبر روایات کی روشنی میں ثابت ہے کوئی مختلف فیہ امر نہیں۔

تنبیہ

شیعہ کے ہاں اس مقام پر مختلف روایات پائی جاتی ہیں مندرجہ بالا رجال کشی والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات (حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) میں صلح و مصالحت تو پہلے ہو چکی تھی لیکن مزید توثیق و تصدیق کے طور پر ان حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بیعت خلافت لی گئی اور انھوں نے بیعت کر دی تا کہ اس معاملہ میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

---

[1] امالی شیخ طوسی ص ۱۷۹-۱۸۰ ج ۲ تحت مجلس یازدہم؛ امالی شیخ طوسی ص ۱۷۳ ج ۲

عام الجماعت

حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کی اہل اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے اور اس کے ذریعے سے ایک بہت بڑے انتشار بین المسلمین کا خاتمہ ہوا اور افتراق کا فتنہ فرو ہوگیا۔ ایک مدت سے اعدائے اسلام پر غلبہ پانے اور انھیں فتح کرنے کے اقدامات رکے ہوئے تھے اور اہل اسلام کے مابین افتراق عظیم واقع ہوگیا تھا اور پھر اس دوران میں باہمی جدال وقتال کے مواقع بھی پیش آ چکے تھے لیکن آخر کار اللہ کریم جل مجدہ نے پھر اہل اسلام کو ایک کلمہ پر مجتمع ہونے کی توفیق بخشی اور اس دور کے تمام اہل اسلام فرقت کے بعد ایک مرکز پر متفق ہوگئے اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اپنا متفقہ امیر اور خلیفہ تسلیم کر لیا اور جو حضرات حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے دور سے بیعت خلافت سے اجتناب اور علیحدگی اختیار کیے ہوئے تھے ان حضرات نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان پر رضامند ہوگئے۔ اس بنا پر اس برس کو ''عام الجماعۃ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واصلح الحسن بن علی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم وسلم له الامر وبایعه الناس جمیعا فسمی عام الجماعة))[1]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وسمی هذا العام عام الجماعة لاجتماع الکلمة فیه علی امیر واحد بعد الفرقة))[2]

اور دوسرے مقام پر اس مسئلہ کو اس طرح درج کیا ہے:

((وحصل علی بیعة معاویة عامئذ الاجماع والاتفاق))[3]

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں مسئلہ ہذا اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((قال ابن بطال سلم الحسن رضی اللہ عنہ لمعاویة رضی اللہ عنہ الامر وبایعه علی اقامة کتاب الله وسنة نبیه ودخل معاویة رضی اللہ عنہ الکوفة وبایعه الناس فسمیت سنة الجماعة لاجتماع الناس وانقطاع الحرب وبایع معاویة رضی اللہ عنہ کل من کان معتزلا للقتال کابن عمر و سعد بن ابی وقاص و محمد بن مسلمة رضی اللہ عنہم))[4]

---

[1] تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص۷۰۴ ج۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۲۱ ج۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۹ ج۸ تحت سنہ ۴۱ھ

[4] فتح الباری شرح بخاری ص۵۳ ج۱۳ تحت قولہ سار الحسن بن علی الی معاویہ بالکتائب...... الخ

''مطلب یہ ہے کہ امر خلافت کو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل درآمد کرنے کی شرط لگا کر بیعت بھی کر دی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے اور عام لوگوں نے ان سے بیعت خلافت کی۔ لوگوں کے ایک شخصیت پر مجتمع و متفق ہونے اور باہمی قتال کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعہ رکھا گیا۔ اور جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دونوں متحارب فریقوں کے باہم حرب و قتال سے کنارہ کش تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم، ان لوگوں نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور ان پر رضامند ہو گئے اور کلمہ اسلام پر اتفاق و اجتماع ہو گیا۔''

صلح ہذا کے متعلقہ چند فوائد

اکابر علماء نے مصالحت ہذا کے متعلق چند توضیحات ذکر کی ہیں جن میں اس چیز کے مصالح اور فوائد ذکر کیے ہیں اور انھوں نے اس صلح کی دینی اہمیت اور افادیت واضح کی ہے۔

علماء کی طرف سے اس نوع کے متعدد بیانات متعدد کتب میں مذکور ہیں۔ ان میں سے چند ایک ناظرین کرام کی خدمت میں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں اس مضمون کا استقصاء مقصود نہیں۔

① تراجم کے مشہور عالم ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی (جو امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر ہیں) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد قریباً ستر ہزار افراد امت نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تھی۔ لیکن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک تارک الدنیا اور زاہد شخص تھے۔ انھوں نے خلافت کے بارے میں زہد اختیار کیا اور اسے ترک کر کے یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور فرمایا کہ محجمہ (سینگی) کے برابر بھی خون میرے ہاتھوں نہ گرایا جائے۔''

((قال ثم بایع الحسن رضی اللہ عنہ بعد وفاة ابیہ سبعون الفا فزھد فی الخلافة فلم یردھا وسلمھا لمعاویة رضی اللہ عنہ وقال لا یھراق علی یدی محجمة من دم))[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے تو جنگ و قتال کے لیے ہزاروں افراد ان کے ہم نوا موجود تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ذاتی زہد و تقویٰ کی بنا پر خلافت اپنے فریق مقابل کے سپرد کی اور خود اس سے دستبردار ہوئے ان کا یہ عمل حالات کے کسی سیاسی دباؤ کے تحت نہ تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر فرمایا کہ میرے ہاتھوں اہل اسلام کی ادنیٰ سی خوں ریزی بھی مجھے پسند نہیں۔ یہ آپ کی کمال دیانت اور خدا خوفی کی واضح دلیل اور تقویٰ کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ درحقیقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار اور حوصلہ مندی قابل

---

1. تاریخ الثقات (ابوالحسن عجلی) ص ۱۱۶ (المتوفی ۲۶۱ھ) تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہ طبع بیروت

صد ستائش ہے۔

اسی طرح دیگر اکابر مورخین نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے اور بقول بعض کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت بعض لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر نقد کرتے ہوئے یوں کہا:

السلام علیکم یا مذل المومنین (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے! تم پر سلام ہو)

تو آنجناب نے جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کہو، میں نے تو مومنوں کو ذلیل و رسوا نہیں کیا بلکہ میں نے ملک کی خاطر مومنوں کے قتال اور خوں ریزی کو پسند نہیں کیا (اور صلح کر دی)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی سے سن رکھا ہے کہ ایک نہ ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک کے والی ہوں گے میں نے یقین کر لیا کہ یہ امر واقع ہو کر رہے گا۔ پس میں نے اپنے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قتال اور مسلمانوں کی خوں ریزی کو مکروہ جانا۔

((فلما قدم الحسن بن علی رضی اللہ عنہما علی الکوفة قال له رجل منا یقال له ابوعامر سفیان بن لیلی۔ وقال ابن الفضل سفیان بن اللیل: السلام علیك یا مذل المؤمنین! قال لا تقل ذالك یا ابا عامر لست بمذل المؤمنین ولکنی کرهت ان اقتلهم علی الملك))[1]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((حدثنی سفیان بن اللیل قال قلت للحسن بن علی رضی اللہ عنہما لما قدم من الکوفة الی المدینة یا مذل المؤمنین! قال لا تقل ذالك فانی سمعت ابی یقول: لا تذهب الایام واللیالی حتی یملك معاویة فعلمت ان امر الله واقع۔ فکرهت ان تهراق بینی و بینه دماء المسلمین))[2]

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مورخین اور مجتہدین نے اس واقعہ کی تائید بہ عبارت ذیل کی ہے۔

ابوحنیفہ دینوری شیعی نے اپنی مشہور تاریخ ''اخبار الطوال'' میں لکھا ہے:

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴۰ ج ۱۰ تحت کتاب الفتن (مخطوطہ)

کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۷ ج ۳ تحت العصر الاموی خلافۃ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۳۰۵-۳۰۶ ج ۱۰ تحت عبیداللہ بن خلیفہ

۲۔ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۲۰۷، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((فقلت: السلام عليكم يا مذل المومنين! قال وعليك السلام، اجلس لست مذل المومنين، ولكنى معزهم۔ ما اردت بمصالحتى معاوية الا ان ادفع عنكم القتل عند ما رأيت من تباطو اصحابى عن الحرب ونكو لهم عن القتال)) [۱]

''یعنی سفیان نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے مسلمانوں کو ذلت میں ڈالنے اور رسوا کرنے والے! آپ پر سلام ہو۔ تو جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وعلیک السلام کہا اور فرمایا بیٹھ جائیے! میں اہل اسلام کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں بلکہ مسلمانوں کو عزت دینے والا ہوں۔ جب میں نے اپنے ساتھیوں میں جنگ کرنے میں تاخیر اور قتال سے اعراض دیکھا تو میں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے مصالحت کا ارادہ کر لیا تاکہ تم سے خوں ریزی کو دور رکھوں۔''

مزید برآں مضمون بالا کی نوعیت کی متعدد روایات عند الشیعہ دستیاب ہوتی ہیں جن میں مذکور ہے کہ

① حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جب اپنی جماعت کے لوگوں نے صلح ہذا پر ملامت کی اور عار دلائی تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ تمھیں کیا معلوم کہ جو کچھ میں نے عمل کیا؟ اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے عمل کیا ہے (یعنی صلح اختیار کی ہے) یہ ہمارے شیعوں کے حق میں تمام دنیا سے بہتر ہے۔

((عن ابى سعيد عقيصى قال لما صالح الحسن بن على بن ابى طالب معاوية بن ابى سفيان دخل عليه الناس فلامه بعضهم على بيعته فقال ويحكم ما تدرون وما عملت والله للذى عملت خير لشيعتى مما طلعت عليه الشمس او غربت...... الخ)) [۲]

اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کو ملا باقر مجلسی نے ''جلاء العیون'' میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

''چوں حضرت امام حسنؑ با معاویہ صلح کرد مردم بخدمت آں حضرت آمدند بعضی ملامت کردند اورا بہ بیعت معاویہ حضرت فرمودو ای برشما نمیدانید کہ من چہ کار کردہ ام برائے شما بخدا سوگند کہ آنچہ من کردہ ام بہتر است از برائے شیعیان من ازآنچہ آفتاب برآں طالع میگردد۔'' [۳]

② نیز اسی مسئلہ کو امام محمد باقر رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! جو کچھ معاملہ (صلح) حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا وہ اس امت کے حق میں تمام دنیا و ما فیہا

۱۔ اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۱ تحت زیاد بن ابیہ، طبع مصر

۲۔ کتاب الاحتجاج (طبرسی) ص ۱۴۸ تحت احتجاج حسن بن علی معاویہ فی امامہ من یستحقھا، طبع قدیم ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ج ۱۰ تحت علت مصالحت مذکورہ طبع قدیم ایران۔

۳۔ جلاء العیون از ملا باقر ص ۲۹۰ تحت دربیان سبب صلح کردن امام حسنؑ با معاویہ

سے بہتر ہے۔''

((عن ابی جعفر علیہ السلام قال واللہ للذی صنعه الحسن بن علی کان خیرا لهذا الامة مما طلعت علیه الشمس))[۱]

اور ملا باقر مجلسی نے امام محمد باقر رحمہ اللہ کے اس فرمان کو اس طرح ذکر کیا ہے:

''کلینی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت کردہ است کہ صلح کہ حضرت امام حسن علیہ السلام با معاویہ کرد برائے این امت بہتر بود از دنیا و مافیہا۔''[۲]

مختصر یہ ہے کہ شیعہ کے ائمہ کی معتبر روایات کثیرہ کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کر لینا تمام دنیا سے بہتر تھا اور امت اسلامیہ کے حق میں بھی یہ صلح خیر تھی اور دینی مصلحت اسی سے وابستہ تھی۔ اگر یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو اہل اسلام میں قتال و جدال کا ایک باب مفتوح ہو جاتا اور قوم خوں ریزی سے دوچار ہو جاتی۔ اس صلح کی بنا پر ایک عظیم فساد سے امت محفوظ ہو گئی۔

۲) جانبین میں جو صلح ہوئی وہ اس بشارت نبوی کا مصداق ہے جس میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا:

((ان ابنی هذا سید و لعل اللہ ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین))[۳]

''یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔''

اکابر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مصالحت ہوئی وہ کئی فوائد پر مشتمل اور متعدد مصالح کی حامل تھی مثلاً:

۱) یہ صلح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نبوت کے دلائل و براہین میں سے ہے اور پھر جس طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا واقع میں اسی طرح پایا گیا۔

۲) اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اس میں عظیم منقبت ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے حکومت و امارت کو کسی

---

۱ الروضہ من الکافی ص ۲۵۲ ج ۲ مع شرح فارسی روایت ۵۰۶ طبع تہران

۲ جلاء العیون از ملا باقر مجلسی ص ۲۹۲ تحت بیان صلح امام دوم با معاویہ طبع تہران۔

۳ بخاری شریف ص ۳۷۲، ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح تحت باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی: ابنی هذا سید...... الخ طبع نور محمدی دہلی

قلت، ذلت یا علت کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ عند اللہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنے میں آپ نے رغبت فرمائی اپنے منصب خلافت کو ترک کیا اور انھوں نے امر دین کی رعایت کرتے ہوئے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔

③ اس واقعہ صلح میں ان خوارج کا رد ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی کفر کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہادت کے اعتبار سے یہ دونوں طائفے مسلمانوں میں سے ہیں چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ:

((وفی هذه القصة من الفوائد علم من اعلام النبوة ومنقبة للحسن بن علی رضی اللہ عنہما ـ فانه ترك الملك لا لقلة ولا لذلة ولا لعلة بل لرغبته فيما عند الله لما راه من حقن دماء المسلمين فراعى امر الدين ومصلحة الامة وفيها رد على الخوارج الذين كانوا يكفرون عليا رضی اللہ عنہ و من معه ومعاوية رضی اللہ عنہ ومن معه بشهادة النبى صلی اللہ علیہ وسلم للطائفتين بانهم من المسلمين))[1]

اس نوع کے مضمون کو مشہور شارح حدیث ابن العربی مالکی رحمہ اللہ نے اپنی شرح ترمذی میں مذکورہ حدیث شریف کے تحت درج کیا ہے۔[2] بخوف طوالت عبارت ذکر نہیں کی مندرجہ بالا حوالہ کی طرف اہل علم رجوع کر سکتے ہیں۔

تنبیہ

یہ صلح اور مصالحت جہاں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ اور خیر خواہی امت کا عمدہ نمونہ ہے وہاں ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصلحت بینی اور مسلمانوں کے درمیان خون ریزی سے بچاؤ کرنے کی ایک بہترین پیش کش ہے۔ دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صلح بین المسلمین کی طرف بدل و جان راغب تھے اسی بنا پر انھوں نے قریش کے دو مشاہیر (عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ) کو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بڑے اہتمام کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ:

((فقال (معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما) اذهبا الى هذا الرجل فاعرضا عليه وقولا له وطلبا اليه فاتياه فدخلا عليه فتكلما وقالا له وطلبا اليه...... الخ))[3]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری (ابن حجر) ص ۵۶، جلد ۱۳ تحت الحدیث ابنی هذا سید...... الخ

[2] شرح ترمذی (ابن العربی مالکی) ص ۲۲۹، ۲۳۱ جلد ۱۳ تحت الحدیث ابنی هذا سید...... الخ

[3] بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما

''یعنی تم دونوں حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاؤ اور ان پر صلح کا مسئلہ پیش کرو اور ان سے صلح کی بات کرو۔ اس کے بعد وہ دونوں حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھوں نے اس معاملہ پر گفتگو کی اور صلح کو طلب کیا...... الخ (پھر مصالحت فریقین میں ہوگئی جیسا کہ اوپر روایت گزر چکی ہے)۔''

(۳) ایک اہم فیصلہ

بعض لوگوں کی طرف سے اہل اسلام میں یہ چیز نشر کی جاتی ہے کہ خلافت و امامت ایک مخصوص منصب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے مخصوص افراد کے لیے مختص ہے ان حضرات کے ماسوا کسی شخص کو امامت اور خلافت کا یہ حق نہ پہنچے گا اور کسی کا شرعاً اس پر حق نہیں۔ اور وہ لوگ اپنے زعم میں اس پر کئی دلائل قائم کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ نظریہ درست نہیں۔ اس قول اور نظریہ کے خلاف جہاں دیگر چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان میں سیدنا امام حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مصالحت کا یہ واقعہ ایک ''اہم فیصلہ'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سپرد کر دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا عقیدہ امامت صحیح نہیں اور امامت و خلافت کا منصب دیگر افراد امت کے لیے بھی درست اور صحیح ہے۔

اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہرگز امر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے پر رضامند نہ ہوتے۔ چنانچہ جس طرح نبوت ایک منصوص منصب ہے اور کوئی نبی کسی غیر نبی کو یہ منصب سپرد نہیں کرتا اسی طرح اگر امامت و خلافت کا منصب بھی کسی دیگر شخص کے سپرد کرنے کے قابل نہیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امامت و خلافت کا منصب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیسے کر دیا؟

ایک اشتباہ

اس مقام پر ایک اشتباہ کا ازالہ کر دینا مفید معلوم ہوتا ہے اشتباہ یہ ہے کہ بعض روایات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں میں مذکور ہے کہ ایک صلح ''ہدنہ علیٰ دخن'' ہوگی یعنی اس صلح کی بنیاد دھوکا دہی پر ہوگی اور وہ کدورت پر مبنی ہوگی۔

بعض لوگوں نے مذکورہ روایت کا محمل اور مصداق حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کو قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مصالحت نیک نیتی پر مبنی نہیں تھی اس میں دھوکا دہی مقصد تھا اور دلوں میں کدورت تھی بلکہ یہ ایک قسم کا غدر تھا۔

ازالہ

اشتباہ مذکور کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے مذکورہ اشتباہ زائل ہو سکے گا:

① پہلی یہ چیز قابل غور ہے کہ روایت مذکورہ بالا ''ہدنہ علیٰ دخن'' او کما ذکر فی الروایہ میں فریقین میں سے کسی شخص کا نام مذکور نہیں اور نہ کسی مقام اور موقع کا وہاں ذکر کیا گیا ہے اور نہ کسی عہد اور زمانے کی تعیین اس میں پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم! یہ کن لوگوں، کس دور اور کس صلح کی طرف اشارہ ہے؟ ان چیزوں کے تعین سے یہ روایت خاموش ہے۔

اب ایسی مجمل پیش گوئی کا مصداق اور محمل حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح قرار دینا بغیر دلیل کے ہے اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا نمونہ ہے۔

② اور دیگر صحیح حدیث میں وارد ہے:

((ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین))

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ صلح اور مصالحت مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوگی اور مفید و منفعت بخش ہوگی۔ یعنی اس میں دھوکا بازی کا معاملہ ہرگز نہیں ہوگا۔ نیز وہ صلح صحیح صلح ہوگی، کسی کدورت پر مبنی نہیں ہوگی۔

اس حدیث کا یہ مضمون جمہور علمائے امت کے نزدیک اپنے مقام پر واضح ہے۔

دوسری روایت (ھدنہ علیٰ دخن) کا محمل اگر حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی اس صلح کو بنایا جائے تو یہ روایت مذکورہ بالا صحیح حدیث کے مضمون اور مفہوم کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ حدیث شریف میں "لعل اللہ ان یصلح بہ" کے الفاظ مذکور ہیں۔ ان میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی بہتر امید وابستہ کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امید امر حق کے موافق ہوتی ہے پس آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ترجی (امید وابستہ کرنا) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت ترک کرنا صحیح ہے اور اس میں کسی جانب سے کوئی "دخن" یعنی خدیعت و خیانت نہیں اور مبنی بر کدورت بھی نہیں اس میں کوئی غدر نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف الصواعق المحرقہ میں ذکر کرتے ہیں کہ:

((فانظر الی ترجیہ صلی اللہ علیہ وسلم الاصلاح بہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم لا یرجوا الا الامر الحق۔ الموافق لواقع فترجیہ للاصلاح من الحسن رضی اللہ عنہ یدل علی صحۃ نزولہ

لمعاویة رضی اللہ عنہ عن الخلافه))[1]

حاصل یہ ہے کہ ان دونوں حضرات (سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے مابین مشہور ''صلح و مصالحت'' ایک بار ہی ہوئی ہے اور وہ صلح آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا صحیح مصداق تھی۔ اسی کے متعلق ترجی یعنی امید وابستہ کرنا مذکور ہے اور وہ امر حق کے موافق تھی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ صلح کی تکمیل تھی۔

اب اس واقعہ میں ایک فریق کے حق میں خدیعت اور خیانت و کدورت و غدر کی نسبت کرنا بالکل بے جا اور ناروا ہے کیونکہ اس طرح تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس صلح میں دھوکا کھایا اور خسارہ اٹھایا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بہتر امید وابستہ تھی وہ معاذ اللہ پوری نہ ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ جس صلح میں دھوکا دہی اور فساد نیت اور غدر ہو وہ صلح ہی کیسے ہوئی؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہدنہ علیٰ دخن والی روایت کا مصداق اگر یہ مصالحت و صلح قرار دی جائے تو ان دونوں روایات کے مفہوم میں تعارض و تخالف واقع ہوتا ہے۔ فلہٰذا ہدنہ علی دخن والی روایت کا مصداق کوئی دوسرا واقعہ ہے یہ مصالحت مذکورہ محمل نہیں۔

(۳) نیز اس مقام پر یہ چیز نہایت قابل لحاظ ہے کہ اس صلح میں بنی ہاشم حضرات اور بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہوئے تھے اور ان حضرات کے عمل و تعامل نے اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس پر رضامند ہو گئے۔

اگر اس صلح کو کدورت اور غدر پر محمول کیا جائے تو کیا ان حضرات کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دھوکا اور فریب کاری کی جا رہی ہے؟ اور کیا یہ حضرات اتنے سادہ لوح غافل اور سطحی فکر کے حامل تھے کہ فریق مقابل کی فریب دہی کو نہ سمجھ سکے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان تمام اکابر بنی ہاشم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدت العمر تعلقات اور روابط درست رہے اور ان کے باہمی تمام معاملات صحیح تھے فلہٰذا یہ چیز بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مصالحت مذکورہ میں کسی قسم کی کدورت نہیں تھی اور نہ وہ بطور خدیعت اور غدر کے واقع ہوئی تھی، ورنہ یہ معاملات کیسے درست رہ سکتے تھے؟

(۴) سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب صلح ہو گئی اور ان تمام حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تو اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق قرار پائے اور مسلمانوں کے امیر المومنین ٹھہرے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ہوئے۔

---

[1] الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۸ (طبع ثانی مصر) تحت الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ فی حقیقۃ خلافۃ معاویہ بعد نزول الحسن لہ

اس چیز کو اکابر علماء نے اپنی تصنیفات میں واضح الفاظ سے ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ الصواعق المحرقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

((وعلى ان تلك الفوائد الشرعية وهى صحة خلافة معاوية رضی اللہ عنہ و قيامه بامور المسلمين وتصرفه فيها بسائر ما تقتضيه الخلافة مترتبة على ذالك الصلح فالحق ثبوت الخلافة لمعاوية رضی اللہ عنہ من حينئذ وانه بعد ذالك خليفة حق وامام صدق))[1]

اورشرح طحاویہ میں قاضی صدرالدین کہتے ہیں کہ:

((انما صار اماما حقا لما فوض اليه الحسن بن على الخلافة...... الخ))[2]

اکابرین امت کی جانب سے تائید

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح ہذا کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا برحق خلیفہ ہونا اس دور کے تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ کیونکہ اس دور کے اہل حل وعقد کا اجماع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر منعقد ہو گیا تھا اور اس مسئلہ خلافت میں دیگر کوئی شخص اس وقت مشارک اور مدافع بھی موجود نہیں تھا اس بنا پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت ہذا کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ٹھہرے اور اکابرین امت میں سے علی العموم کسی نے اختلاف نہیں کھڑا کیا اور اگر بعض افراد نے انفرادی طور پر اختلاف کیا ہے تو وہ کثیر امت اور اہل حل وعقد کے مقابلہ میں قلیل وشاذ کا حکم رکھتا ہے جس کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں (للاکثر حکم الکل)

چنانچہ ہم تابعین میں سے امام اوزاعی رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں ایک تائیدی بیان ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((عن الاوزاعى قال ادركت خلافة معاوية عدة من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم منهم سعد واسامة وجابر وابن عمر و زيد بن ثابت و مسلمه بن مخلد و ابوسعيد ورافع بن خديج و ابوامامة وانس بن مالك (رضی اللہ عنہم) و رجال اكثر من سمينا باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى و اوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله واخذوا عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تاويله ومن التابعين لهم باحسان ان شاء الله منهم المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الاسود ابن

---

[1] الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۸ ج ۲ (شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی متوفی ۹۷۳ھ) تحت الخاتمہ بیان اعتقاد اہل السنہ...... الخ

[2] شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ (قاضی صدرالدین ابن ابی العز حنفی) ص ۴۳۰ تحت قولہ ثم لعلی بن ابی طالب، مکتبہ ریاض

عبدیغوث و سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر و عبداللہ بن محیریز فی اشباہ لھم لم ینزعوا یدا من جماعۃ فی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ابو امامہ، انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ جن اشخاص کا ہم نے نام ذکر کیا ہے اس سے بھی دو گنے بلکہ زیادہ افراد موجود تھے۔ یہ حضرات اپنے مقام پر ہدایت کے چراغ تھے، اورعلم دین کے محفوظ رکھنے والے تھے، کتاب اللہ کے نزول کے وقت حاضر تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کے معانی اور مفاہیم انھوں نے حاصل کیے۔ اورتابعین میں سے اکابر حضرات مثلاً مسور بن مخرمہ، عبدالرحمٰن بن اسود، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اورعبداللہ بن محیریز وغیرہم رحمہم اللہ موجود تھے۔ ان تمام اکابرین نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں) امت محمدیہ کی جماعت سے اپنے ہاتھ کونہیں کھینچا (یعنی اہل اسلام کی جماعت سے متفق اور متعاون رہےاور وحدت اسلامی کوملحوظ رکھا۔)''

بیان بالا سے واضح ہوا کہ صلح مذکور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور میں مسلم خلیفۃ المسلمین تھے اور ان کی خلافت برحق تھی اور حکومت عادلہ تھی اس دور کے اکابر نے ان کی بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا بلکہ انھیں صحیح خلیفہ تسلیم کرلیا۔ ان حضرات کا یہ عملی تعاون صحت خلافت کے لیے واضح ثبوت ہے۔

اس مقام پر صحابہ کے مخالف لوگوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت کے حق میں درج ذیل تاثرات ذکر کیے ہیں کہ:

- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حقیقتاً خلافت نہ تھی بلکہ صورتاً خلافت تھی اور جابرانہ وظالمانہ حکومت تھی۔
- اور معاویہ رضی اللہ عنہ لڑ کر خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے، ان کی خلافت کا انحصار مسلمانوں کی رضامندی پر نہیں تھا، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے تھے۔ وغیرہ وغیرہ

مندرجات بالا کی روشنی میں ان لوگوں کے یہ نظریات ہرگز درست نہیں اور واقعات کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے اکابرین کے فرمودات بالا اور بیانات سابقہ کے سراسر منافی اور معارض ہیں فلہٰذا یہ نظریات قطعاً ناقابل قبول ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے جا تعصب وعناد پر مبنی ہیں۔

---

[1] تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) ص ۷۲۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)
کتاب الاباطیل (جوزقانی) ص ۲۰۷-۲۰۸ روایت ۱۹۲

الحاصل

سیدنا حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں بقدر ضرورت کیا گیا ہے۔ اس تاریخی صلح کے بعد اہل اسلام میں ایک عظیم انتشار ختم ہو گیا اور دونوں حضرات اپنے اپنے مراکز کی طرف واپس ہو گئے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مراجعت کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ترحل الحسن ابن علی رضی اللہ عنہما و معه اخوه الحسین رضی اللہ عنہما وبقیه اخوتهم وابن عمهم عبدالله بن جعفر رضی اللہ عنہ من ارض العراق الی ارض المدینة النبویة علی ساکنها افضل الصلاة والسلام وجعل کلما مر بحی من شیعتهم یبکتونه علی ما صنع من نزوله عن الامر لمعاویة، وهو فی ذلك هو البار الراشد الممدوح، ولیس یجد فی صدره حرجا ولا تلوما ولا ندما بل هو راض بذالك مستبشر به))[1]

''یعنی حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے برادر مکرم سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سمیت اپنے دیگر بھائیوں اور چچا زاد برادر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی معیت میں ارض عراق سے مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جب یہ حضرات اپنے شیعوں اور حامی قبائل کے پاس سے گزرتے تھے تو بعض لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو ترک کر دینے پر عار دلاتے، ملامت کرتے اور سخت الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حالانکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ درست معاملہ کرنے والے نیک طینت شخص تھے اور وہ ان لوگوں کے اس برے رویہ سے اپنے اندر کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے اس مصالحت کے فعل پر بشرح صدر خوش اور مطمئن تھے اور انھوں نے وقتی تقاضوں کے تحت درست فیصلہ کر کے یہ صورت اختیار کی تھی۔''

بہر حال یہ حضرات ایک افتراق عظیم ختم کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں اقامت پذیر ہو گئے۔

٥

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ مصالحت کے بعد علاقہ ہذا کے انتظامات کی طرف توجہ مبذول کی۔ کوفہ کے علاقہ پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو والی اور حاکم مقرر کیا، بصرہ کے علاقہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حاکم متعین فرمایا اور اس کے بعد آپ دمشق کی طرف واپس تشریف لائے۔

چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے کہ:

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹ ج ۸ تحت ۴۱ھ طبع اول مصر

((وولی معاویة رضی اللہ عنہ الکوفه المغیره بن شعبة رضی اللہ عنہ و البصره عبدالله بن عامر رضی اللہ عنہ و رجع الی دمشق))[1]

اس واقعہ مصالحت پر سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تیسرا دور ختم ہوا۔ اب اس کے بعد آپ کی سیرت کا چوتھا دور شروع ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اختتامی کلمات برائے دور سوم

اس دور میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت تک کے حالات و واقعات کو ایک ترتیب سے مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

- شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل حفاظتی تدابیر اور محاصرہ دار عثمانؓ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی۔
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دیگر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت بیعت علوی سے توقف۔
- واقعہ صفین کے متعلقات۔
- واقعہ تحکیم اور اس میں ناکامی۔
- مقتولین صفین کے متعلق فریقین کے تاثرات
- فریقین میں مصالحت اور معاہدہ جنگ بندی۔
- خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات۔
- سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت وغیرہ وغیرہ۔

اس دور میں مذکورہ بالا اہم عنوانات کے واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے متعدد دیگر متعلقہ تفصیلات کو بھی زیر بحث لایا گیا خصوصاً اس دور کے مشاجرات صحابہ کو حتی المقدور صاف کرنے کی کوشش کی گئی۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۵۳، ج ۱۳ تحت روایت ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح ...... الخ

دور چہارم

عہد خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''عہد خلافت'' اسلام میں بڑا اہم دور ہے۔ اس دور میں اسلام کو کامل فروغ حاصل ہوا، دین وشریعت کے تمام شعبوں میں ترقی ہوئی اور اس عہد کے باقی مخالف ادیان یہود ونصاریٰ وغیرہ پر اسلام غالب آ گیا اور اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ عظیم سلطنتوں کا زور ٹوٹ گیا۔

چنانچہ اس زریں عہد کے حالات اور واقعات لاتعداد پائے جاتے ہیں لیکن حسب مقدور انھیں کم وبیش بارہ فصول کی شکل میں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، ان پر نظر غائر کرنے سے اس دور کی قدر ومنزلت اور اہمیت واضح ہو سکے گی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات کا اندازہ ہو سکے گا، اور ان کی حکومت عادلہ کا بہترین نقشہ سامنے آ سکے گا۔

لیکن شرط یہ ہے کہ عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام مندرجات پر ناظرین باتمکین ایک منصفانہ نظر فرمائیں اور دور ہذا کے مخالف دوستوں کے پروپیگنڈے پر بھی نگاہ ڈالیں، پھر بہ تقاضائے انصاف خود موازنہ کریں۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

فصل اول

مسئلہ خوارج، بغاوتیں، شرقی ممالک کی فتوحات

عہد مرتضوی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت تک کے درمیانی عرصہ میں اسلامی فتوحات کے سلسلے میں کچھ پیش رفت نہ ہو سکی۔ یہ ایک گونہ ابتلا کا دور تھا[1] جو قریباً ساڑھے پانچ سال تک رہا۔

اب موجودہ حالات کے اعتبار سے اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے گویا دور جدید کا آغاز ہوا۔ اس وقت بے شمار حل طلب مسائل در پیش تھے، لیکن جناب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ اولاً خارجیوں کی سرکوبی اور مفتوحہ علاقوں میں امن و امان قائم کرنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی، اور کامل التفات کیا۔

بنا بریں پہلے خوارج کے متعلقہ چیزیں پھر باغیوں کی شورشوں کو فرو کرنے کی کوششیں ذکر ہوں گی، اس کے بعد فتوحات و غزوات کے واقعات ایک ترتیب سے بیان کیے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

خوارج

جن جماعتوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حصہ لیا وہی لوگ اس واقعہ کے بعد مختلف نظریاتی طبقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے کچھ طبقات ایسے تھے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بظاہر حضرت موصوف کے معاون و موافق رہے، لیکن واقعہ تحکیم کے بعد علی الاعلان پوری مخالفت پر اتر آئے۔ اپنی شدت طبع اور کج فہمی کی بنا پر آنجناب کے شدید معاند ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا اصحابہ رضی اللہ عنہم کو تحکیم قبول کر لینے کی وجہ سے ایمان سے خارج تصور کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کو برحق تسلیم کرنے والے اشخاص کو نیز حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہم کو ایمان سے برگشتہ قرار دیتے تھے۔ اور ان کا نظریہ یہ بھی تھا کہ جو شخص بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔[2]

ان باطل نظریات کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے خلاف قتال کیا

---

[1] المنتقیٰ (ذہبی) ص ۲۵۱

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳-۲۵۶ ج ۷ تحت مسیر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ من المدینہ الی البصرہ

اور متعدد جنگی معارضے ہوئے۔ ان لوگوں کو خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (جیسا کہ اس مقام کے حالات میں مورخین نے ذکر کیا ہے اور ہم نے بھی قبل ازیں ان خوارج کے مختصر حالات ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں صفحہ ۳۱۲ اور ۳۸۲ اور ۳۸۷ پر ذکر کیے ہیں)۔ یہ فرقہ نہایت تشدد پسند تھا۔ ذیل میں ایک واقعہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے جس سے اس فرقہ باطلہ کا تشدد عیاں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی فسادی فطرت واضح ہوتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بار عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر میں تھے، اسی دوران میں چند خارجیوں نے انھیں پکڑ لیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ جواباً عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں عبداللہ بن خباب صحابی رسول ہوں اور میرے ساتھ میری اہلیہ ہے جو پر امید ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے کہا کہ میں ان حضرات کو ثنائے خیر سے یاد کرتا ہوں اور بہتر جانتا ہوں۔ اس بات پر خوارج نے انھیں ذبح کر ڈالا اور ان کی اہلیہ کا پیٹ چاک کر کے قتل کر دیا حالانکہ وہ حاملہ تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں عورت ہوں اور کیا تم اللہ سے خوف نہیں کرتے؟

اس واقعہ کو ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وقتل عبدالله بن خباب رضي الله عنه الخوارج كان طائفة منهم اقبلوا من البصرة الى اخوانهم من اهل الكوفة، فلقوا عبدالله بن خباب رضي الله عنه و معه امراته، فقالوا له: من انت؟ قال انا عبدالله بن خباب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألوا عن ابى بكر و وعمر و عثمان وعلى فانثى عليهم خيرا فذبحوه فسأل دمه فى الماء قتلوا لامرأة وهى حامل متم منه فقالت انا امرأة الا تتقون الله فبقروا بطنها))[1]

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں اس متشدد فرقہ خوارج کی طرف خاص توجہ کی۔

اب ذیل میں خوارج کے خلاف معارضات کے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں:

خروج علی الخوارج

① حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے علاقہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ کوفہ کے مضافات میں ''نخیلہ'' کے مقام پر خارجیوں کا ایک گروہ عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کی سرکردگی میں مرکزی خلافت کے خلاف

[1] اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۱۵۰ ج ۳ تحت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۹۴ ج ۲ تحت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مع الاستیعاب

شورش برپا کیے ہوئے ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شورش کو فرو کرنے کے لیے خالد بن عرفطہ عذری رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ انھوں نے خارجیوں کا مقابلہ کیا اور ان کے رئیس ابن ابی الحوساء کو جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں قتل کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔[1]

(۲) عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کے قتل کے قلیل عرصہ بعد خارجیوں کا ایک دوسرا گروہ رونما ہوا جس کا رئیس حوثرہ بن ذراع تھا۔ ان خوارج کی سرکوبی کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عوف ابن احمر کو ایک ہزار لشکریوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور انھوں نے جمادی الاخری ۴۱ھ میں حوثرہ بن ذداع مذکور کو قتل کر کے اس شورش کو ختم کر دیا۔[2]

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ ایام کوفہ میں قیام فرمایا، اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امیر کوفہ مقرر فرما کر ملک شام کی طرف چلے آئے۔ اس دوران میں کوفہ میں خارجیوں کی ایک دیگر جماعت خلیفہ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی جس کا قائد بقول بعض مورخین فروہ بن نوفل اشجعی تھا۔

اس موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے اس گروہ کی سرکوبی کے لیے شبث بن ربعی اور بقول بعض معقل بن قیس کی قیادت میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ انھوں نے خارجیوں سے مقابلہ کیا اور ان کے رئیس فروہ بن نوفل کو قتل کر کے اس فتنہ انگیز آتش کو فرو کیا۔[3]

(۴) بصرہ کے قریب ایک مشہور پل تھا، اس کے نواح میں خارجیوں کے ایک گروہ نے سہم بن غالب ہجیمی اور خطیم باہلی کی سرکردگی میں صحابی رسول عبادہ بن قرص لیثی رضی اللہ عنہ کو معارضہ کر کے شہید کر دیا، اس وقت بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان خارجیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ جب ان کے ہاں پہنچے تو خارجیوں سے معارضہ ہوا، خارجیوں کے بعض شریر عناصر قتل ہو گئے مگر سہم اور خطیم مذکور نے امان طلب کر لی۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو امان دے دی اور اس طرح اس فتنہ کو ناکام کر دیا۔[4]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اپنے تاریخ اسلام جز ثانی میں ۴۱ھ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ بن ابی الحوساء سہم بن غالب ہجیمی اور خطیم باہلی نے خروج کیا۔ پھر ان خوارج کی سرکوبی کے

---

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ

۳ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۰۶ ج ۳ تحت سنہ ۴۱ھ تذکرہ خروج فروہ بن نوفل

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۰۹ ج ۳ تحت سنہ ۴۱ھ

لیے مساعی کی گئیں اور ان کی شورشوں کو فرو کیا گیا۔ مزید تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

۴۳ھ میں واقعہ خوارج

اس سال خوارج اور جنود کوفہ کے مابین ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ مستورد بن علقمہ خارجی کی سرکردگی میں اپنے پروگرام کے مطابق بہت سے خوارج اپنے مقام پر جمع ہوئے، (یہ لوگ نظریاتی طور پر اسلامی مرکزیت اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف تھے، اپنے مجوزہ امیر کے ماسوا کسی کو امیر اور خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے امیر اور اپنی جماعت کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اور خلیفۃ المسلمین کو اسلام سے خارج قرار دیتے تھے۔

انھوں نے مستورد کو امیر المومنین قرار دیا اور اس کی بیعت کر لی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس سال ۴۳ھ میں علاقہ کوفہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم اور والی تھے۔ انھوں نے ان خوارج کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے تیاری کی اور ایک لشکر تجویز کیا اور اس کا امیر معقل بن قیس کو بنایا، اور لشکر کے مقدمۃ الجیش کا امیر ابوالرواغ مقرر کیا۔ ان لوگوں کا خوارج کے ساتھ شدید مقابلہ و معارضہ ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فتح عطا فرمائی۔[2] خوارج نے بری طرح شکست کھائی اس طرح اپنے پروگرام میں ناکام ہو کر خائب و خاسر ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ مختلف مواقع پر خوارج نے اس دور میں فتنے برپا کرنے کی کوششیں کیں اور مرکز کے خلاف شورشیں کھڑی کرنے کی حرکتیں کیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام نے نظم و ضبط قائم رکھنے کی خاطر ان لوگوں کو دبا دیا اور ان کی مفسدانہ حرکات کو ناکام بنا دیا۔

بغاوتیں

قبل ازیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں خوارج کی طرف سے بعض شورشیں رونما ہونے کا کچھ مختصر تذکرہ ہم کر آئے ہیں۔

اب اس کے بعد جن مقامات پر فتوحات کے بعد بغاوتیں کھڑی ہوئیں، ان کو فرو کرنے کے لیے جو کوششیں کی گئیں اجمالاً ان کا حال درج کیا جاتا ہے۔

ہرات، بلخ، بوشنج اور بادغیس وغیرہ کے علاقہ جات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہو کر اہل اسلام کے زیر نگیں تھے، پھر ۴۱ھ میں ان علاقوں میں بغاوتیں رونما ہوئیں۔ ان مشرقی ممالک پر حضرت امیر

---

1. تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۰۹ ج ۲ تحت سنہ ۴۱ھ
2. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴-۲۵ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ طبع اول مصر
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۲-۲۱۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ طبع مصر۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی اور حاکم تھے۔ انھوں نے بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے عمدہ تدابیر اختیار کیں اور قیس بن الہیثم سلمی کو خراسان کے علاقے کا والی مقرر کیا تا کہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کریں۔ چنانچہ قیس بن الہیثم ان علاقہ جات کو دوبارہ فتح کرتے ہوئے بلخ تک پہنچے اور وہاں کے آتش کدہ کو ختم کر دیا۔ اس مہم میں عطاء بن سائب (مولیٰ بنی لیث) ان کے خصوصی معاون اور کارکن تھے۔ ہرات کا شہر بھی اس مہم میں فتح ہوا۔ ان علاقوں میں پلوں کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ تین عدد مشہور پل وہاں تعمیر کرائے گئے۔ اس کے بعد اہل بلخ نے قیس بن الہیثم مذکور سے صلح کا تقاضا کیا اور زیر اطاعت رہنے کا اقرار کیا تو قیس نے ان کی گزارش منظور کرتے ہوئے صلح کر لی۔[1]

بعض مورخین نے ان مہمات کے سر کرنے میں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن خازم سلمی رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا ہے، ان تمام حضرات نے مقامات مذکورہ کو دوبارہ فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔[2]

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کابل اور اس کے ملحقہ علاقہ جات فتح ہو چکے تھے لیکن بعد میں ان مقامات کے باشندوں نے خلیفہ اسلام کے خلاف بغاوت کر دی تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جو ان ممالک کے لیے مرکزی حاکم تھے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو بجستان کا حاکم مقرر کیا تا کہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کریں، اور ان کے ساتھ عباد بن حصین حبطی اور عمرو بن عبیداللہ بن معمر وغیرہ معاونین روانہ کیے۔

یہ لوگ باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل تک پہنچے، وہاں پہنچ کر کابل شہر کا محاصرہ کر لیا اور اطراف میں منجنیقیں نصب کر دیں اور اس طرح شہر کی پوری ناکہ بندی کر کے اہل شہر کے ساتھ معارضہ اور مقابلہ کیا اور زور دار معارضہ کے بعد ان کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اسی سلسلہ میں اس علاقہ کے باقی مشہور مقامات بست، رخج، زراں، خشک، زابلستان، غزنہ وغیرہ کو ان حضرات نے فتح کر کے اہل اسلام کے زیر نگیں کیا، اب یہ تمام علاقہ جات مسلمانوں کے ماتحت ہو گئے۔[3]

باغیوں کی شورشوں کو فرو کرنا خلافت اسلامیہ کی مرکزیت کو مستحکم کرنے، اس کی کماحقہ حفاظت کرنے اور

---

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۶ تحت واقعات خراسان
الکامل (ابن اثیر) ص ۲۰۸-۲۰۹ ج ۳ تحت ذکر ولایہ قیس
البدایہ ص ۲۴ ج ۸ طبع اول تحت ۴۲ھ

۲ کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۴۴-۵۷ طبع قدیم نجف

۳ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۷ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ ذکر عود عبدالرحمٰن الی ولدیہ بجستان طبع مصر۔
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۱۷ ج ۲ تحت ایام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع بیروت
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۳-۴۰۴ تحت بجستان و کابل۔

امن وامان قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا، چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے یہ مساعی کی گئیں جو بارآور ہوئیں۔

فتوحات

ماقبل میں بغاوتوں کو فرو کرنے کے چند ایک واقعات مختصراً ذکر کیے گئے ہیں، اس کے بعد اب یہاں فتوحات کا سلسلہ ایک ترتیب سے اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشرقی ممالک میں بغاوتوں کو فرو کرنے کی جس طرح کوششیں کیں، اسی طرح ان ممالک میں فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس دور میں بصرہ کو انتظامی امور کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم اور والی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو صغار صحابہ میں سے تھے اور اپنی قابلیت وصلاحیت کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے حاکم بصرہ چلے آرہے تھے پھر ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ولایت بصرہ کے منصب پر بحال رکھا گیا۔

چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت کے دور میں بجستان کے علاقہ میں جہاد کے لیے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا، اور ان کے ساتھ اس غزوہ میں متعدد حضرات مثلاً مہلب بن ابی صفرہ اور حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ کو شامل کیا۔ پھر انھوں نے مقام زرنج، اہواز اور کابل وغیرہ کے علاقہ جات فتح کیے اور بجستان کے علاقہ میں رخج وغیرہ مقامات کو بھی فتح کیا۔[۱]

مورخین کے بیانات کے مطابق اس دور میں کئی مقامات مثلاً زراں، خشک رخج زابلستان وغیرہ کے لوگوں نے نقض عہد کیا اور ان سے معارضے ہوئے اور پھر دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا گیا۔[۲]

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۵ھ میں حارث بن عبداللہ ازدی کو بصرہ کا والی بنایا لیکن چار مہینے کے بعد ان کو وہاں سے ہٹا دیا اور زیاد کو بصرہ کا والی بنایا، چنانچہ زیاد اپنے منصب کو سنبھالنے کے لیے جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں بصرہ میں داخل ہوا۔ اس دوران میں زیاد نے صحابہ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا، چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں منصب قضا کا والی بنایا اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کے علاقے پر نائب بنایا اور ساتھ غزوات کے کچھ معاملات بھی ان کے سپرد کیے، چنانچہ اس سال حکم رضی اللہ عنہ نے جبل الاسل کے علاقے میں جہاد شروع کیا، مقابلہ میں دشمن کے بہت سے لوگ مارے گئے اور بعض لوگوں کو قیدی بنا لیا

---

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۰۹، ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۲-۴۳ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۴ تحت عنوان بجستان وکابل۔

گیا اور اموال کثیرہ غنائم کے طور پر حاصل ہوئے اس سے اہل اسلام کو بہت نفع ہوا۔[۱] اسی طرح سمرہ بن جندب، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم زیاد کے دور میں بطور نیابت اسلامی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد ۴۶ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سجستان کی امارت سے بدل کر ان کی جگہ ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ پھر اس دور میں سجستان کے علاقے میں ترکوں نے جوش دکھلایا لیکن آخر کار کابل، زابلستان اور رخج کے علاقوں پر ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کی اور مخالفین کو شکست فاش ہوئی۔[۲]

بعض مورخین نے اس مقام پر تحریر کیا ہے کہ خراسان پر حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ زیاد کی طرف سے والی اور حاکم تھے، ان کے انتقال کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو خراسان کا والی بنایا۔ انھوں نے بلخ کو صلحاً فتح کیا اور کوہستان کے علاقہ کو فریق مخالف سے مقابلہ کر کے فتح کیا۔ قریب ہی ترک آباد تھے۔ انھوں نے معارضہ کیا تو ترک طرخان کے علاوہ سب کو قتل کر دیا گیا۔ ترک طرخان بعد میں قتیبہ بن مسلم کے ہاتھوں قتل ہوا۔[۳]

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ ماوراء النہر کے علاقہ میں ۵۱ھ میں ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔ ان سے قبل حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اس علاقے میں پہنچے تھے اور انھوں نے پہلی مرتبہ اس نہر (دریائے جیحون) کو عبور کیا، آپ کے غلام نے اس دریا سے خود بھی پانی پیا اور اپنے سردار کو بھی پلایا۔ پھر حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس دریا کے پانی سے وضو کیا اور دو رکعت نوافل شکرانہ ادا کیے، اور بعد میں اس علاقہ سے واپس چلے آئے۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بعد ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ اس علاقے میں پہنچے اور دریا کے پار (ماوراء النہر) جہاد کیا۔ بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور پھر سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔[۴]

خراسان، ترکستان، سجستان، سمرقند و بخارا وغیرہ کی فتوحات

۵۳ھ میں زیاد بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کے فرزند عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے بخارا کے کوہستانی علاقہ میں اونٹوں پر سفر کیا اور بخارا کے علاقہ میں متعدد مقامات رامنی، نسف اور بیکند وغیرہ علاقوں کو فتح کر کے اسلام کا پرچم بلند کیا۔ اس دور میں یہ

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۵ھ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲-۱۹۳ ج ا تحت سنہ ۴۶ھ

۳ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۴ تحت عنوان سجستان و کابل

۴ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۶ ج ۸ تحت تذکرہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

علاقہ ترکوں کے ماتحت تھا۔ ابن زیاد نے ان کو شکست دی۔ ترکوں کے بادشاہ کے ساتھ اس کی ملکہ بھی تھی، ترکوں کے ساتھ یہ شدید ترین قتال تھا۔ ابن زیاد نے خراسان کے علاقہ میں اس دوران میں قریباً دو سال تک قیام کیا، اور مفتوحہ مقامات کے انتظامی امور کو درست کیا۔[1]

عبیداللہ بن زیاد کے بعد خراسان کے علاقہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا۔ انھوں نے دریائے جیحون کو اپنے لشکر سمیت عبور کیا، اور پیش قدمی کر کے ان علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔

اس علاقے کی والی ایک خاتون تھی جب اسے ان کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے صلح کی پیش کش کی اور اہل صغد اور ترک اور اہل کش وغیرہ کے باشندوں نے سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ سے صلح کی خواہش ظاہر کی اور ایک لاکھ بیس ہزار درہم ادا کرنا منظور کیا۔

بخارا کے مضافات اور علاقہ جات فتح ہونے کے بعد سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بخارا کے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر بخارا کی فتح کے بعد سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے سمرقند کی طرف اقدام کیا۔ اہل سمرقند سے زبردست مقابلہ ہوا اور یہ قتال تین دن تک جاری رہا۔ مشہور قول کے مطابق دوران جنگ میں سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک جرنیل مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ دونوں کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔

افواج اسلام نے مخالفین کے ساتھ شدید معارضہ کیا اور سمرقند شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب اہل شہر کو اپنی ہلاکت کا خطرہ ہوا تو انھوں نے اہل اسلام سے صلح کی پیش کش کی۔ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر صلح کی کہ اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ ادا کریں گے اور مسلمان شہر سمرقند کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے سرے کے دروازہ سے نکل جائیں گے۔[2]

اور اس مقام پر شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بخارا فتح ہوا، اس مہم میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ والی اور نگران تھے۔[3] جرجان کے علاقہ کی فتح بھی سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔[4]

نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بلخ اور مدائن وغیرہ کو اہل اسلام نے جب فتح کیا تو عبدالرحمٰن بن سمرہ

۱۔ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ج ۳ ص ۲۴۷ تحت استعمال عبیداللہ بن زیاد علیٰ خراسان

۲۔ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۷، ۴۱۸ تحت حالات خراسان

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۲ ج ۱ غزوہ سمرقند ۵۶ھ

۳۔ کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۵۰-۵۴ طبع قدیم نجف اشرف

۴۔ کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۵۱ طبع قدیم نجف اشرف۔

رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں یہ فتوحات ہوئی تھیں۔[1]

ایک اہم واقعہ

خراسان کے علاقہ میں بے شمار جنگی مہمات پیش آئیں اور اہل اسلام نے ان جنگوں میں اسلام کے فروغ اور ترقی کے لیے بے شمار کوششیں کیں۔ اس دور میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مساعی میں پیش پیش رہے اور بنی ہاشم کے اکابر میں سے بھی بعض حضرات ان مہمات میں شامل ہوئے اور شریک ثواب رہے۔ چنانچہ سمرقند کی فتوحات میں ایک ہاشمی بزرگ کی شرکت اہل سیرت وتاریخ نے ذکر کی ہے۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے:

((قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان وعليها سعيد بن عثمان بن عفان فقال له اضرب لك بالف سهم! فقال: لا بل خمس، ثم اعط الناس حقوقهم ثم اعطني بعد ما شئت))[2]

اور بلاذری نے اس طرح ذکر کیا ہے:

((قدم قثم رضي الله عنه على سعيد بن عثمان رضي الله عنه بخراسان فقال له سعيد اعطيك من المغنم الف سهم فقال لا ولكن اعطني سهما لي وسهما لفرسي))[3]

"یعنی ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما خراسان کے غزوات میں شامل ہوئے اور اس وقت ان غازیوں کے امیر سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے خصوصی رعایت دیتے ہوئے قثم بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں آپ کے لیے غنائم میں سے ایک ہزار حصہ دینا چاہتا ہوں تو قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ اس طرح نہ کریں، بلکہ حسب قاعدہ غنائم سے خمس نکالیے اور باقی غازیوں کو ان کے حقوق کے مطابق عطا کیجیے اور مجھے اور میرے گھوڑے کے لیے حسب قاعدہ ایک ایک حصہ دے دیں۔ پھر اس کے بعد اگر آپ کوئی زائد چیز دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔"

علماء فرماتے ہیں کہ قثم رضی اللہ عنہ سمرقند کے غزوات میں شامل تھے۔ سمرقند میں ہی شہید ہوئے اور آپ کا مزار بھی سمرقند کے علاقہ میں ہے۔

---

[1] کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۵۰ طبع قدیم نجف اشرف

[2] طبقات ابن سعد، ص ۱۰۱ ج ۷ قسم ثانی تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

[3] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۹ تحت حالات خراسان

تنبیہ

یہاں قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک مختصر سی تشریح کر دینی مناسب سمجھی گئی ہے۔ قثم رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں سے مشہور صاحبزادے ہیں انھیں صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے۔ آپ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے رضاعی برادر بھی ہیں۔ روایت میں ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ آپ کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر سوار کیا۔ اور علمائے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ:

((کان یشبه النبی صلی الله علیه وسلم واخر الناس به عهدا))[1]

((وکان قثم رضی الله عنه سید ورعا فاضلا...... الخ))[2]

''یعنی قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہری مشابہت رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں اترنے والوں میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے باہر نکلے تھے۔''

''قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں علماء فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان میں سردار متقی اور علم و فضل میں فائق تھے۔''

اور شیعہ کے اکابر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ پر ہمیشہ والی رہے، حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خارجیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ نیز لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سمرقند کے علاقہ میں حضرت قثم رضی اللہ عنہ اہل اسلام کی فوج میں شامل تھے اور آپ وہیں (سمرقند میں) شہید ہوئے۔ شیعہ فاضل ابن میثم بحرانی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں مندرجہ بالا چیز بہ عبارت ذیل نقل کی ہے:

((هو قثم بن العباس بن عبد المطلب لم یزل والیا علی مکة لعلی علیه السلام حتی قتل (علی) واستشهد بسمرقند فی زمن معاویة))[3]

---

[1] اسد الغابہ ص ۱۹۷ ج ۴ تحت باب القاف ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

[2] طبقات ابن سعد ص ۱۰۱ ج ۷ قسم ثانی تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

[3] شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۲۷ ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ علیہ السلام الی قثم بن عباس وہو عاملہ علیٰ مکہ، طبع تہران۔
تاریخ یعقوبی ص ۲۳۷ ج ۲ تحت حالات امیر معاویہ طبع بیروت۔

فائدہ

① اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم حضرات جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی جنگی مہمات میں بخوشی شامل ہوئے اور اس کار خیر میں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔

② ان حضرات میں قبائلی تعصب نہیں تھا بلکہ احیائے دین کی خاطر ایک دوسرے کے مددگار و متعاون رہتے تھے۔

③ نیز خلافت و ولایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق تھی اور ان کے تصرفات اسلام کے مطابق صحیح تھے، اور یہ چیز بنو ہاشم کے تعامل سے ثابت ہو رہی ہے۔ مسائل ہذا میں ان حضرات کا تعامل و تعاون مستقل شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔

طبرستان کی مہم

طبرستان اور اس کے نواحی علاقہ جات کی فتوحات کے سلسلے میں مورخین کی تاریخی روایات مختلف پائی جاتی ہیں۔ بعض مورخین کے بقول سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی مساعی سے یہ علاقہ فتح ہوا۔ اور بعض دیگر روایات کے مطابق عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس علاقہ میں مہم جاری رکھی اور ان علاقوں کو فتح کرنے کی کوششیں کیں۔

اور یہ بھی روایات میں پایا جاتا ہے کہ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ امیر کوفہ نے مصقلہ بن ہبیرہ رحمہ اللہ کو طبرستان کے علاقہ جات پر حاکم بنا کر روانہ کیا۔ انھوں نے دشمن کی افواج سے مقابلہ کیا اور فتوح البلدان (بلاذری) کے بیان کے مطابق وہ اس مہم میں دشمن کی حیلہ گری کا شکار ہو کر اپنے فوجی دستہ سمیت شہید ہو گیا۔ اور بعض دیگر مورخین مثلاً خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ کے بیانات کے مطابق مصقلہ رحمہ اللہ اس مہم میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے اہل طبرستان کو اپنی شرائط پر صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔

بہرکیف طبرستان کے علاقہ جات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مفتوح ہو کر اہل اسلام کے زیر نگیں ہو گئے تھے۔

سندھ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں اہل اسلام کی طرف سے سندھ کی طرف پیش قدمی ہو چکی تھی اور اس دور میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے والی تھے، ان کی طرف سے راشد بن عمرو جدیدی کو ثغر ہند (ہندوستان کے علاقے) کا حاکم مقرر کیا گیا۔ انھوں نے سندھ کی طرف پیش قدمی کی اور ان علاقوں میں اقامت پذیر رہے اور یکے بعد دیگرے بلاد سندھ پر حملے کیے اور دور تک اندر چلے گئے۔[1]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ا تحت ۴۲-۴۳ھ

کچھ ایام کے بعد مکران کے علاقہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کو والی مقرر فرمایا، اور انھوں نے وہاں فتوحات میں پوری کوششیں کیں۔[۱]

اسی دور میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مساعی سے کابل فتح ہوا اور وہاں ابوقتادہ عدوی شہید ہوئے۔ مخالفین کے کئی لوگوں کو قیدی بنالیا گیا جن میں سے بعض بہت مشہور ہوئے۔ مثلاً مکحول، سالم بن عجلان، نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہم رحمہم اللہ۔[۲]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ نے ارض ہند کی طرف اقدام کرکے خوب جہاد کیا اور قندابیل (اس دور کا ایک مشہور مقام تھا) تک جا پہنچے، اور پھر وہاں سے بنہ اور اہواز کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ مقامات کابل اور ملتان کے درمیان واقع تھے۔ مخالفین اسلام کے ساتھ مقابلے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کو شکست دی اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو مال وزر سے پر کردیا اور پھر یہ لوگ غنائم حاصل کرکے سلامتی سے لوٹے۔[۳]

•

کچھ ایام کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ثغر ہند (سرزمین ہندوستان) کی طرف عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی رحمہ اللہ کو بھیجا۔ انھوں نے جہاد کرکے قیقان کے علاقے کو فتح کیا اور وہاں سے مسلمانوں کو بہت سے غنائم حاصل ہوئے جن میں اس علاقہ کے خاص نسل کے قیقانی گھوڑے بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن سوار نے یہ گھوڑے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد جب یہ قیقان کے علاقہ میں واپس آئے تو اس علاقہ کے ترک خلاف ہوگئے۔ مقابلہ ہوا اور مخالفین کے ہاتھوں عبداللہ بن سوار شہید ہوگئے۔[۴]

ان ایام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بعد زیاد بن ابی سفیان بصرہ کے والی بنائے گئے تو زیاد نے سندھ

---

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۸ تحت فتوح السند

۳ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۲۱ ج ۳ تحت ذکر غزو المہلب السند
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۴ھ

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۵ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند
الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت ذکرہ غزوۃ السند
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۵ھ

کے علاقوں پر سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو حاکم بنایا۔ وہ ایک باصلاحیت شخص تھے۔ انھوں نے مکران کو فتح کیا اور وہاں آبادیاں قائم کیں اور شہروں کا نظم قائم کیا اور کچھ مدت وہیں مقیم رہے۔[1]

اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ زیاد نے سرحدوں پر راشد بن عمرو جدیدی کو عامل بنایا اور وہ مکران پہنچے۔ قیقان کے علاقہ میں جہاد کر کے اسے فتح کیا اور رعایا کے انتظامی معاملات کے لیے سنان بن مسلمہ کو مقرر کیا اور سرحدوں کے معاملات بھی انھی کے سپرد ہوئے۔[2]

پھر کچھ ایام کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو ہندوستان کی سرحد کا والی بنایا تو انھوں نے بوقان اور قیقان کے علاقوں میں جہاد کیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس سے پہلے ان علاقوں کو سنان بن مسلمہ نے فتح کیا تھا، لیکن بعد میں وہ لوگ اسلامی سلطنت کے طے شدہ معاہدے سے انحراف کر گئے تھے۔ اس بنا پر ان کے ساتھ منذر بن جارود نے دوبارہ جہاد کر کے ان علاقوں کو زیر نگین اسلام کیا۔[3]

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند، طبع مصر
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۴ تحت ثغر الہند طبع بیروت

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند

[3] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۴۰ تحت فتوح السند۔

فصل دوم

بلاد روم کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مختلف اطراف میں فتوحات کی مہمات کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کا وہ سلسلہ غزوات جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رک گیا تھا پھر سے جاری ہو گیا جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے۔

بلاد شرق مثلاً خراسان، ترکستان، کابل، بخارا، سمرقند، بلخ اور طبرستان وغیرہ میں ایک سلسلہ غزوات جاری رہا۔ بلاد ہند اور بلاد سندھ کی طرف فتوحات کا ایک دوسرا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ اس چیز کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح بلاد روم وغیرہ کی طرف فتوحات کا سلسلہ آنجناب نے الگ چلایا ہوا تھا، اور بلاد روم کی مہمات میں صیفی اور شتوی غزوات مستقل طور پر جاری رہتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ بحری غزوات کا سلسلہ اپنی جگہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی توجہات کا مرکز تھا۔

ذیل میں ہم بلاد روم کے صیفی اور شتوی غزوات اور بحری غزوات کو مختصراً ذکر کرتے ہیں تاکہ ناظرین کی معلومات میں اضافہ ہو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں احیائے دین اور اشاعت اسلام کے لیے مساعی کا اندازہ ہو سکے۔ چونکہ ان چیزوں کو ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے انھیں بقدر ضرورت ہی ذکر کرنا مناسب ہے۔ مقولہ ما لا يدرك كله لا يترك كله کے مطابق اس کو اپنے ہاں جگہ دی جائے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے تحت غزوات روم کے سلسلے میں مسلمانوں نے بلاد روم کی طرف خاص توجہ کی اور رومیوں کے ساتھ اہل اسلام کا مقابلہ بہت سخت ہوا اور رومیوں کے مذہبی راہنماؤں (بطریق) کی جماعتوں نے بھی اہل اسلام کے خلاف معارضہ میں بھرپور حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو شکست فاش دی اور رومی بطریقوں یعنی (مذہبی راہنماؤں) کی ایک بڑی جماعت مقتول ہوئی۔[1]

رومیوں کے ساتھ غزوات کا سلسلہ چونکہ بہت وسیع تھا اور بار بار بلاد روم پر مسلمان حملہ آور ہوئے تو

---

[1] الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۰ ج ۳ تحت سنہ ۴۲ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴ ج ۸ تحت سنہ ۴۲ھ

اس کے متعلق اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ۴۳ھ میں بسر بن ارطاۃ نے بلاد روم میں غزا اور جہاد کیا اور دور تک چلے گئے حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

بقول بعض مورخین پھر سردیوں میں بھی بسر بن ارطاۃ نے جہاد جاری رکھا اور ارض روم میں قیام کیا۔[1]

پھر ان کے بعد ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں اہل تاریخ کی روایات کے مطابق عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت بلاد روم میں جہاد کیا آپ کے ساتھ اہل اسلام کی ایک کثیر فوج تھی۔ مجاہدین سردیوں میں بھی جہاد جاری رکھتے تھے اور بلاد روم میں ہی قیام کرتے تھے۔ شتوی غزوات کا سلسلہ ان کے ذریعے سے جاری رہتا، اور انھوں نے بلاد روم کے بہت سے علاقے فتح کیے۔[2]

مورخین نے لکھا ہے کہ صیفی یعنی موسم گرما اور شتوی یعنی موسم گرما کے غزوات میں مختلف امرا اور حکام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلاد روم میں روانہ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں درج ذیل حضرات کے اسماء مورخین عموماً ذکر کرتے ہیں:

مالک بن عبداللہ ابوحکیم کو ارض روم میں ۴۶ھ کے دوران میں ان غزوات کے لیے امیر بنا کر روانہ کیا گیا، اور بقول بعض مورخین مالک بن ہبیرہ فزاری کو ارسال کیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ ارض روم میں مالک بن ہبیرہ کو بھیجا گیا تھا اور سردیوں میں ابوعبدالرحمٰن قینی کو انطاکیہ کے علاقہ میں شتوی غزوات کے سلسلہ میں امیر مقرر کیا گیا۔[3]

۴۹ھ میں مورخین نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ارض روم میں شتوی یعنی سردیوں کے غزوات میں مالک بن ہبیرہ فزاری کو بھیجا گیا، اور بقول بعض فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کو ان ایام میں امیر مقرر کر کے روانہ کیا گیا تھا۔[4]

اس طرح سردیوں اور گرمیوں میں اہل اسلام کی جانب سے مخالفین کے علاقہ میں جہاد جاری رہتا تھا۔

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۴ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۳ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ
الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت سنہ ۴۴ھ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ا تحت سنہ ۴۴ھ

۳ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۳ ج ا تحت سنہ ۴۶-۴۷ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۸ھ

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۴ ج ا تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

چنانچہ ابن کثیر اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے سردیوں اور گرمیوں کے ان غزوات کی تفصیلات کو مختصر الفاظ میں اس عبارت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

((فاغزا معاوية رضي الله عنه ارض الروم ست عشرة غزوة تذهب سرية فى الصيف ويشتوا بارض الروم ثم تقفل وتعقبها اخرى))[1]

''یعنی روم کے علاقہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً سولہ غزوات کیے آپ گرمیوں میں ایک فوج کو بھیجتے تھے جو سردیوں میں بھی اس علاقہ میں مقیم رہتی تھی پھر وہ فوج واپس آ جاتی اور ان کی جگہ ایک دیگر فوجی دستہ بھیج دیا جاتا۔''

اس طرح روم کے علاقہ میں سردیوں اور گرمیوں کا جہاد جاری رہا اور بے شمار علاقے مفتوح ہوئے اور سلطنت اسلامی کا دائرہ نہایت وسیع ہوا اور اسلام کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

ایک اہم واقعہ

ارض روم کے واقعات کے سلسلے میں ایک اہم واقعہ پیش آیا جس کو محدثین نے اپنی اسانید کے ساتھ درج کیا ہے، پہلے اس واقعہ کو نقل کیا جا رہا ہے، بعد میں اس کے کچھ فوائد بھی ناظرین کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

ایک بار موسم سرما میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سریہ مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارض روم کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو اس موقع پر شدید سردی شروع ہو گئی جو ان کے لیے ناقابل برداشت تھی تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو واپس ہونے کا حکم دیا اور واپس آ گئے۔

اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ان فوجیوں کو بغیر اجازت کے واپس کیوں لائے؟ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا (اس موقع پر وہاں قیام کرنا شفقت انسانی کے خلاف تھا اور سردی کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف تھا اس بنا پر ہم واپس آ گئے ہیں۔)

یہ جواب سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جریر! یہ فرمان نبوی تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے یہ فرمان خود سنا ہے۔

اس واقعہ کو محدث حمیدی رحمہ اللہ مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

---

[1] البدایہ ص ۱۳۳ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۳۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

((ثنا عمرو بن دينار عن نافع بن جبير قال استعمل معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما جرير بن عبدالله رضی اللہ عنہ على سرية فاصابهم برد شديد فاقفلهم جرير رضی اللہ عنہ فقال له معاوية رضی اللہ عنہ لم اقفلتهم قال جرير رضی اللہ عنہ انى سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول من لا يرحم الناس لا يرحمه الله، فقال له معاوية رضی اللہ عنہ انت سمعت هذا من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم))[1]

فائدہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فوجی دستہ واپس لانے پر اس لیے گرفت کی تا کہ باقی فوجوں کے کمانڈر خلیفہ کی اجازت کے بغیر واپس ہونے کی جرأت نہ کر سکیں۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت کے جواب میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جب حدیث نبوی پیش کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مواخذہ ترک کر دیا اور گرفت نہیں کی۔

③ نیز معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پوری قدر دانی اور اطاعت کرتے تھے اور آنجناب کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم رکھتے تھے۔ مطلب یہ کہ فوجی معاملات اور جنگی امور میں بھی شرعی اصول اور اسلامی قواعد کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ عام حکمرانوں کی طرح خود سری اور خود روی اختیار کرنے والے نہیں تھے۔

سلسلہ فتوحات

اسی طرح جنگی مہمات کا یہ طویل سلسلہ جاری رہا۔ موسم سرما اور موسم گرما میں جنگیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جاری رکھیں۔ بعض دفعہ بسر بن ارطاۃ کو ارض روم میں جہاد کے لیے بھیجا گیا۔ ۵۲ھ میں سفیان بن عوف ازدی بھی آپ کے ہمراہ تھے اور سفیان بن عوف کا ارض روم میں ہی انتقال ہوا۔ اور ان کے بعد عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو لشکر کا امیر بنایا گیا۔[2]

اور بعض مورخین نے بسر بن ارطاۃ کا سفیان بن عوف ازدی کے ہمراہ ارض روم میں جہاد کرنا ۵۰ھ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۵۳ھ میں عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو، ۵۴ھ میں محمد بن مالک کو، ۵۶ھ میں مسعود بن ابی مسعود کو، ۵۷ھ میں عبداللہ بن قیس کو، ۵۸ھ میں مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی کو، اور ۵۹ھ میں عمرو بن مرہ مہری کو صیفی وشتوی غزوات کے سلسلے میں بلاد روم کی طرف امیر جیش مقرر کر کے روانہ کیا جاتا رہا، اور انھوں نے اپنے اپنے ایام میں عظیم کارنامے سرانجام دیے۔[3]

---

[1] مسند الحمیدی ص ۳۵۲ ج ۲ تحت احادیث جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ طبع مجلس علمی۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۲ھ — تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۰۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۲ھ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۵۳ھ تا ۵۹ھ

اہل تاریخ اور محدثین کرام نے مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی کے متعلق مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ موسم گرما کے غزوات میں خاص طور پر ان کے کارنامے بڑے مشہور ہیں اور انھوں نے مدت دراز تک صیفی غزوات میں بطور امیر جیش حصہ لیا حتیٰ کہ آپ کو "مالک الصوائف" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔[1]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بے شمار ملّی کارنامے سرانجام دیے اور اسلام کے فروغ کا باعث ہوئے۔

بحری غزوات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی غیر فانی مساعی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جس طرح بری غزوات کا سلسلہ جاری تھا اسی طرح بحری غزوات کی مہم بھی جاری رہتی تھی۔ اہل تاریخ کے بیان کے مطابق عثمانی دور خلافت کے بعد ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو بحری غزوات کا امیر مقرر کیا اور انھوں نے اپنے فرائض نہایت مستعدی سے سرانجام دیے۔[2]

اس کے بعد ۵۰-۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ نے اسلامی بحری افواج کی قیادت کی اور اس معاملہ میں پیہم کوششیں جاری رہیں جن سے بہتر نتائج برآمد ہوئے۔[3]

ان ہی بحری فتوحات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام میں اولین امیر البحر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

غزوہ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر)

بلاد روم کے غزوات میں قسطنطنیہ پر اہل اسلام کا حملہ اور اس کو فتح کرنا تاریخ و سیر کی کتب میں مفصل طور پر پایا جاتا ہے۔ اسلامی فتوحات میں قسطنطنیہ کی فتح بڑی اہمیت کی حامل ہے اور کئی اہم واقعات کو متضمن

---

[1] تعجیل المنفعہ ص ۳۸۷ تحت حرف المیم

اسد الغابہ ص ۲۸۴ ج ۴ تحت مالک بن عبداللہ بن سنان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۷ ج ۳ تحت مالک بن عبداللہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸-۲۱۹، ج ۳ تحت سنہ ۴۴ھ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۰۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۱ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۲۸ ج ۳ تحت سنہ ۵۰ھ

ہے۔

روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ پر اہل اسلام کی طرف سے متعدد بار حملے ہوئے اور اس کی فتح کے لیے بار بار کوششیں کی گئیں۔

مورخین ان غزوات کو ۴۹ھ، ۵۱ھ اور ۵۲ھ وغیرہ میں ذکر کیا کرتے ہیں۔

ان اقوال کی روشنی میں علماء فرمایا کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر اہل اسلام کی طرف سے متعدد بار حملے ہوئے۔ اختلاف سنین کے سلسلے میں اس توجیہ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اور اس غزوہ کے متعلق بعض بشارات نبوی بھی ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک بشارت الاصابہ لابن حجر عسقلانی میں عبداللہ بن بشر خثعمی سے بہ عبارت ذیل منقول ہے۔ اور نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد جلد سادس باب فتح القسطنطینیہ میں اس بشارت کو اس طرح درج کیا ہے:

① ((قال الخثعمی عن ابیه انه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لتفتحن القسطنطینیة ولنعم الامیر امیرها ونعم الجیش ذاك الجیش، قال فدعانی مسلمة بن عبدالملك فسألنی فحدثته بهذا الحدیث فغزا القسطنطینیة (قلت) القائل ذالك هو عبدالله بن بشر و رواه ابن السکن من هذا الوجه فقال بشر بن ربیعة الخثعمی))[1]

"یعنی عبداللہ بن بشر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آنجناب نے فرمایا قسطنطنیہ یقیناً فتح ہوگا۔ اس کو فتح کرنے والا لشکر عمدہ اور اس کا امیر عمدہ امیر ہوگا...... الخ"

اس روایت کی روشنی میں قسطنطنیہ کی فتح کی اہمیت واضح طور پر پائی گئی اور اس کے جیش کی عظمت اور امیر جیش کی فضیلت عمدہ طریقہ سے ثابت ہوئی۔

② نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں ایک دوسری بشارت نبوی منقول ہے۔ اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کے متعلق غزا اور جہاد کرنے والوں کے لیے مغفرت کا ارشاد فرمایا ہے:

((ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم))[2]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۶۱ ج ا تحت ۶۸۵ بشر الغنوی الخثعمی
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۱۸، ۲۱۹ ج ۶ باب فتح القسطنطینیہ عن بشر الخثعمی بحوالہ احمد و بزار وطبرانی طبع اول مصر

[2] بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ا کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم
البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

''یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر غزا اور جہاد کرے گا وہ مغفور ہے۔''

اس روایت کی تشریح میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں (علی اختلاف الاقوال) ۵۲ھ میں پیش آیا تھا اور اس غزوہ کا امیر جیش یزید بن معاویہ تھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ بعض اکابر صحابہ کرام مذکورہ بشارت نبوی کے پیش نظر اس غزوہ میں شامل ہوئے تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم اور بعض علماء نے حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی بھی اس غزوہ میں شرکت ذکر کی ہے۔[1]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیماری اور وفات

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور انھوں نے وصیت فرمائی کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے باب قسطنطنیہ کے پاس جہاں غازی لڑ رہے ہیں ان کے قدموں میں دفن کیا جائے۔[2]

چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اسی غزوہ کے دوران میں انتقال ہوگیا۔ یزید بن معاویہ امیر جیش نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قلعہ قسطنطنیہ کے دامن میں دفن کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اہل روم ان کے مزار مبارک کو محفوظ کیے ہوئے ہیں اور جب کبھی قحط سالی وغیرہ کے آثار پیدا ہوتے ہیں تو ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وكانت غزوة يزيد المذكورة (غزوة قسطنطينية) فى سنة اثنتين وخمسين من الهجرة و فى تلك الغزاة مات ابوايوب الانصارى رضی اللہ عنہ فاوصى ان يدفن عند باب القسطنطينية وان يعفى قبره ففعل به ذالك فيقال ان الروم صاروا بعد ذالك يستسقون به وفى الحديث ايضا الترغيب فى سكنى الشام))[3]

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت تذکرہ قصہ حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما
مختصر تاریخ ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۱۱ ج ۴ تحت تذکرہ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۰ ج ۵ کتاب الجهاد
مستدرک حاکم ص ۴۸۵ ج ۳

[3] فتح الباری شرح بخاری ص ۸۷ ج ۶ تحت باب ما قيل فى قتال الروم۔

ناظرین کرام مندرجہ بالا مضمون مقامات ذیل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

① طبقات ابن سعد ص ۴۹-۵۰ ج ۲ قسم ثانی تحت خالد بن زید بن کلیب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

② مسند ابی عوانہ ص ۱۲ ج ا طبع حیدر آباد دکن

③ مختصر تاریخ ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۱۱ ج ۴ تحت تذکرہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما

④ حسن المحاضرہ (سیوطی) ص ۱۰۰ ج ا

ایک کرامت

اس مقام پر مشہور فقیہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شرح السیر الکبیر'' میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے غزوہ قسطنطنیہ میں یزید بن معاویہ کی ماتحتی میں غزا اور جہاد کیا۔ اتفاقاً ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس موقع پر بیمار ہو گئے۔ یزید بن معاویہ ان کے پاس عیادت کے لیے آیا اور کہا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت اور حاجت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! میری خواہش ہے کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دو اور پھر مجھے کفن دو اور اس کے بعد مجھے اٹھا لو حتیٰ کہ دشمن کے شہر کے قریب مجھے دفن کر دو...... چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان لوگوں نے اسی طرح کیا اور رات کو وہاں جا کر قلعہ قسطنطنیہ کی دیوار کے دامن میں دفن کر دیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک روشنی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی نمودار ہوئی اور یہ منظر آس پاس کے کفار نے دیکھا۔ رات گزرنے کے بعد صبح کفار کی طرف سے آدمی آئے اور کہنے لگے کہ گزشتہ رات تم نے کس شخص کی میت کو دفن کیا ہے؟ اہل اسلام نے جواب دیا کہ وہ ہمارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ پس اس منظر کو دیکھ کر اطراف کے کئی کافر مسلمان ہو گئے۔

ان لوگوں نے واقعہ ہذا سے یہ تاثر لیا کہ جس پیغمبر کے یہ پیروکار ہیں وہ نبی برحق ہیں اور ان کا مذہب صحیح ہے اور یہ دین صادق ہے۔

((فاتاه يزيدبن معاوية يعوده، فقال الك حاجة؟ قال نعم! اذا انا مت فاغسلوني وكفنوني ثم احملوني حتى تاتوا بلاد العدو۔ فيدفنوني۔ انهم فعلوا ذالك به ودفنوه ليلا فصعد نور من قبره الى السماء و راى ذالك من كان بالقرب من ذالك الموضع من المشركين۔ فجاء رسولهم من الغد فقال من كان هذا الميت فيكم فقالوا صاحب لنبينا فاسلموا بما رأوا))[1]

بخاری شریف کی عمیر بن اسود عنسی سے مرفوع روایت، جس میں فرمان نبوی ہے کہ اول جیش من

---

[1] کتاب شرح السیر الکبیر (شمس الائمہ سرخسی) ص ۱۵۷ ج ا باب الشہید و ما یصنع بہ، طبع دکن

امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم...... الخ کے متعلق اس دور کے بعض لوگوں نے بے جا نقد شروع کر دیا ہے اور روایت ہذا کی صحت سے انکار کے درپے ہوئے ہیں۔

ان کا قول ہے کہ عمیر بن اسود عنسی کے بغیر اس روایت کو کسی دوسرے راوی نے نقل نہیں کیا، لہٰذا ان کے قول کے مطابق یہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ سند کے راویوں میں سے ایک راوی عمیر بن اسود کی وضع کردہ ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول جیش، اوجبوا، مدینہ قیصر اور مغفور لھم کے الفاظ نہیں ذکر کیے۔

ان شبہات کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں مختصراً پیش کی جاتی ہیں:

① اہل فن کے نزدیک ایک مسلم قاعدہ ہے کہ اگر ایک روایت صرف ایک صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے اور وہ کسی نص قطعی، دیگر احادیث صحیحہ اور واقعات کے برخلاف بھی نہ ہو تو وہ محدثین کے نزدیک قابل قبول اور لائق تسلیم ہوگی۔

اسی قاعدہ کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ کی ''مدینہ قیصر'' والی روایت اگرچہ صرف ایک صحیح سند سے ثابت ہے تب بھی یہ روایت اہل فن کے نزدیک مقبول ہے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

② دیگر یہ چیز ہے کہ مشہور محدث محی السنہ امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی معروف تصنیف ''شرح السنۃ'' میں بخاری کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ حکم لگایا ہے کہ "وھذا حدیث صحیح" یعنی اہل فن کے نزدیک یہ حدیث نبوی صحیح ہے۔[1]

③ نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس روایت کو امت کے بے شمار علمائے فن، محدثین اور مشہور مصنفین نے اپنی اپنی تصنیفات میں بغیر نقد و جرح کے قبول کیا ہے۔ کسی ایک محدث نے بھی اس پر جرح کر کے اس روایت کو رد نہیں کیا۔

یہ چیز اس روایت کی قبولیت پر قوی قرینہ ہے۔ اسی طرح متاخرین علماء مثلاً ابن تیمیہ، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے بغیر نقد و جرح کے نقل کیا ہے۔[2] گویا روایت کو تلقی امت حاصل ہے۔ سو بخاری کی اس روایت کو رد کرنا قواعد کے اعتبار سے ہرگز درست نہیں۔

اس کے برعکس آج کے دور میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حدیث نبوی ہی نہیں اول جیش اوجبوا مغفور لھم وغیرہ الفاظ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائے بلکہ ایک راوی کا خود ساختہ قول ہے، سو فیصد

---

[1] شرح السنہ (محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی ۵۱۸ھ) ص ۳۱۲-۳۱۳ ج ۱۳ حدیث ۳۷۳۱ طبع جدید

[2] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۴۵ ج ۲
المنتقی (ذہبی) ص ۲۸۸
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲، ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ، طبع اول

غلط اور بے جا ادعا ہے اور اس کا عند العلماء کوئی وزن نہیں بلکہ ایک قول رسول کی بے جا توہین ہے۔

یہاں یہ چیز مزید ذکر کی جاتی ہے کہ معترض لوگوں نے روایت ہذا کو ایک راوی (عمیر بن اسود عنسی یا بقول بعض عمرو بن اسود عنسی) کا خود ساختہ قول کہا ہے۔ حالانکہ علمائے رجال وتراجم کے نزدیک یہ شخص تابعی اور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اور متعدد صحابہ کرام (حضرت عمر، عبادہ بن صامت، ابودرداء، ام حرام اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم) سے روایات کے براہِ راست ناقل ہیں۔ اوران پر علمائے فن نے کوئی خاص جرح وتنقید ذکر نہیں کی بلکہ انھیں معتمد علیہ قرار دیا ہے۔[1] فلہٰذا اس شخص کو ''روایت ہذا کا وضع کرنے والا'' قرار دینا نہایت دریدہ دہنی ہے، راوی پر بہتان عظیم ہے اور اس کے ساتھ سخت ناانصافی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

نیز ان لوگوں نے روایت ہذا پر نقد وجرح کرتے ہوئے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ عمرو بن اسود عنسی اور عمیر بن اسود عنسی کے دو الگ الگ اشخاص ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور علمائے رجال اس راوی کا حدود اربعہ پوری طرح مشخص نہیں کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ واضح نہیں ہو سکا کہ عمرو بن اسود اور عمیر بن اسود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں؟

ہمارے قارئین اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تصنیفات تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب کی طرف رجوع فرمائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی دونوں تصنیفات مذکورہ بالا میں یہ چیز واضح کر دی ہے کہ عمرو بن اسود عنسی اور عمیر بن اسود عنسی ایک ہی شخصیت ہے جس کو بعض دفعہ عمرو بن اسود اور بعض دفعہ عمیر بن اسود (تصغیر کے ساتھ) ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دو الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: تقریب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) تحت عمرو بن اسود عنسی، اور تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) تحت عمیر بن اسود عنسی

④ نیز ان ناقدین نے روایت میں ''اول جیش'' کے الفاظ پر سخت اعتراض کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ کے جس جیش میں یزید بن معاویہ امیر تھا، وہ اول جیش نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ واقعہ کے

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل (ابن ابی حاتم رازی) ص ۲۷۵ ج ۳ قسم اول
تاریخ کبیر (امام بخاریؒ) ص ۳۱۵ ج ۲ قسم ثانی
تاریخ الثقات (حافظ احمد بن عبداللہ عجلی) ص ۳۶۲ تحت عمرو بن الاسود العنسی
تقریب التہذیب (عسقلانی) ص ۳۸۸ تحت عمرو بن الاسود عنسی طبع لکھنؤ
تہذیب التہذیب (عسقلانی) ص ۴ ج ۸ تحت عمرو بن الاسود العنسی، طبع دکن۔

اعتبار سے درست نہیں ہیں۔

تو اس کے متعلق اتنی وضاحت درکار ہے کہ مورخین کے اقوال کے مطابق اہل اسلام کے جیوش نے بلاد روم کے اس علاقہ پر متعدد بار حملے کیے تھے۔ ان میں سے ایک حملے کے متعلق یہ الفاظ وارد ہیں۔ گویا کہ اولیت حقیقی مراد نہیں بلکہ اضافی اولیت مراد ہے یعنی یہ غزوہ مدینہ قیصر کے لحاظ سے پہلا حملہ تھا۔ اس علاقہ میں دیگر پیش قدمیوں کے لحاظ سے اول جیش نہیں تھا۔

⑤ نیز معترض لوگوں نے اس روایت کا انکار اس بنا پر کیا ہے کہ اس غزوہ میں امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا اور معترض لوگ یزید کو مغفور لھم میں داخل قرار دینے میں بڑی مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ فلہٰذا انھوں نے صحت روایت کا ہی انکار کر دیا ہے۔ مثل مشہور ہے ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''

معترض لوگوں کا روایت ہذا کی صحت سے انکار کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے۔ دیگر محدثین نے روایت ہذا کی صحت تسلیم کرتے ہوئے جو تشریحات ذکر کی ہیں وہ درست ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس جیش کے غازیوں کے متعلق "مغفور لھم" کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اگر ان میں یزید بن معاویہ بھی داخل ہو تو وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہے مگر اس کے ساتھ محدثین کرام رحمہم اللہ نے ایک وضاحت ذکر کر دی ہے، اسے کیوں نہیں پڑھتے؟

((قوله ﷺ مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالك لم يدخل فى ذالك العموم اتفاقا۔ فدل على ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم))[1]

''یعنی جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد "مغفور لھم" اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اس غزوہ کے غازی اہل مغفرت میں سے ہوں (یعنی مغفرت کے لائق ہوں) حتیٰ کہ بالفرض اگر کوئی شخص ان غازیوں میں سے ہو اور اس کے بعد وہ اسلام سے پھر جائے تو وہ شخص اس عموم (مغفرت) میں داخل نہ ہوگا۔''

مطلب یہ ہے کہ یزید بن معاویہ سے اس غزوہ کے بعد ایسے افعال اور امور سرزد ہوئے ہوں جن کی وجہ سے وہ مستحق مغفرت نہ رہا تو وہ اس عموم (مغفرت) سے خارج ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معافی دے دیں گے اور اگر چاہیں گے تو گرفت فرمائیں گے جیسے کہ دیگر اہل معاصی کے حق میں قاعدہ ہے۔

پس اس حدیث شریف کی تشریح میں جو کچھ علماء نے نقل کیا ہے اور یزید بن معاویہ کے متعلق مغفور

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۸۷ ج ۶ تحت حاشیہ باب ما قیل فی قتال الروم۔
عمدۃ القاری شرح بخاری (عینی) ص ۱۹۹ ج ۱۴ تحت باب ما قیل فی قتال الروم۔

ہونے یا مغفور نہ ہونے کی تشریح ذکر کر دی ہے وہ کافی ہے اور صحیح ہے۔ فلہٰذا انکار روایت کی راہ اختیار کرنا قطعاً درست نہیں۔

روایت ہذا کی مزید وضاحت کے لیے اہل علم مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع فرما کر تسلی کر سکتے ہیں:

① شرح الابواب والتراجم للبخاری از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تحت الروایہ

② حواشی لامع الدراری از شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ ص ۴۸۵-۴۸۶ ج ۲ طبع ہند

مختصر یہ ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ بلاد روم کے غزوات میں سے ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے جس کی تفصیلات تاریخی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس غزوہ کا کچھ مختصر اور اجمالی حال ہم نے سطور بالا میں بیان کر دیا ہے قابل توجہ یہاں یہ چیز ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر وغیرہ کے متعلق جو بشارتیں بیان فرمائی ہوئی تھیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں اور ان کے عہد میں پوری ہوئیں۔ یہ ان کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے ان کی خوش بختی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

فتح روڈس

مورخین نے لکھا ہے کہ ۵۳ھ میں بحری غزوات کے سلسلے میں جزیرہ روڈس کو فتح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت بحری افواج کے امیر جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ تھے۔ جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ وہ بزرگ شخصیت ہیں جن سے بہت سی احادیث نبویہ منقول ہیں۔ حضرات شیخین اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات ہوتی رہی، اور آپ کا انتقال اہل تراجم نے ۸۰ھ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت اسلامی افواج نے جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جزیرہ روڈس بڑی جدوجہد کے بعد فتح کیا اور وہاں آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مستقل طور پر آباد کیا۔ ان کے ساتھ کفار کا سخت تقابل اور تعارض رہتا تھا۔ مسلمان سمندر میں ان کی طرف پیش قدمی کرتے تھے اور ان کے راستوں کو منقطع کرتے اور ان کی کشتیوں کو اپنی تحویل میں لے لیتے تھے اس وجہ سے کفار پر ان مسلمانوں کا جزیرہ میں قیام نہایت گراں تھا۔ تاہم مسلمان ان سنگین حالات میں بھی نہایت استقامت سے وہاں مقیم تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جزیرہ کے ان مقیمین کے لیے بہت کچھ وظائف اور عطایا ارسال فرماتے رہتے تھے کیونکہ یہ مسلمان وہاں مخالفین کی طرف سے شدید خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔[1]

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جزیرہ روڈس قریباً ساٹھ میل طویل ایک سرسبز و شاداب جزیرہ تھا اس میں

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۳ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۴ ج ۳ تحت سنہ ۵۳ھ

کثرت سے درخت اور باغات تھے، زیتون انگور اور دیگر فواکہ کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور پانی نہایت شیریں تھا۔[۱]

۵۴ھ کے تحت مورخین ذکر کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے نزدیک جزیرہ ارواد تھا اسے مسلمانوں نے فتح کیا۔ ان کے امیر جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ ان کارگزاریوں میں مجاہد بن جبر بھی شریک تھے۔ جب یہ جزیرہ فتح ہو چکا تو مسلمانوں نے بطور نو آبادی کے وہاں پر سات سال تک اقامت اختیار کی۔[۲]

۵۶ھ میں بھی جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے ارض روم میں جہاد جاری رکھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سمندر میں جہاد کرنے والے یزید بن شجرہ اور خشکی میں جہاد کرنے والے عیاض بن حارث تھے۔[۳] اس مقام پر کبار مورخین نے اور اہل تراجم نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ عنہ ایک مقتدر صحابی ہیں اور انھوں نے شام میں سکونت اختیار کر رکھی تھی رومیوں کے مقابلہ میں بحری غزوات میں ان کی نمایاں جنگی خدمات پائی جاتی ہیں۔ اور اس سلسلے میں ۵۸ھ میں امیر جیش کی حیثیت سے رومیوں کے خلاف ایک بحری جہاد میں اقدام کیا۔ فریق مقابل کے ساتھ سخت مقاتلہ پیش آیا اور اسی غزوہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رومیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

((قتل هو واصحابه فی البحر سنة ثمان و خمیسن فی خلافة معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما))[۴]

((واستشهد ببلاد الروم وهو امیر علی جیش سنة ثمان و خمیسن یزید بن شجرة الرهاوی هذا من ساکنی الشام))[۵]

((وفیها غزا یزید بن شجرة الرهاوی فاصیب هو واصحابه))[۶]

اور ۵۸ھ میں بھی ارض روم میں جہاد جاری رہا۔ عمرو بن یزید جہنی کی نگرانی میں بحری غزوات ہوئے اور بقول بعض جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ امیر البحر تھے۔[۷]

۵۹ھ میں بھی بقول بعض مورخین سمندر میں جہاد جاری رہا اور جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ اس کے نگران اعلیٰ

---

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر

۲ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۶ ج ۳ تحت غزوۃ الروم و فتح جزیرہ ارواد

۳ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۹ ج ۳ تحت سنہ ۵۶ھ

۴ طبقات ابن سعد ص ۱۵۶ ج ۷ قسم ثانی تحت یزید بن شجرہ الرہاوی رضی اللہ عنہ

۵ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۲۹۸ ج ۱۸ تحت یزید بن شجرہ

۶ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۴ ج ۱ تحت ۵۸ھ

۷ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۴ ج ۳ تحت سنہ ۵۸ھ

تھے۔[1]

جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بحری غزوات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر یزید بن امیر معاویہ کے دور تک جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ مگر درمیان میں فتنہ کے دور (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مشاجرات کے ایام میں) علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اور پھر ۵۹ھ کے شتوی بحری غزوات میں بھی شامل رہے اور اپنے فرائض منصبی بطریق احسن سرانجام دیے۔ بقول مورخین جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۸۰ھ میں ملک شام میں ہوا۔[2]

قلعۂ کمخ کی فتح

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں اہل اسلام نے بلاد روم میں کئی قلعے فتح کیے ان میں سے قلعہ کمخ کی فتح بہت اہمیت کی حامل ہے۔

اس موقع پر اسلامی فوج میں ایک بزرگ عمیر بن حباب سلمی نہایت جرأت مند فوجی جوان تھے۔ وہ بڑی عقلمندی سے اقدام کرتے ہوئے قلعہ کمخ کی فصیل پر چڑھ گئے اور مخالفین کے خلاف تنہا مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے رومیوں کو اپنے مقام سے ہٹا ڈالا۔ اس کے بعد باقی فوج بھی قلعہ ہذا میں داخل ہوگئی۔ یہ تمام مہم عمیر سلمی کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ عمیر اس کارنامے پر فخر کیا کرتے تھے اور ان کا یہ کارنامہ واقعی قابل افتخار ہے۔

چنانچہ اس واقعہ کو ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف میں یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وفیہ (سنہ ۵۹ھ) غز المسلمون حصن کمخ و معھم عمیر بن الحباب السلمی۔ فصعد السور و لم یزل یقاتل علیہ وحدہ حتی کشف الروم فصعد المسلمون ففتحہ بعمیر و بذالك كان یفتخر و یفخر لہ بذالك)) [3]

دیگر قلعوں کی فتوحات

بلاد روم میں اہل اسلام نے متعدد قلعہ جات فتح کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان

---

[1] تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۶ ج ۳ تحت سنہ ۵۹ھ

[2] الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۴۴-۲۴۵ ج ۱ تحت جنادہ بن ابی امیہ الازدی رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۹۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۹ھ

تجرید اسماء الصحابہ ص ۹۵ ج ۱ تحت جنادہ بن ابی امیہ الازدی رضی اللہ عنہ

[3] تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۹ ج ۳ تحت سنہ ۵۹ھ

میں سے ایک قلعہ ''ساسمہ'' کی فتح بھی مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ عطیہ بن قیس کلابی رحمہ اللہ ایک بزرگ تھے جو اس لشکر اسلامی میں قاری تھے ان کے ساتھ اسماعیل بن عبداللہ بھی اس منصب پر تھے۔ آپ اس قلعہ کو فتح کرنے والے غازیوں میں خود شامل تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاد روم میں جہاد کیا اور میں اسپ سواروں (گھڑ سواروں) میں شامل تھا۔ اس موقع پر عبیدہ بن قیس عقیلی ہمارے دستہ فوج پر امیر تھے۔ اس وقت ہمارے دستہ کی تعداد چالیس افراد سے زیادہ تھی۔ ہم نے اس قلعہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کرلیا۔ پھر اس کے بعد عطیہ مذکور کہتے ہیں کہ اس فتح میں ہمیں دوسو دینار فی کس بطور نفل (غنیمت) ملے تھے۔

اسی طرح یہاں ایک اور قلعہ کے فتح ہونے کا بھی مورخین نے ذکر کیا ہے۔ اس کو المدن یا المدین کہتے تھے۔ یہ خلیج قسطنطنیہ کے پاس تھا۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ان فتوحات کی زیادہ تفصیل ذکر کی ہے:

((حدثنا سعید (بن عبدالرحمن) عن عطیة بن قیس الکلابی قال غزوت فی خلافة معاویة رضی اللہ عنہ بارض الروم قال: فخرجت فی سریة و نحن بضعة و اربعون رجلا۔ علینا عبیدة بن قیس العقیلی فاغرنا علی فلانة۔ حصنا سماه سعید فانسیتها۔ قال وکنت فارسا فبلغ نفلی مائتی دینار))[1]

بلاد افریقہ کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جہاں دیگر ممالک کی فتوحات کی طرف پوری توجہ تھی۔ وہاں آپ کی جانب سے بلاد افریقہ میں پیش قدمی کے بھی خاص اقدامات کیے گئے۔ بلاد افریقہ وغیرہ کی فتوحات کی تفصیلات بے شمار ہیں ان تمام واقعات کا ذکر کرنا موجب طوالت ہوگا۔ ذیل میں صرف چند ایک فتوحات بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں:

رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی مساعی

افریقہ کے علاقہ میں فتوحات کے سلسلے میں جن حضرات کی مساعی قابل ذکر ہیں ان میں سے ایک مشہور صحابی حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ہیں یہ فتح مصر میں شریک جہاد ہوئے اور بعد میں وہیں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک افریقی علاقہ میں جہاد کے لیے امیر جیش بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اس علاقہ میں نہایت جانفشانی سے جہاد کیا اور بالآخر ان کی کوششوں سے بقول بعض مورخین ۴۶ھ میں طرابلس فتح ہوا۔

---

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۳۹۸-۳۹۹ ج ۲ تحت عطیہ بن قیس الکلابی
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۶۸۶ ج ۱۱ تحت عطیہ بن قیس الکلابی

بلاد مغرب کی فتوحات میں ان کے اور کئی کارہائے نمایاں بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ مصر کے دوسرے عامل مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف سے برقہ (افریقہ) کے والی اور امیر تھے اور ۵٦ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

① ((صحابی جلیل شهد فتح مصر وله آثار جيدة فی فتح بلاد المغرب ومات ببرقة واليا من جهة مسلمة بن مخلد رضی اللہ عنہ نائب مصر))[1]

② ((وامره معاوية رضی اللہ عنہ علی طرابلس سنة ٤٦ھ فغزا افريقة توفی ببرقة وهو امير عليها...... الخ))[2]

عقبہ بن نافع رحمہ اللہ کے کارنامے

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ کو بلاد افریقہ کی فتوحات کے لیے امیر اور والی بنا کر روانہ کیا گیا۔ عقبہ بن نافع رحمہ اللہ کے متعلق محدثین لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں تھے لیکن بہت باصلاحیت اور لائق شخصیت تھے۔ انھوں نے بلاد افریقہ کی فتوحات میں بہترین کارنامے سرانجام دیے اور اس علاقہ میں بلاد سوڈان کے کئی اہم مقامات فتح کیے اور ودان اور برقہ وغیرہ بھی اسلامی سلطنت کے زیر نگیں کیے۔

بقول بعض مورخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد افریقہ کی طرف روانگی کے وقت دس ہزار مجاہدین کا ایک لشکر ان کی امارت کے تحت روانہ کیا تھا۔[3]

نیز ان کی فتوحات کا دائرہ یہاں تک وسیع ہوا کہ بلاد بربر تک پہنچے اور ان کو فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔ چنانچہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں بالفاظ ذیل اس کی وضاحت کی ہے:

((وافتتح فی سنة ثلاث واربعين مواضع من بلاد السودان وافتتح ودان وهی من حيز برقة من بلاد افريقية وافتتح عامة بلاد البربر))[4]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ٦١ ج ٨ تحت سنہ ۵۳ھ

[2] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۹۹ ج ۳ تحت رویفع بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۳ ج ۱ تحت سنہ ۴۷ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ

[4] اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۴۲۰ ج ۳ تحت عقبہ بن نافع فہری
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ
تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۱۹-۷-۲۰ ج ۱۱ تحت تذکرہ عقبہ بن نافع فہری

قیروان کی آبادکاری میں ایک اہم واقعہ

اسی علاقہ کی فتوحات کے سلسلے میں ایک خاص واقعہ شہر قیروان کی آبادکاری کے موقع پر پیش آیا بیشتر مورخین نے اس واقعہ کو اپنی اپنی عبارات میں مفصلاً ومختصراً ذکر کیا ہے۔

۵۰ھ-۵۱ھ میں صورت حال یہ پیش آئی کہ عقبہ بن نافع رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی (جن میں بقول مورخین اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے) بلاد افریقہ کے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں گھنے جنگلات تھے اور ان میں بیشتر درندوں اور سانپوں وغیرہ کی جائے رہائش تھی۔ اس خطرناک مقام کو ان حضرات نے آباد کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی صورت یہ اختیار کی کہ عقبہ بن نافع فہری تابعیؒ جو مستجاب الدعوات بزرگ تھے انھوں نے اس مقام پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی شروع کی: یا اللہ! ان حیوانات کو اس مقام سے دور فرما دے اور ہم مسلمانوں کو یہاں آباد ہونے کی توفیق عطا فرما۔ جبکہ عقبہ رحمہ اللہ کے ساتھی آمین کہہ رہے تھے۔

دعا کے بعد عقبہ بن نافع رحمہ اللہ نے اس وادی کے ایک مقام پر کھڑے ہو کر زوردار آواز میں کہنا شروع کیا: اے درندو! اے سانپو! یہاں سے رخصت ہو جاؤ اور نکل جاؤ، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور خادم ہیں ہم یہاں مقیم ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہم جس کو اس مقام پر پائیں گے اس کو قتل کر دیں گے۔

اس اعلان کے بعد لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا جو قابل دید تھا۔ وہ اس طرح کہ اس گھنے جنگل سے حیوانات اور درندے نکلنے شروع ہو گئے حتیٰ کہ انھوں نے اپنے بچے اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور اپنی اولادوں کو ساتھ لیے نکلے جا رہے تھے اور لوگ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

جب وہ مقام ان درندوں اور وحشی حیوانات اور ایذا دینے والی اشیاء سے خالی ہو گیا تو اس وادی میں عقبہ بن نافع رحمہ اللہ اترے اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان گھنے درختوں کو کاٹ دو اور یہاں شہر کی آبادی قائم کرو۔ اس آبادی کا نام قیروان مشہور ہوا۔ وہاں کے باشندوں نے بعد میں چالیس برس تک یہاں کوئی بچھو یا کوئی درندہ حیوان نہیں پایا۔

تنبیہ

واقعہ مذکورہ بالا کی سب سے زیادہ تفصیلات ابن عذاری مراکشی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''البیان المُغرِب فی اخبار المُغرِب'' میں تحت سنہ ۵۱ھ ذکر کی ہیں۔ اس کی تمام عبارت نقل کرنے میں بہت تطویل ہے اس بنا پر ہم اس واقعہ کے متعلق البدایہ والنہایہ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں واقعہ کا اختصار آ گیا ہے:

((وفيها (سنة ۵۰هـ) افتتح عقبة بن نافع الفهری عن امر معاوية بلاد افريقية، واختط القيروان، وكان غيضة تاوی اليها السباع والوحوش و الحيات العظام، فدعا الله تعالىٰ فلم يبق فيها شیء من ذالك حتى ان السباع صارت

تخرج منها تحمل اولادها، والحيات يخرجن من اجحارهن هوارب فاسلم خلق كثير من البربر فبنٰى فى مكانها القيروان))[1]

قیروان میں مسجد کا تعین

نیز مورخین نے اس مقام پر یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ جب حضرت عقبہ بن نافع رحمہ اللہ نے قیروان کو آباد کرنا چاہا تو وہاں کے لیے ایک مسجد کی ضرورت محسوس کی۔ وہ کون سی جگہ پر ہو، آپ مسجد کے لیے مقام تعین کرنے میں متفکر تھے۔ اسی دوران میں آپ خواب دیکھتے ہیں کہ ایک شخص وہاں ایک مقام پر اذان دے رہا ہے جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو اذان دہندہ کے اس اذان دینے کے مقام کو مئذنہ (اذان کی جگہ) مقرر کیا اور باقی مقام کو مسجد کے لیے مختص کر دیا۔

چنانچہ بلاذری نے اس کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وحدثنى جماعة من اهل افريقية عن اشياخهم ان عقبة بن نافع الفهرى لما اراد تمصير القيروان فكر فى موضع المسجد منه فرائ فى منامه كان رجلا اذن فى الموضع الذى جعل فيه مئذنته فلما اصبح بنى المنابر فى موقف الرجل ثم بنى المسجد))[2]

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کوششیں

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے جہاں بلاد افریقہ کی اور کئی فتوحات ذکر کی ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقتدر صحابی معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے افریقہ کے علاقہ میں غزا اور جہاد کیا۔

اسی دوران میں جب وہ مجاہدین کے ہمراہ ایک پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انھیں شدید بارش کا سامنا ہوا۔ بارش

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ، ص ۲۱۷ ج ۸ تحت عقبہ بن نافع فہری۔
البیان المغرب فی اخبار المغرب (ابن عذاری مراکشی) ص ۱۴-۱۵ ج ۱ تحت سنہ ۱ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۶ تحت فتح افریقہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۱۶-۷۲۰ ج ۱۱ تحت تذکرہ عقبہ بن نافع فہری
اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۴۲۱ ج ۳ تحت ترجمہ عقبہ بن نافع فہری
کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۱۰۰
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۰ھ

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۸ تحت فتح افریقیہ

اتنی کثیر ہوئی کہ بعد میں اس پہاڑ کا نام جبل المطور مشہور ہو گیا۔[1] افریقی پہاڑی علاقہ میں بارشوں کا یہ سماں اس صحابی معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ایک منظر تھا۔

اور بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف فتوح البلدان میں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے فرمان سے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے (جو ان کے ایک سپہ سالار تھے) ایک سرسبز و شاداب سمندری جزیرہ صقلیہ کی طرف بھی پیش قدمی کی۔ جزیرہ صقلیہ پر اسلامی لشکر کا حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت یہ پہلا حملہ تھا۔

((قالوا غزا معاوية بن خديج الكندى رضی اللہ عنہ ايام معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما صقلية وكان اول من غزاها ولم تزل تغزى بعد ذالك)) [2]

اسی طرح مورخین معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مساعی سے علاقہ جلولا کی فتح کا تذکرہ کرتے ہیں۔

فتح جلولا

جلولا قیروان سے چوبیس میل دور افریقہ کا ایک مشہور شہر ہے یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہے یہاں مختلف انواع و اقسام کے پھل، دریا، چشمے باغات اور خوشبودار درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بلاد افریقہ کی فتوحات کے امیر بعض دفعہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنے ایک سپہ سالار عبدالملک بن مروان کو جلولا فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر کی کوشش سے یہ شہر بالآخر فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو کثیر غنائم حاصل ہوئے۔ یاقوت حموی نے اپنی تصنیف معجم البلدان میں لکھا ہے کہ:

((فانصرف عبدالملك بن مروان الى معاوية بن خديج رضی اللہ عنہ بالخبر، فاجلب الناس الغنيمة، فكان نكل رجل من المسلمين مائتا درهم وحظ الفارس اربعمائة درهم)) [3]

"مطلب یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان فتح کی خوشخبری لے کر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور حالات بیان کیے۔ اس موقع پر لوگوں نے بہت سے غنائم حاصل کیے چنانچہ ہر ایک مجاہد کو دو سو درہم حاصل ہوا اور گھڑ سوار کو چار سو درہم فی کس حصہ میں ملا۔"

واقعہ ہذا کی تصدیق کے لیے قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔[4]

---

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۵ھ

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر۔

۳ معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۱۵۶ ج ۲ تحت جلولاء

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۶ ج ۱ تحت سنہ ۵۰ھ فتح جلولاء المغرب

اور علماء نے لکھا ہے کہ بلاد غرب افریقہ وغیرہ میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بہت سے غزوات کیے اور کئی بار جہاد کیا اور اسلام کے فروغ کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ ان علاقوں میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے کارنامے بڑے مشہور ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((وولی الامرة علی غزو المغرب مرارا آخرها سنة خمسين))[1]

''مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ دیار مغرب میں غزوات کے کئی بار امیر بنائے گئے اور آخری بار ۵۰ھ تک آپ امیر جیش تھے۔''

اس کے بعد آپ مصر کی طرف واپس ہوئے اور مصر میں ہی ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حسان بن نعمان رحمہ اللہ کی خدمات

دیار مغرب کی فتوحات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق میں سے ایک بزرگ حسان بن نعمان غسانی رحمہ اللہ کو بھی بعض مواقع پر افریقہ کی طرف جہاد کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اس علاقے میں نہایت عمدہ خدمات سرانجام دیں اور آپ کی کوشش سے بربر کے علاقہ میں اہل بربر نے صلح کر لی اور حسان بن نعمان رحمہ اللہ نے ان پر خراج عائد کر دیا۔ اس کے بعد آپ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس علاقہ کا والی مقرر کر دیا گیا اور آپ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۰ھ تک والی اور امیر رہے۔

((وفيها وجه معاويه بن ابی سفيان رضی اللہ عنہ حسان بن النعمان الغسانی الی افريقية۔ فصالحه من يليه من البربر۔ و وضع عليها الخراج۔ فلم يزل عليها حتی مات معاوية))[2]

((كان غزاو ولی فتوحا بالمغرب ووفد علی معاوية۔ وكانت له بدمشق دار))[3]

فتح قرطاجنہ (افریقہ)

بعض مورخین کے بیان کے مطابق ۵۹ھ میں ایک بزرگ دینار ابو مہاجر نے دیار مغرب میں غزا اور جہاد کیا۔ جب یہ مجاہدین ساحل افریقہ کے قریب ایک قدیم شہر قرطاجنہ میں پہنچے تو مخالفین اسلام سے سخت

۱۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۰۴ ج ۱۰ تحت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۳ ج ۱ تحت سنہ ۵۷ھ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۹۵ ج ۴ تحت حسان بن نعمان بحوالہ خیاط
معجم البلدان (حموی) ص ۶۱ ج ۵ قسم ثانی تحت تونس الغرب

۳۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۹۵ ج ۴ تحت حسان بن نعمان۔

مقاتلہ ہوا۔ فریقین کے کثیر تعداد میں لوگ مقتول اور مجروح ہوئے۔ قتال کے دوران میں رات کو مسلمان مجاہدین افریقہ کے ایک نہایت عمدہ شہر تونس کی جانب ایک پہاڑ پر اکٹھے ہوئے اور صبح کو پھر مخالفین سے قتال شروع کر دیا۔ اس صورت حال میں فریق مقابل نے اس چیز پر صلح کر لی کہ وہ مسلمانوں کے لیے جزیرہ خالی کر دیں گے۔

اس کے بعد ان مجاہدین اسلام نے افریقہ کی سرحد پر ایک شہر میلہ کو فتح کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاد غرب کے ان غزوات کے سلسلے میں مجاہدین نے وہاں قریباً دو سال تک اقامت اختیار کی۔ چنانچہ خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وفیها (سنة ۵۹ھ) غزا دینار ابو المهاجر فنزل علی قرطاجنة۔ فالتقوا فکثر القتل والجراح فی الفریقین وحجز اللیل بینهم وانحاز المسلمون من لیلتهم فنزلوا جبلا فی قبلة تونس ثم عاودوهم القتال۔ فصالحوهم علی ان یخلوا لهم الجزیره۔ وافتتح میلة وکانت اقامته فی هذه الغزاة نحوا من سنتین))[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراج وجزیہ کی آمدنی کا اجمالی تذکرہ

قواعد اسلامی کی رو سے حکومت کے لیے آمدنی کے بہت سے ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں۔ ان میں عشر ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے جو عشری زمینوں سے حسب قواعد شرعی وصول کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خراج بھی ایک کثیر آمد کا ذریعہ ہے اور اس کے متعدد طریقے ہیں۔ ایک تو زمین کی آمدنی سے حاصل کیا جاتا ہے اور دوسرا اہل الذمہ کے افراد سے فی کس کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں اور یہ بھی خراج کے صیغہ میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔

((والخراج ما یخرج من غلة الارض او الغلام ثم سمی ما یاخذ السلطان خراجا۔ فیقال ادی فلان خراج ارضه وادی اهل الذمة خراج رءوسهم یعنی الجزیة...... الخ))[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار ممالک مفتوح ہو چکے تھے اور ہر ایک ملک کی آمدنی بصورت خراج وجزیہ وغیرہ کثیر مقدار میں اسلامی بیت المال میں جمع ہوتی تھی اس کی تمام تر تفصیلات کا احاطہ ضبط میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم بطور نمونہ بعض ممالک کی آمدنی کے متعلق چند ایک حوالہ جات پیش کیے

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۹ھ

[2] المغرب ص ۱۵۳-۱۵۴ تحت الخاء مع الراء (طبع دکن)

جاتے ہیں۔

بیت المال کی اس آمدنی سے تمام ملکی مصارف پورے کیے جاتے، اسلامی حکومت کی معاشی وصنعتی ترقی اسی سے وابستہ تھی اور دین اسلام کے فروغ میں اسے صرف کیا جاتا تھا۔

دمشق

دمشق کے علاقے کی آمد خراج و جزیہ کے متعلق اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ وہ چار لاکھ دینار تھی۔ فوجی اخراجات، حکام کے مشاہرات، مؤذنین، قضاۃ اور فقہاء وغیرہ کے مصارف ادا کرنے کے بعد خالص آمدنی مذکورہ بالا تعداد میں ہوتی تھی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کی کثیر آمدنی تھی اور اس میں عظیم برکت پائی جاتی تھی۔

((وذكر ابوبكر احمد بن يحيى بن جابر البلاذرى عن المدائنى ان وظيفة دمشق التى وظفها معاوية رضي الله عنه اربع مائة الف دينار۔ وهذا بعد صرف ما لا بد من صرفه فى ديوان الجند والولاة وارزاق الفقهاء والمؤذنين والقضاة۔ وهذا يدل على كثرة دخلها وعظم البركة فى مستغلها)) [1]

عراق

مورخ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عبداللہ بن دراج کو عراق کے خراج کا والی مقرر فرمایا۔ انھوں نے مختلف زمینوں سے خراج حاصل کیا جس کی مقدار پچاس لاکھ درہم تک پہنچی۔

((فلما ولى معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما ولى عبدالله بن دراج مولاه خراج العراق واستخرج له من الارضين بالبطائح ما بلغت غلته خمسة الاف الف)) [2]

مصر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں متعدد حضرات آں موصوف کی طرف سے مصر میں خراج کے والی رہے ہیں ان میں مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بھی ہیں انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کے

---

۱ تاریخ ابن عساکر ص ۲۳۹ ج ۱ (بہ تحقیق صلاح الدین المنجد) تحت باب ما نقل عن اہل المعرفہ فی ان البرکہ فیہا مضعفہ، طبع اول دمشق

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۰۱ تحت امر البطائح

علاقے میں والی بنا کر بھیجا تھا اور یہ وصولی خراج کے ذمہ دار تھے اور نماز کے انتظامات بھی ان کے ہی سپرد تھے۔

((وامره بعد ذالك على مصر وقال ابوعمر الكندى جمع له معاوية رضي الله عنه فى امر مصر بين الخراج والصلاة))[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح مصر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی وہاں کے حاکم اور والی رہے ہیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دور ولایت میں مصر کے علاقے کے خراج اور زمین کی آمدنی مورخین نے نوے لاکھ دینار ذکر کی ہے۔

((ولما وليها (عمرو بن العاص رضي الله عنه) فى ايام معاويه جباها تسعة الاف الف دينار))[2]

مقریزی نے اپنی تصنیف الخطط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے باقی مصارف پورے کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فاضل آمدنی چھ لاکھ دینار ارسال کی۔

((بعث الى معاوية رضي الله عنه بستمائة الف دينار فضل))[3]

شیعی مورخ یعقوبی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علاقہ مصر سے خراج اور جزیہ کی مقدار پچاس لاکھ دینار ذکر کی ہے۔

((فبلغ خراج الارض فى ايام معاوية مع جزية رءوس الرجال خمسة الاف الف دينار))[4]

نیز شیعی مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ یعقوبی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف ممالک مفتوحہ سے خراج اور جزیہ کی آمدن کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ناظرین کرام کو اگر اس سلسلے میں مزید تفصیلات مطلوب ہوں تو تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ۲ طبع بیروت تحت حالات خلافت معاویہ ملاحظہ فرمائیں۔

اختتامی کلمات (برائے فصل دوم)

فتوحات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے یہ چند ایک واقعات اختصاراً ناظرین

---

[1] الاصابہ ص ۴۸۲ ج ۲ تحت ۵۶۰۳، عقبہ بن عامر جہنی مع الاستیعاب

[2] معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۱۴۱ ج ۱۸ تحت ذکر مصر۔

[3] الخطط (مقریزی) ص ۷۹ ج ۱ تحت ذکر ما عملہ المسلمون عند فتح مصر فی الخراج

[4] کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۹۳ طبع عراق۔

کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ اس دور کے تمام غزوات اور سب فتوحات کا تفصیلاً تذکرہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ فتوحات کے مذکورہ بالا بیان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اشاعت اسلام اور فروغ دین کے لیے ان کی مساعی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان تمام مفتوحہ ممالک اور علاقہ جات میں دینی تعلیم کا انتظام، احکام شرعی کی ترویج، صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ عمومی تعلیم کے فروغ کی کوششیں اور پبلک کی معاشی ضروریات کے انتظامات کیے جاتے تھے۔ حالانکہ ان کے عہد میں اسلامی حکومت کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔

کبار مورخین کے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی سلطنت کی حدود سمرقند و بخارا سے لے کر اقصائے مغرب میں قیروان تک اور یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ ملک حجاز، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، آرمینیہ، روم، فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ یہ تمام ممالک اور علاقے اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف دول الاسلام میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے اور قبل ازیں یہ حوالہ ہم نے مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۴۸ پر ذکر کیا ہے:

((صار ملك الدنيا تحت حكمه من حدود بخارا الى القيروان من المغرب ومن اقصى اليمن الى حدود قسطنطينية واقليم الحجاز واليمن والشام ومصر والمغرب والعراق والجزيرة و آرمينية والروم و فارس والخراسان والجبال وماوراء النهر))[1]

اسی سلسلے میں تاریخ بلدہ دمشق میں ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے تحت ان کے عہد کی وسعت اور کارگزاری کا ایک اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

((ففتح الله به الفتوح ويغزو الروم ويقسم الفيئ والغنيمة ويقيم حدود الله والله لا يضيع اجر من احسن عملا))[2]

"یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بے شمار ممالک فتح کیے۔ ملک روم (جو اس دور کا عظیم ملک تھا) ان کے سبب سے مفتوح ہوا۔ (ان ممالک میں حضرت موصوف مال فے اور اموال غنائم کو مستحقین میں تقسیم کرتے تھے اور حدود اللہ کو جاری کرتے تھے۔ اللہ کریم کسی شخص کے نیک عمل کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا پس ان کو اپنے ان اعمال کے عوض یقیناً اجر ملے گا۔"

---

۱ کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ا تحت سنہ ۶۰ھ طبع دائرۃ المعارف دکن۔

۲ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) عکسی ص ۶۷۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

مطلب یہ ہے کہ ان تمام ممالک کے علاقہ جات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے دین کو فروغ اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا صحیح نقشہ قائم ہو گیا۔

اسلام کے احیا اور بقا کی ان ہمہ گیر کوششوں کو نظر انداز کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ایک جابر، ظالم، طماع، متغلب فرماں روا کی شکل میں پیش کرنا نہایت ناانصافی ہے اور گروہی تعصب کا مظاہرہ ہے۔ جبکہ کبار مورخین صاف طور پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی احکام نافذ تھے اور حدود اللہ کا اجرا کیا جاتا تھا اور مال فے اور غنائم کی تقسیم حسب قواعد شرعی ہوتی تھی۔ ابن عساکر وغیرہ کے بیانات اس بات پر شاہد ہیں جنھیں آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے۔

فصل سوم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عہدہ داروں کا ایک اجمالی خاکہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کثیر ممالک کی فتوحات کے ساتھ ساتھ ان مقامات کے انتظامی امور کا بھی ایک عملی نظم قائم کیا جاتا تھا، جیسا کہ سابق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ کام جاری رہا ہے۔

① مثلاً ہر ایک علاقے کے لیے والی اور حاکم مقرر کیے جاتے اور فوجی افسر و سپہ سالار ان کے ماتحت ہوتے تھے۔

② محکمہ قضا کا پورا اہتمام تھا عوام و خواص کے تنازعات کے فیصلہ جات کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔

③ تعلیم و افتا کا اہتمام، عام اہل اسلام کے لیے معلّمین حسب ضرورت متعین کیے جاتے تھے اور مفتیوں اور فقہاء کے لیے الگ منصب تھا۔ ان کے ذریعے سے دینی تعلیم عام کی جاتی تھی۔

④ نیز انشاء اور مراسلہ نگاری کے طریقے رائج کیے گئے اور دیوان خاتم قائم کر کے سرکاری خطوط و مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ رائج کیا گیا۔

⑤ صیغہ فوج، محکمہ پولیس اور حفاظتی دستوں کا ایک الگ نظم قائم کیا گیا۔

⑥ اور ہر سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں انتظامات کے لیے امیر حج کی ضرورت ہوتی تھی آپ امیر حج خود مقرر کرتے تھے۔

فصل ہذا میں ان عنوانات کو بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے۔

① ولاۃ و حکام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود نہایت وسیع تھیں اور بے شمار ممالک ان کے زیر تحویل تھے اس بنا پر ان کے والی اور حکام کی تعداد بے شمار تھی اور ہر علاقہ کے لیے ایک الگ حاکم کی ضرورت پڑتی تھی پھر اس کے لیے لاتعداد ولاۃ مقرر کیے جاتے تھے۔ اس صورت حال کی بنا پر صحیح طور پر

ولاۃ و حکام کی تعداد تحریر کرنا نہایت مشکل امر ہے تاہم مشاہیر امرا اور معروف حکام کا ذکر کرنا مفید خیال کیا ہے۔ فلہٰذا ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات اور دینی کارناموں کا ایک نقشہ سامنے آ سکے گا:

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے حاکم تھے۔ جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور بڑے عقلمند اور شجاع تھے۔ اپنی معاملہ فہمی اور دانشمندی کی بنا پر ان کا عرب کے سیاست دانوں میں ایک مقتدر مقام تھا۔ عہد نبوی میں جیوش (لشکروں) کے امیر رہے اور کئی علاقوں کے عامل اور والی بنائے گئے پھر شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں ان کی فتوحات اور کارنامے مسلم ہیں۔

مصر ان کی مساعی جمیلہ سے فتح ہوا۔ فاروقی دور میں امیر مصر رہے اور خلافت عثمانی میں بھی کچھ مدت امیر مصر رہے اور پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مصر کے حاکم بنائے گئے اور ۳۸ھ سے ۴۳ھ تک مصر کے والی رہے۔ صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں مصر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم مشیر اور اعلیٰ درجے کے حاکم تھے۔[۱]

(۲) اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو بڑے پایہ کے صحابی ہیں) آں موصوف کی طرف سے کوفہ کے والی بنائے گئے اور پھر اپنے انتقال تک (جو اکثریت کے نزدیک ۵۰ھ میں ہوا تھا) کوفہ کے والی اور حاکم رہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عمرہ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے تھے اور ''بیعت رضوان'' میں شمولیت کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جمل و صفین کے معرکوں سے الگ رہے لیکن بعد میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ خلیفہ تجویز ہو گئے تو ان سے بیعت کر لی اور پھر ان کی طرف سے کوفہ پر والی اور حاکم رہے۔[۲]

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں بصرہ کے والی اور قاضی رہے ہیں۔ آپ کی بصرہ کی ولایت کے دوران میں ایک عجیب عدالتی مرحلہ پیش آیا جسے علماء نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عنین (نامرد) کا تنازع پیش ہوا تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلہ کی حقیقت حال تحریر کر کے طریق فیصلہ طلب کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ تھے آپ نے عجیب صورت پیش کی۔

۱۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۰۲ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۳۲ ج ۳ تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ بیت المال کی طرف سے لونڈی خرید کر اس شخص کے ساتھ شب باشی کا موقع فراہم کریں۔ اس کے بعد اس لونڈی سے اس شخص کا حال دریافت کریں۔ چنانچہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے لونڈی سے اس شخص کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا:

((فقالت لم یصنع شیئا۔ فقال خل سبیلها یا محصحص))

''یعنی اس شخص نے میرے ساتھ کچھ معاملہ نہیں کیا۔ اس پر حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ اس زوجہ کو (جس کی طرف سے دعویٰ تھا) چھوڑ دے اور ترک کر دے۔''[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے ولاۃ اور حکام کو جب کوئی مشکل امر یا مسئلہ پیش آتا تھا تو وہ آپ کی طرف رجوع کر کے راہنمائی حاصل کرتے اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔ نیز یہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عالی فکری اور دانشمندی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۴) عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں اور بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ اپنے دور کے عمدہ قاری اور فقیہ تھے اور قرآن مجید کے جمع کرنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بہت سی اسلامی فتوحات خصوصاً فتح دمشق میں شریک و شامل ہوئے اور ۴۷ھ میں بحری غزوات میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی طرف سے مصر کے حاکم اور والی رہے۔ پھر ۵۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[2]

(۵) مالک بن ہبیرہ بن خالد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ابوسعید ان کی کنیت ہے۔ یہ فتح مصر میں شامل تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کے علاقہ پر ۵۶ھ میں امیر اور حاکم مقرر فرمایا۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کئی اسلامی لشکروں کے امیر رہے ہیں۔

((کان امیرا لمعاویة علی الجیوش))[3]

(۶) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاونین میں سے ایک مشہور صحابی حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ ہیں آپ

---

۱ غریب الحدیث (ابن قتیبہ) ص ۳۰۱ ج ۴ تحت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ
الفائق (زمخشری) ص ۱۳۴ ج ۱ تحت محصحص، طبع دکن

۲ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۸۲ ج ۲ تحت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ ص ۴۱۷ ج ۳ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۰۶ ج ۲ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

۳ اسد الغابہ ص ۲۹۶ ج ۴ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۴۷ ج ۳ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ
تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) ص ۵۳ ج ۲ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ

آں موصوف کی طرف سے متعدد مقامات پر والی بنائے جاتے بلاد روم کے غزوات پر ان کو آمادہ کر کے روانہ کیا جاتا تھا پھر اس سلسلے میں ان کو غلبہ حاصل ہوتا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیتے۔ آخر عمر میں آپ کو آرمینیہ کا والی اور حاکم مقرر کیا گیا جہاں ان کا ۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

((وكان معاوية رضي الله عنه يغزيه الروم فيكون له فيهم نكاية واثر ثم وجهه الى ارمينيه واليا عليها فمات بها سنة اثنين واربعين))[1]

(۷) ایک شخص جناب ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں یہ کئی غزوات میں شامل ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ولایت میں ان کو الجزیرہ پر عامل اور والی بنایا گیا اور انھوں نے ملک شام میں سکونت اختیار کی۔

((وذكر خليفة ان معاوية رضي الله عنه استعمله على الجزيرة))[2]

(۸) ایک بزرگ شرحبیل بن سمط کندی ہیں انھوں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دور پایا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حمص کے علاقے پر متعدد برس والی رہے اور ان کا انتقال بھی حمص میں ہی ہوا، اور یہ اسپ سواروں میں سے تھے۔

((امير حمص لمعاوية رضي الله عنه و كان من فرسانه))[3]

(۹) ایک صاحب نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ہیں ان کا صغار صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے والی رہے پھر کچھ مدت کے بعد ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا۔ یہ ملک شام چلے گئے۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔[4]

((لما عزل معاوية رضي الله عنه النعمان بن بشير رضي الله عنهما عن الكوفة ولاه حمص))[5]

(۱۰) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ولاۃ اور حکام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو بنی عبد شمس میں سے مشہور شخصیت ہیں اور ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے، عام طور پر بصرہ اور اس کے مضافات پر حاکم رہے اور اس علاقہ میں خوارج کی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں ان کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ مشرقی ممالک

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۳۰ ج ۷ قسم ثانی تحت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ ص ۳۷۵ ج ۱ تحت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ

[2] الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۰۰ ج ۴ تحت الہا (ابو ہاشم)

[3] الاستیعاب مع الاصابہ ص ۱۴۰ ج ۲ تحت شرحبیل بن سمط
الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۴۲ ج ۲ تحت شرحبیل بن سمط کندی
تجرید اسماء الصحابہ ص ۲۷۴ ج ۱ تحت شرحبیل بن سمط

[4] طبقات ابن سعد ص ۳۵ ج ۶ تحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما

[5] اسد الغابہ ص ۲۳ ج ۵ تحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما

(سجستان، خراسان وغیرہ) میں انھوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور وہاں اسلام کے فروغ کے لیے بے شمار کوششیں کیں۔

((وقد فتح الله على يدى عبدالله فتوحا عظيمه))[۱]

(۱۱) عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بڑی فتوحات کیں۔ خصوصاً سجستان اور خراسان اور کابل وغیرہ علاقوں پر والی اور حاکم رہے۔ پھر انھوں نے بصرہ میں اقامت اختیار کر لی۔ ان کا ایک سکونتی مکان دمشق میں بھی تھا ۵۰ھ میں آپ نے بصرہ میں انتقال فرمایا۔[۲]

(۱۲) مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں عام الہجرت میں ان کی ولادت ہوئی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کا سماع ان کے لیے ثابت ہے فتح مصر میں یہ حاضر تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکروں پر امیر تھے۔ ان کا انتقال ۶۲ھ میں ہوا،[۳] اور ان کو بعض دفعہ مصر کا والی بنایا گیا۔[۴]

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور دیگر اکابر حضرات مختلف علاقوں پر والی، حاکم اور امیر متعین تھے اور ان میں سے متعدد حضرات مختلف مواقع پر امیر جیش اور فوج کے سپہ سالار بھی رہے ہیں۔

تفصیلات سے اجتناب کی خاطر ذیل میں ہم چند ایک حضرات کے صرف اسماء ذکر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں مثلاً:

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ — مصقلہ بن ہبیرہ رحمہ اللہ
فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ — راشد بن عمرو جدیدی رحمہ اللہ
معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ — عبداللہ بن سوار عبدی رحمہ اللہ
رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ — سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی رحمہ اللہ
یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ عنہ — منذر بن جارود رحمہ اللہ

---

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۰۰ ج ۲ تحت ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ ص ۸۸ ج ۸ تحت ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۱ ج ۲ تحت ترجمہ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ ص ۴۷ ج ۸ تحت ۵۰ھ

۳ البدایہ والنہایہ، ص ۲۱۷ ج ۸ تحت سنہ ۶۲ھ
تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۳ ج ۲ تحت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

۴ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۷ جز رابع قسم اول تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

قیس بن الہیثم سلمی رحمہ اللہ	خالد بن عرفطہ ازدی رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن خازم سلمی رحمہ اللہ	عبداللہ بن عوف بن احمر رحمہ اللہ
حارث بن عبداللہ ازدی رحمہ اللہ	معقل بن قیس رضی اللہ عنہ
حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ	شبث بن ربعی رحمہ اللہ
ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ	مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ
سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ
ضحاک بن قیس رحمہ اللہ (امیر پولیس)	قثم بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ
سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ	مجاہد بن جبر رحمہ اللہ
عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما	ایاز بن حارث رحمہ اللہ
ابوحکیم مالک بن عبداللہ رحمہ اللہ	عمرو بن یزید جہنی رحمہ اللہ
عبداللہ بن مسعدہ فزاری رضی اللہ عنہ	عمیر بن حباب سلمی رحمہ اللہ
سفیان بن عوف ازدی رحمہ اللہ	عبیدہ بن قیس عقیلی رحمہ اللہ
عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ	عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ
مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی رحمہ اللہ	حسان بن نعمان غسانی رحمہ اللہ
عمر بن مرہ مہری رحمہ اللہ	دینار ابومہاجر رحمہ اللہ
جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ	عطیہ بن قیس کلابی رحمہ اللہ (قاری)
کثیر بن شہاب رحمہ اللہ	اسماعیل بن عبداللہ رحمہ اللہ (قاری)
عمر بن سعید رضی اللہ عنہ (انصاری)	

(۲)-(۳) قضاۃ، فقہاء اور معلّمین

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جس طرح مختلف علاقوں میں ولاۃ، حکام اور امراء کا تقرر کیا جاتا تھا اسی طرح ان علاقوں میں قاضیوں اور مفتیوں کو بھی متعین کیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ بہت وسیع تھا۔ ذیل میں چند ایک قضاۃ فقہاء اور معلّمین کا ذکر اختصاراً بطور تمثیل کیا جاتا ہے تاکہ یہاں سے اس دور کی دینی وملّی خدمات اور اشاعت اسلام کے لیے مساعی کا اندازہ ہو سکے۔

① مشہور صحابی عبادہ بن صامت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں سکونت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فلسطین کے قاضی تھے۔

((و ولی فلسطین وسکن الشام))[1]

(۲) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قاضی بصرہ تھے۔

(۳) حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ علاقہ شام میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم مقرر تھے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی دمشق مقرر فرمایا۔[2]

۴۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ (جو ایک مشہور صحابی ہیں) کو حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کے بعد قضائے دمشق کا منصب عطا کیا گیا۔

((وولاہ معاویۃ قضاء دمشق بعد ابی درداء رضی اللہ عنہ))[3]

(۵) ((ثم مات فضالۃ فولی ابا ادریس الخولانی...... الخ))[4]

''یعنی فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوادریس خولانی رحمہ اللہ کو اس منصب پر متعین فرمایا۔''

(۶) اکابر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمیرہ بن یثربی ضبی، عمران بن حصین، عاصم بن فضالہ لیثی، شریح، زرارہ بن اوفی خرشی اور عبدالرحمٰن بن اذینہ اپنے اپنے وقت میں بصرہ کے علاقہ میں قاضی متعین تھے۔[5]

(۱۲) تا (۱۳)۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ کوفہ کے علاقہ میں مشہور قاضی شریح بن حارث کندی رحمہ اللہ متعین تھے اور نیز مسروق بن اجدع رحمہ اللہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے ہیں[6] جبکہ قاضی شریح رحمہ اللہ بصرہ چلے گئے تھے۔

(۱۴) مدینہ طیبہ میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاضی مقرر تھے جیسا کہ وہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی مدینہ کے قاضی اور مفتی مقرر تھے۔[7]

(۱۵) عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔[8]

۱۔ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۱۸ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۱۱۷-۱۱۸ ج ۷ قسم ثانی تحت ابی درداء عویمر بن زید بن قیس رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۶ ج ۳ تحت عویمر ابی درداء رضی اللہ عنہ

۳۔ اسد الغابہ ص ۱۸۲ ج ۴ تحت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ

۴۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ رضی اللہ عنہ الخ

۵۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ۱ تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ

۶۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ۱ تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ

۷۔ طبقات ابن سعد ص ۱۱۶ ج ۲ قسم ثانی تحت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (طبع لیڈن)

۸۔ طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل (طبع لیڈن)

اسد الغابہ ص ۲۶۹ ج ۳ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب

اور مدینہ طیبہ میں مندرجہ ذیل حضرات بھی اپنے اپنے وقت میں قاضی رہے ہیں۔

(۱۶) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف

(۱۷) مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف

(۱۸) ابن زبعہ عامری وغیرہ

اسی طرح قاضیوں کا یہ سلسلہ بہت پھیلا ہوا تھا اور ہر علاقے اور مقام کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کا احاطہ کرنا دشوار کام ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ:

((وكان لكل ولاية قاض خاص))

شیعہ کی طرف سے تائید

گزشتہ سطور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں بعض قضاۃ اور فقہاء کا اختصاراً ذکر کیا گیا ہے۔ اس دور کے تمام فقہاء کے اسماء شمار کر لینا دشوار امر ہے۔ اب ہم ذیل میں شیعہ احباب کی مشہور تاریخ یعقوبی سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فقہاء کے اسماء نقل کرتے ہیں جو مورخ یعقوبی شیعی نے ذکر کیے ہیں۔ مسئلہ ہذا کی تائید کے طور پر فریق مخالف کی طرف سے یہ بیان نقل کیا جاتا ہے۔[1]

۱۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
۲۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما
۳۔ مسور بن مخرمہ زہری رحمہ اللہ
۴۔ سائب بن یزید رحمہ اللہ
۵۔ عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ
۶۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث رحمہ اللہ
۷۔ سعید بن میسب رحمہ اللہ
۸۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ
۹۔ عطاء بن یسار رحمہ اللہ
۱۰۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ
۱۱۔ عبیدہ بن قیس سلمانی رحمہ اللہ
۱۲۔ ربیع بن خثیم ثوری رحمہ اللہ
۱۳۔ زر بن حبیش رحمہ اللہ
۱۴۔ حارث بن قیس جعفی رحمہ اللہ
۱۵۔ عمرو بن عتبہ بن فرقد رحمہ اللہ
۱۶۔ الاحنف بن قیس رحمہ اللہ
۱۷۔ حارث بن عمیر زبیدی رحمہ اللہ
۱۸۔ سوید بن غفلہ جعفی رحمہ اللہ
۱۹۔ عمرو بن میمون اودی رحمہ اللہ
۲۰۔ عطرف بن عبداللہ بن شخیر رحمہ اللہ
۲۱۔ شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ
۲۲۔ عمرو بن شرجبیل رحمہ اللہ

---

[1] تاریخ یعقوبی ص ۲۴۰-۲۴۱ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی

۲۳۔عبداللہ بن یزید خطمی رحمہ اللہ	۲۴۔حارث الاعور ہمدانی رحمہ اللہ
۲۵۔مسروق بن اجدع رحمہ اللہ	۲۶۔علقمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ
۲۷۔شریح بن حارث کندی رحمہ اللہ	۲۸۔زید بن وہب ہمدانی رحمہ اللہ

اہم تنبیہ

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے عہدہ داروں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا ہے جو بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بیشتر مشاہیر تابعین پر مشتمل ہے۔ ان تمام حضرات نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون کیا اور امور خلافت کی انجام دہی میں عملاً تائید وتصدیق کی۔ ان اکابرین امت کا یہ عملی تعاون اس بات پر قوی شاہد ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق خلیفۃ المسلمین تھے، جائر غاصب اور ظالم حکمران اور متغلب فرمانروانہیں تھے۔ اور اس عہد میں شرعی قانون نافذ تھا اور اسلامی احکام کی پابندی کی جاتی تھی۔

جن لوگوں نے اس عہد خلافت میں ''احکام شریعت'' کی صریح خلاف ورزی کرنے کا تاثر دیا ہے وہ واقعات کے برخلاف ہے اور بے جا تعصب اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین امت کی اس کثیر تعداد کا عملی تعاون فرمان خداوندی وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى کی عملی تفسیر ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی بین دلیل ہے۔ کیونکہ یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین اللہ تعالیٰ کے واضح فرمان وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (یعنی گناہ اور حق سے تجاوز پر باہم تعاون مت کرو) کی خلاف ورزی پر ہرگز متحد نہیں ہو سکتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ اس عہد کے کثیر صحابہ وتابعین کا تعامل وعملی تعاون اس دور کی صداقت وحقانیت پر واضح ثبوت موجود ہے جس کو کوئی منصف طبع آدمی رد نہیں کر سکتا۔

محاسبہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے عمال وحکام کا محاسبہ بھی کیا جاتا تھا تاکہ عدل وانصاف اور عمومی احتساب قائم رہ سکے۔

عام دستور ہے کہ بیدار مغز خلفاء اور حکمران اپنے ماتحت عملہ کی جانچ پڑتال کیا کرتے ہیں، حساب کتاب کے معاملات میں گرفت کی جاتی ہے اور دیگر امور مملکت میں پورا پورا احتساب کیا جاتا ہے۔ جس حکومت میں محاسبہ کا خوف وخطر نہیں اس کا طریقہ کار بمشکل ہی صحیح رہ سکتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے عمال اور حکام کے محاسبہ کا عمل جاری تھا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی یہ نظم جاری رہتا تھا۔ تمثیل کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

حکومت عادلہ کے عہد کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

ایک واقعہ

مشہور مورخ ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالہ سے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس میں عمال اور حکام سے محاسبہ کا ذکر ہے:

((ان معاوية كان يحاسبهم فقدم عليه ابوراشد الازدى من فلسطين فحاسبه بنفسه فبكى ابوراشد فقال له معاوية رضي الله عنه ما يبكيك؟ فقال ما من المحاسبة ابكى وانما ذكرت حساب يوم القيامة فتركه معاوية رضي الله عنه ولم يحاسبه))[1]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عمال کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ ایک بار فلسطین سے ان کے ایک عامل ابوراشد ازدی رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بذات خود محاسبہ کرنے لگے۔ اس اثنا میں ابوراشدؓ رونے لگے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ابوراشد نے جواباً ذکر کیا کہ میں اس محاسبہ کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ مجھے تو قیامت کا حساب و کتاب یاد آ گیا ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا اور محاسبہ نہیں فرمایا۔

④ مراسلات وخطوط و ذرائع خبر رسانی

جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حکومت کی طرف سے احکامات کی ترسیل کا ایک نظم قائم تھا جس کے ذریعے سے بعید ترین مقامات پر بھی پیغامات اور احکامات بروقت پہنچائے جاتے تھے اور ان علاقہ جات کے ضروری احوال وکوائف کی اطلاع مرکز میں جلد پہنچ جاتی تھی، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں البرید کے نام سے مراسلات کی ترسیل کا ایک طریقہ جاری تھا جس میں ڈاک کے ارسال کے لیے قریباً ۱۲ میل کی مسافت پر ایک منزل متعین کر کے وہاں تیز رو اور تازہ دم سواریاں رکھی جاتی تھیں۔ جب ایک منزل پر ڈاک پہنچتی تو فوراً تیز گام سواریوں کے ذریعے سے اسے دوسری منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ اس طریقہ سے مرکز کے احکامات ان ممالک میں پہنچتے اور وہاں کے حالات کی خبر رسانی یہاں ہوتی تھی۔

((وبذالك كانت تصل الكتب الى الامراء والعمال فى اسرع وقت يمكن وكان بين كل منزلتين اربعة فراسخ او اثنا عشره ميلا وتسمى هذا المسافة

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۰۲ ج ۲ تحت نمبر ۵۱۵۹ عبدالرحمن بن عبد
تاریخ دمشق (ابن عساکر) ص ۴۳ ج ۱۰ تحت عبدالرحمن بن عبید، یا بن عبدص (مخطوطہ)

بریدا))[1]

اور ساتھ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ بھی جاری کیا گیا تھا جس کا قبل ازیں رواج نہیں تھا۔

((فاحدث معاوية رضي الله عنه عند ذالك ديوان الخاتم وحزم الكتب وكانت قبل لا تحزم))[2]

نیز تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مہر کا نقش لا قوة الا بالله تھا، اور مہر لگانے کے دفتر ''دیوان الخاتم'' پر عبداللہ بن عمرو حمیری متعین تھا۔

((عن محمد بن المبارك قال كان نقش خاتم معاوية رضي الله عنه لا قوة الا بالله))[3]

علمائے تاریخ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے منشی (کاتب الرسائل) عبیداللہ بن اوس غسانی تھے اور ان کے دیوان پر نگران اعلیٰ سرجون بن منصور رومی تھا۔[4]

تنبیہ

یہاں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ سرکاری مراسلات اور شاہی فرامین پر مہر لگانے کی ضرورت اس طرح پیش آئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک شخص کے حق میں ایک لاکھ درہم یا دینار دینے کا حکم تحریر کیا۔ اس شخص نے اس تحریر میں تصرف کر کے دو لاکھ سرکاری دفتر سے وصول کیے۔ جب یہ حساب کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آں موصوف نے گرفت کی اور محاسبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اصل حکم نامہ میں تصرف کیے جانے سے یہ دو لاکھ ادا ہو گئے۔ اس کے بعد سرکاری تحریر پر مہر لگا کر بند کرنے کا حکم جاری کیا گیا تا کہ اصل حکم میں کوئی تصرف نہ ہو سکے۔

((وسبب اتخاذه له انه امر لرجل بمائة الف ففك الكتاب وجعله مائتى الف فلما رفع الحساب الى معاويه رضي الله عنه انكر ذالك واتخذ ديوان الخاتم من يومئذ))[5]

اور شیعہ مورخین نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف شعبوں کے لیے

---

[1] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۸۴ ج ۲ تحت البیعۃ لیزید لولایۃ العہد

[2] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۸۵ ج ۲ تحت البیعۃ لیزید لولایۃ العہد

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۱۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

[4] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ، ص ۱۴۶ ج ۸ تحت فصل کان علیٰ قضاء معاویہ ابودرداء

[5] تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۴۰ فصل فی نبذ من اخبارہ۔ تاریخ فخری شیعی میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

الگ الگ دفاتر قائم تھے اور سرکاری خطوط اور شاہی فرامین کی نقول رکھنے کا بھی معقول نظم قائم تھا۔

چنانچہ تاریخ یعقوبی شیعی میں مذکور ہے کہ

((وکان اول من دون الدواوین وضع النسخ للکتب و افرد کتاب الرسائل من العرب والموالی المتفصحین))[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسلت

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکتوب ارسال کرتے اور وقتی ضروریات کے تحت ان کی باہم مراسلت ہوتی تھی۔

اس مقام پر چند ایک مکتوب بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے اس دور کی مراسلہ نویسی کا طریقہ اور اسلوب تحریر معلوم ہوسکتا ہے اور ان حضرات کا باہمی ربط اور تعاون بھی واضح ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مراسلہ

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک مکتوب جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف انھوں نے لکھا تھا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ ایک الگ عنوان کے تحت ذکر ہوں گے وہاں مزید مراسلت بھی بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ یہاں صرف ایک مکتوب پیش خدمت ہے:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عرضداشت ارسال کی کہ آں موصوفہ میری طرف ایسا مختصر مکتوب ارسال فرمائیں جو میرے حق میں وصیت کا کام دے۔

پھر راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب ایک مراسلہ بالفاظ ذیل ارسال فرمایا:

((سلام علیك اما بعد فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من التمس رضا الله بسخط الناس کفاه الله مونة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط الله وکله الله الی الناس والسلام علیك))[2]

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۴ ج ۲ تحت احوال زیاد بن ابیہ

[2] ترمذی شریف ص ۳۴۸ تحت ابواب الزہد آخر باب ہذا، طبع ہند

مصابیح السنہ (امام بغوی) ص ۴۰۶-۴۰۷ ج ۳ کتاب الآداب باب العلم

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۱ ج ۱۴ کتاب الزہد، طبع کراچی

مسند اسحاق بن راہویہ ص ۶۰۰ ج ۲ تحت مسندات عائشہ رضی اللہ عنہا روایت نمبر ۱۳۲ طبع مدینہ منورہ

''یعنی سلام ہو آپ پر، اما بعد! تحقیق میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنجناب فرماتے تھے: جس شخص نے لوگوں کی ناراضی کے باوجود اللہ کی رضا کو طلب کیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ سے اس کے حق میں کفایت کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے باوجود لوگوں کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور آپ پر سلام ہو!''

مطلب یہ ہے کہ ہر کار خیر میں مسلمان کا مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہونی چاہیے۔ اس معاملہ میں لوگوں کی ناراضی کو خاطر میں نہ لانا چاہیے...... الخ

اس مراسلہ میں کمال نصیحت فرمائی گئی ہے اور راست گوئی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اور خط ہذا کا ذکر فصل دہم میں بھی آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مکتوب

نیز اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ جب آپ لکھنے لگے تو آپ نے تحریر کرنے والے سے فرمایا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے تحریر کی ابتدا کیجیے۔

((عن ابن عون عن نافع قال كانت لابن عمر رضي الله عنه حاجة الى معاوية رضي الله عنه فاراد ان يكتب اليه فقالوا ابدأ به۔ فلم يزالوا به حتى كتب بسم الله الرحمن الرحيم الى معاوية رضي الله عنه))[1]

خارجہ بن زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک مراسلہ

مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فرزند خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میرے والد گرامی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ بایں طور مکتوب ارسال کیا۔

((عن خارجة بن زيد عن كبرا آل زيد بن ثابت كتب بهذه الرسالة بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت: سلام عليك امير المؤمنين ورحمة الله فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو اما بعد:))[2]

---

[1] الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۴ تحت باب بمن یبداء فی الکتاب

[2] الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۳ تحت باب صدر الرسائل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، طبع مصر
الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۴ تحت باب بمن لبداء فی الکتاب
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۲۱ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ادب المفرد'' میں مذکورہ بالا خط کو بعض مقام پر ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔[1] اس مراسلہ کے الفاظ بعینہٖ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اس سے متعدد فوائد حاصل کیے جا سکیں:

((اخبرنا ابن ابی الزناد قال حدثنی ابی انه اخذ هذه الرسالة من خارجة بن زيد من كبراء ال زيد بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت سلام عليك امير المومنين ورحمة الله فانی احمد اليك الله الذی لا اله الا هو اما بعد: فانك تسألنی عن ميراث الجد والاخوة فذكر الرسالة ونسئل الله الهدى والحفظ والتثبت فی امرنا كله ونعوذ بالله ان نضل او نجهل او نكلف ما ليس لنا بعلم والسلام عليك امير المؤمنين و رحمة الله و بركاته ومغفرته وكتب وهيب يوم الخميس لثنتی عشرة بقيت من رمضان سنة اثنين واربعين ۴۲ھ))[1]

''یعنی خارجہ بن زید ذکر کرتے ہیں کہ ان کے والد گرامی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بہ عبارت ذیل مراسلہ تحریر کیا: اے امیر المومنین (معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد ذکر کرتا ہوں۔ اما بعد! آپ نے مجھ سے الجد والاخوہ کی میراث کے متعلق مسئلہ دریافت کیا ہے (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خط میں مسئلہ کی وضاحت ذکر کی) بعدہ لکھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور حفظ طلب کرتے ہیں اور اپنے دین کے معاملے میں ثابت قدمی کے خواستگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں بھٹک جانے، جہالت میں پڑنے یا اس بات کی تکلیف دیے جانے سے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اے امیر المومنین! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اس کی برکات ہوں اور مغفرت ہو۔ اس خط کو وہیب نے خمیس کے روز جبکہ رمضان شریف میں بارہ دن باقی تھے ۴۲ھ میں تحریر کیا۔''

فوائد

① یہاں سے معلوم ہوا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوب ارسال کرتے تھے اور ان کی باہم مراسلت جاری رہتی تھی۔

② نیز معلوم ہوا کہ اسلوب تحریر اس مبارک عہد میں اس طرح تھا کہ مکتوب ارسال کرنے والے کا نام پہلے

---

[1] الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۵ تحت باب من کتب آخر الکتاب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وکتب فلاں بن فلاں لعشر بقین من الشہر، طبع مصر

ذکر کیا جاتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام متصلاً بعد میں لکھا جاتا تھا۔

③ مکتوب کی ابتدا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے الفاظ سے کی جاتی تھی اور پھر مکتوب الیہ پر سلام اور اللہ کی رحمت بھیجی جاتی تھی پھر اس کے بعد خط کا اصل مضمون درج کیا جاتا تھا۔

④ نصائح، ہدایات اور دعائیہ کلمات آخر مکتوب میں درج کیے جاتے تھے، مراسلہ کا اختتام ''والسلام'' کے لفظ پر ہوتا تھا۔

⑤ قابل توجہ یہاں یہ چیز بھی ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے فرمانروا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کے موقع پر ''امیر المومنین'' کے لقب سے ہی یاد کرتے تھے۔ جیسا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو اس دور کے اہل اسلام ''امیر المومنین'' کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تعامل سے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''امیر المومنین'' کے لقب کے صحیح ہونے کی تائید و تصدیق پائی جاتی ہے۔

⑤ صیغہ فوج و محکمہ پولیس

فوجی ضرورت کے لیے مراکز

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی افواج کے لیے مختلف ممالک میں مراکز قائم کیے گئے تھے اور فوج کے لیے قلعے اور چھاؤنیاں قائم کر دی گئی تھیں۔

ساحل شام پر ایک قلعہ ''جبلہ'' تھا۔ یہ قلعہ پہلے افواج روم کا مرکز تھا، بعد میں برباد ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب ان مقامات کو فتح کیا تو اس مقام جبلہ پر قلعے کو نئے سرے سے آباد کیا اور اسے فوجی مرکز قرار دیا۔[1]

اسی طرح جب اہل اسلام نے انطرطوس کا مقام فتح کیا (یہ ایک مستقل قلعہ تھا) تو اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آباد کیا اور ایک شہر کی شکل میں بسایا۔ اسی کے ساتھ مرقیہ اور بلنیاس کے مقامات کو بھی آباد کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعض علاقوں میں فوجی ضروریات کے تحت مستقل شہر بھی آباد کیے اور ان کو چھاؤنی کی حیثیت دی مثلاً مرعش اور قیروان کی آبادکاری اسی مقصد کے تحت کی گئی تھی۔ اور آبادکاری کے تذکرہ میں بھی ان مندرجہ مقامات کو اپنی جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔

محکمہ پولیس

حکومت کے انتظامات اور امن عام کے لیے اندرون ملک شرطہ (پولیس) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ کے لیے پورے انتظامات کیے اور اس محکمے کا افسر اعلیٰ آپ کا

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص

غلام یزید بن حر تھا۔ پھر اس کی وفات کے بعد قیس بن حمزہ ہمدانی کو متعین کیا گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد اس کو معزول کر کے ذہل بن عمرو عذری کو حاکم مقرر کیا۔

((وعلی شرطه: یزید بن الحرمولاه، فمات یزید فولی قیس بن حمزة الهمدانی، ثم عزله وولی ذهل بن عمرو العذری))[1]

حفاظتی دستہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رمضان شریف ۴۰ھ میں خوارج کی طرف سے قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ (اس حملے کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے)[2] اس کے بعد آنجناب نے حفاظتی دستے کا انتظام کیا۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ موالی میں سے ایک شخص کو آنجناب نے حفاظتی دستے کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس کا نام مختار اور بقول بعض مالک تھا اور اس کی کنیت ابومخارق تھی۔ یہ شخص حمیر قبیلہ کے غلاموں میں سے تھا۔

((وکان علی حرسه رجل من الموالی یقال له المختار وقیل مالك ویکنی ابا المخارق۔ و مولی الحمیر وکان معاویة رضی اللہ عنہ اول من اتخذ الحرس))[3]

حاجب

نیز مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دفتری نظم قائم رکھنے کے لیے حاجب (دربان) کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور حاجب کے عہدے پر اپنے ایک غلام ابو ایوب کو متعین فرمایا تھا۔ بعض کے نزدیک اس حاجب کا نام سعد تھا۔

((وحاجبه ابوایوب مولاه))[4]

((وعلی حجابته سعد مولاه))[5]

⑥ امیران حج

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے والی، قاضی، فقہاء اور دیگر عہدہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس دور کے امیران حج کا بھی اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

---

1. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ا تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ سنہ ۵۹ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علیٰ قضاء معاویہ ابودرداء......الخ
2. یعنی دور سوم تحت عنوان اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ......الخ
3. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علیٰ قضاء معاویہ ابودرداء......الخ
4. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ا تحت من کان علی الرسال والدیوان
5. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علیٰ قضاء معاویہ......الخ

قدیم مورخین نے ذکر کیا ہے کہ ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے بھائی عتبہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان امیر حج تھے اسی طرح ۴۲ھ، ۴۶ھ، ۴۷ھ میں بھی یہی امیر حج متعین کیے گئے اور انھوں نے مکہ شریف میں حج کے جملہ انتظامات کیے۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۴ھ، ۵۰ھ اور ۵۱ھ میں خود امیر حج رہے اور تمام انتظامات آپ نے خود مکہ مکرمہ پہنچ کر سرانجام دیے تھے۔

۴۸ھ، ۴۹ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر حج مقرر ہوئے اور انھوں نے حج کے متعلقہ انتظامات کی تکمیل کی۔

اسی طرح باقی برسوں میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حج کے لیے امیر مقرر کیے جاتے تھے۔

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج اتحت سنہ ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۷ھ
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت عنوان وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہ (بعد تذکرہ وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج اتحت سنہ ۴۴، ۵۰، ۵۱ھ
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲
تاریخ ابن عساکر ص ۴۴۷ ج ۱۶ ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

فصل چہارم

رفاہی امور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے عہد خلافت میں رفاہی امور پر خاص توجہ تھی چنانچہ آپ کے عہد میں مفاد عامہ کے لیے بے شمار رفاہی کام سرانجام دیے گئے۔ اس سلسلے میں اس عہد کے کارنامے لاتعداد ہیں جن کی تفصیلات کو احاطہ ضبط میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم چند ایک رفاہی امور اور مفاد عامہ کی چیزیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات کی بہترین تصویر سامنے آتی ہے۔

آبادکاری

آں موصوف کے عہد خلافت میں شہروں کی آبادکاری کا ایک مستقل انتظام تھا اور اس سلسلے میں متعدد علاقوں میں جدید آبادکاری کی گئی اور شہر آباد کیے گئے اور پھر ساتھ ہی بہت سے مواضعات میں صنعت کار بسائے گئے اور صنعت کاری کو ترقی دی گئی چنانچہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ذکر کیا ہے کہ:

① پہلے جہاز سازی کا صرف ایک کارخانہ مصر میں تھا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سواحل روم میں کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا اور صنعت کاروں اور کاریگروں کو جمع کیا اور انھوں نے اردن میں ساحلی علاقے عکا کے مقام پر جہاز سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا۔

((وکانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بجمع الصناع والنجارين فجمعوا و رتبهم فی السواحل وکانت الصناعة فی الاردن بعكا))[1]

② اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ شام اور بلاد روم کے مابین مرعش ایک پرانا مشہور سرحدی شہر تھا یہ اس دور میں غیر آباد ہو گیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پھر سے آباد کیا اور اسلامی افواج کا مستقر بنایا اور وہاں فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔

((وکان معاوية رضی اللہ عنہ بنی مدينة مرعش و اسكنها جندا))[2]

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۴ تحت امر اردن

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۹۶ تحت ملطیہ

③ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں نے جب مقام انطرطوس فتح کیا تو وہاں اہل روم کا ایک قلعہ تھا وہ لوگ قلعہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انطرطوس کے مقام کو پھر سے بسایا اوراس کی آبادکاری کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں نیز مرقیہ اور بلنیاس کے مقامات کی آبادکاری کے لیے بھی اس نوع کے انتظامات کیے۔

((قالوا فتح عبادة (بن الصامت رضي الله عنه) والمسلمون معه انطرطوس وكان حصنا ثم جلاعنه اهله فبنى معاوية رضي الله عنه انطرطوس ومصرها واقطع بها القطائع وكذالك فعل بمرقية وبلنياس))[1]

④ اسلامی افواج نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیرکمان بلاد روم کے مختلف علاقے الاذقیہ، جبلہ اور انطرطوس وغیرہ فتح کیے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سواحل کو مضبوط کرنے کا کام مکمل کیا (تاکہ اہل اسلام دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں) تو مذکورہ مقامات کو بھی محفوظ اورمضبوط کرنے کا انتظام فرمایا۔

((قالوا افتتح ابوعبيدة رضي الله عنه الاذقيه وجبلة و انطرطوس على يدى عبادة بن الصامت رضي الله عنه وكان يوكل بها حفظه الى انغلاق البحر فلما كانت شحنه معاوية رضي الله عنه السواحل وتحصينه اياها شحنها وحصنها وامضى امرها عليه امر السواحل))[2]

⑤ آبادکاری کے سلسلے میں جہاں دیگر مقامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں شیعہ مورخین کے بیان کے مطابق یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ طرابلس کا شہر اوراس کے ساکنین فارس کے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں منتقل کر کے آباد کیا تھا۔ یہاں ایک نہایت عمدہ بندرگاہ تھی جہاں ایک ہزار کشتیاں ہروقت موجود رہتی تھیں۔ جبل، صیدا اور بیروت اس علاقے کے وہ مشہور مقامات ہیں جن میں ایسی اقوام کو سکونت دی گئی تھی جو اہل فارس سے تھیں اوران کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں منتقل کر کے آباد کیا تھا۔

چنانچہ یعقوبی شیعی نے لکھا ہے

((ومدينة طرابلس و اهلها قوم من الفرس كان معاوية بن ابى سفيان نقلهم اليها ولهم ميناء عجيب يحتمل الف مركب۔ وجبيل وصيداء و بيروت و

ا فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص
معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۲۷۰ ج ۳ تحت انطرطوس۔

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص

اهل هذه الكود كلها قوم من الفرس نقلهم اليها معاوية بن ابی سفیان))[1]

(۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں افریقہ کے مشہور شہر قیروان کی آبادکاری کی گئی پھر وہاں عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ کے ذریعے سے عظیم مسجد تعمیر کرائی گئی۔ اس چیز کا قبل ازیں بلادِ افریقہ کی فتوحات میں ذکر آ چکا ہے۔

(۷) اور اس طرح جو ممالک فتح ہوتے تھے ان میں مساجد تعمیر کرانا اور ان کو آباد رکھنا اس عہد کا ایک مستقل پروگرام تھا جس کے تحت مفتوحہ ممالک میں مساجد آباد کی جاتیں پھر ان میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا نظم بھی قائم کیا جاتا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ آبادکاری کے عنوان کے ضمن میں بہت سے شعبہ جات ہیں جن کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بڑے سلیقہ اور نظم سے قائم کیا گیا اور چلایا گیا۔

عنوان ہذا کے تحت ہم نے چند ایک چیزیں مختصراً درج کر دی ہیں۔ تمام واقعات کا استقصاء کر لینا پیش نظر نہیں۔ یہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رفاہی امور اور مفاد عامہ کے کارناموں کی طرف خصوصی توجہ رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے۔

نہروں اور چشموں کا اجرا اور پانی کے تالاب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نہروں کے اجرا پر خاص توجہ دی گئی اور عام پبلک کے افادہ کے لیے آب پاشی کے انتظامات کیے گئے۔

(۱) چنانچہ عراق کے علاقہ میں ایک نہر جاری کروائی گئی جو عوام الناس میں نہر معقل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو نہر کے اجرا کا حکم دیا اور بقول بعض زیاد نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ذریعے سے یہ کام سرانجام دیا۔ جب نہر کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا تو اس میں پانی کے اجرا کے لیے زیاد نے بطور تبرک حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو طلب کیا تا کہ وہ اس نہر کا افتتاح کریں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں۔ جب اس نہر کا ان کے مبارک ہاتھوں کے افتتاح ہوا تو لوگوں نے اس نہر کو نہر معقل کے نام سے موسوم کر دیا۔

((كلم المنذر ابن الجارود العبدی معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما فی حفر نهر ثار فكتب الى زياد فحفر نهر معقل فقال قوم جرى على يد معقل بن يسار فنسب اليه۔ وقال آخرون بل اجراه زياد على يد عبدالرحمن بن ابی بكرة او غيره فلما فرغ منه و ارادوا فتحه بعث زياد معقل بن يسار رضی اللہ عنہ ففتحه تبركا

[1] کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص۸۳ طبع بیروت

به لانه من اصحاب رسول الله ﷺ فقال الناس نهر معقل))[1]

(۲) اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ کے علاقہ میں اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر جاری کی گئی تھی اس کو ''قناۃ معاویہ'' وغیرہ اسماء سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ جب اس نہر کا گزر شہدائے احد کے مزارات کے قریب سے ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارکنوں کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقربا یہاں مدفون ہیں وہ انھیں یہاں سے دوسرے مقام پر منتقل کر لیں۔

چنانچہ اس اعلان کے پیش نظر لوگوں نے اپنے اقربا کے مزارات کو کھولا تو چالیس برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان شہدا کے جسم بالکل اسی طرح تر وتازہ تھے گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ اور حضرت امیر حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک سے کسی چیز کے ٹکرانے کی بنا پر خون ظاہر ہوا۔

واقعہ ہذا کو متعدد محدثین اور مورخین ابن شبہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند ایک حوالہ جات درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

((حدثنا هشام الدستوائی عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ قال: صرخ الی قتلانا یوم احدا اذا اجری معاویة العین فاستخرجناهم بعد اربعین سنه لینه اجسادهم تتثنی اطرافهم))[2]

((عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہما قال: لما اجری معاویة رضی اللہ عنہ العین عند قتلی احد بعد اربعین سنة استصرخناهم الیهم فاتیناهم فاخرجناهم فاصابت المسحاة قدم حمزة رضی اللہ عنہ فانبعث دما۔ وفی روایه ابن اسحاق عن جابر رضی اللہ عنہ قال فاخرجناهم کانما دفنوا بالامس))[3]

---

1. فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۶۶ تحت تمصیر البصرہ
2. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶ ج ۱۴ کتاب المغازی طبع کراچی
   مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۱۴ کتاب المغازی طبع کراچی
   مصنف عبدالرزاق ص ۵۴۷ ج ۳ روایت نمبر ۶۶۵۶
   کتاب التمہید (ابن عبدالبر) ص ۱۴۲ ج ۱۳ تحت حدیث ثالث لابی الرجال۔
3. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۴ تحت ذکر الصلوۃ علیٰ حمزۃ رضی اللہ عنہ وقتلی احد
   المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۶۹ ج ۲ باب غسل المیت، طبع اول مصر
   دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۲۹۱ ج ۳ طبع بیروت
   دلائل النبوۃ (ابونعیم اصفہانی) ص ۴۹۹ ج ۲ تحت ذکر ما یدل علیٰ حیاۃ الشہداء طبع جدید
   کتاب المناسک واماکن طرق الحج ص ۴۲۲ تحت قناۃ معاویہ الخ، تحقیق احمد الجاسر

فائدہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عوام الناس کی سہولت اور زمین کی آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے مدینہ طیبہ کے علاقے میں ایک نہر کا اجرا کرایا۔

② اور اس واقعہ سے یہ چیز بھی ثابت ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض دفعہ وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور و صدور ہوا ہے۔ اللہ کریم نے مدفون ہونے کے بعد اتنی مدت تک ان حضرات کے اجسام مبارکہ کو تروتازہ رکھا حتیٰ کہ بعض حضرات کے اجساد سے خون کا جاری ہونا بھی پایا گیا۔ یہ چیز ان کے حق میں عند اللہ زندہ رہنے اور مغفور و مقبول ہونے کا ثبوت ہے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ...... الآیہ

③ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عوام الناس کے فائدے اور ان کے چوپایوں کی سہولت کے لیے ایک بند بنوایا۔ اس میں بارش کا کثیر پانی جمع کیا جاتا تھا۔ مدینہ طیبہ سے قریباً بیس میل پر ایک نشیب میں یہ تالاب تیار کیا گیا۔

((فمن ذالك الى سد معاويه عشرون ميلا و يسد معاوية ماء كثير فى شعب))[1]

((ثم تقع فى جبال سود وهى التى يقال لها حرة المدينة۔ وبها واد قد كان معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما حبس سيله بسد فهو يحتبس فيه ماء۔ يرده الناس بمواشيهم يسقونها هو يسمى سد معاوية))[2]

آثار حرم کا تحفظ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملّی خدمات کے سلسلے میں یہ چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آں موصوف نے ''حرمین شریفین'' کے آثار کو محفوظ کرانے کے لیے خاص توجہ دی اور مفاد عامہ کی خاطر متعدد مقامات کو تحفظ دیا اور ان کو آباد کرایا۔

① مکہ مکرمہ کی حویلیوں کے لیے قبل ازیں کوئی خاص حفاظتی دروازے نہیں لگے ہوئے تھے اور غیر مقامی لوگ مثلاً اہل عراق اور اہل مصر وغیرہ اپنی اپنی جوانب و اطراف سے پہنچتے اور مکہ مکرمہ کی حویلیوں میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے۔ اس سلسلہ میں بندش کے طور پر دروازے لگوانے کی ضرورت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان مقامات پر دروازے لگوانے کا انتظام کیا۔ یہ دروازے اب حفاظتی رکاوٹ کا کام دیتے تھے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں منقول ہے کہ:

---

[1] کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج ص ۳۳۰ تحت طرق الربذۃ الی المدینہ

[2] بلاد العرب (حسن بن عبداللہ اصفہانی) ص ۴۰۱ تحت مواضع بقرب المدینہ

((لقد استخلف معاویة رضی اللہ عنہ و ما لدار بمکة باب))[1]

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ:

((قال لم یکن لدور ابواب کان اهل العراق واهل مصر یاتون بقطرانهم فیدخلون دور مکة فیربطون بها و اول من بوب معاویة))[2]

اور البدایہ میں مذکور ہے کہ

((قال ابوجعفر الباقر کانت ابواب مکه لا اغلاق لها و اول من اتخذ لها الابواب معاویة رضی اللہ عنہ))[3]

(۲) مکہ مکرمہ میں جو حرم شریف کے معالم (نشانات) تھے وہ مرور زمانہ سے بوسیدہ ہو کر معدوم ہونے لگے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کی تجدید کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ آں موصوف نے مدینہ طیبہ کے امیر مروان بن حکم کو فرمان ارسال کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ اگر زندہ ہوں تو ان کو تکلیف دی جائے کہ وہ آثار حرم کی پھر سے پوری طرح نشان دہی کریں کیونکہ وہ ان آثار سے خوب واقف ہیں اور پھر ان کے مطابق ان آثار کی تجدید وتحدید کی جائے چنانچہ حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ کی نشان دہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کیا گیا تا کہ اہل اسلام ان سے برکت اندوز ہوتے رہیں۔

((عن ابی صالح عن عکرمة قال درس شیٔ من معالم الحرم علی عهد معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فکتب الی مروان بن الحکم وهو عامله علی المدینة یأمره ان کان کرز بن علقمة الخزاعی رضی اللہ عنہ حیا ان یکلفه اقامة معالم الحرم لمعرفته بها وکان معمرا۔ فاقامها علیه فهی مواضع الانصاب الیوم))[4]

واقعہ ہذا قبل ازیں ہماری تصنیف ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۴۸-۱۴۹ میں ذکر ہو چکا ہے یہاں بعض حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۷ ج ۵ تحت باب الکراء فی الحرم

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۷۴۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

[4] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۶۱ تحت السیول بمکہ
تاریخ طبری ص ۳۵، ۳۶ ج ۱۳ تحت ذکر من مات او قتل سنہ ۸۰ھ
طبقات ابن سعد ص ۳۳۸ ج ۵ تحت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ طبع لیڈن
الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۵۷ ج ۳ نمبر ۷۳۹۹ تحت کرز بن علقمہ بن ہلال رضی اللہ عنہ
جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۲۳۶ تحت وھولاء بنی حلیل۔

③ دار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حفاظت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین کارناموں میں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ مکہ مکرمہ میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایک مسکن تھا جس کو دار خزیمہ کہا جاتا تھا۔ وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا متبرک سکونتی مکان تھا جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اقامت پذیر رہے اور اسی مکان میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد شریف جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی یہاں متولد ہوئی اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مکان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد جناب عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر ایک مسجد تعمیر کروا دی تھی جس میں اہل اسلام نمازیں ادا کرتے تھے اور اس کو بعد میں مولد فاطمۃ الزہرا کے نام سے کیا جاتا تھا اور وہ مکہ مکرمہ کے مواضعات میں سے مسجد الحرام کے بعد افضل ترین مقام ہے۔

((وفی کتاب الغزی توفیت خدیجة رضی الله عنها فی دارها التی تسمی دار خزیمة وکانت مسکن رسول الله صلی الله علیه وسلم وفیها ولدت خدیجة اولادها من رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یزل النبی صلی الله علیه وسلم مقیما فیها حتی هاجر فاخذها عقیل رضی الله عنه ثم اشتراها معاویة وهو خلیفة فجعلها مسجدا یصلی فیه ویعرف الیوم بمولد فاطمة وهو افضل موضع بمکة بعد مسجد الحرام))[1]

④ اہل تاریخ بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قدیم ایام میں قریش کے لیے ایک دار الندوہ تھا اس میں جنگی معاملات کے مشورے اور فیصلے ہوتے تھے اور شادی بیاہ کے موقع پر بھی وہاں قریش جمع ہوتے اور اپنی تقریبیں سرانجام دیتے تھے۔ قریش کے داروں میں سے یہ پہلا مشہور دار تھا اس کے بعد دار العجلہ تیار کیا گیا تھا۔

دار الندوہ ہمیشہ قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلا آرہا تھا پھر عکرمہ بن عامر نے اس دار الندوہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے دار الامارۃ تجویز کر دیا۔ دار الامارۃ میں حکام اور والی اقامت پذیر ہوتے اور انتظامی امور سرانجام دیتے تھے۔

((واما دارالندوة فبناها قصی بن کلاب فکانوا یجتمعون الیه فتقضی فیها الامور ثم کانت قریش بعده تجتمع فیها فتتشاور فی حروبها وامورها وتعقد الالویة وتزوج من اراد التزویج وکانت اول دار بنیت بمکة من دور

---

[1] تاریخ الخمیس (دیار بکری) ص ۳۰۱، ۳۰۲ ج ا تحت وفاۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

قريش ثم دار العجلة وهى دار سعيد بن سعد بن سهم فلم تزل دارالندوة لبنى عبدالدار بن قصى حتى باعها عكرمة بن عامر بن هاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بنى قصى من معاوية رضی اللہ عنہ بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما فجعلها دار الامارة))[1]

مدینہ منورہ میں آثار نبوی کی جستجو اور رفاہ عامہ کے مقامات کی تعمیری خدمات

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جس طرح مکہ مکرمہ میں خاص خاص مقامات کا تحفظ کیا اسی طرح مدینہ طیبہ میں اس دور کی دینی وملّی ضروریات کے مطابق بعض آثار کو محفوظ کیا، بعض قصر تعمیر کرائے، اہل مدینہ اور دیگر مسلمانوں کی خاطر دار قائم کیے اور مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اردگرد گلی کوچوں میں پختہ فرش لگوائے۔ اہل اسلام کی نفع رسانی کے طور پر یہ امور سرانجام دیے۔ مفاد عامہ کی ان چیزوں کا ذکر مختصراً آیندہ سطور میں تحریر کیا جاتا ہے۔

مواقف وآثار نبوی

مدینہ طیبہ میں بہت سے مقامات ایسے تھے جن میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر ہوا یا کوئی خاص ظہور برکت کا واقعہ پیش آیا یا کوئی اور اہم چیز اس مقام کے متعلق ظاہر ہوئی تو مروان بن حکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سعی کی کہ ان مقامات متبرکہ کے متعلق واقفیت حاصل کی جائے۔ پس مروان نے حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو آدمی بھیج کر بلوایا اور ان سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خاص خاص مواقف ومواضعات پر مجھے مطلع کریں۔

مختصر یہ ہے کہ آثار متبرکہ کی تحقیق وتعین کا یہ کام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی ہدایات کی روشنی میں مروان بن حکم نے سرانجام دیا تھا۔

((ان مروان لما كان واليا على المدينة من قبل معاوية رضی اللہ عنہ ارسل الى ابى قتادة رضی اللہ عنہ ليريه مواقف النبى صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه فانطلق معه فاراه))[2]

اس چیز کا ذکر قبل ازیں ہم نے اپنی تصنیف ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۲۶۳-۲۶۴ میں کر دیا ہے اور یہاں مزید حوالوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

---

[1] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۵۶ تحت بیان دور مکہ

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۵۸ ج ۴ تحت ابی قتادہ بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ
التاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۵۴ تحت ذکر من کان بعد الخمسین الی ستین، طبع الہ آباد ہند۔

قصر خل

اسی سلسلے میں مدینہ طیبہ کے احوال بیان کرنے والے مورخین نے ابن شبہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ مقام حرہ کے نزدیک دومہ کے راستے پر ایک محل تعمیر کرایا جائے تاکہ اہل مدینہ کے لیے ایک قلعہ کا کام دے سکے۔

بقول بعض اس محل کی تعمیر کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاکم مدینہ منورہ مروان بن حکم کو حکم فرمایا تھا پھر مروان نے اس قصر کی تعمیر کے لیے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو متعین کیا۔ اس محل کو ''قصر خل'' کے نام سے پکارا جاتا تھا کیونکہ جو محل بھی راستے پر واقع ہو اسے ''خل'' ہی کہتے تھے۔ ''قصر خل'' کی تعمیر مکمل ہونے پر اس میں ایک سنگین کتبہ نصب کیا گیا جس پر "لعبد الله معاوية امير المؤمنين مما عمل نعمان بن بشير" کے الفاظ کندہ تھے۔ یعنی اسے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے تعمیر کرایا۔

((قال ابن شبة واما قصرخل الذی بظاهر الحرة علی طریق دومه فان معاویة رضی اللہ عنہ امر النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ببناءه لیکون حصنا لاهل المدینة ویقال بل امر به معاویة مروان بن الحکم وهو بالمدینة فولاه مروان النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ و فیه حجر منقوش فیه "لعبدالله معاویة امیرالمؤمنین مما عمل نعمان بن بشیر" وانما سمی قصرخل لانه علی الطریق وکل طریق فی حرة او رمل یقال له "خل"))[1]

قصر بنی جدیلہ

نیز مورخین نے بعض دیگر قصر بھی ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک قصر بنی جدیلہ بھی تھا۔ اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے لیے بطور قلعہ کے بنوایا تھا اور اس قصر کے تعمیری کام پر طفیل بن ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا۔ انھوں نے اسے تیار کرایا اور اس دور کی ضرورت کے مطابق اس کے دو دروازے بنوائے گئے اور ''بیرحا'' کا مقام اس کے وسط میں آ گیا۔

((واما قصر بنی جدیله۔ فان معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما انما بناه لیکون حصنا وله بابان۔ وکان الذی ولی بناء لمعاویه الطفیل بن ابی بن کعب

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ ص ۱۷۲ ج ۱ تحت ذکر دار ہشام بن عبدالملک وقصر خل......الخ
کتاب وفاء الوفاء (نورالدین سمہودی) ص ۱۲۸۹ ج ۴ تحت عنوان قصر خل

الانصاری رضی اللہ عنہ و فی وسطه بیر حاء))[1]

قصر دارین

اسی طرح مدینہ طیبہ میں قصر الدارین کے نام سے ایک مقام تھا اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مقام ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا تھا اور اس وقت یہ ایک حائط (باغ) کی شکل میں تھا بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زر کثیر سے خرید کر لوگوں کے فائدے کے لیے قصر کی شکل میں تعمیر کرایا۔

((فباعه من معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بعد ذالك بمال كثیر فبناه معاويه بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قصرا وهو الذی یقال له بالمدینة قصر الدارین))[2]

دار القضاء

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا فلاں مقام (جسے بعد میں رحبۃ القضاء کا نام دیا گیا) فروخت کر کے میرا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے آنجناب کے انتقال کے بعد اس مقام کو فروخت کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس دور کی وقتی قومی ضروریات کے لیے خرید لیا پھر ایک مدت کے بعد اس مقام کو مسجد میں شامل کر دیا گیا۔

((كانت رحبة القضاء لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وامر حفصه وعبدالله ابنيه رضی اللہ عنہما ان يبيعها عند وفاته فی دین كان عليه۔ فباعوها من معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وكانت تسمى دارالقضاء وكان معاوية رضی اللہ عنہ اشتراها عند ولايته))[3]

دار القضاء

سہلہ بنت عاصم کہتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے ایک دار تھا جس کو دار القضاء کہتے تھے۔ یہ وہ دار تھا جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ چھ اشخاص کے متعلق تین شب و روز مشورہ ہوتا

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۷۲ ج ا طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ
وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۹۶۲، ۹۶۳ ج ۳، تحت الآبار، بیر حاء

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۷۳ ج ا طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

[3] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ا مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ
وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) الجزء الثانی ص ۶۹۸-۶۹۹ تحت زیادت باب القضاء

رہا کہ کس شخص کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا جائے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کا آخری فیصلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اسی مکان پر ہوا تھا۔ بعد میں اس مکان کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزندوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کر دیا اور آپ نے اس مکان میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کیا۔

((عن عمتها سهلة بنت عاصم قالت: كان دار القضاء لعبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وانما سميت دار القضاء لان عبدالرحمن اعتزل فيها ليالى الشورى حتى قضى الامر۔ فباعها بنو عبدالرحمن من معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما وكانت الدواوين فيها وبيت المال))[1]

فرش لگوانا

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے اردگرد پہلے پتھر نہیں لگے ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسے پختہ کرنے کا قصد کیا اور حاکم مدینہ مروان بن حکم کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے قریب کوچہ جات میں پتھر سے پختہ فرش لگوایا جائے۔ چنانچہ اس فرمان کے موافق مسجد نبوی کے قرب و جوار میں گلیوں کو پختہ کیا گیا۔

((ان الذى بنى حوالى مسجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالحجارة معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہ امر بذالك مروان ابن الحكم))

((فامره معاوية رضی اللہ عنہ تبليط ما سوى ذالك مما قارب المسجد ففعل))[2]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ''حرمین شریفین'' کی بہت اہم خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے چند ایک کا یہاں اجمالاً ذکر کیا گیا۔ اس سے حضرت موصوف کی اہل حرمین شریفین کے حق میں عقیدت مندی کا ثبوت ملتا ہے اور ان کی ملی خدمات کا جذبہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

رعایا کی خبر گیری

علماء ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اپنی رعایا کے ساتھ نہایت عمدہ تھا اور آں موصوف نے رعایا کے احوال کی خبر گیری کے لیے ایک نظم قائم کیا ہوا تھا۔ وہ اس طرح کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر قبیلہ کی خبر گیری کے لیے ایک شخص متعین کیا جاتا تھا، وہ ان قبائل کی محافل میں جا کر حالات معلوم کرتا کہ

① اس قبیلہ میں کوئی بچہ مولود ہوا ہے یا نہیں؟

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۳۳ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۷، ۱۶ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

(۲) اس قبیلہ میں گزشتہ رات کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا؟

(۳) اس قبیلہ میں کوئی مہمان فروکش ہوا ہے یا نہیں اور مہمان کی ضروریات کیا ہیں؟

چنانچہ اس طریق کار سے وہ شخص احوال معلوم کرنے کے بعد دفتر میں پہنچتا اور نومولود کا نام اور دیگر ضروری کوائف ایک رجسٹر میں درج کرتا تھا تاکہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا مناسب انتظام کیا جائے اور وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ:

((عن ابی قبیل قال کان معاویة قد جعل فی کل قبیل رجلا وکان رجل منا یکنی ابا الجیش یصیح فی کل یوم فیدور علی المجالس هل ولد فیکم اللیلة ولد هل حدث اللیلة حدث هل نزل بکم الیوم نازل فیقولون ولد لفلان غلام و لفلان فیقول فما سمی فیقال له فیکتب فیقول هل نزل بکم اللیلة نازل قال فیقولون نعم نزل رجل من اهل الیمن بسیمونه وعیاله فاذا فرغ من القبیل کله اتی الدیوان فاوقع اسماء هم فی الدیوان))[۱]

اور البدایہ میں ہے کہ:

((فاذا اخبر بذالك اثبت فی الدیوان یعنی لیجری علیه الرزق))

فطیم کے لیے وظیفہ

بچوں کے وظائف کے سلسلے میں علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی یہ چیز ذکر کی ہے کہ جب نومولود فطیم ہو جاتا یعنی شیر خواری کا دور ختم کرتا تو اس کے لیے سرکاری طور پر وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

((فلما کان معاویة رضی اللہ عنہ فرض ذالك للفطیم))[۲]

ان واقعات کے ذریعے سے آں موصوف کے عہد میں پبلک کی رعایت اور مفاد عامہ کے لحاظ اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کا مسئلہ خوب واضح ہوتا ہے۔

---

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۲۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۴ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
یہ مضمون قبل ازیں "مسئلہ اقربا نوازی" ص ۱۵۳ پر ذکر کیا گیا ہے۔

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۶۴ تحت ذکر العطاء ...... الخ

ایذا سے بچاؤ کی تدبیر

مفاد عامہ کے سلسلے میں مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ شام اور الجزیرہ پر عامل تھے تو علاقہ ''نصیبین'' کے والی نے آپ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یہ شکایت ذکر کی کہ یہاں مسلمانوں کی ایک جماعت بچھوؤں کی کثرت کی وجہ سے بڑی تکلیف میں مبتلا ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ علاقہ کے لوگوں کے ذمہ لگائیں کہ وہ عقارب (بچھوؤں) کی ایک خاص تعداد پکڑ کر لائیں۔ چنانچہ جب بچھو پکڑ کر لائے جاتے تو انھیں قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح اس علاقہ میں بچھوؤں کی کثرت قلت میں تبدیل ہوگئی۔

((وحدثنی ابوحفص الشامی عن حماد بن عمرو النصیبی قال کتب عامل نصیبین الٰی معاویۃ رضی اللہ عنہ وھو عامل عثمان رضی اللہ عنہ علی الشام والجزیرۃ یشکو الیہ ان جماعۃ من المسلمین ممن معہ اصیبوا بالعقارب۔ فکتب الیہ یامرہ ان یوظف علی اھل کل حیز من المدینۃ عدۃ من العقارب مسماۃ فی کل لیلۃ ففعل فکانوا یاتونہ بھا فیامر بقتلھا))[1]

حاصل یہ ہے کہ فصل ہذا میں رفاہی امور اور مفاد عامہ کی چیزوں کا اختصاراً ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی ملّی خدمات کا نقشہ سامنے آتا ہے اور اہل اسلام کی خیر خواہی کا جذبہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۸۶ تحت فتوح الجزیرہ
معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۲۸۹ ج ۱۹ تحت ذکر نصیبین۔

فصل پنجم

علمی مذاکرات اور ثقافتی کارنامے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علمی مذاکرات اور ثقافتی کارناموں کے سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں مختصر طریق سے ذکر کی جاتی ہیں۔ اس سے آنجناب کے علمی ذوق اور دینی وثاقت اور ملّی خدمات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اہم علمی مقام و مرتبہ کے حامل تھے آں موصوف نے جہاں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں وہاں ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث نبوی نقل کی ہیں۔ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح احادیث نبوی کے راوی ہیں اسی طرح وہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات کے مروی عنہ بھی ہیں اور راوی و مروی عنہ کے دونوں شرفوں سے مشرف ہیں۔

اس فن کے علماء نے تحریر کیا ہے کہ درج ذیل جلیل القدر فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جریر بن عبداللہ بجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید، نعمان بن بشیر، ابوسعید خدری اور ابوامامہ بن سہل وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

اور کبار تابعین اور فقہاء میں سے درج ذیل حضرات نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً افضل التابعین حضرت سعید بن میبّب، عبداللہ بن حارث بن نوفل، قیس بن ابی حازم، ابوادریس خولانی اور ان کے بعد کے حضرات مثلاً عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابومجلز، حمران مولیٰ عثمان بن محیریز، علقمہ بن ابی وقاص، عمیر بن ہانی، ہمام بن منبہ، ابوعریان نخعی، مطرف بن عبداللہ بن شخیر وغیرہم رحمہم اللہ۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ھولاء الائمۃ ائمۃ الاسلام الذین رووا عنہ۔ تعلم انہ کان مجتھدا ای مجتھد وفقیھا ای فقیہ)) [1]

---

[1] تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۲۶ تحت فصل ثانی فی فضائلہ ومناقبہ (طبع مصر) مع الصواعق المحرقہ
اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۷ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲-۴۱۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ مع الاستیعاب

"یعنی مندرجہ بالا حضرات دین اسلام کے ائمہ کرام اور پیشوا ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دینی روایات نقل کی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتنے ارفع درجے کے مجتہد اور کتنے اعلیٰ درجے کے فقیہ تھے۔"

نیز امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیث نبوی منقول ہیں۔[1]

یہ چیز قبل ازیں کتاب مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۴۲ پر ذکر ہو چکی ہے۔

اتنی کثیر تعداد میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے راوی ہونے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام اور دینی شغف بخوبی واضح ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نقل کرنے اور وعظ گوئی کے مسئلہ میں آں موصوف کے عہد خلافت میں خاص احتیاط کی جاتی تھی تا کہ احکام شرعی اور دینی امور میں کسی قسم کا بے جا تصرف نہ کیا جا سکے۔

اور ثقافتی امور کے سلسلے میں آنجناب کی قابل قدر خدمات پائی جاتی ہیں اور اسی ضمن میں یونانی طب کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا کارنامہ قابل ستائش اور لائق تحسین امر ہے۔ بقدر ضرورت ان چیزوں کا ذکر فصل ہذا میں کیا جا رہا ہے۔

بعض مرویات

(الف) اس سلسلے میں یہاں نمونہ کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی چند ایک روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں انصار کے مقام و مرتبہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

یزید بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا کہ ہم پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو میں مصروف تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم انصار کے متعلق کلام کر رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں بھی (انصار کے متعلق) ایک حدیث بیان کروں جو میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین! فرمائیے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو شخص انصار سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں گے اور جو انصار کو ناپسند کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرمائے گا۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۲-۱۰۳ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع مصر۔

((عن يزيد بن جارية انه كان جالسا فى نفر من الانصار فمر عليهم معاوية رضي الله عنه فسألهم عن حديثهم فقالوا: كنا فى حديث من حديث الانصار فقال معاوية رضي الله عنه افلا ازيدكم حديثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالوا: بلى يا امير المؤمنين! قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من احب الانصار احبه الله ومن ابغض الانصار ابغضه الله))[1]

(ب) اسی طرح درج ذیل روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقراض (قینچی) سے اپنے مبارک تراشے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے صاحب سے ہم تک یہ روایت نہیں پہنچی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتہام لگانے والے نہیں ہیں۔ (یعنی ان کی روایت درست ہے)

((عن ابن عباس رضي الله عنهما ان معاويه اخبره انه راى رسول الله رضي الله عنهما قصر من شعره بمشقص فقلنا لابن عباس رضي الله عنهما ما بلغنا هذا الا عن معاويه رضي الله عنهما فقال ما كان معاويه رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم متهما))[2]

یہ روایت ''اقربا نوازی'' ص ۱۳۸ پر بھی ذکر ہو چکی ہے۔

(ج) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ ہاشمی رحمہ اللہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''العمریٰ'' یعنی جو چیز کسی شخص کو عمر بھر کے لیے دے دی جائے تو وہ اس کے لیے جائز اور درست ہے۔

((عن محمد بن علی (الحنفية) عن معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: العمرى جائزة لاهلها))[3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸، ج ۱۲ کتاب الفضائل، طبع کراچی

[2] مسند امام احمد ص ۹۵ ج ۴ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
منحۃ المعبود فی ترتیب مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۲۱۹ ج ۱ باب فسخ الحج الی العمرۃ۔

[3] مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۵۴ ج ۹ تحت محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(یہ روایت قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص۱۴۰ پر ذکر کی جا چکی ہے۔)

اکابر ہاشمی حضرات نے متعدد روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں یہ چیزیں ان بزرگوں کے باہم دینی اعتماد پر دلالت کرتی ہیں اوران کے باہمی علمی مذاکرات وتعلقات کو واضح کرتی ہیں۔

نقل حدیث اور وعظ گوئی میں احتیاط

① اورحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نقل کرنے اور جمع کرنے میں خاص احتیاط کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں عبداللہ بن عامر یحصبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ بیان روایت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرمارہے تھے کہ (بے احتیاطی سے) احادیث مت بیان کرو۔ ہاں وہ روایات جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی تھیں انھیں ذکر کیا کرو کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خدا خوفی کرنے والے تھے (وہ اپنے عہد میں بے اصل روایات کو جاری نہیں ہونے دیتے تھے) اس فرمان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ "من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین...... الخ" یعنی جس کے حق میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین میں بہتر سمجھ عطا فرماتے ہیں۔[1]

② اس طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی تو آپ نے میرے بیان پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس روایت کی تصدیق اور تحقیق کے لیے خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا کہ آپ میری طرف وہ حدیث نبوی تحریر کر کے روانہ فرمائیں چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ روایت تحریر کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمائی۔

((قال فاخبرته معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلم یرض بالذی اخبرته حتی کتب الی ام المؤمنین ان اکتبی الی به۔ فکتبت الیه به کتابا))[2]

③ محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ قریش کا ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ حضرت موصوف کو یہ چیز پہنچائی گئی کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عنقریب قبیلہ قحطان کا ملک پر قبضہ ہو جائے گا (یعنی قریش کی خلافت نہ رہے گی)۔ یہ معلوم کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور ایک خطبہ کی شکل میں مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ بعض لوگ ایسی

---

[1] مسند امام احمد ص۹۹ ج۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مسلم شریف ص۳۳۳ ج۱ تحت باب النہی عن المسئلہ، طبع دہلی

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۲۰۷ ج۷ تحت حدیث آخر (فضائل عثمان رضی اللہ عنہ)

روایات بیان کرتے ہیں کہ جو نہ کتاب اللہ میں ہیں اور نہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ یہ ناواقف لوگ ہیں ان کی خواہشات کے مطابق برگشتہ کر دینے والی باتوں سے آپ لوگ اجتناب کریں۔ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ (امر خلافت) قوم قریش میں ہوگا جب تک کہ دین الٰہی قائم رکھیں گے، اور جو بھی اس معاملہ میں ان سے نزاع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرا دیں گے۔

((فغضب معاوية رضي الله عنه فقام فاثنى على الله عزوجل بما هو اهله ثم قال اما بعد فانه بلغنى ان رجالا منكم يحدثون احاديث ليست فى كتاب الله ولا توثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اولئك جهالكم فاياكم والاماني التى تضل اهلها فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان هذا الامر فى قريش لا ينازعهم احد الا اكبه الله على وجهه ما اقاموا الدين))[1]

④ نیز بیان روایت میں احتیاط کرنے کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ربیعہ بن یزید کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص جو مصر میں مقیم ہیں ان سے درج ذیل روایت کے متعلق استفسار کریں کہ کیا انھوں نے یہ روایت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ''اللہ تعالیٰ ایسی امت کو پاک اور بابرکت نہیں فرماتا جس امت میں حق کا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور جس امت کے ضعیف لوگ اپنا حق قوی لوگوں سے بہ سہولت نہیں حاصل کر سکتے۔'' مزید تحریر کیا کہ اگر عبداللہ بن عمرو کہیں کہ میں نے یہ روایت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو بذریعہ قاصد مجھے اطلاع دیں۔

چنانچہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے مصر میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا روایت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ مصر سے شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روایت کے سماعت کرنے کی خبر دی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی یہ روایت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی تھی لیکن میں اس کی تائید و تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

((عن ربيعة بن يزيد ان معاوية رضي الله عنه كتب الى مسلمة بن مخلد رضي الله عنه ان سل عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما هل سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لاقدست امة لا ياخذ ضعيفها حقه من قويها وهو غير مضطهد۔ فان قال نعم فاحمله على البريد۔ فسأله فقال نعم۔ فحمله على البريد من مصر الى الشام فسأله معاوية رضي الله عنه فاخبره فقال معاوية وانا قد سمعته ولكن احببت

[1] مسند امام احمد ص ۹۴ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ان اتثبت۔ رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات))[1]

⑤ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حصول روایت کا ایک دیگر واقعہ محدثین ذکر کرتے ہیں۔ جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظت حدیث وجمع روایت میں مساعی جمیلہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت کوفہ کے حاکم تھے) کی طرف تحریر کیا کہ آپ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث زیر قلم کر کے میری طرف ارسال کریں۔ چنانچہ اس فرمان کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے احادیث تحریر کر کے ارسال کیں جن میں درج ذیل فرمان نبوی مذکور تھا:

((قال فکتب الیہ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من ثلاثة من عقوق الامهات ومن واد البنات ومن منع وهات و سمعته ینهی عن ثلاثة عن قیل وقال واضاعة المال وکثرة السوال قال وسمعته یقول: اللهم لا مانع لما اعطیت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذا الجد منك الجد))[2]

''مطلب یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جواباً تحریر کیا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں والدہ کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور جو چیز اپنے پاس ہے اس کو دینے سے انکار کرنے سے پناہ مانگتے تھے۔ اور میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں قیل وقال (غیر ضروری بحث ومباحثہ) اور مال کو ضائع کرنے اور بے جا کثرت سوال سے منع فرماتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی ذوق بہت عمدہ تھا اور آں موصوف جمع حدیث وحصول روایت کے باب میں بہت احتیاط اور کوشش کرتے تھے اور مصر، شام اور کوفہ تک قاصد روانہ کر کے ثقہ لوگوں کے ذریعے سے حدیث کی تصدیق وتائید حاصل کرتے تھے۔

⑥ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جس طرح بیان روایت کے باب میں احتیاط کی جاتی اور اس کے حصول میں کوشش کی جاتی تھی، اسی طرح وعظ گوئی یا عام قصہ گوئی پر خلیفہ وقت کی جانب سے

---

1. مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۰۹ ج ۵ باب اخذ حق الضعیف من القوی، طبع مصر۔
2. مسند عبد بن حمید ص ۱۵۰-۱۵۱ (المتوفی ۲۴۹ھ) تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت نمبر ۳۹۱
مسند احمد ص ۲۵۰-۲۵۴ ج ۴ تحت مسندات مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طبع مصر
صحیح ابن حبان ص ۴۳۳ ج ۸ روایت نمبر ۵۵۳۰۔

کنٹرول تھا تا کہ ہر کہ ومہ اٹھ کر بے سروپا چیزیں نہ بیان کرنے لگے اور جاہل نااہل لوگ غلط بیانی سے عوام الناس کو گمراہ نہ کریں۔ یہ سب چیزیں حفاظت دین کی خاطر اختیار کی جاتی تھیں اس سلسلے میں چند ایک امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

⑦ ابو عامر عبداللہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمیں اطلاع دی گئی کہ بنی مخزوم کا ایک غلام اس شہر میں قصہ گوئی کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس قصہ گو کو بلوا کر اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تجھے قصہ گوئی کی اجازت ملی ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو بلا اجازت قصہ گوئی کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے علم دیا ہے اور ہم اسے پھیلاتے ہیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نے پہلے تجھے منع کیا ہوتا تو آج تجھے سزا دیتا۔

((عن ابی عامر عبدالله بن یحییٰ قال حججنا مع معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما فلما قدمنا مكة اخبر بقاص يقص على اهل مكه مولى لبني (مخزوم) او (فروخ) فارسل اليه معاوية رضی الله عنه فقال امرت بهذه القصص؟ قال: لا۔ قال فما حملك على ان تقص بغير اذن؟ قال فنشئ علماء علمنا الله عزوجل فقال معاوية رضی الله عنه لو كنت تقدمت اليك لقطعت منك طائفة (وفی بعض الروايات...... منك طابقا))[1]

⑧ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کعب احبار وعظ کہتے تھے لیکن جب انھیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پہنچا کہ آنجناب فرمایا کرتے تھے کہ وعظ اور نصیحت گوئی امیر وقت اور حاکم کے ذمے ہے یا اس شخص کا کام ہے جسے حاکم وقت نے اجازت دی ہو، تیسرا شخص مختال اور متکلف ہے (یعنی بزور وعظ گوئی کرنے والا ہے) تو اس کے بعد جناب کعب احبار نے وعظ گوئی ترک کر دی اور اس کام سے رک گئے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آں موصوف نے آپ کو خصوصی طور پر اجازت دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ آپ وعظ اور نصیحت کر سکتے ہیں چنانچہ اس کے بعد جناب کعب وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔

((كان كعب يقص فبلغه حديث النبی صلی الله علیه وسلم لا يقص الا امير او مامور

---

[1] مستدرک حاکم ص ۱۲۸ ج اتحت کتاب العلم، طبع اول حیدر آباد دکن۔
کتاب المعرفہ والتاریخ (ابو یوسف بسوی) ص ۳۳۱-۳۳۲ ج ۲ تحت ابی عامر عبداللہ بن یحییٰ

او محتال۔ فترك القصص حتى امره معاويه رضی اللہ عنہ فصار يقص بعد ذالك))[1]

دینی مسائل کی اہمیت

علمی مذاکرات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض اوقات دینی مسائل دریافت کرتے تھے اور اس میں اکابر سے رائے حاصل کرنے میں انقباض نہیں رکھتے تھے حضرت موصوف کا یہ طریق کاران کے اخلاص فی الدین کی خاص علامت ہے اور باہم دینی روابط کا مظاہرہ ہے اور شرعی مسائل میں اتفاق واتحاد کا واضح ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک روایات پیش خدمت ہیں:

① سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شام کے علاقے میں ایک شخص احوص نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور وہ مطلقہ عورت اپنی طلاق کی عدت گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ احوص کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وراثت کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آدمی بھیج کر مسئلہ وراثت دریافت کیا تو جواب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہو گی۔ (یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ اس مسئلہ میں ایک صحابی کی تحقیق ہے)

((عن سليمان بن يسار ان الاحوص هلك بالشام حين دخلت امرأته فى الدم من الحيضة الثالثة وقد كان طلقها فكتب معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما الى زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ يسأله عن ذالك فكتب اليه زيد انها اذا دخلت فى الدم من الحيضة الثالثة فقد برئت منه وبرى منها۔ لا يرثها ولا ترثه۔ رواه مالك))[2]

② مسائل شرعیہ کی دریافت کے سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ محدثین اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ مشہور تابعی سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علاقہ شام میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو قابل اعتراض حالت میں پایا تو اس نے اس اجنبی مرد یا اپنی زوجہ کو قتل کر دیا۔ اس معاملہ کی قضا اور فیصلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشکال ہوا تو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے کا حل طلب کرنے کے لیے مکتوب لکھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلے کا حل

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۹۸ ج ۳ تحت (۷۴۹۸) کعب بن ماتع۔
کتاب القصاص والمذکرین (ابن جوزی) ص ۲۸ تحت باب ۴ فی انہ لایقص الا باذن ...... الخ

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۹، فصل ثالث باب العدۃ، بروایت امام مالک رحمہ اللہ، طبع دہلی۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کرکے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر کیا کہ اگر قاتل چار شاہد پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے (یعنی بدہد شتران دیت را)

((مالك عن يحيىٰ بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان رجلا من اهل الشام وجد مع امرأته رجلا فقتله او قتلها فاشكل على معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما القضاء فيه فكتب الى ابى موسىٰ الاشعرى رضی اللہ عنہ يسأل له على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ عن ذالك فسال ابو موسىٰ عن ذالك على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ فقال ابو موسىٰ رضی اللہ عنہ كتب الى معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما اسالك عن ذالك فقال على رضی اللہ عنہ انا ابوالحسن: ان لم يأت باربعة شهداء فليعط برمته))[1]

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کو ''خاص الفاظ'' کے ساتھ طلاق دے دی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ زوجہ اس شخص پر حرام ہو چکی ہے یہ آدمی یہ مسئلہ لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنجناب نے یہی فیصلہ صادر فرمایا کہ مذکورہ صورت میں یہ عورت اس شخص پر حرام ہو چکی ہے اور بغیر حلالہ کے اس کے لیے حلال نہیں۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو پھر وہی شخص وہی مسئلہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور فیصلہ طلب کیا اور ساتھ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سابق فیصلہ بھی اس نے خود ہی ذکر کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام صورت حال معلوم کرکے فرمایا:

((قال قد اجزنا قضاه عليك او قال ما كنا لنرد قضاء قضاه عليك))[2]

مطلب یہ ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نافذ کیا اور اس کا خلاف نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کا شرعی مسائل میں باہم تعاون تھا اور وہ ایک دوسرے کی تائید کرتے تھے۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ سے ایک نباش (کفن چور) پکڑا گیا۔ اس وقت مدینہ منورہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم عامل متعین تھے۔ مروان نے اس شخص کی سزا کے متعلق اس وقت کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے مدینہ سے مسئلہ دریافت کیا تو کسی صاحب نے قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ نہیں دیا بلکہ وہ اس رائے پر متفق ہوئے کہ اس شخص کو زدوکوب کیا جائے اور شہر

---

[1] موطا امام مالک ص ۳۰۸ تحت القضاء فیمن وجد مع امراتہ رجلا۔ طبع دہلی

[2] السنن الکبریٰ ص ۱۲۰ ج ۱۰ کتاب آداب القاضی، باب من اجتہد من الحکام ثم تغیر اجتہادہ...... الخ

میں (تذلیل کے طور پر) پھرایا جائے۔

((اخذ نباش فی زمان معاویه زمان کان مروان علی المدینة۔ فسال من کان بحضرته من اصحاب رسول الله ﷺ بالمدینة والفقهاء فلم یجدوا احدا قطعة قال فاجمع رأیهم علی ان یضربه ویطاف به))[1]

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں دینی مسائل میں دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء سے رائے طلب کرنے میں انقباض نہیں تھا اور ان حضرات کی تحقیق کا احترام ملحوظ رکھا جاتا اور ان کی رائے کی قدر دانی کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

ثقافتی امور کی طرف توجہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے شمار علمی و ثقافتی خدمات تاریخ میں مذکور ہیں ان کو فراہم کر کے زیر قلم کرنا سہل کام نہیں ہے تاہم اس سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک شخص عبید بن شریہ جرہمی تاریخ دان ہے اس نے جاہلیت کا دور پایا ہے اور جناب نبی کریم ﷺ کے عہد میں موجود تھا لیکن آنجناب سے سماع اسے حاصل نہیں ہوا۔ اس شخص کو ملوک عرب و عجم کے بے شمار واقعات از بر تھے اور اخبار و انساب کا ماہر تھا اور تاریخی حالات سے خوب واقف تھا۔ یہ شخص یمن کے دارالحکومت صنعا میں سکونت پذیر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاں بلوایا اور حکم دیا کہ سابقہ عرب و عجم کے حالات کی اپنے معلومات کی حد تک تدوین کی جائے اور انھیں ایک ترتیب کے ساتھ کتابی شکل میں قلم بند کیا جائے۔ چنانچہ ابن ندیم نے ذکر کیا ہے کہ:

((عبید بن شریة الجرهمی فی زمان معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما فساله عن الاخبار المتقدمة وملوك العرب والعجم وسبب تبلبل الالسنة وامر افتراق الناس فی البلاد وکان استحضره من صنعاء الیمن فاجابه الی ما امر فامر معاویة رضی الله عنه ان یدون وینسب الی عبید بن شریة الی ایام عبدالملك بن مروان وله من الکتب کتاب الامثال وکتاب الملوك واخبار الماضیین))[2]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۳ ج ۱۰ کتاب الحدود، روایت نمبر ۸۶۶۲، طبع کراچی
نصب الرایہ (زیلعی) ص ۳۶۷-۳۶۸ ج ۳ کتاب السرقہ حدیث ثامن
جوہر النقی (ترکمانی) ص ۲۶۹، ج ۸، باب النباش یقطع ...... الخ

[2] الفہرست (ابن ندیم) ص ۱۳۸ تحت المقالۃ الثالثۃ فی اخبار الاخباریین والنسابین ...... الخ
الانتقاد علی تمدن اسلامی ص ۵۱ از علامہ شبلی نعمانی طبع قدیم۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ شخص عبدالملک بن مروان کے عہد تک زندہ رہا اور اس نے تدوین تاریخ کے سلسلے میں متعدد تاریخی کتب مرتب کیں۔ مثلاً کتاب الامثال، کتاب الملوک اور کتاب الماضیین وغیرہ۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن شریہ سے عرب و عجم کے ملوک کے حالات میں ایک تاریخی دستاویز تدوین کروائی اور اہل تاریخ کے لیے بہترین مواد فراہم کر دیا۔

② مورخین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں انساب و اخبار کے ماہرین کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ چنانچہ ایک ماہر انساب و اخبار شخص دغفل بن حنظلہ سدوسی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دغفل موصوف نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس کو پایا ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع انھیں حاصل نہیں ہوا۔

ایسے مشاہیر لوگوں کا بطور وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے عہد میں ماہرین فن سے استفادہ کے مواقع پیدا کیے جاتے تھے اور لوگوں کو ان تاریخی معلومات سے فائدہ ہوتا تھا۔

ابن ندیم اپنی مشہور تصنیف میں لکھتا ہے کہ:

((والانساب والاخبار من خط اليزيدى۔ هو الحجر بن الحارث الكنانى و دغفل لقب وقيل دغفل الذهلى النسابة هو دغفل بن حنظلة السدوسى۔ ادرك النبى صلى الله عليه وسلم ولم يسمع منه و وفد على معاوية))[1]

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں علماء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ آں موصوف نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قریش کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''القرش'' ایک بحری جانور ہے جو اپنی فطری قوت اور طبعی صلابت میں مشہور ہے۔ اگر اس کا گزر دوسرے چھوٹے موٹے جانوروں پر ہو تو انھیں کھا جاتا ہے۔ شدت طبعی کی مناسبت سے قوم قریش کو بھی قریش کہتے ہیں۔ یہ بھی دیگر قبائل و اقوام پر اپنی صلابت اور شدت کی بنا پر غالب رہتے ہیں۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اس مسئلہ پر آپ اشعار بھی پیش کر سکتے ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جمحی کے اشعار ذکر کیے۔

((عن هشام بن عروة، عن ابيه، عن ابى ريحانه العامرى۔ ان معاوية رضی اللہ عنہ قال لابن عباس رضی اللہ عنہما فلم سميت قريش قريشا؟ قال: لدابة تكون فى البحر، تكون اعظم دوابه، يقال: لها "القرش" لا تمر بشىء من الغث و السمين الا اكلته۔ قال: فانشدنى فى ذالك شيئا فانشده شعر الجميحى اذ يقول

[1] الفہرست (ابن ندیم) ص ۱۳۷ تحت المقالة الثالثة فى اخبار الاخباريين والنسابين...... الخ

و قريش هي التي تسكن البحر
بها سميت قريش قريشا
تاكل الغث والسمين ولا تترك
فيها لذى جناحين ريشا
هكذا في البلاد حيي قريش
ياكلون البلاد اكلا كميشا
ولهم آخر الزمان نبي
يكثر القتل فيهم والخموشا [1]

④ علمی مذاکرات کے سلسلے میں جناب عبداللہ بن عباس اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں تذکرہ ہوا۔ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ اس مجلس میں قریش کے اکابرین بھی شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں آپ سے چند مسئلے دریافت کر کے جوابات سننا چاہتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دریافت کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اللہ کی قسم وہ فقراء و مساکین کے حق میں بڑے شفیق تھے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے تھے، برائی سے منع کرنے والے تھے، دین خداوندی سے خوب واقف تھے، اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے، برے کاموں پر تنبیہ کرتے تھے، اچھائی کا حکم کرتے تھے رات کو تہجد میں قیام کرتے اور دن کو روزہ دار تھے پرہیزگاری میں اپنے ساتھیوں سے فائق تھے، قلیل گزران پر گزارہ کرنے والے تھے، زہد اور پاک دامنی میں سبقت کرنے والے تھے۔ جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے اور ان پر طعن کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو شیعہ مورخ مرزا محمد تقی لسان الملک نے اپنی تصنیف ناسخ التواریخ میں مسعودی شیعی کے حوالہ سے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''مسعودی در مروج الذہب می نویسد کہ عبداللہ بن عباس بر معاویہ در آمد و در مجلس او جماعتی از بزرگان قریش حاضر بودند معاویہ رو با بن عباس کرد و گفت ہمی مسئلے چند از تو پرسش کنم و پاسخ بشنوم فرمود از ہر چہ خواہی بہ پرس گفت چہ میگوئی در ابوبکر قال (ابن عباس) في ابي بكر رحم الله ابابكر كان والله للفقراء رحيما وللقرآن تاليا وعن منكر ناهيا وبدينه عارفا و من الله خائفا وعن المنهيات زاجرا وبالمعروف آمرا وبالليل قائما

---

[1] دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۱۸۱ ج ا تحت ذکر شرف اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وبالنهار صائما وفاق اصحابه ورعًا وكفافًا وسارهم زاهدا و عفافا فغضب الله على من ينقصه ويطعن عليه"[1]

حوالہ ہذا قبل ازیں کتاب رحماء بینہم حصہ صدیقی ص ۳۹۹ پر ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس مجلس میں جو علمی گفتگو ہوئی اس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت و دیانت کا بیان ہے۔

یونانی طب کے لیے خدمات

① فن تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص ابن اثال لسانیات کا ماہر عالم تھا اس نے یونانی طب کی کتابوں کو جو یونانی زبان میں تھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے عربی زبان میں منتقل کیا۔ اس دور میں طب یونانی کو عربی کی طرف منتقل کرنے کا پہلے پہل یہ اہم کام ہوا۔

② نیز لکھتے ہیں کہ مروان بن حکم کے دور میں بصرہ کے علاقہ میں ایک یہودی ماہر فن طبیب تھا اور عربی زبان دانی میں لائق فائق تھا۔ اس کو ماسرجویہ کہتے تھے اس شخص نے کتب طب کو سریانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں یہ کتاب ملک شام کے کتب خانوں میں موجود تھی خلیفہ موصوف نے اس کتاب کو حاصل کر کے لوگوں کی منفعت کی خاطر پھیلایا اور عوام تک پہنچائی۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اپنے دور کے مشہور مصنف اور مورخ ہیں انھوں نے اس مسئلے پر جس کتاب (اخبار الحکماء وعیون الانباء) کا حوالہ دیا ہے وہ یہاں ہمیں میسر نہیں، تاہم ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتاب ''الانتقاد علیٰ تمدن اسلامی'' سے یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

((فنقل ابن اثال لمعاوية رضي الله عنه كتب الطب من اليونانية وهذا اول نقل فى الاسلام، وكان فى البصرة فى ايام مروان بن الحكم طبيب ماهر يهودى النحله عارف بالعربية اسمه ماسرجوية هذا كناش القس اهرون ابن اعين في السريانية الى العربية، فلما تولى عمر بن عبدالعزيز وجد هذا الكتاب فى خزائن الكتب فى الشام فاخرجه الى الناس وبثه فى ايديهم))[2]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قومی و ملی خدمات اور علمی و ثقافتی کارناموں کا احصاء وشمار کر لینا کوئی سہل امر نہیں تاہم مندرجات بالا میں چند ایک چیزیں بطور نمونہ پیش کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کا اس سلسلے میں کردار نہایت رفیع تھا انھوں نے علمی کارنامے اور خدمات سرانجام دینے میں قابل قدر مساعی کیں۔

---

[1] تاریخ مسعودی شیعی ص ۶۰ ج ۳ طبع مصر

ناسخ التواریخ ص ۱۴۳-۱۴۴ ج ۵ کتاب ۲، قدیم طبع ایران۔

[2] الانتقاد علیٰ تمدن اسلامی (علامہ شبلی نعمانی) ص ۵۲ طبع قدیم۔

فصل ششم

مکارم اخلاق

اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند اخلاق وسیر ذکر کیے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اعلیٰ اخلاق، عمدہ خصائل اور حسن معاملات سے لوگوں میں عزیز ہوتا ہے۔ لوگ اس چیز پر نظر کرتے ہیں کہ اس شخص کے ذاتی عادات و خصائل کیسے ہیں؟ اور لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ یہ شخص کس کردار کا مالک ہے؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کے اخلاق نہایت کریمانہ تھے اور کردار بہت بلند تھا۔ حلم و بردباری ان کی نمایاں وصف تھی جس کے مخالفین بھی مقر تھے اور وہ اس سلسلے میں اپنے دور میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے رواداری اور انصاف پسندی ان کا شیوہ تھا، حق بات کو تسلیم کرنا ان کا معمول تھا اور خدا خوفی وخشیت الٰہی ان کے معاملات میں پائی جاتی تھی، عوام الناس کی قضائے حوائج ان کی بہترین خصلت تھی، ان کی مجالس لوگوں کے افادہ کے لیے منعقد رہتی تھیں اور خواص و عام کے حق میں منفعت بخش ہوتی تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض احوال و کیفیات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے آں موصوف کی شخصیت کا مقام ومرتبہ اوران کے رفیع اخلاق و کردار کا اندازہ ہوسکتا ہے اوران کی نیک طینت اور صحیح فراست معلوم ہوسکتی ہے اوران کی انصاف پسندی، رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری واضح ہوتی ہے۔

صفت حلم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اوصاف واخلاق خصوصاً حلم و بردباری کے اعتبار سے اپنے ہم عصر لوگوں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ چنانچہ مختلف علماء مثلاً ابن ابی الدنیا اور ابوبکر بن ابی عاصم وغیرہ رحمہم اللہ نے اس باب میں ان کے حق میں مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((قلت وکان یضرب المثل بحلم معاویة رضی اللہ عنہ وقد افرد ابن ابی الدنیا وابوبکر ابن ابی عاصم تصنیفا فی حلم معاویة))[1]

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت ذکر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اور مورخین لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی صفت حلم و بردباری کا اعتراف فرماتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں چند صحابہ کرام، تابعین اور بعض اکابر علماء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

① محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) لوگوں میں بہت حوصلہ مند اور زیادہ حلیم الطبع ہیں تو حاضرین نے کہا کہ کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ؟ اس کے جواب میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) سے بہت بہتر اور افضل ہیں لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) بہت حلیم ہیں۔

((عن محمد بن سیرین عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال معاویہ رضی اللہ عنہ من احلم الناس؟ قالوا یا اباعبدالرحمن وابوبکر رضی اللہ عنہ؟ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ خیر من معاویة رضی اللہ عنہ ومعاویة رضی اللہ عنہ من احلم الناس))[1]

② مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر میں موجود تھے انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصائل و فضائل بیان کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ تمھارے خلیفہ ایسی شخصیت ہیں کہ (فطری طور پر) ان کی طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے سہل، نرم اور حوصلہ مند بنایا ہے اور ان کے طریق کار کو درست اور معاملہ کو بہتر بنایا ہے۔

چنانچہ بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ:

((قال عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وذکر معاویة رضی اللہ عنہ وھو بمصر ان امامکم لمن سھل اللہ خلیقتہ وقوّم طریقتہ، واحسن صیغتہ))[2]

③ ایک اور بزرگ قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہم نشینی اختیار کی۔ میں نے ان سے زیادہ حلیم، جہالت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار شخص کسی کو نہیں دیکھا۔

((وعن قبیصة بن جابر قال صحبت معاویة رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلا اثقل حلما ولا ابطا جھلا ولا ابعد اناة منہ))[3]

④ اسی طرح محدثین اور مورخین کے اکابر علماء نے آں موصوف کی فطری سیرت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۲۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (یہاں اس مضمون کی پانچ عدد روایات منقول ہیں)

[2] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶، قسم اول جز رابع تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، طبع اول

[3] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۵۶ ج ۳ تحت ۷۲۷۸ قبیصہ بن جابر۔
کتاب المعرفہ والتاریخ، (بسوی) ص ۴۵۸ ج ۱ تحت باب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

((انہ کان جید السیرۃ، حسن التجاوز، جمیل العفو، کثیر الستر، رحمہ اللہ تعالیٰ))[1]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت کے مالک، بہترین درگزر کرنے والے، اور اپنے کمال حلم و وقار کی بنا پر (لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر) پردہ پوشی کرنے والے تھے۔"

تائید از شیعہ

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اوصاف کا شیعہ مورخین نے بھی اعتراف کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریمانہ اوصاف اور صفت حلم و زیرکی کے مالک تھے اور مالی سخاوت کے وصف سے متصف تھے۔

((وکان لمعاویۃ حلم ودھاء وجود بالمال علی المداراۃ))[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم اور بردباری کے سلسلے میں ایک دو واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار (عطائے مال کے سلسلے میں) ایک انصاری بزرگ کی طرف پانچ سو دینار بھیجے تو اس انصاری نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے فرزند پر قسم ڈالی کہ تو اس رقم کو لے جا کر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے منہ پر مار دے۔ (یعنی یہ رقم قلیل ہے ہمیں منظور نہیں)۔ ان کے فرزند اپنے والد کی ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت موصوف نے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا اے امیر المومنین! میرے والد گرامی کے مزاج میں طیش اور حدت زیادہ ہے اس نے مجھے قسم دے کر یہ کہا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اس کی قسم پوری کرنے کے لیے) اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھ لیا اور انصاری کے مذکورہ فرزند کو فرمایا کہ اپنے والد کی فرمائش پوری کر لے لیکن اپنے چچا (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رفق اور نرمی کا معاملہ کرنا۔ پھر اس نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصاری مذکور کے لیے شفقت فرماتے ہوئے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا...... الخ

((فوضع یدہ علی وجھہ وقال افعل ما امرك بہ ابوك وارفق بعمك فرمی الدنانیر وامر معاویۃ للانصاری بالف دینار))[3]

۱؎ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ذکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت ذکر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲؎ تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۸ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی

۳؎ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۴۔ ج اجزء رابع۔ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
کتاب الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ ص ۹۵، ۹۶ طبع مصر از محمد بن علی بن طباطبا شیعی، تالیف ہذا (۷۰۱ھ)

۲۔ ماوردی نے ایک واقعہ چادروں کی تقسیم کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے کچھ چادریں تقسیم کیں اور اہل دمشق میں سے ایک شخص کو ایک چادر حصہ میں ملی مگر اس کو پسند نہ آئی۔ جوش میں آ کر اس نے خیر سے قسم کھا لی کہ میں چادر امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے سر پر ماروں گا۔ اس قصد کے تحت وہ صاحب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ پہنچے اور اپنے حلف کا ذکر کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (کمال حلم اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ آپ اپنی قسم پوری کر لیں لیکن آپ اس معاملہ میں میرے ساتھ رفق اور نرمی اختیار کریں۔

((وقسم معاوية رضي الله عنه قطفا فاعطى شيخا من اهل دمشق قطيفة فلم تعجبه۔ فحلف ان يضرب بها رأس معاوية۔ فاتاه فاخبره فقال له معاوية رضي الله عنه اوف بنذرك و ليرفق الشيخ بالشيخ))[1]

اسی صفت حلم و بردباری کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کچھ اقوال بطور تجزیہ اور تجربہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو علماء نے نقل کیے ہیں:

۱۔ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "لا حلم الا التجارب"[2] یعنی تجربات کے بعد ہی صفت حلم حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ

((قال معاوية رضي الله عنه: لا يبلغ الرجل مبلغ الراى حتى يغلب علمه جهله وصبره شهوته ولا يبلغ ذالك الا بقوة الحلم))[3]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان صاحب الرائے نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا علم اس کے جہل پر اور اس کا صبر اس کی خواہشات پر غالب نہ ہو جائے، اور انسان اس درجہ تک قوت حلم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

مروت

اور ''صفت مروت'' کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بعض تشریحات علماء نے ذکر کی ہیں چنانچہ مروت کے مفہوم کی تشریح میں آں موصوف کے بعض اقوال پیش خدمت ہیں:

① ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مروت چار

---

[1] ادب الدنیا والدین (ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ) ص ۲۹، تحت الفصل الرابع فی الحلم والغضب

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء، طبع کراچی

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۳۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

چیزوں میں ہوتی ہے: اسلام میں پاکدامنی، مال کا صحیح اور جائز طریقے سے حاصل کرنا، اقربا کی رعایت رکھنا اور پڑوسیوں کے ساتھ تعاون کرنا۔

((عن ابی بحر قال قال معاویة رضی اللہ عنہ المروة فی اربع: العفاف فی الاسلام، واستصلاح المال، وحفظ الاخوان، وعون الجار))[1]

② اسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ سے دریافت کیا گیا کہ مروت کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا دینی معاملات میں دامن صاف رکھنا اور معیشت میں اصلاح رکھنا۔

((وروینا عن ابی سوار قال قیل لمعاویہ رضی اللہ عنہ ما المروة؟ قال العفاف فی الدین واصلاح فی المعیشة))[2]

③ اور ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو بحر احنف بن قیس سے فرمایا کہ مروت کیا چیز ہے؟ انھوں نے کہا کہ دین میں تفقہ اور پاکدامنی اور والدین کے ساتھ احسان کرنا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

((وقال معاویة رضی اللہ عنہ للاحنف یا ابا بحر ما المروة؟ قال الفقه فی الدین والعفاف و بر الوالدین فقال معاویة رضی اللہ عنہ هو ذاك))[3]

بعض حکیمانہ اقوال اور جائزے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض امور سے متعلق حکیمانہ جائزے اور تجزیے علماء نے ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دینی مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اصحاب رسول اس عالم سے رخصت ہو جائیں گے تو ورع اور تقویٰ نہ رہے گا۔ یعنی جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اوصاف بوجہ اتم پائے جاتے تھے اسی طرح یہ اوصاف بعد میں کامل درجہ میں نہیں پائے جائیں گے۔

((قال معاویة رضی اللہ عنہ اذا ذهب اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ذهب الورع))[4]

② اور ایک بار حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے انسانی اخلاق کے متعلق تجزیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۹۵ ج ۱۰ باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیھا...... الخ، طبع دکن

[3] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۰ ج جزء رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[4] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۰ جز رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

کہ ''انسان کو جو بہترین چیز عطا کی گئی ہے وہ عقل اور حلم (حوصلہ مندی) ہے۔ جب اسے نصیحت کی جائے تو وہ اسے قبول کرے، اور اگر اسے عطیہ دیا جائے تو وہ شکریہ ادا کرے، اور جب وہ آزمائش میں مبتلا ہو تو صبر کرے اور اگر وہ غضبناک ہو تو غصہ کو پی جائے، اور اگر کسی سے وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو بخش دے، اور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، اور اگر سمجھایا جائے تو رک جائے۔''

((قال معاوية رضي الله عنه افضل ما اعطيه الرجل العقل والحلم فان ذكر و ان اعطى شكرو ان ابتلى صبر و ان غضب كظم و ان قدر غفر و ان اساء استغفر وان وعظ ازدجر))[1]

مطلب یہ ہے کہ انسان کے حق میں یہ بہترین فضیلت کی چیزیں ہیں اور عقلمندی اور حوصلہ مندی کے ذریعے ہی سے یہ حاصل ہو سکتی ہیں۔

③ اور ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاسد کے متعلق ایک نفیس جائزہ ذکر فرمایا کہ

((قال ابن السماك قال معاوية رضي الله عنه كل الناس استطيع ان ارضيه الا حاسد نعمة فانه لا يرضيه الا زوالها))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت پر حسد کرنے والے شخص کے سوا میں ہر شخص کو راضی کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں کیونکہ حاسد زوال نعمت کے بغیر راضی نہیں ہو سکتا۔''

④ عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اخلاقیات پر تبصرہ کرتے ہوئے) تحریر فرمایا کہ:

۱۔ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر وہ شخص ہے جس نے جلد بازی سے منہ موڑ لیا۔

۲۔ اور خسارہ میں وہ آدمی ہے جس نے بردباری اور آہستگی سے روگردانی اختیار کی۔

۳۔ اور ثابت قدم رہنے والا انسان مقصد یافتہ ہوتا ہے۔

۴۔ اور جلد باز شخص خطا کار اور چوک جانے والا ہے۔

۵۔ جس کو رفق و نرمی نفع نہیں بخشتی اس کو شدت و سختی نقصان دہ ہو گی۔

۶۔ جس شخص کو تجربہ کاری فائدہ نہیں دیتی وہ بلند مراتب نہیں پا سکتا۔

۷۔ جب تک انسان کا صبر اس کی خواہشات پر اور اس کا حوصلہ اور حلم اس کے جذبات پر غالب نہ آ جائے وہ بلندی رائے اور عالی فکر حاصل نہیں کر سکتا۔

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۱ جز رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

(......نا عبدالله بن المبارك قال كتب معاوية رضی اللہ عنہ الى عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اما بعد: فان الرشيد من رشد عن العجلة وان الخائب من خاب عن الاناة وان المتثبت مصيب او كاد ان يكون مصيبا وان العجل مخطى او كاد يكون مخطيا ومن لا ينفعه الرفق يضره الخرق ومن لا ينفعه التجارب لا يبلغ المعالى ولا يبلغ رجل مبلغ الراى حتى يبلغ صبره شهوته وحلمه غضبه))[1]

خشیت الٰہی اور فکر آخرت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عام حالات زندگی میں اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے آپ کے خوف آخرت اور خشیت الٰہی کے تاریخ میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں:

① محدثین نے لکھا ہے کہ ایک شخص شفیا اصبحی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جلاد تھا) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نبوی سماعت کی کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز تین اشخاص (عالم، مجاہد، کثیر المال) سے اولاً حساب کتاب لیا جائے گا اور وہ لوگ اپنی فاسد نیات اور غلط ارادوں کی بنا پر اس محاسبہ میں ناکام رہیں گے۔

((اولئك الثلاثة اول خلق الله تسعربهم النار يوم القيامة)) (مختصراً)

''یعنی ان تین قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن دوزخ کی بھڑکتی آگ میں جلایا جائے گا۔''

یہ روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی گئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فقال معاوية رضی اللہ عنہ قد فعل بهؤلاء هذا فكيف بمن بقى من الناس ثم بكى معاويه رضی اللہ عنہ بكاء شديدا حتى ظننا انه هالك...... ثم افاق معاوية رضی اللہ عنہ و مسح عن وجهه وقال صدق الله و رسوله مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ))[2]

''یعنی جب ان مذکورہ لوگوں کے ساتھ اس طرح محاسبہ اور گرفت کا معاملہ کیا جائے گا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ خشیت الٰہی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخت گریہ طاری ہوگیا۔ حاضرین مجلس ایسا گمان کرنے لگے کہ اس میں ان کی جان جاتی رہے گی۔ پھر اس کیفیت کے بعد جب

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۷۳۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] ترمذی شریف ص ۶۱ ج ۲ طبع مجتبائی دہلی ص ۳۴۴ ج ۲ طبع لکھنؤ قدیم، تحت ابواب الزہد، باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ
کتاب الزہد والرقائق (عبداللہ بن مبارک) ص ۱۶۰ باب ذم الریاء والعجب...... الخ طبع مالیگاؤں، ہند

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سنبھلے اور اپنے چہرے کو آنسوؤں سے صاف کیا اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ...... الخ،،

② اسی سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ اس طرح علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی کہ ''جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کی حاجت روائی نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند فرما دیں گے۔''

((قال فاكب معاوية رضي الله عنه يبكى ثم قال رد حديثك يا ابا مريم! فرده فقال معاوية رضي الله عنه ادعوا الى سعدا وكان حاجبه فدعى فقال يا ابا مريم! حدثه انت كما سمعت فحدثه ابومريم فقال معاويه رضي الله عنه لسعد اللهم انى اخلع هذا من عنقى واجعله فى عنقك۔ من جاء يستاذن فاذن له يقضى الله له على لسانى ما قضى))[1]

''یعنی یہ حدیث مبارک سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوندھے گر کر رونے لگے اور پھر اپنے دربان سعد نامی کو بلوایا اور ابو مریم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمان نبوی دوبارہ سنایئے تو انھوں نے دوبارہ حدیث مذکور سنائی اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد سے فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجت مند آئے اسے میرے ہاں پہنچنے کی اجازت دی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے حق میں میری زبان پر جو فیصلہ چاہیں گے، کریں گے۔''

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی نوع کے کئی واقعات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ متعدد محدثین نے اپنی اسناد کے ساتھ واقعہ ذیل نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ایک فرمان نبوی ارشاد فرمایا۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنجناب نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور اور معاملات کا والی اور حاکم بنایا پھر اس نے لوگوں کی حاجات و ضروریات کے سامنے حجاب اور رکاوٹ ڈال دی تو اللہ تعالیٰ اس کی قضائے

---

[1] کتاب الکنیٰ (دولابی) ص ۵۴ ج ا تحت ابی مریم الازدی

طبقات ابن سعد ص ۱۵۰ ج ۷ قسم ثانی تحت مریم الازدی

جامع الاصول (ابن اثیر جزری) ص ۴۴۵ ج ۴ فصل ثالث فیما یجب علی الامام والامیر

ریاض الصالحین (امام نووی) ص ۲۹۲ باب امر ولاۃ الامور بالرفق برعایاہم۔

حاجات میں حجاب اور رکاوٹ ڈال دے گا اور اپنے رحمت کے دروازے اس شخص پر بند فرما دے گا۔

فرمان نبوی ہذا معلوم کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی داد رسی کے لیے مستقل طور پر آدمی مقرر فرما دیا۔

یہاں سے آپ کی خشیت الٰہی اور فکر آخرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

((عن عمرو بن مرة انه قال لمعاوية رضی اللہ عنہ سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول من ولاه الله شيئا من امر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله دون حاجته وخلته وفقره فجعل معاوية رضی اللہ عنہ رجلا على حوائج الناس۔ رواه ابو داود والترمذی۔ وفی رواية له ولاحمد "اغلق الله له ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنه")) [1]

فائدہ

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ مندرجہ روایات محض تاریخی روایات نہیں ہیں جو رطب و یابس پر مشتمل ہوتی ہیں بلکہ کبار محدثین نے یہ واقعات اپنے اسانید کے ساتھ احادیث کی کتب میں ذکر کیے ہیں اور عند المحدثین مقبول کے درجہ میں ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر خشیت الٰہی طاری رہتی تھی اور فکر آخرت کا ان پر غلبہ تھا، لوگوں کی حاجت روائی کا انھیں پورا پورا احساس تھا اور آں موصوف رعایا کی دادرسی کے لیے کوشش فرمایا کرتے تھے اور عوام و خواص کے حوائج کے پورا کرنے کا انتظام کرتے تھے یہ چیزیں آں موصوف کے اخلاص فی الدین اور خدا خوفی کے بین دلائل ہیں۔

تنبیہ

ان میں سے بعض روایات قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۵۰-۱۵۱ پر درج ہو چکی ہیں۔

اعتراف حقیقت

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں نہایت عمدہ یہ خصلت پائی جاتی تھی کہ آنجناب اپنے سابق خلفاء کی بلند

---

[1] ابوداود شریف ص ۵۳ ج ۲ تحت کتاب الخراج والفئی...... الخ طبع مجتبائی دہلی۔
مشکوۃ شریف بحوالہ ابوداؤد و ترمذی ص ۳۲۴ فصل ثانی، باب ما علی الولاۃ من التیسیر
الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۶ ج ۳ تحت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ
الفتح الربانی ص ۱۹ ج ۲۳ فصل فی وعید من احتجب...... الخ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بحوالہ ترمذی
مسند عبد بن حمید ص ۱۱۹ تحت حدیث عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ طبع بیروت

سیرت اور اعلیٰ کردار کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے مقام اور مؤقف کو ہمیشہ صفائی کے ساتھ متعین رکھتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

((خطب معاوية رضي الله عنه فقال ايها الناس! والله لنقل الجبال الراسيات ايسر من اتباع ابی بکر و عمر رضي الله عنهما فی سیرتهما ولکنی سالك بكم طريقا يقصر عمن تقدمنی ولا یدرکنی فیها من بعدی))[1]

''یعنی اے لوگو! اللہ کی قسم حضرات شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے دوسری جگہ منتقل کرنا نہایت آسان ہے۔ لیکن میں تمھارے لیے ایسا طرز عمل اختیار کروں گا جو میرے پیش رو خلفاء سے تو کم درجہ میں ہوگا مگر میرے بعد آنے والے اسے نہیں پاسکیں گے۔''

(۲) اسی طرح آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں اور مجھ سے بہتر افاضل تم لوگوں میں موجود ہیں مثلاً عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہم) وغیرہما۔ لیکن امید ہے کہ میں تمھارے دشمن کو زیادہ کاری ضرب لگانے والا ہوں گا اور حکمرانی کے اعتبار سے تمھارے لیے زیادہ نفع بخش اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہترین ثابت ہوں گا۔

((قال سمعت معاوية رضي الله عنه وهو يقول انی لست بخيركم وان فيكم من هو خير منی عبدالله بن عمر وعبدالله بن عمرو وغيرهما من الافاضل۔ ولكنی عسيت ان اكون انكاكم فی عدوكم وانفعكم لكم ولاية واحسنكم خلقا))[2]

آں موصوف کے یہ بیانات محض عاجزی پر محمول نہیں بلکہ وہ اپنے پیشرو خلفاء کی فوقیت اور رفعت مقام کے حقیقتاً معترف تھے اور اس معاملے میں انھوں نے ہمیشہ راست گوئی سے کام لیا ہے، کوئی خفا نہیں رکھا۔ نیز اہل اسلام کے حق میں اپنے بہترین کردار کو تحدیث نعمت کے طور پر واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا۔ اور فی الواقع اعدائے اسلام کو زیر کرنے اور مغلوب کرنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کمال حذاقت اور نمایاں صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ اوصاف قدرت کی طرف سے ان کی طبع میں ودیعت کر دیے گئے تھے اور عطائے الٰہی تھے۔

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۲ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع یروشلم)

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۲۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع اول مصری)

اظہار مافی الضمیر کی آزادی اور اعتراف قصور

① ایک شخص حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ ایک دفعہ ایک ضرورت کی خاطر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلیمات ذکر کیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا کہ اے مسور! آپ ولاۃ و حکام پر طعن کیا کرتے تھے اب وہ کس طرح کے ہیں؟ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اس بات کو رہنے دیجیے اور جو کچھ میں نے گزارش کی ہے اس میں اچھا معاملہ کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ ناقدانہ کلام ضرور ذکر کریں اور آپ مجھ پر جو عیب لگاتے ہیں وہ بیان کریں۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان پر جو عیب لگاتا تھا ان کو آپ کے سامنے بیان کر دیا۔

اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گناہوں سے بری ہونے کا دعویدار نہیں ہوں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے بھی ایسے کچھ گناہ ہیں جنھیں اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائیں تو ان کی وجہ سے آپ ہلاکت کا خوف رکھتے ہوں؟ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میرے بھی کئی گناہ (معاصی) ایسے ہیں کہ اگر وہ معاف نہ کیے گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس بنا پر آپ مجھ سے زیادہ مغفرت کے حقدار ہیں؟ جبکہ اللہ کی قسم میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی و ملّی اہم کام سرانجام دیتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب چیزیں ان عیوب اور ذنوب سے جو آپ ذکر رہے ہیں کثیر تعداد میں ہیں اور میں اللہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ تعالیٰ حسنات کو قبول کرتے ہیں اور خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ واللہ! جس معاملے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خلاف کرنے میں اختیار دیا گیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور غیر کو ترک کر دیتا ہوں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کلام سن کر اپنی جگہ غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے مورد الزام ٹھہرایا ہے اور وہ مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسور رضی اللہ عنہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تھے تو ان کے حق میں دعا کرتے اور کلمات خیر سے یاد کرتے تھے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں معترض کو بھی ناقدانہ اظہار رائے کی مکمل آزادی تھی اعتراض کرنے سے کچھ ممانعت نہ تھی اور خود آں موصوف کو اعتراف قصور میں کوئی حجاب نہیں ہوتا تھا، حق بات تسلیم کرتے اور ناروا نقد سے اغماض برتتے تھے۔

چنانچہ واقعہ ہذا کو حافظ ابن کثیر و ابن عساکر و ابن عبدالبر اور حافظ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ یہاں البدایہ کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے تاکہ اہل ذوق حضرات مزید فوائد بھی حاصل کر سکیں:

((عن حمید بن عبدالرحمن ثنا المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ انه وفد علی معاویة رضی اللہ عنہ قال: فلما دخلت علیه حسبت انه قال سلمت علیه۔ فقال ما فعل طعنك علی الائمة یا مسورا!؟ قال قلت: ارفضنا من هذا واحسن فیما قدمنا له۔ فقال: لتکلمنی بذات

نفسك قال: فلم ادع شيئا اعيبه عليه الا اخبرته به۔ فقال: لا ابرأ من الذنوب، فهل لك من ذنوب تخاف ان تهلكك ان لم يغفرها الله لك؟ قال: قلت نعم! ان لى ذنوبا ان لم تغفرها هلكت بسببها، قال: فما الذى يجعلك احق بان ترجوا انت المغفرة منى، فو الله لما الى من اصلاح الرعايا واقامة الحدود والاصلاح بين الناس والجهاد فى سبيل الله والامور العظام التى لا يحصيها الا الله ولا نحصيها اكثر مما تذكر من العيوب والذنوب، وانى لعلى دين يقبل الله فيه الحسنات ويعفو عن السيئات، والله على ذالك ما كنت لاخير بين الله وغيره الا اخترت الله على غيره مما سواه۔ قال ففكرت حين قال لى ما قال فعرفت انه قد خصمنى قال: فكان المسور رضی اللہ عنہ اذا ذكره بعد ذالك دعا له بخير))[1]

انصاف پسندی، رواداری اور حقوق کی رعایت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت احسن معاملہ رکھتے تھے اور مزاج میں انصاف پسندی تھی اور حق بات کو تسلیم کرنا ان کا شیوہ تھا اور دوسروں کے حقوق کی رعایت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس طریقے سے ان کا اعلیٰ اخلاق ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں (تمام واقعات کا احصا اور شمار مشکل امر ہے)۔

مندرجات ذیل پر نظر کرنے سے واضح ہوگا کہ حضرت موصوف کے دور میں لوگوں کی آزادی مسلوب نہیں تھی اور ان کی رائے پر پابندی نہیں ہوتی تھی، جائز مطالبات کے حصول میں ان پر کوئی قدغن نہ تھی اور آپ تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

① یعلی بن شداد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں طاعون سے فرار کرنے کا ذکر کیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، فرمانے لگے کہ آپ کی ماں ہند آپ سے زیادہ واقف و عالم تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ تمام کیا اور نماز پڑھائی۔ اس کے بعد عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیج کر انہیں بلوایا۔ چند انصاری بھی ان کے ساتھ تھے، آپ نے ان کو روک دیا، صرف عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتے اور اپنے امام سے حیا نہیں کرتے؟ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ العقبہ میں اس بات پر بیعت کی تھی کہ میں دین کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خائف نہیں ہوں گا۔

اس کے بعد عصر کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی اور منبر کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ میں نے منبر پر حدیث بیان کی پھر مکان پر گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح حدیث ذکر کی ہے وہ درست ہے۔ پس ان سے حدیث حاصل کرو۔ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳-۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۲۴-۷۲۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۸۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلا (ذہبی) تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((...... عن یعلی بن شداد بن اوس قال: ذکر معاویة الفرار من الطاعون فی خطبته فقال عبادة: امّك هند اعلم منك فأتمّ خطبته۔ ثم صلی ثم ارسل الی عبادة فنفرت رجال من الانصار معه۔ فاحتبسهم وادخل عبادة۔ فقال له معاویة الم تتق الله وتستحی امامك؟ فقال عبادة الیس قد علمت انی بایعت رسول الله ﷺ لیلة العقبة انی لا اخاف فی الله لومة لائم؟ ثم خرج معاویة عند العصر و صلّی العصر ثم اخذ بقائمة المنبر فقال: ایها الناس انی ذکرت لکم حدیثاً علی المنبر فدخلت البیت۔ فاذا الحدیث کما حدثنی عبادة۔ فاقتبسوا منه۔ فهو افقه منی))[1]

(۲) دمشق میں نصاریٰ کا ایک کنیسہ یوحنا تھا جو مسجد سے ملحق تھا اس کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کا مسجد کے ساتھ الحاق کر کے مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ نصرانیوں نے اس اقدام کو ناپسند کیا اور الحاق کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ اقدام کرنے سے رک گئے اور ان سے کوئی زیادتی نہیں کی۔

((قالوا ولما ولی معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما اراد ان یزید کنیسة یوحنا فی المسجد بدمشق فابی النصاری فامسك))[2]

(۳) ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کارکن وردان (مولیٰ عمرو) کی طرف حکم نامہ ارسال کیا کہ قبطی قوم کے ہر فرد پر ایک قیراط[3] (خراج) کا اضافہ کر دیں۔ وردان نے جواباً لکھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ میں یہ چیز درج ہے کہ ان پر ٹیکس نہیں بڑھایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی صحیح بات کو تسلیم کر لیا اور ان کے ساتھ رواداری کرتے ہوئے کوئی تعرض اور تجاوز نہیں کیا اور اپنے اس حکم کو واپس لے لیا۔

((عن یحیی بن ایوب عن عبیدالله بن ابی جعفر قال کتب معاویة رضی الله عنه الی وردان مولی عمرو ان زد علی کل امرء من القبط قیراطا فکتب الیه کیف ازید علیهم وفی عهدهم ان لا یزاد علیهم))[4]

(۴) اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ خاص رعایت اور بہتر سلوک کا معاملہ کیا جائے اور ان کے خورونوش کا انتظام اچھا ہو اور سردیوں اور گرمیوں کی مناسبت سے انھیں صحیح لباس مہیا کیا جائے۔

سب سے پہلے عراق کے علاقہ میں اس کا اہتمام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں کیا گیا۔ اس کے

---

[1] معجم اوسط (طبرانی) ج۹ ص۸۸ روایت ۸۱۸۴ طبع ریاض

[2] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۱ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها۔

[3] قیراط درہم یا دینار کا قلیل سا حصہ ہے۔

[4] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۲۵ تحت عنوان فتوح المصر والمغرب۔

بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے مذکورہ انتظامات علاقہ شام میں کیے۔ بعدہٗ باقی خلفاء بھی اس پر عمل درآمد کرتے رہے۔

((ولم تزل الخلفاء یا امیر المؤمنین تجری علی اهل السبحون ما یقوتهم فی طعامهم وادمهم وکسوتهم الشتاء والصیف۔ واول من فعل ذالك علی بن ابی طالب کرم الله وجهه بالعراق ثم فعله معاویة رضی اللہ عنہ بالشام۔ ثم فعل ذالك الخلفاء من بعده))[1]

تنبیہ

عبارت ہذا میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے مسئلہ ہذا کی وضاحت ذکر کی ہے۔

⑤ اور مقریزی نے اپنی تصنیف ''الخطط'' میں عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف ذمیوں سے کیے گئے عہد و پیان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے بہتر سلوک روا رکھتے اور ان پر کسی قسم کا تجاوز نہیں فرماتے تھے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ مصر کے والی اور حاکم تھے۔ ایک دفعہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں قریہ عقبہ میں ایک کنواں کھدوانے اور مساکن و منازل تعمیر کرانے کی اجازت طلب کی۔

جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دس لاکھ ذراع رقبہ زمین حاصل کرکے اس میں آبادکاری کی جائے اور عمارات تعمیر کی جائیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موالی اور حاضرین نے ذکر کیا کہ وہ زمین نہایت عمدہ ہے اس میں حدود متعین کر کے مکانات وغیرہ تعمیر کرائے جائیں لیکن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ یہ چیز ہمارے لیے جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارے معاہدہ کی چند شرائط ہیں:

۱۔ کہ ہم ان کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لیں گے۔
۲۔ ان سے زیادتی نہیں کریں گے۔
۳۔ ان کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔
۴۔ ان کی اولاد کو گرفت میں نہیں لیں گے۔
۵۔ ان کی طرف سے ان کے دشمن کی مدافعت کریں گے۔

چنانچہ اس صورت حال کے واضح ہو جانے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ عہد و پیان کی رعایت کرتے ہوئے کوئی تعرض نہیں کیا اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ وضاحت کو تسلیم کرلیا۔

((کتب عقبة رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ یسأله نقیعا فی قریة یبنی فیها منازل ومساکن فامر له معاویة رضی اللہ عنہ بالف ذراع فی الف ذراع فقال له موالیه ومن کان عنده انظر الی ارض تعجبك فاختط فیها وابتن۔ فقال انه لیس لنا ذالك۔ لهم فی عهدهم ستة شروط منها ان لا یوخذ من ارضهم شیء ولا یزاد

[1] کتاب الخراج (امام ابو یوسف) ص ۱۴۹، ۱۵۰ تحت فصل فی اہل الدعارۃ والتلصص ......الخ

علیهم ولا یکلفوا غیر طاقتهم ولا تؤخذ ذراریهم وان یقاتل عنهم عدوهم من ورائهم))[1]

⑥ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی نوعیت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر ثابت ہے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی اور اس پر ان کا نصیر نامی ایک وکیل متعین تھا۔ اس رقبہ کے ساتھ ہی ملحقہ رقبہ اراضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادر زادے عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کی ملکیت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وکیل اور عبدالرحمٰن بن زید کے درمیان اس رقبہ کے متعلق تنازع پیدا ہوگیا۔ وکیل نے کہا کہ زمین کا یہ حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ اس تنازع کے بعد عبدالرحمٰن بن زید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے۔ وہاں متنازعہ فیہ واقعہ کی تفصیلات ذکر کیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانبین کے بیانات ہوئے اور قاضی صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور عبدالرحمٰن بن زید کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔

((فرای فضالة (بن عبید الانصاری رضی اللہ عنہ) ان القول قول عبدالرحمن رضی اللہ عنہ والحق معه فقضی به فقال معاویة رضی اللہ عنہ فنقبل ما قلت...... الخ))[2]

مختصر یہ ہے کہ واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے، حق بات کو تسلیم کرنے والے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز نہیں روا رکھتے تھے۔

یہ واقعہ ''جواب المطاعن'' میں ظلم و زیادتی کے عنوان کے تحت ذکر ہو چکا ہے۔ تفصیلات کے لیے کتاب ہذا کی دوسری جلد جواب المطاعن کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

⑦ ایک بزرگ زید بن صوحان اپنے قبیلہ عبدالقیس کے سردار اور فاضل دیندار شخص تھے لیکن بعض امور میں نظریاتی طور پر ان کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف تھا۔ ایک موقع پر آں موصوف کو کسی معاملہ میں کوفہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ وہاں ان کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ مناقشانہ گفتگو ہوئی۔ تاہم اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا اور سخت

---

[1] کتاب المواعظ والاعتبار المعروف بالخطط المقریزیہ، ص ۲۰۸ ج ا تحت ذکر منیہ عقبہ، طبع مصر

[2] الانساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۰ تا ۱۱۲ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ ارشاد فرمایا کہ آپ ایک صادق اور صالح انسان ہیں آپ واپس کوفہ چلے جائیں۔ اور ساتھ ہی کوفہ کے حاکم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو زید بن صوحان کے حق میں بطور وصیت تحریر فرمایا کہ چونکہ یہ ایک صاحب فضیلت، نیک کردار کے حامل اور معتدل شخص ہیں اس لیے ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیا جائے اور ان کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔

((فقال له معاوية رضي الله عنه يا زيد! انك امرء صدق واذن له بالرجوع الى الكوفة وكتب الى سعيد بن العاص يوصيه به لما راى من فضله وهديه وقصده وامر باحسان جواره وكف الاذى عنه))[1]

⑧ اسی طرح مورخ بلاذری نے کتاب ''انساب الاشراف'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے فرزند کا وظیفہ مروان بن حکم نے ایک دفعہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ جب اس امر کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے مروان بن حکم کی طرف ایک حکم نامہ میں تحریر فرمایا کہ:

((عن قتادة قال حرم مروان بن الحكم ابنا لصهيب رضي الله عنه عطاءه فبلغ ذالك معاوية رضي الله عنه فكتب اليه معاوية رضي الله عنه انك حفظت على ابن صهيب ما كان من ابيه فى امر عثمان رضي الله عنه ونسيت ما كان من سابقته مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاردد عليه عطاه واكرمه واحسن مجاورته ان شاء الله))[2]

''یعنی تم نے صہیب رضی اللہ عنہ کے فرزند کے معاملے میں اس کے باپ کا امر عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں (فعل) یاد رکھا مگر تم اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ اور معیت کا تعلق بھول گئے؟ پس صہیب کے فرزند کا وظیفہ جاری کیا جائے اور اس کی عزت کی جائے اور اس سے اچھا سلوک کیا جائے۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مسابقہ اور بیعت نبوی کا احترام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملحوظ رکھتے تھے، حقوق کی رعایت و رواداری ان کا شیوہ تھا۔

⑨ اسی سلسلے میں ایک دیگر واقعہ یعقوب بسوی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اس میں رعایا کے حقوق کی رعایت پائی جاتی ہے۔

ابو اسحٰق سبیعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں میرا نام تین صد (دراہم) وصول کرنے والے افراد کی فہرست میں درج کیا اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے والد کو کس

---

[1] الاصابہ (ابن حجرؒ) ص ۵۶۶، ج ا تحت نمبر ۲۹۹۷ زید بن صوحان (بحوالہ بلاذری) مع الاستیعاب۔

[2] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۹۰ قسم اول من جزء الرابع، طبع یروشلم

قدر وظیفہ ملتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تین صد (دراہم) حاصل کرنے والے افراد میں شامل تھے۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے لیے بھی تین صد (دراہم) وظیفہ مقرر فرمایا۔

ابو اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے وظائف ان کے آباء کے وظائف کے مطابق جاری رکھتے تھے۔

((حدثنا ابوبكر بن عياش قال: سمعت ابا اسحق يقول: فرض لى معاوية رضي الله عنه فى ثلاث مائة وسألنى معاوية رضي الله عنه: كم كان عطاء ابيك؟ قال: قلت ثلاث مائة۔ قال ففرض لى معاويه رضي الله عنه فى ثلاث مائة۔ قال: كذالك كانوا يفرضون للرجل فى مثل عطاء ابيه))[1]

نیز رعایا کے حقوق اور جائز مطالبات تسلیم کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک یہ واقعہ بھی محدثین ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی خدمت میں تشریف لائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ کوئی حاجت اور ضرورت ہو تو پیش کیجیے۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف و عطیات جاری کرنے کا مطالبہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے عطیات جاری کرنے چاہییں اور ساتھ ہی فرمان نبوی سنایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب اموال کی درآمد ہوتی تھی آنجناب محررین (آزادشدگان) کے لیے پہلے ابتدا فرماتے تھے۔

((عن زيد بن اسلم عن ابيه ان معاويه رضي الله عنه لما قدم المدينه حاجا جاءه عبدالله بن عمر رضي الله عنهما فقال له معاوية رضي الله عنه حاجتك يا اباعبدالرحمن؟ فقال له: حاجتى عطاء المحررين فانى رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اول ماجاءه شىء بدا بالمحررين))[2]

(۱۰) مشہور تابعی عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم سے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں والی مدینہ تھے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اے مخاطبین! امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمھارے عطیات و وظائف کے متعلق حکم دیا ہے کہ ان کو پورا پورا ادا کیا جائے اور ان میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں تمھاری خاطر پوری کوشش کی ہے۔ فی الحال موجودہ مال تمام عطیات و وظائف کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے اور اس میں ایک لاکھ کی کمی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے

---

۱ کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۳۶۲ ج ۲ تحت ابی اسحٰق سبیعی

مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری) ص ۳۱ روایت ۹۴ تحت عمر بن سعید المسیب

۲ کتاب المنتقیٰ (امام ابو محمد عبداللہ ابن علی بن جارود نیسابوری متوفی ۳۰۷ھ) ص ۳۷۶ باب الوجود التی یخرج فیہا مال الفیٔ طبع مصر

کہ یمن سے اموال صدقات موصول ہونے پر یہ کمی پوری کردی جائے گی۔

اس پر لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ عروہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف نظر کی تو یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے، کیا ہم دوسروں کا حق وصول کریں؟ یمن کے صدقات تو یتامی اور مساکین کا حق ہے اور ہمارے وظائف جزیہ کے اموال سے ادا کیے جاتے ہیں۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کریں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال فرما دیں۔ مروان نے یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وظائف کے بقایا جات وہاں سے ارسال فرما دیے۔

((يقولون والله لا ناخذ منها درهما واحدا أناخذ حق غيرنا؟ انما مال اليمن صدقة والصدقة لليتامى والمساكين وانما عطاءنا من الجزية فاكتب الى معاويه رضي الله عنه يبعث الينا ببقية عطاءنا۔ فكتب اليه بقولهم فبعث اليه معاوية رضي الله عنه ببقيته))[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زبانوں پر قفل چڑھانے اور ضمیروں پر تالے لگانے کا پروپیگنڈا بے بنیاد اور ہرگز درست نہیں۔ عوام الناس کو اظہار خیال میں آزادی تھی اور وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں کسی قسم کا باک نہیں رکھتے تھے۔ ان معاملات میں ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے جائز مطالبات پورے کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص توجہ دیتے اور شرعی قواعد کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔

⑩ لوگوں کے حقوق کی رعایت اور قدر شناسی کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے:

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال مشہور قول کے مطابق ۵۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ والی مدینہ ولید بن عتبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آں موصوف کے انتقال کی اطلاع ارسال کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

((انظر الى ورثته فاحسن اليهم واصرف اليهم عشره الاف درهم واحسن جوارهم واعمل اليهم معروفا))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمان لکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ورثاء کے ساتھ عمدہ سلوک

---

[1] کتاب الاموال (ابو عبید قاسم بن سلام) ص ۲۵۹ روایت نمبر ۶۳۵، طبع مصر

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۵ ج ۸ تحت ۵۹ھ آخر ترجمہ ابو ہریرہ الدوسی رضی اللہ عنہ

کیجیے، ان پر دس ہزار درہم صرف کیجیے، ان کی امان اور ذمہ داری کو احسن طریقے سے ملحوظ رکھیے اور ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیجیے۔“

حکمت عملی

مؤرخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے عہد خلافت کی حکمت عملی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا طریق کار یہ ہے کہ جس معاملہ میں مال کفایت کرتا ہو وہاں میں زبانی حکم نہیں دیتا۔ اور جہاں زبانی حکم کفایت کرتا ہو وہاں تازیانہ سے کام نہیں لیتا۔ اور جہاں تازیانہ کام کرتا ہو وہاں تلوار کو استعمال نہیں کرتا۔ اور جب تلوار کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے تب میں تلوار استعمال کرتا ہوں۔

((انا ابوحاتم عن العتبی قال قال معاویة رضی اللہ عنہ لا اضع لسانی حیث یکفینی مالی، ولا اضع سوطی حیث یکفینی لسانی، ولا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی، فاذا لم اجد من السیف بُدًّا رکبته))[1]

بعض معمولات

آداب مسجد کی رعایت اور احترام

① ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طبعی ضرورت کے تحت مسجد میں تھوک دیا اور اس کے بعد واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد انھیں اس خطا کا احساس ہوا تو واپس مسجد میں تشریف لائے اور روشنی لے کر اسے تلاش کیا اور اس پر مٹی ڈال کر دفن کر دیا۔

((ان معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بزق ذات لیلة فی المسجد ثم ذهب ثم رجع بشعلة من نار فجعل یتتبع بزقته حتی وجدها ثم دفنها))[2]

واضح رہے کہ یہ اس دور کا واقعہ ہے جس وقت مساجد کے فرش کچے ہوتے تھے۔ اور مٹی ریت اور کنکریاں اور گھاس پھوس ڈال کر نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ پختہ فرش لگوانے کا طریقہ بعد میں جاری ہوا۔

تنبیہ

ابن شبہ نے اس مقام پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مسجد میں

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۰-۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۷۰ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری المتوفی ۲۶۲ھ) ص ۲۷ ج اطبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ مصر

بزاق ڈالنے (تھوکنے) اور پھر اسے دفن کرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور مسجد کے احترام کے پیش نظر اس کا صاف کرنا اور ازالہ کرنا ایک حکم شرعی ہے اسی بنا پر مذکورہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا اور خطا کا احساس ہونے پر فوراً اس کے ازالہ کا اقدام کیا۔

۲ ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاقیات جہاں ذکر کیے ہیں وہاں انھوں نے لکھا ہے کہ یونس بن میسرہ بن حلبس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا کہ اپنے خچر (بغلہ) پر سوار تھے اور آنجناب نے اپنے پیچھے اپنے ایک خادم کو سوار کر رکھا تھا۔ آپ ایک معمولی قمیص پہنے ہوئے تھے اور اسی حالت میں دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔

((عن یونس بن حلبس قال رأیت معاویة رضی اللہ عنہ فی سوق دمشق علی بغلة له وخلفه وصیف قد اردفه۔ علیه قمیص مرقوع الجیب۔ وھو یسیر فی اسواق دمشق))[1]

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی شان وشوکت کے لباس سے ہٹ کر عام لباس میں بازار میں چکر لگاتے تھے اور ایک خادم ساتھ ہوتا تھا اور سواری کے لیے خچر بھی استعمال فرماتے تھے۔ یہ چیز آپ کے مزاج میں عاجزی وتواضع کی دلیل ہے۔

۳ نیز کبار علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربان ابو یوسف ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کیا۔ چنانچہ آپ کو دمشق کے بعض منازل میں ٹھہرایا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہترین خوش آواز اور خوش الحان بزرگ تھے۔

اسی دوران میں ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پاپیادہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جائے اقامت کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت سماعت فرمائی۔

((یحیی بن صالح الوحاظی قال ثنا سعید بن عبدالعزیز عن ابی یوسف حاجب معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان ابا موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قدم علی معاویة رضی اللہ عنہ فنزل فی بعض الدور بدمشق فخرج معاویة رضی اللہ عنہ فی اللیل الی

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۲۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ ص ۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

منزله يمشی حتی سمع قراءته))[1]

مجلسی طریق کار

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و کردار کے متعلق بعض چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد مکارم اخلاق کے عنوان کے تحت آں موصوف کے مجلسی معمولات اور لوگوں کے قضائے حوائج کے واقعات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

شیعہ مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجلسی احوال اپنی مشہور کتب تواریخ میں مفصل طور پر درج کیے ہیں۔ اگرچہ اہل سنت مورخین نے بھی یہ چیزیں اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں تاہم بطور الزام یہاں شیعی مورخین کے مندرجات پیش کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ اہل سنت مورخین ان کے موید ہیں۔

مشہور شیعہ مورخ مسعودی تحریر کرتے ہیں کہ:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عادت جاریہ تھی کہ ایک دن میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کا موقع دیتے تھے۔ جب آپ فجر کی نماز ادا کر لیتے تو مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ ان کا ایک خاص آدمی (جس کو قاص کہا جاتا تھا) ضروری ضروری احوال آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ پھر آپ اپنی مخصوص جگہ پر تشریف لے جاتے، وہاں مصحف مبارک پیش کیا جاتا اور آنجناب اس کے ایک جزو کی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے اور اوامر و نواہی کی حسب ضرورت تلقین فرماتے۔ پھر اس کے بعد چار رکعت نوافل ادا کرتے اور باہر تشریف لا کر مجلس میں بیٹھتے اور خاص خاص لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے اور ان کے ساتھ ضروری گفتگو فرماتے۔ اسی دوران میں آپ کے وزراء جناب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس دن سے متعلق ضروری امور میں گفتگو کرتے اور ہدایات حاصل کرتے۔

((كان من اخلاق معاوية رضی اللہ عنہ انه كان ياذن فی اليوم والليلة خمس مرات۔ كان اذا صلى الفجر جلس للقاص حتى يفرغ من قصصه، ثم يدخل فيوتی بمصحفة فيقرأ جزءه۔ ثم يدخل الى منزله فيامر وينهی ثم يصلی اربع ركعات، ثم يخرج الى مجلسه فياذن لخاصة الخاصة فيحدثهم ويحدثونه ويدخل عليه وزراؤه فيكلمونه فيما يريدون من يومهم الى العشاء))[2]

② نیز آنجناب کی مجلس کے یومیہ طریق کار کے متعلق ایک دوسری روایت میں مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو اپنے خادم کو کرسی لانے کے لیے فرمان دیتے اور مسجد

---

[1] کتاب الکنی (دولابی) ص ۱۶۰ ج ۲ تحت کنیت ابی یوسف، طبع دکن۔

[2] مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص ۳۹ ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقہ وسیاستہ طبع پنجم

میں مقصورہ کے پاس کرسی پر تشریف فرما ہوتے۔ اور آپ کے محافظ پاس رہتے۔

اس کے بعد جناب کی طرف سے حکم دیا جاتا تھا کہ جو کمزور لوگ اور اعرابی (بادیہ نشین) کوئی لڑکا یا کوئی خاتون کسی ضرورت کے لیے آئے ہوئے ہوں تو وہ باری باری پیش خدمت ہوں۔ مثلاً ایک شخص پیش ہوتا اور وہ کہتا کہ مجھ پر یہ ظلم ہوا ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے ظلم کو دور کیا جائے اور دادرسی کی جائے۔ پھر دوسرا شخص پیش ہوکر کہتا کہ میرے ساتھ زیادتی کی گئی ہے تو آپ کی طرف سے حکم دیا جاتا کہ اس کے ساتھ آدمی بھیج کر اس سے تعدی اور تجاوز کو دور کیا جائے۔ اسی طرح ایک اور شخص پیش ہوکر کہتا کہ میرے ساتھ فلاں معاملہ ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے معاملہ پر نظر انصاف کی جائے۔

اس طریقہ سے تمام حاضرین حاجت مندوں کی ہر ایک حاجت کو پورا کیا جاتا حتیٰ کہ کوئی ایک ضرورت مند بھی باقی نہ رہ جاتا۔ پھر آپ اس مقام سے اٹھتے اور دوسری جگہ چارپائی پر تشریف فرما ہوتے۔

((ثم يخرج فيقول: يا غلام اخرج الكرسی، فيخرج الى المسجد فيوضع فيسند ظهره الى المقصورة ويجلس على الكرسی، ويقوم الاحراس فيتقدم اليه الضعيف والاعرابی والصبی والمرأة ومن لا احد له، فيقول: ظلمت، فيقول: اعزوه، ويقول: عدی علی۔ فيقول: ابعثوا معه، ويقول: صنع بی، فيقول: انظروا فی امره۔ حتى اذا لم يبق احد دخل فجلس على السرير))[1]

اسی طرح مسعودی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجالس کا احوال ذکر کرتے ہوئے ایک دیگر روایت تحریر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات اور حوائج کو پیش کیا جائے۔

پھر ایک شخص حاضر ہوتا اور کہتا کہ فلاں شخص فلاں جنگ میں شہید ہوگیا تو آپ حکم فرماتے کہ اس کی اولاد کے لیے وظیفہ متعین کر دیا جائے۔

پھر دوسرا شخص کہتا کہ فلاں شخص اپنے گھر سے غائب ہے (دینی کام کے لیے کہیں گیا ہوا ہے) تو آپ کی طرف سے حکم ہوتا کہ اس شخص کے اہل خانہ کی نگہداشت کی جائے اور ان کو وظیفہ دیا جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

پھر آپ کی خدمت میں صبح کا ناشتہ پیش کیا جاتا اور آپ کا احکام نویس (منشی) آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور جو لوگ اس مجلس میں موجود ہوتے انھیں دسترخوان پر بیٹھنے کا حکم دیا جاتا پھر یہ لوگ کھانے میں شریک ہوتے اور حسب ضرورت خورونوش کرتے۔ اسی دوران میں آنجناب کا کاتب آپ کے احکامات

[1] مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص ۳۹، ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقہ وسیاستہ
الانتقاد علیٰ تمدن اسلامی ص (علامہ شبلی نعمانی) ۴۰-۴۱

لکھتا جاتا تھا۔ اسی طرح یہ مجلس قائم رہتی، حتیٰ کہ مجلس کے تمام حاجت مند لوگوں کی ضروریات کو پورا کر دیا جاتا۔

((ارفعوا الینا حوائج من لا یصل الینا۔ فیقوم الرجل فیقول: استشهد فلان فیقول افرضوا لولده۔ ویقول الاخر: غاب فلان عن اهله، فیقول: تعاهدوهم۔ اعطوهم اقضوا حوائجهم اخدموهم، ثم یوتی بالغداء ویحضر الکاتب۔ فیقوم عند رأسه ویقدم الرجل فیقول له اجلس علی المائدة فیجلس فیمد یده فیاکل لقمتین او ثلاثا والکاتب یقرأ کتابه فیامر فیه بامره فیقال یا عبدالله اعقب فیقوم یتقدم آخر حتی یاتی علی اصحاب الحوائج کلهم))[1]

مذکورہ بالا روایات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجالس کے احوال اور یومیہ طریق کار کے چند ایک مناظر پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جس سے آں موصوف کے طریق عمل، رعایا سے حسن سلوک اور مجلسی نظم واضح ہوتا ہے۔

تنبیہ

فصل ہذا میں ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اخلاق کے متعلق چند چیزیں ذکر کی ہیں اور اس چیز کو کماحقہ پوری تفصیل سے پیش کرنا ایک دشوار امر ہے تاہم ماقبل میں آں موصوف کے حلم اور مروت کے متعلق اور فکر آخرت اور خشیت الٰہی کے متعلق چند ایک مرویات درج کی ہیں۔ نیز آنجناب کی مجالس میں اظہار رائے کی آزادی، حق گوئی اور انصاف پسندی، رواداری اور عوام کے حقوق کی رعایت اور عوام کے ساتھ بہترین سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد ان کی مجلسی نظم اور رعایا کی حاجت روائی کے طریق کار کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح مندرجات بالا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف کے اخلاق و کردار اور روز مرہ کے معمولات اسلام کی طرز معاشرت کے مطابق تھے اور قیصر و کسریٰ کے عادات و اطوار سے بعید تر تھے۔ پرخاش رکھنے والے مورخین اور معاند مورخین نے آں موصوف کے عادات و اخلاق کا جو کریہہ منظر پیش کیا ہے اور ان کو ایک ظالم، جابر اور متغلب حکمران کی صورت میں دکھایا ہے ناظرین کرام اس کا مندرجات بالا سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تعصب سے بالاتر ہو کر عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کی گزارش کی جاتی ہے۔

---

[1] مروج الذہب، ص ۳۹-۴۰ ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقہ وسیاستہ
الانتقاد[2] تمدن اسلامی ص ۴۰، ۴۱ از علامہ شبلی نعمانی

فصل ہفتم

اتباع سنت، منکرات سے منع اور عہد و پیمان کی رعایت

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی معاملات میں کوشش ہوتی تھی کہ اتباع سنت کا لحاظ رکھا جائے اور منکرات سے منع کیا جائے اور انسداد مفاسد کے لیے سعی کی جائے۔ حتی المقدور اپنے جملہ امور کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور طریق کار کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ یہ ان کی عملی زندگی کا نظم تھا اور اسی پر کاربند تھے۔

اس نوع کے متعلق چند ایک امور پیش خدمت کیے جاتے ہیں جو اس فصل میں اختصاراً مذکور ہیں:

① اقامت صلوٰۃ

دینی معاملات میں سب سے زیادہ اہم چیز اقامت صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) ہے۔ اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طرح کوشش کرتے تھے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار پر نماز ادا کی جائے اور کسی طرح بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و عمل کے خلاف نماز کی ادائیگی نہ ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اتباع سنت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شاہد ہیں کہ آں موصوف کی ادائیگی نماز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ اور مطابق ہوتی تھی اور اس میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: ما رأیت احدا بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اشبه صلاة برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من امیرکم هذا یعنی معاویة رواه الطبرانی و رجاله رجال الصحیح غیر قیس بن الحرث المذحجی وهو ثقة))[1]

گویا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس مسئلے پر یہ شہادت اور گواہی ہے۔

② نیز اسی سلسلے میں محدثین نے ذکر کیا ہے کہ جناب سائب بن اخت نمر سے نافع بن جبیر نے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا جو انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرنے کے موقع پر پیش آیا تھا۔ چنانچہ جناب سائب نے جواب میں واقعہ اس طرح ذکر کیا کہ ایک بار میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ما جاء فی معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز کے امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر بقایا سنتیں اور نوافل ادا کرنے لگا۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو ایک آدمی بھیج کر مجھے بلایا۔

((فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم او تخرج فان رسول الله ﷺ امرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج۔ رواه مسلم))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے اس طرح آئندہ نہ کرنا۔ جب تم جمعہ کی نماز ادا کر لو تو اس کے بعد نماز ادا کرنے سے پہلے کلام کر لیا کرو یا اس جگہ سے ہٹ جایا کرو۔ کیونکہ جناب نبی اقدس ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم (فرض) نماز کو بعد والی نماز سے ملا کر ادا نہ کریں بلکہ درمیان میں کوئی کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں۔''

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں اس دور کے اکابرین بھی مجتمعاً نماز ادا کرتے تھے۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی امر سنت کے خلاف پایا جاتا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے معمولات میں سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔

(۳) عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (غالباً مدینہ طیبہ میں) عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز ہذا کے بعد بعض لوگ کھڑے ہو کر نوافل ادا کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس داخل ہوئے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ پھر ان سے دریافت کیا کہ نماز عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے تھے یہ نماز ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ادا فرماتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ اس نماز کا آنجناب ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو اس نماز کا جواز بیان کیا۔

محدثین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کی جستجو اور تحقیق کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلوا کر دریافت کیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کرنے کا حوالہ دیا۔ پھر

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵ باب السنن وفضائلہا فصل ثالث، طبع نور محمدی دہلی
مسلم شریف ص ۲۸۸ ج ۱ آخر کتاب الجمعہ طبع نور محمدی دہلی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرایا تو ام المومنین نے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز بعد العصر ہمارے گھر میں پڑھی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نماز کے متعلق دریافت کیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ وہ دو رکعت ادا کی ہیں جو ظہر کے بعد مجھ سے ضروری شغل کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔[1]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کے ثبوت کے متعلق ضروری جستجو کرائی۔ یہاں سے آں موصوف کی اتباع سنت کے سلسلے میں سعی اور کوشش واضح ہوتی ہے۔

تنبیہ

فقہاء میں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف اپنی جگہ درست تھا۔ فقہ حنفی کا فتویٰ آج بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عام موقف کے مطابق ہے کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں۔

④ کبار محدثین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ ایاس بن ابی رملہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے۔ ان کی ادائیگی کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بطور تحقیق دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عید اور جمعہ کے اجتماع کو ایک ہی یوم میں دیکھا ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں کیسے ادا فرمائیں؟ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور اس کے بعد (جو لوگ باہر سے آئے ہوئے تھے انھیں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے (اور جو لوگ گھر واپس جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں)

((عن ایاس بن ابی رملة قال شهدت معاویة رضی اللہ عنہ یسئل زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اشهدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتمعا فی یوم قال نعم قال فکیف صنع قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان یصلی فلیصل))[2]

⑤ مشہور مورخ احمد بن یحییٰ نے اپنی تصنیف انساب الاشراف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچے اور حرم میں تشریف لا کر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آدمی بھیج کر بلوایا۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ شریف میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ بیت اللہ

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۵۱، ۳۵۲ ج ۲ تحت من رخص فی الرکعتین بعد العصر (طبع حیدر آباد دکن)

[2] سنن دارمی ص ۲۰۰ باب اذا اجتمع عیدان فی یوم، طبع قدیم کانپور

کے اندر جناب نبی کریم ﷺ نے کس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ساریۃ الیسریٰ کے پاس نماز ادا کرنا بتلایا۔

((ان معاویة رضی اللہ عنہ حج فدخل البیت الحرام وارسل الی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ثم جاء ابن عمر رضی اللہ عنہما ففتح له ودخل فقال معاویة رضی اللہ عنہ یا ابا عبدالرحمن این صلی النبی ﷺ حیث دخل البیت فذکر ساریة الیسریٰ))[1]

مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کے اندر جو نماز ادا کی گئی تھی اس کے لیے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اتباع سنت نبوی کو ملحوظ رکھا۔

⑥ اتباع نبوی کے سلسلے میں قدیم مورخ ابو زید عمر بن شبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قابل ذکر واقعہ اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ

((عن عباد ابی صالح ان رسول اللہ ﷺ کان یأتی قبور الشهداء باحد علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ قال وجاءها ابوبکر رضی اللہ عنہ ، ثم عمر رضی اللہ عنہ ، ثم عثمان رضی اللہ عنہ ، فلما قدم معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما حاجا جاءهم قال وکان النبی ﷺ اذا واجه الشعب قال سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین))[2]

”نبی اقدس ﷺ شہدائے احد کے مزارات پر ہر سال تشریف لاتے اور اہل قبور پر سلام کہتے ہوئے ارشاد فرماتے:

((سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار))

”یعنی سلامتی ہو تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا، سو خوب ثواب ملا عمل کرنے والوں کو۔“

آنجناب کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قبور شہدائے احد پر تشریف لایا کرتے پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح تشریف لاتے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حج بیت اللہ کے لیے آئے اور مدینہ طیبہ پہنچے تو سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موافق وہ بھی قبور شہدائے احد پر زیارت کے لیے تشریف لائے اور ذکر کیا کہ سردار دو جہاں ﷺ اس وادی میں جب تشریف لاتے جناب ارشاد فرماتے کہ

((سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین))

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۳ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قسم اول، جز رابع۔

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۳۲ ج ا تحت النبی یزور کل عام قبور الشهداء احد، مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نوع کے واقعات حدیث و تاریخ میں بے شمار دستیاب ہوتے ہیں جن میں آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنتوں کو دریافت کرتے ہیں لیکن مذکورہ صفحات میں صرف چند ایک امور اختصاراً نقل کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی ذوق اور اتباع سنت نبوی کا جذبہ بخوبی واضح ہوتا ہے اور اطاعت پیغمبر کے ساتھ ان کی کامل دل بستگی ثابت ہوتی ہے۔

② امر بالمعروف

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے معاملات میں اسلامی ہدایات کے مطابق عمل جاری رکھتے اور شرعی احکام کی ہر مرحلہ میں پاسداری کرتے تھے۔ آپ کے اس طریق کار اور شیوہ عمل کے ثبوت میں ایک یہ واقعہ بھی پیش خدمت ہے:

ابومجلز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مکان میں داخل ہوئے وہاں عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تو احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کھڑے نہیں ہوئے بلکہ بیٹھے رہے۔

((فقال معاوية رضي الله عنه لابن عامر رضي الله عنه: اجلس فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بیٹھ جائیے کیونکہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کی پیشی میں کھڑے رہنا پسند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔''

مذکورہ بالا واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اتباع سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ہر مسئلہ میں خاص لحاظ رکھتے تھے۔
۲۔ اور اپنی پیشی میں لوگوں کے کھڑے رہنے کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ امراء اور کبراء کی مجلس کا شیوہ ہے۔
۳۔ نیز اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کے مزاج میں خود پسندی اور ترفع نہیں تھا بلکہ ان کی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۸ ج ۸ تحت کتاب الادب، طبع کراچی
الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۴۴ باب قیام الرجل للرجل تعظیماً، طبع مصر
مسند امام احمد ص ۹۳ ج ۴ طبع اول تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص ۱۰۰ ج ۴ طبع اول تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ
ترمذی شریف ص ۱۰۰ ج ۲ تحت ابواب الآداب باب ما جاء فی کراہیۃ قیام الرجل...... الخ
مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۳ طبع قدیم ملتان
منتخب من مسند عبد بن حمید ص ۱۶۵ روایت نمبر ۴۱۳، طبع بیروت۔
مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری المتوفی ۲۳۰ھ) ص ۲۲۲ روایت ۱۴۸۲ تحت حبیب بن الشہید۔

طبیعت میں تواضع وفروتنی تھی۔

③ نہی عن المنکر

گزشتہ سطور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امر بالمعروف کے سلسلے میں بعض چیزیں مذکور ہوئی ہیں۔ اب اس کے بعد آں موصوف سے انسداد مفاسد کی خاطر نہی عن المنکر کے مختصراً چند احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ

① ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور وہاں آپ کو بعض مفاسد اور خواتین کے متعلق ناجائز رسوم کی اطلاع پہنچی۔ اس طرح کہ بنی اسرائیل کی خواتین کی طرح اپنے بالوں میں عورتیں ملاوٹ کرنے لگی ہیں اور اپنے بالوں کو بڑا دکھلانے کے لیے ان میں آمیخت کر لیتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں اس مسئلے پر مستقل ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور منبر پر تشریف فرما ہو کر کہنے لگے کہ اے اہل مدینہ! تمھارے علماء حضرات کہاں گئے؟ (کہ ان مفاسد اور منکرات سے تمھیں منع نہیں کرتے) اور پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گچھا اہل مجلس کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کی خواتین نے اس طرح بالوں کی بناوٹ بنالی تھی اس بنا پر وہ قوم ہلاک ہوئی۔ پھر فرمایا کہ میں نے اس چیز کی وعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بال ساخت کرنے (یعنی ملانے) سے منع فرماتے تھے۔ لہٰذا یہ بری رسم مسلمان خواتین میں نہیں ہونی چاہیے۔

((حمید بن عبدالرحمن انه سمع معاویة رضی الله عنه خطب بالمدینة یقول این علماءکم یا اهل المدینة؟ سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهی عن هذه القصة (خصلة من الشعر) ویقول انما هلکت بنواسرائیل حین اتخذها نساءهم۔ هذا حدیث حسن صحیح))[1]

اسی مسئلے کی بعض روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مزید چیزیں اس طرح منقول ہیں کہ آں موصوف نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

---

[1] ترمذی شریف ص۱۰۲ تحت باب ما جاء فی کراہیۃ اتخاذ القصہ ابواب الآداب، طبع مجتبائی دہلی۔
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص۲۹۰ ج۴ کتاب الصیام تحت ابحاث صیام عاشوراء۔
مسند احمد ص۹۷-۹۸ ج۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مسند احمد ص۱۰۱ ج۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مسند حمیدی ص۲۷۳ ج۲ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
معجم الاوسط (طبرانی) ص۵۶۴ ج۲ طبع ریاض
مسند ابن جعد (حسن علی بن جعد الجوہری) ص۳۱ روایت ۹۴ تحت عمر بن سعید المسیب

((یقول لعن اللہ الواشمة والمستوشمة والمتنمصة والنامصة والواشرة والمستوشرة))[1]

''یعنی اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں ان عورتوں پر جو سوئی کے ساتھ اپنے جسم میں گودنے والی ہیں یعنی نشانات گاڑنے والی اور بنوانے والی ہیں، نیز وہ عورتیں جو ابرو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا بناتی ہیں، اور وہ عورتیں جو دانتوں کو باریک اور تیز کرتی ہیں یا کرواتی ہیں۔''

تنبیہ

اہل علم حضرات کو معلوم ہے کہ کتب حدیث میں مذکورہ بالا نوع کی روایات متعدد صحابہ کرام مثلاً ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں لیکن ہم نے یہاں صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات نقل کی ہیں۔

① منکرات سے منع کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کثیر روایات نبویہ منقول ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان میں سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ شریف میں منبر پر تشریف فرما ہوتے ہوئے فرمان نبوت ذکر فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں کو ذہب (سونا) استعمال کرنے اور حریر (ریشم) کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

((قال (عبداللہ بن علی العدوی) سمعت معاویة رضی اللہ عنہ علی المنبر بمکة یقول: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الذہب والحریر))[2]

اسی طریقہ پر مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خز (ایک قیمتی پارچہ) اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔

نیز اس روایت کے بیان کرنے کے بعد محمد ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث نبوی نقل کرنے میں متہم نہیں ہیں بلکہ صحیح اور درست حدیث نبوی بیان فرماتے ہیں غلط بیان نہیں کرتے۔

((عن ابن سیرین عن معاویہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ نہی عن رکوب الخز والنمور۔ قال ابن سیرین فکان معاویہ رضی اللہ عنہ لا یتہم فی الحدیث علی

[1] مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۴-۵ طبع قدیم ملتان
مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲ طبع قدیم ملتان
تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۶۷۵ ج ۱۶ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] مسند امام احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت حدیث امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

رسول الله ﷺ))[1]

اسی طرح اس نوع کی ایک دیگر روایت احادیث میں مذکور ہے، عبداللہ بن دینار مولیٰ معاویہ ابوحریز سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اس میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ میں وہ فرمان آپ لوگوں تک پہنچاتا ہوں اور ان اشیاء سے منع کرتا ہوں: نوحہ کرنا، شعر گوئی، تصاویر بنانا اور درندوں کی کھال استعمال کرنا، سونا اور ریشم استعمال میں لانا۔

((...... عن عبدالله بن دينار عن ابى حريز مولىٰ معاوية قال: خطب معاوية الناس فذكر فى خطبته ان رسول الله ﷺ نهى عن اشياء وانى ابلغكم ذالك وانهاكم عنهن: النوح والشعر و التصاوير وجلود السباع والذهب والحرير))[2]

(۳) انسداد مفاسد کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ نکاح شغار (وٹہ سٹہ) کے متعلق محدثین نے ذکر کیا ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند عباس نے اپنی دختر کا عبدالرحمٰن بن حکم سے نکاح کر دیا اور عبدالرحمٰن نے اپنی لڑکی عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نکاح میں دے دی، اور اس نکاح میں انھوں نے نکاح کو ہی اس کا مہر قرار دیا، کوئی دوسری شے مہر تجویز نہیں کی۔

اس چیز کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے مروان بن حکم کو جو اس وقت والی مدینہ تھے حکم ارسال کیا کہ ان دونوں فریقین کے درمیان تفریق کر دی جائے، یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اس نکاح کی شکل تو نکاح شغار کی ہے جس سے نبی اقدس ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

((ان العباس بن عبدالله بن العباس انكح عبدالرحمن بن الحكم ابنته وانكحه عبدالرحمن ابنته وكانا جعلا صداقا فكتب معاوية رضی اللہ عنہ الى مروان يامره بالتفريق بينهما وقال فى كتابه هذا الشغار الذى نهى عنه النبى ﷺ))[3]

فائدہ: اسلام میں نکاح شغار سے منع کیا گیا ہے اور نکاح شغار کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دیتا ہے اور اس کے عوض دوسرا شخص اپنی لڑکی کا پہلے شخص سے نکاح کر دیتا ہے اور اس میں کوئی دیگر شے بطور حق مہر مقرر نہیں کی جاتی بلکہ اس متبادل نکاح کو ہی ایک دوسرے کا حق مہر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس نوع کے نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فرمان نبوت کی روشنی میں اپنے عہد خلافت میں نکاح شغار سے منع فرما دیا۔

(۴) گزشتہ صفحات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ مورخین نے نقل کیا ہے جس میں اسی نوع کے چند احکام آں موصوف نے ذکر فرمائے اور ان پر عمل درآمد کے لیے لوگوں کو متوجہ کیا:

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ کتاب العقیقہ طبع کراچی مسند امام احمد ص ۹۳ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۲۷ ج ۱۶ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] معجم الاوسط (طبرانی) ج ۷ ص ۱۹۱-۱۹۲ روایت ۶۳۶۴ طبع ریاض

[3] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۰۰ ج ۷ تحت کتاب النکاح، طبع حیدر آباد دکن

((ثنا یونس بن حلبس قال سمعت معاویة رضی اللہ عنہ علی منبر دمشق یوم جمعة یقول ایها الناس! اعقلوا قولی فلن تجدوا اعلم بامور الدنیا والآخره منی ① اقیموا وجوهکم وصفوفکم فی الصلوة او لیخالفن الله بین قلوبکم ② خذوا علی ایدی سفهاءکم او لیسلطن الله علیکم عدوکم فیسو منکم سوء العذاب۔ ③ تصدقوا ولا یقولن الرجل انی مقل فان صدقة المقل افضل عن صدقة الغنی۔ ④ ایاکم وقذف المحصنات وان یقول الرجل سمعت وبلغنی فلو قذف احدکم امرأة علی عهد نوح لسئل عنها یوم القیامة))[1]

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ یونس بن حلبس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے روز جامع مسجد دمشق کے منبر پر فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور خوب سمجھ لو کہ میں امور دنیا اور آخرت کے متعلق تم سے زیادہ واقف ہوں۔

۱۔ نماز میں اپنے رخ کو ٹھیک رکھو، اور صفوں کو درست رکھو ورنہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں کجی ڈال دیں۔

۲۔ اپنی قوم میں سے کم دانش اور خفیف العقل لوگوں کی حرکات پر کنٹرول رکھو ورنہ خوف۔ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر دشمن کو مسلط کر دیں اور وہ تم کو برا عذب چکھائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں قلیل المال ہوں کیونکہ قلیل المال کا صدقہ غنی کے صدقہ سے افضل ہے۔

۴۔ پاکدامن خواتین پر تہمت لگانے سے بچو اور اس سے بھی بچو کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیونکہ کسی عورت پر تہمت لگانا اتنا سخت ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص نے عہد نوح میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہو تو وہ بھی قیامت کے دن مسئول ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ہذا میں دین اسلام کے اہم مسائل بطور نصیحت ذکر فرمائے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حق ادا کیا۔

④ عہد و پیمان کی رعایت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں احکام شرعیہ کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اور کسی قوم کے ساتھ اگر کوئی عہد و پیمان حسب دستور باندھا گیا ہوتا تو اس کی پاسداری کا پورا پورا لحاظ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں محدثین اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کئی واقعات ذکر کیے ہیں جن میں

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۴ ج ۸ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

معاہدے کی رعایت کو ملحوظ رکھنا آں موصوف سے ثابت ہے۔ اس نوع کے واقعات میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

① ایک دفعہ اہل روم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک متعین عرصہ تک جنگ بندی کا عہد و پیمان ہوا۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل روم کے خلاف اقدام کرنے لگے تا کہ مدت معاہدہ ختم ہی حملے کا آغاز کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک بزرگ اسپ سوار (گھڑ سوار) تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور فرماتے تھے الله اکبر الله اکبر وفا لا غدر (وفا کی جائے، بدعہدی نہ کی جائے) لوگوں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ یہ صاحب کون ہیں، تو ناگہاں معلوم ہوا کہ وہ بزرگ عمرو بن عبسہ صحابی ہیں۔ جب آپ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے تو انھوں نے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی:

((فاذا هو عمرو بن عبسة رضي الله عنه فسأله معاوية رضي الله عنه عن ذالك فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحلن عهدا ولا يشدنه حتى يمضى امده او ينبذ اليهم على سواء، قال: فرجع معاوية رضي الله عنه بالناس۔ رواه الترمذي وابوداود))[1]

”یعنی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص اور قوم کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہو تو اس کی مدت کے اختتام سے قبل معاہدے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے حتیٰ کہ مدت معاہدہ پوری ہو جائے یا ان کی طرف اس عہد کو واپس کر دیا جائے (یعنی باہم صلح کا ارتفاع بیان کر دیا جائے)۔“

اس فرمان نبوی پر عمل درآمد کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدین کے ساتھ فوراً واپس تشریف لائے۔

نوٹ

یہ واقعہ قبل ازیں جواب المطاعن (بحث سب و شتم تحت عنوان سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رعایت) میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں مزید حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور کبار محدثین کے حوالے ذکر کر دیے ہیں تا کہ اہل ذوق حضرات رجوع کر کے تسلی کر سکیں۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۳۴۷ باب الامان فصل ثانی، طبع نور محمدی دہلی
ابوداؤد شریف ص ۲۳-۲۴ ج ۲ کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد، طبع مجتبائی دہلی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۵۹ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی
المنتقیٰ (ابن جارود نیساپوری) ص ۳۵۷-۳۵۸ باب کراہیۃ السیر فی بلاد العدو......الخ
صحیح ابن حبان ص ۱۸۲ ج ۸ تحت بان العقد اذا وقع۔

(۲) اسی طرح عہد و پیمان کی رعایت کا ایک دوسرا واقعہ پیش خدمت ہے جسے مورخ بلاذری نے فتوح البلدان میں درج کیا ہے۔ وہ آں موصوف کے ایام میں پیش آیا تھا:

ایک بار اہل روم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کی کہ رومی اہل اسلام کو (اس قدر) مال ادا کریں گے مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے چند آدمی بطور رہن کے زیر تحویل کر لیے اور ان کو بعلبک کے مقام پر ٹھہرایا۔ پھر اس معاہدہ کے بعد رومیوں نے بدعہدی کر دی اور نقض عہد کرتے ہوئے ادائے اموال سے روگردانی اختیار کی۔ اس معاملہ کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آں موصوف نے اور اس موقع کے دوسرے اکابر اہل اسلام نے ان سے بدعہدی کا بدلہ نہیں لیا اور جو رومی ان کی تحویل میں تھے ان کے قتل کو حلال نہیں سمجھا بلکہ ان کو واگذار کر دیا اور کہا کہ بدعہدی کے عوض میں بدعہدی کرنے کے بجائے وفا کرنا بہتر ہے۔

((ان الروم صالحت معاوية رضی اللہ عنہ على ان يودى اليهم مالا وارتهن معاوية رضی اللہ عنہ منهم رهنا فوضعهم ببعلبك ثم ان الروم غدرت فلم يستحل معاوية رضی اللہ عنہ والمسلمون قتل من فى ايديهم من رهنهم وخلوا سبيلهم وقالوا وفاء بغدر خير من غدر بغدر قال هشام وهو قول العلماء الاوزاعى وغيره))[1]

تنبیہ

پیش کردہ روایات عموماً مشہور محدثین و مورخین سے منقول ہیں۔ مندرجات بالا پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کے عہد خلافت میں اتباع سنت نبوی کا بہت احترام کیا جاتا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام پر پوری طرح کاربند رہتے تھے یہ بے راہرو اور متغلب فرماں روا نہیں تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی کا جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے وہ سراسر واقعات کے خلاف اور صرف نظریاتی تعصب پر مبنی ہے اور جس نے بھی اسے پیش کیا ہے اس نے اسے تاریخ کے بے سروپا اور رطب و یابس ردی مواد سے مرتب کیا ہے۔

ناظرین کرام! اپنی علمی استعداد اور دانشمندی سے اس معاملہ میں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تاریخی رطب و یابس پر مشتمل روایات اور فن حدیث کے اکابر محدثین کی مرویات میں مرتبہ و مقام کے لحاظ سے کیا کچھ فرق ہے؟ پھر ان دونوں قسم کے مواد اور معلومات میں موازنہ کرنا ایک عامی آدمی اور سطحی شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس فن کے ماہر علمائے کرام کا یہ منصب ہے۔

فلہٰذا انصاف پسند حضرات سے امید کی جاتی ہے کہ ان مسائل کے رد و قبول کے باب میں امتیاز مذکور کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے اور حضرت موصوف کے مقام و مرتبہ کا تعین اور ان کے دینی کردار کا فیصلہ فصل ہذا کے مندرجات کی روشنی میں خود کر سکیں گے۔ گزشتہ صفحات میں بیشتر مواد احادیث سے پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۶۵، ۱۶۶ تحت امر السامرۃ۔ طبع مصر

فصل ہشتم

استجابت دعا اور نصرت غیبی اور کرامات کا ظہور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت اگرچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد سے دوسرے درجے کا ہے تاہم اس میں دین اسلام کے احیا و بقا کے لیے بہت مساعی کی گئیں اور یہ عند اللہ مقبول ہوئیں۔

بنا بریں اس دور میں برکات خداوندی کا ظہور پایا گیا اور عنایات الٰہی کا مظاہرہ بھی بار بار ہوتا رہا۔ چنانچہ اس سلسلے میں استجابت دعا، نصرت غیبی اور ظہور کرامت کے واقعات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک امور بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ امور اس عہد کے خیر و صلاح پر دال ہیں۔

لوگوں نے جو اس دور کے متعلق غلط نظریات قائم کر رکھے ہیں اور اسے ظلم و تعدی کا زمانہ قرار دیا ہے یہ چیز درست نہیں ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔

طلب باراں کے لیے دعا

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک سال دمشق کے علاقہ میں قحط پڑ گیا۔ آں موصوف نے بارش کے لیے دعا کا انتظام کرتے ہوئے لوگوں کو ایک مقام پر جمع کیا اور خود منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس اجتماع میں ایک بزرگ یزید بن اسود جرشی رحمہ اللہ تھے جنھوں نے جاہلیت کا دور پایا پھر اسلام لائے اور علاقہ شام میں سکونت اختیار کی۔ یہ ایک صالح انسان تھے اور اپنی نیکی اور تقویٰ میں مشہور اور مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رحمہ اللہ کو طلب کیا اور اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔

((فقال معاویہ رضی اللہ عنہ اللھم انا نستشفع الیك الیوم بخیرنا وافضلنا اللھم انا نستشفع الیك بیزید بن الاسود الجرشی یا یزید ارفع یدیك الی اللہ فرفع یزید یدیه ورفع الناس ایدیھم۔ فما کان اوشك ان ثارت سحابة فی الغرب کانھا ترس وھبت لھا ریح فسقینا حتی کاد الناس ان لا یبلغوا منازلھم))[1]

---

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۸۰-۳۸۱ ج ۲ تحت یزید بن اسود الجرشی
طبقات ابن سعد ص ۱۵۵، ج ۷ قسم ثانی تحت یزید بن اسود الجرشیؒ، طبع لیڈن
علوم الحدیث (ابن اصلاح) ص ۳۳۴ تحت النوع ۵۶، طبع مدینہ منورہ
الاصابہ مع الاستیعاب ص ۶۳۴ ج ۳ تحت یزید بن اسود الجرشیؒ، طبع مصر۔

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! ہم اپنے بہترین اور افضل آدمی کے توسل سے تیری طرف استشفاع کرتے ہوئے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں اور یزید بن اسود جرشی رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھائیے۔ اس پر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور باران رحمت کی دعا کی۔ اسی وقت مغرب کی جانب سے ڈھال کی شکل کا بادل اٹھا، ہوا چلنے لگی اور لوگوں کے اپنی منازل تک پہنچنے سے قبل بارش ہونے لگی۔''

(۲) مشہور مورخ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طلب باراں کا ایک دیگر واقعہ لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک علاقے میں بارش کی کمی واقع ہوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود دیگر اہل اسلام کی معیت میں ایک مقام ''الدم'' کی طرف نکلے۔ وہاں انھوں نے طلب باراں کے لیے دعائیں کیں حتیٰ کہ بارش شروع ہوگئی اور پانی سے وادیاں بہنے لگیں۔

((قال مکحول: وخرج معاوية رضي الله عنه والمسلمون الى موضع الدم يستسقون فلم يزل ولم يبرحوا حتى سالت الاودية))[1]

قبولیت دعا

مشہور فقیہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے شرح سیر الکبیر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی استجابت دعا ظاہر طور پر ثابت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فریق مقابل میں سے ایک شخص نے ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی حالانکہ اس شخص کی طرف سے مسلمانوں کو بہت مصیبت اور اذیت پہنچ چکی تھی تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس شخص کو اپنی ذات (کے متعلق امان طلب کرنے) سے غافل فرما دے۔ پس اس شخص نے امان طلب کرتے وقت اپنے اہل اور قوم کے لیے امان طلب کی لیکن اپنی ذات کے متعلق امان طلب کرنا بھول گیا۔ پس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قوم اور اہل کو تو امان دے دی مگر وہ خود امان کے الفاظ میں مذکور نہ ہونے کے سبب قتل کر دیا گیا۔

((وقد حكى ان مثل هذه الحادثة وقع فى زمن معاوية رضي الله عنه وكان الذى يسعى فى طلب الامان للجماعة قد آذى المسلمين۔ فقال معاويه رضي الله عنه اللهم اغفله عن نفسه فطلب الامان لقومه واهله ولم يذكر نفسه بشىء فاخذ

---

[1] تاریخ ابن عساکر، ص ۱۰۵ ج ۲ تحت باب ذکر فضل المساجد المقصودہ...... الخ
تاریخ ابن عساکر کامل ص ۱۰۹ ج ۲ تحت باب ذکر فضل المساجد المقصودہ (طبع اول دمشق)

وقتل))[1]

نصرت غیبی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نصرت غیبی کا ایک اور واقعہ ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اسے خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ نے غزوہ قیقان کے تحت ذکر کیا ہے۔

ایک مجاہد ابوالیمان النبال کہتے ہیں کہ ہم نے سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی معیت میں قیقان کے غزوہ میں شرکت کی۔ دشمن کی کثیر قوم سے ہمارا سامنا ہوا تو ہمیں اپنے امیر جیش سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمھیں خوشخبری ہو کہ تم دو چیزوں میں سے ایک حاصل کرو گے۔ غنیمت کا مال حاصل ہو گا یا (شہید ہونے پر) جنت ملے گی۔

چنانچہ جب دشمن سے مقابلہ کا وقت آیا تو سنان موصوف رضی اللہ عنہ نے سات چھوٹے پتھر اٹھا لیے اور اپنے جیش کو روک کر کہنے لگے کہ جس وقت سورج ڈھل جائے تو میں ان پتھروں کو دشمن کی طرف پھینکوں گا۔ پھر جب زوال شمس ہوا تو اس نے پتھر پھینکنے شروع کیے اور اپنے مجاہدین کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا پھر وہ بار بار تکبیر کہتے رہے اور پتھر پھینکتے رہے۔ ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کہتے رہے: "حم لا ینصرون" پس ہم نے دشمن کو قتل کیا اور بہت سی مسافت پیچھے ہٹا دیا۔ وہاں اس قوم کا قلعہ تھا انھوں نے اپنے قلعے میں جا کر پناہ لے لی۔

((فقالوا: واللہ ما انتم قتلتمونا ولا قتلنا الا رجال ما نراھم معکم الان علی خیل بلق علیھم عمائم بیض۔ فقلنا ذالك نصر اللہ۔ فرجعنا واللہ ما اصیب منا الا رجل واحد))[2]

"یعنی جب وہ مغلوب ہو گئے اور پکڑے گئے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم تم لوگوں نے ہمیں قتل نہیں کیا ہمیں تو ایک جماعت نے قتل کیا ہے جن کو اب ہم تمھارے ساتھ نہیں دیکھ رہے۔ وہ لوگ تو ابلق (سفید) گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے پہنے ہوئے تھے۔ پس ہم نے جواب میں کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی نصرت اور مدد تھی۔

روایت کرنے والا کہتا ہے کہ ہم اس غزوہ سے واپس ہوئے اور کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اللہ کی قسم! ہمارا صرف ایک آدمی اس غزوہ میں مصیبت زدہ ہوا۔"

تنبیہ

عنوان بالا کے سلسلے میں چند ایک چیزیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بطور کرامت ظاہر

---

[1] شرح السیر، سرخسی ص ۳۲۶ طبع مصر۔ ص ۲۲۰ ج ا طبع حیدر آباد، تحت باب ما صدق المستامن فیہ من اہل الحرب......الخ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۸، ج ا تحت سنہ ۵۰ھ (غزو القیقان)

ہوئی تھیں۔ درج ذیل واقعات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں:

① دیار افریقہ میں حضرت عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ کی زیر قیادت قیروان کے مقام کو آباد کیا گیا۔ وہ مقام ایک گھنے جنگل کی صورت میں تھا اور وہاں سباع، بہائم (درندے) اور سانپ بچھو وغیرہ کثرت سے تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع فہری موصوف رحمہ اللہ (جو ایک مستجاب الدعوات تابعی بزرگ تھے) نے وہاں اس جنگل کے حیوانات کو آواز دی کہ یہاں سے نکل جاؤ ہم نے یہاں آباد ہونا ہے۔ ان کی ندا کرنے کے بعد اس وادی کے تمام حیوانات وہاں سے نکل گئے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام درندے وادی سے نکلے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہاں قیروان کے اس مقام کو آباد کیا گیا۔

واقعہ مذکورہ بالا قبل ازیں فتوحات افریقہ میں قیروان کی آبادکاری کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے اور اس کے حوالہ جات وہاں حاشیہ میں ذکر کر دیے تھے۔ مزید حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۸۰ ج ۳ تحت عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ

۲۔ معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۴۲۱ ج ۱۶ تحت قیروان

② اسی طرح ظہور کرامت کا دیگر واقعہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا تھا اور وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے متعلق ہے۔ قبل ازیں غزوہ قسطنطنیہ کے عنوان کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

مختصراً وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جیش میں شامل تھے جس نے قسطنطنیہ پر ۵۲ھ میں حملہ کیا تھا اور اس جیش کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی دوران میں بیمار ہو گئے اور مرض کی نازک صورت حال میں انھوں نے وصیت فرمائی کہ میرے انتقال پر غسل و کفن کے بعد مجھے جہاں اسلام کی فوجیں دشمن سے مقابلہ کر رہی ہیں وہاں جا کر دفن کر دینا۔ حسب وصیت آپ کو قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے دامن میں دفن کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور یہ منظر اطراف کے لوگوں نے دیکھا تو اس ظہور کرامت پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، اور بعدہ وہ لوگ طلب باراں کے لیے اس سے توسل پکڑے تھے ...... الخ[1]

---

[1] شرح السیر الکبیر (شمس الائمہ سرخسی) ص ۱۵۷، ج ۱ تحت باب الشہید وما یصنع بہ، طبع اول حیدر آباد دکن۔

فصل نہم

بنی ہاشم واولا دابی طالب کے ساتھ ربط وتعلق کی چیزیں

(مع عطیات و ہدایا کے)

اس مقام پر چند ایک ایسی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہاشمی حضرات خصوصاً حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔ اور آں موصوف کی طرف سے اپنے عہد خلافت میں ان حضرات کے مابین بہتر روابط کا پایا جانا ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہے۔

اس سلسلے میں اگر چہ بعض چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقات کے تحت ذکر کر دی ہیں تاہم یہاں اس مقام پر مزید چیزیں بھی ذکر کی جائیں گی اور سابقہ مندرجات کا حوالہ بھی دے دیا جائے گا۔

مختصر یہ ہے کہ بنی ہاشم واولا دابی طالب کے ساتھ ربط وتعلق کے مواقع بدلائل پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی فضیلت بنی ہاشم کا اقرار

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی بنی ہاشم کی فضیلت اور شرف کے قائل تھے اور ان سے بہتر روابط رکھنے کے روادار تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابوالحسن مدائنی نے سلمہ بن محارب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیان ذکر کیا ہے:

((قال قيل لمعاوية رضي الله عنه ايكم كان اشرف؟ انتم او بنو هاشم قال كنا اكثر اشرافا وكانوا هم اشراف فيهم واحد لم يكن فى بنى عبد مناف مثل هاشم فلما هلك كنا اكثر عددا و اكثر اشرافا وكان فيهم عبدالمطلب لم يكن فينا مثله فلما مات صرنا اكثر عددا و اكثر اشرافا ولم يكن فيهم واحد كواحدنا فلم يكن الا كقرار العين حتى قالوا منا نبى فجاء نبى لم يسمع الاولون والاخرون بمثله محمد صلى الله عليه وسلم فمن يدرك هذا الفضيلة وهذا الشرف))[1]

''یعنی سلمہ بن محارب نے کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار اس طور پر سوال کیا گیا کہ آپ بنی امیہ شرف وعزت میں زیادہ ہیں یا بنی ہاشم؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کرتے

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۸ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ہوئے یوں جواب ذکر کیا کہ ہم دونوں قبیلے صاحب شرافت تھے لیکن ہاشم جیسا بنی عبد مناف میں کوئی نہیں تھا۔ جب ہاشم فوت ہو گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ تھا، ہم بنی امیہ عدد اور شرف میں زیادہ تھے لیکن عبدالمطلب جیسا ہم میں کوئی فرد نہیں تھا۔ جب عبدالمطلب فوت ہوئے تو پھر بھی ہم شرف اور عدد میں زیادہ تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ بنی ہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ پس ایسے نبی تشریف لائے کہ اولین و آخرین نے اس جیسا نہیں سنا۔ وہ جناب **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اس فضیلت اور شرف کو اور کون حاصل کر سکتا ہے؟ کوئی نہیں۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بیان میں قبیلہ بنی ہاشم کے تفوق اور مرتبے میں فائق ہونے کا برملا اقرار کیا گیا ہے۔

(۲) ایک دوسرے مقام پر شیعہ مصنّفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف آں موصوف نے ارسال کیا تھا۔ اس خط میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شرافت اور فضیلت اور قرابت کا واضح طور پر اقرار کیا گیا ہے:

((فاما شرفك في الاسلام وقرابتك من النبي صلی اللہ علیہ وسلم ومن موضعك من قريش فلست ادفعه))[1]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جواب میں تحریر کرتے ہیں کہ جو فضیلت و شرف اسلام میں آپ کو حاصل ہے اور جو نسبی قرب آپ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصیب ہے اور جو بنی ہاشم میں آپ کا مقام ہے میں اس چیز کو رد نہیں کرتا (بلکہ ان سب کو تسلیم کرتا ہوں)۔''

حضرت عقیل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برادر کلاں تھے اور اولاد ابی طالب میں ایک مقتدر مقام رکھتے تھے۔ مورخین کے نزدیک اپنے دور کے نسب دانوں میں مشہور تھے اور دور جاہلیت کے اہم واقعات ان کو از بر تھے اور بے باکی سے کلام کرنا ان کا شیوہ تھا۔

ان کے متعلق سنی و شیعہ علماء لکھتے ہیں کہ عہد خلافت مرتضوی میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے برادر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے (اپنی رائے کے اختلاف کی بنا پر) الگ ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ بعدۂ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے لیکن آپ نے قتال نہیں کیا۔

---

[1] درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۱۰۲ تحت ومن کلام لہ علیہ وقد اشار علیہ اصحابہ بالاستعداد للحرب۔
شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۱۱۱ ج ۲ تحت ومن کلام لہ علیہ وقد اشار علیہ اصحابہ بالاستعداد للحرب طبع تہران۔

ہم یہاں شیعہ مورخ کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن عنبہ نے اپنی تصنیف ''عمدۃ الطالب'' میں تحریر کیا ہے کہ:

((وفارق اخاه عليا امير المؤمنين فی ايام خلافته وهرب الى معاويه وشهد صفين معه غير انه لم يقاتل...... الخ))[1]

اولاد ابی طالب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پرخاش رکھنے والے لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس طرح صلوٰاتیں سناتے ہیں اور سب وشتم کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں۔ بعض امور میں اختلاف رائے کا پایا جانا ایک فطری امر ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور وقار کا لحاظ رکھنا اپنے مقام پر ضروری ہے۔ اس بنا پر کہ اولاد ابی طالب اور حضرت موصوف کے مابین بہتر روابط قائم تھے۔

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حسب موقع گفتگو ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا اکرام کیا اور عزت افزائی فرمائی اور ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا۔ اس واقعہ کو متعدد سنی وشیعہ علماء نے اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ:

((ووفد على معاوية واكرمه...... فاتى معاوية فاعطاه مائة الف...... الخ))[2]

اور شیعہ کے عالم کبیر شیخ ابوجعفر طوسی شیخ الطائفہ نے اپنی تصنیف امالی میں اس مضمون کو نقل کیا ہے:

((قد امرنا لك بمائة الف فاعطاه مائة الف))[3]

قبل ازیں ہم نے یہ حوالہ اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۲۰۷ میں ''حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا وظیفہ'' کے عنوان کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ واقعہ ہذا میں بنی ہاشم کی قدردانی اور ان کے ساتھ تعاون کا واضح ثبوت موجود ہے۔

سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بڑا مقام تھا اور ان حضرات کے باہم تعلقات اور قدردانی کی کئی چیزیں احادیث اور اسلامی تاریخ میں مذکور ہیں۔ قبل ازیں حضرت امیر معاویہ اور

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۱ تحت الاصل الاول فی ذکر عقب عقیل بن ابی طالب از سید جمال الدین احمد بن علی حسنی المعروف بابن عنبہ المتوفی ۸۲۸ھ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ۲ تحت ترجمہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

[3] امالی، شیخ ابوجعفر طوسی شیعی ص ۳۳۴ ج ۲ تحت مجلس، طبع عراق نجف اشرف

سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے صلح و مصالحت کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے، اس کے بعد اب دیگر روابط مختصراً بیان کیے جاتے ہیں:

① محدثین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ثبوت موجود ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں ذکر کرتے ہیں کہ

((عن معاوية رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمص لسانه او قال شفتيه يعني الحسن بن علي صلوات الله عليه وانه لن يعذب لسان او شفتان مصهما رسول الله صلى الله عليه وسلم))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) صغر سنی میں تھے اور میں نے دیکھا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کی زبان کو چوس رہے تھے یا ان کے ہونٹوں کو بوسہ دے رہے تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زبان کو چوسا یا جن ہونٹوں کو بوسہ دیا ان کو ہرگز عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔''

② محدثین نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی گویائی میں نقص بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ کلام کرنے میں عاجز ہیں اور رک جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ اس طرح مت کہیں کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کے دہن میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کے منہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لعاب دہن ڈالیں وہ عاجز الکلام نہیں۔

((قال عمرو بن العاص رضي الله عنه وابو الاعور السلمي لمعاوية رضي الله عنه ان الحسن بن علي عيي۔ فقال معاوية رضي الله عنه لا تقولا ذالك فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تفل في فيه ومن تفل في فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس بعيي))[2]

③ شیعہ کے قدیم اور مشہور مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گفتگو کرنے والے جناب حسن بن علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) ہیں کہ جن کے متعلق ہم چاہتے ہیں کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور خاموش نہ

---

[1] مسند امام احمد ص ۹۳ جز رابع تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۷۷ ج ۹ تحت باب ما جاء فی حسن بن علی رضی اللہ عنہما فی فضل اہل البیت
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۷۲ ج ۳ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۷۷ ج ۹ تحت باب فی فضل اہل البیت رضی اللہ عنہم
کنز العمال ص ۱۰۴، ج ۷ روایت نمبر ۱۸۷۶ طبع اول حیدر آباد دکن بحوالہ ابن عساکر۔

ہوں اور فرمایا کہ میں نے جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے ایک بار کے سوا کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔ وہ اس طرح کہ جناب حسن بن علی المرتضیٰ اور عمرو بن عثمان (رضی اللہ عنہما) کے مابین ایک قطعہ زمین کے سلسلے میں ایک تنازع واقعہ ہوا تھا۔ اس معاملہ میں رفع نزاع کے لیے حسن (رضی اللہ عنہ) نے ایک تجویز پیش کی جسے عمرو بن عثمان نے پسند نہیں کیا۔ اس وقت جناب حسن (رضی اللہ عنہ) نے ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ بس یہی فحش کلمہ ہے جس کے سوا میں نے ان کی زبان سے کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔

((وقال معاوية رضي الله عنه ما تكلم عندی احد كان احب الی اذا تكلم ان لا يسكت من الحسن بن علی رضي الله عنهما وما سمعت منه كلمة فحش قط الامرة، فانه كان بين الحسن بن علی وبين عمرو بن عثمان بن عفان رضي الله عنهما خصومة فی ارض۔ فعرض الحسن بن علی رضي الله عنهما امرا لم يرضه عمرو فقال الحسن رضي الله عنه: ليس له عندنا الا ما رغم انفه۔ فهذه اشد كلمة فحش سمعتها منه قط))[1]

④ مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''مروت'' کا مفہوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مروت یہ ہے کہ انسان کی سمجھ (فقہ الرجل) اپنے دین کے بارے میں ہو اور وہ اپنے معاش میں اصلاح کرے (یعنی جائز و ناجائز میں امتیاز رکھے) مخالفت کی صورت میں لوگوں کے ساتھ بہتر معاملہ سے پیش آئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ''نجدہ'' (قوت، بہادری، دلیری) کیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ظلم کی مدافعت کرنا اور مکروہ چیزوں پر اقدام کا خلاف کرنا۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''جوذ'' (سخاوت) کا مفہوم کیا ہے؟ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فضیلت کے ساتھ احسان کرنا اور سوال سے قبل عطا کرنا اور مشکل اوقات میں طعام دینا۔

یہ جوابات سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شہادت دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ آپ نے سچ فرمایا۔

((وزعموا ان معاوية رضي الله عنه قال للحسن بن علی رضي الله عنهما ما المروة؟ فقال فقه الرجل فی دينه واصلاحه معاشه وحسن مخالفته للناس۔ فقال فما النجدة؟

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۲۷ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع بیروت

قال الذب عن الجارة والاقدام على الكريهة قال فما الجود؟ قال التبرع بالافضال والاعطاء قبل السوال و الاطعام عند الامحال قال معاوية رضی اللہ عنہ اشهد بالله لقد صدقت))[1]

اور شیعہ علماء میں سے شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی ''مروت'' سے متعلق گفتگو کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((قال عبدالرحمن بن العباس و رفعه قال سأل معاوية الحسن بن علی علیہ السلام عن المروة فقال شح الرجل على دينه واصلاحه ما له وقيامه بالحقوق فقال معاوية احسنت يا با محمد احسنت يا با محمد))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروت کے متعلق سوال کیا کہ مروت کیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ''آدمی کا اپنے دین کی حفاظت میں حرص کرنا (ناجائز طریقے سے بچانے کے لیے) اپنے مال کی اصلاح رکھنا اور حقوق کی ادائیگی قائم کرنا'' یہ جواب معلوم کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو محمد آپ نے بہترین جواب دیا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن عباس نے کہا کہ اس کے بعد جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور مزید گفتگو کرتے تو مجھے پسند تھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بات کو لوٹاتے اور دہراتے تھے۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا باہم ربط تھا اور کوئی عناد اور کدورت نہیں رکھتے تھے اور ایک دوسرے کی مجالس میں بے تکلفی سے علمی مذاکرات جاری رکھتے تھے۔

سیدنا حسین اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

سابقہ مندرجات میں حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلق کی چند چیزیں ذکر کی ہیں۔ اب اس مقام پر سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی روابط کی بعض اشیاء مختصراً درج کی جاتی ہیں جن سے ان حضرات کا بہتر ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے:

① عامر شعبی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک بار مسماۃ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ابراہیم (ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل قریہ کے جزیہ کے متعلق (جو ولایت مصر میں تھا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سفارش قبول کرتے ہوئے) اس جزیہ کو معاف کر دیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبطیوں کے ساتھ خیر کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] کتاب معانی الاخبار (شیخ صدوق شیعی) ص ۷۵ باب نمبر ۱۰۴ طبع قدیم۔

((عن الشعبی ان علی بن الحسین رضی اللہ عنہ او الحسین رضی اللہ عنہ نفسه کلم معاوية فی جزية اهل قرية ام ابراهيم ابن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمصر فوضعها عنهم۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوصی بالقبط خیرا))[1]

تنبیہ

واقعہ ہذا کے متعلق مورخین کی نقل عبارت میں اس طرح کا فرق پایا جاتا ہے کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ سفارش سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کی تھی یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے؟ اس اختلاف سے اصل واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ہمارے مضمون کی تائید ہر صورت میں پائی جاتی ہے۔

اور بعض مقامات پر علی بن حسین رحمہ اللہ کا نام بھی اس موقع پر منقول ہے وہ بظاہر نقل ناقلین کا سہو ہے۔ واللہ اعلم

واقعہ ہذا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شہر والوں سے ان کے احترام وتکریم کی بنا پر خراج (ٹیکس) معاف کر دیا ففعل معاوية ذالك رعاية لحرمتهم[2] اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سفارش منظور فرمائی جو ان کی قدردانی کا عمدہ ثبوت ہے۔

② مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں مقام بقیع میں زرعی زمین کی بغیبغہ اور عین ابی نیرز نامی دو جائدادیں تھیں جو آپ نے فقرائے مدینہ اور مسافروں پر وقف کر رکھی تھیں اور ساتھ یہ بھی شرط لگا دی تھی کہ حسن یا حسین (رضی اللہ عنہما) کو کسی مجبوری کے وقت ان کی ضرورت پڑے تو انھیں ان جائدادوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا حق ہے۔

واقعہ ہذا کے آخر میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر عہد خلافت علوی کے بعد بہت سا قرض ہو گیا اور وہ ان حالات میں مجبور ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عین ابی نیرز کی جائداد کے متعلق پیشکش کی کہ اسے میرے ہاتھ ایک لاکھ میں فروخت کر دیں لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس وقف جائداد کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور اس وقف کو بحال رکھا۔

((انه وقفهما علی فقراء المدینة وابن السبیل الا ان یحتاج الحسن رضی اللہ عنہ او الحسین رضی اللہ عنہما فهما طلق وفی اخر الخبر ان الحسین رضی اللہ عنہ احتاج لاجل دین علیه فبلغ ذالك معاوية رضی اللہ عنہ فذفع له فی عین ابی نیرز مائة الف۔ فابی ان

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۲۶ تحت فتوح مصر ومغرب۔ طبع مصر
سیرت حلبیہ (علی بن برہان الدین حلبی شافعی) ص ۳۵۰، ج ۳،

[2] سیرت حلبیہ ص ۳۵۰ ج ۳ باب ذکر اولادہ صلی اللہ علیہ وسلم

یبیعھا وامضی وقفھا))[1]

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عین ابی نیرز کی زرعی زمین خریدنے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو لاکھ دینار ارسال کیے مگر حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے جائداد ہذا کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا (اور اس وقف کو بحال رکھا)۔

((قال ابن ھشام فرکب الحسین رضی اللہ عنہ دین فحمل الیہ معاویۃ بعین ابی نیرز مائتی الف دینار۔ فابی ان یبیع))[2]

واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ

- سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ضرورت کے باوجود اپنے اکابر کے اوقاف کو اپنی صحیح نوعیت پر قائم رکھا اور انھیں ضائع نہیں کیا۔
- نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت کا اپنی جگہ پر احساس کرتے ہوئے ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی پیشکش کی اور حاجت روائی کا لحاظ کیا۔

③ مسافع بن شیبہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج پر تشریف لائے۔ ردم کے مقام پر پہنچے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سواری کی باگ روک کر اسے بٹھا دیا۔ اس کے بعد دونوں حضرات (سیدنا حسین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) نے طویل سرگوشی کی صورت میں گفتگو کی۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے مقام کی طرف واپس ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آگے تشریف لے گئے۔

((عن مسافع بن شیبۃ قال: حج معاویۃ فلما کان عند الردم اخذ الحسین رضی اللہ عنہ بخطام ناقتہ فاناخ بہ راحلتہ ثم سارہ طویلا ثم انصرف وزجر معاویۃ راحلتہ وسار))[3]

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے مابین کوئی عناد نہیں تھا بلکہ تعلق تھا اور عند الضرورت گفتگو کرتے اور احوال سے آگاہ ہوتے تھے۔

باہم معاہدہ کی رعایت اور بیعت کا لحاظ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کا عہد کر چکے تھے اور بیعت خلافت

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۹۸ ج ۴ تحت ۱۱۷۰، ابو نیرز مع الاستیعاب طبع مصر

[2] وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) ص ۱۲۷۲ ج ۴ تحت عین ابی نیرز۔

[3] کتاب انساب الاشراف، بلاذری) ص ۴۵ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، قسم اول جز رابع

کو تسلیم کر چکے تھے۔ عراق کے لوگ ان کو خلاف کرنے پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء مثلاً شیخ مفید وغیرہ نے مسئلے کو اس طرح لکھا ہے کہ

① سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد عراق کے شیعوں نے سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی پرزور کوشش کی اور ان کی بیعت کو توڑ دینے کے لیے تحریر کیا۔ لیکن اس صورت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عراقی ہوا خواہوں کے جواب میں اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ معاویہ اور میرے درمیان صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے اب میں اس عہد ہذا کے نقض کرنے کو ناجائز سمجھتا ہوں حتیٰ کہ اس کی مدت ختم ہو جائے (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تمام ہو جائے)۔

((لما مات الحسن علیہ السلام تحرکت الشیعة بالعراق وکتبوا الی الحسین علیہ السلام فی خلع معاویة والبیعة له فامتنع علیهم وذکران بینه وبین معاویه عهدا وعقد لا یجوز له نقضه حتی تمضی المدة))[1]

اور دیگر مورخین نے بھی اس چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس طرح لکھا ہے کہ

((فکان اهل الکوفة یکتبون الی الحسین رضی اللہ عنہ ویسألونه الخروج الیهم۔ وکان ذالك ایام خلافة معاویة رضی اللہ عنہ فکان یابی ولا یجیبهم الی طلبهم))[2]

اور شیعہ کے قدیم تر مورخ دینوری نے بھی اس واقعہ کو اخبار الطوال میں درج کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے برہم ہونے والے معاندین نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف نقض عہد کرنے اور بیعت کو ختم کر ڈالنے پر آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

((فقال الحسین انا قد بایعنا وعاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا))[3]

"یعنی ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اب بیعت ہذا کے توڑنے کی کوئی صورت نہیں۔"

اکابر شیعہ کے بیانات سے واضح ہوا کہ حضرت حسین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہم ربط اور تعلق معاہدہ کی صورت میں موجود تھا اور بیعت خلافت کرنے کے بعد وہ اس عہد پر قائم تھے اور اسی صورت حال پر

---

[1] الارشاد (شیخ مفید) ص۱۸۲ ذکر حالات الحسین فصل فی بیعة الحسین عن الناس، طبع تہران۔

[2] تلخیص ابن عساکر ص ۳۲۶ ج ۴ تحت ذکر قصہ واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

[3] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ بحث مبایعہ معاویہ بالخلافہ وزیاد بن ابیہ، مطبوعہ قاہرہ مصر

ہمیشہ رہے، اس میں تبدیلی نہیں کی اور یہ معاہدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تک رہا۔

نوٹ

قبل ازیں حوالہ ہذا جواب المطاعن (بحث قتل حجر بن عدی) میں اور کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۹۳ پر درج ہو چکا ہے۔ یہاں تسلسل مضمون کی خاطر ذکر کیا گیا۔

(۲) نیز شیعہ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک بار مدینہ طیبہ کے والی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کی خلافت کی مخالفت میں کچھ اقدام کرنا چاہتے ہیں۔

یہ چیز معلوم کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ منورہ کو اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو الگ الگ مکتوب ارسال کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ کی طرف تحریر کیا کہ آپ جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق کچھ فکر نہ کریں اور کوئی تعرض نہ کریں کیونکہ انھوں نے ہمارے ساتھ بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو توڑنے والے نہیں اور وہ اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم نہیں کریں گے۔

((فکتب الیہ معاویة رضی اللہ عنہ: لا تعرض للحسین فی شی فقد بایعنا ولیس بناقض ببیعتنا ولا مخضر ذمتنا))[1]

''اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکتوب ارسال کیا اور اس میں تحریر کیا کہ بعض چیزیں آپ کی طرف سے ہمارے ہاں پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور مناسب نہیں۔ اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا عہد کر دیا ہے یہ امر وفا کا متقاضی ہے اور ایفا کرنے کے لائق ہے۔ آپ پر اللہ کریم کی رحمت ہو۔ خیال رکھیے کہ آپ کو خفیف العقل لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں غیر مطمئن اور مضطرب نہ کر دیں۔ والسلام''

((وکتب الی الحسین اما بعد: فقد انتھت الی امور عنك لست بھا حریا۔ لان من اعطی صفقة یمینه جدیر بالوفاء۔ فاعلم رحمك الله انی متی انکرك تستنکرنی ومتی تکدنی اکدك۔ فلا یستفزنك السفھاء الذین یحبون الفتنة۔ والسلام))[2]

اس کے بعد مکتوب ہذا کے جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط روانہ کیا

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۴ تحت بین معاویہ وعمرو بن عاص (طبع مصر)

[2] اخبار الطوال (احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۴-۲۲۵ طبع مصر تحت بین معاویہ وعمرو بن عاص

اور لکھا کہ

((فکتب الیه الحسین ما ارید حربك و لا الخلاف علیك))[۱]

''یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ ہمارا آپ کے ساتھ محاربہ وقتال کرنے کا کوئی قصد نہیں اور نہ مخالفت کا کوئی ارادہ ہے۔''

اور ابن عساکر نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((فکتب الیه الحسین رضی اللہ عنہ: اتانی کتابك وانا بغیر الذی بلغك عنی جدیر والحسنات لا یهدی لها الا الله وما اردت لك محاربة و لا علیك خلافا))[۲]

''یعنی جناب حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جواب ارسال کیا کہ آپ کا مکتوب مجھے ملا ہے۔ جو کچھ بات آپ کو میری طرف سے پہنچی ہے وہ میرے لائق نہیں بلکہ میں اس کے خلاف ہوں۔ نیک کاموں کی جانب اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتے ہیں۔ آپ کے ساتھ جنگ وجدال کا میرا ارادہ بالکل نہیں اور نہ مخالفت کرنے کا قصد ہے۔''

اکابر شیعہ کی طرف سے مزید تائید وتصدیق

سابقہ سطور میں ہم نے سیدنا حسین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان رفع نزاع کے سلسلے میں باہمی خط وکتابت پیش کی ہے۔ اس کے بعد ان حالات کا جائزہ بطور الزام شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ دینوری شیعی نے لکھا ہے کہ

((قالوا ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاة معاویة منه سوء فی انفسهما ولا مکروها۔ ولا قطع عنهما شیئا مما کان شرط لهما ولا تغیر لهما عن بر))[۳]

''یعنی مورخین کہتے ہیں کہ حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی آپ کی طرف سے کوئی برائی یا ناپسندیدہ بات نہیں دیکھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام شرائط میں سے کسی ایک شرط کو بھی ضائع نہیں کیا (جو ان حضرات کے درمیان طے ہوئی تھی) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے حق میں کسی احسان اور بھلائی کے امر کو تبدیل نہیں کیا (اور ان کے مفادات کے خلاف نہیں کیا)۔''

---

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۵ تحت بین معاویہ وعمرو بن عاص

۲ تلخیص ابن عساکر، ابن بدران ص ۳۲۷ ج ۴ تحت ذکر واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

۳ الاخبار الطوال (احمد بن داود دینوری شیعی المتوفی ۲۸۲ھ) ص ۲۲۵ تحت بحث بین معاویہ وعمرو بن عاص طبع مصر قاہرہ

نوٹ

حوالہ ہذا ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۹۴ پر قبل ازیں درج ہو چکا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ

- مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرات حسنین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو مصالحت اور بیعت خلافت منعقد ہو چکی تھی وہ صحیح اور درست تھی اور اس میں مخادعت و دھوکا دہی کا کوئی دخل نہیں تھا۔
- ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی عداوت اور دشمنی نہیں تھی اور نہ ان دونوں حضرات نے ایک دوسرے کے ساتھ خلاف کرنا پسند کیا بلکہ باہمی حقوق کی رعایت پوری طرح قائم رکھی۔
- باوجودیکہ بعض پرخاش رکھنے والے لوگوں نے ان دونوں حضرات کے درمیان منافرت اور نزاع پیدا کرنے کی پوری کوشش کی لیکن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اسلامی اتحاد کو قائم رکھنے کی خاطر کوئی مخالفانہ اقدام نہیں کیا اور وحدت ملّی کو ملحوظ رکھا۔

حاصل یہ ہے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے عملی تعاون کے ذریعے سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح اور برحق تھی اور آں موصوف جائر اور ظالم خلیفہ نہیں تھے۔ اس وجہ سے کہ از روئے قواعد شرعی یہ حضرات ظالموں کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے تھے۔

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشہور صاحبزادے ہیں اور حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے بعد ان کا اہم درجہ ہے بڑے اہل علم اور صاحب شجاعت جوان تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کو ان کے حق میں حسن سلوک کی وصیت فرمائی تھی۔

اہل تراجم نے لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو القاسم اور ابو عبداللہ تھی لیکن ابن حنفیہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر تھا جو قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور یہ لونڈی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی تھی۔ بعدہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے بطن سے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ مذکور متولد ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بطور وفد کے آں موصوف کے پاس تشریف لاتے تھے۔

((محمد بن علی بن ابی طالب ابو القاسم و ابوعبداللہ ایضا وھو المعروف بابن الحنفیة وکانت سوداء سنهدیة من بنی حنیفة اسمھا خولة (بنت جعفر)

ولد محمد فی خلافة عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ))

((وكان محمد بن على من سادات قريش ومن الشجعان المشهورين ومن الاقويا المذكورين))

((ووفد على معاوية رضی اللہ عنہ وعلى عبدالملك بن مروان...... الخ))[1]

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے باب حدیث میں ان کی علمیت و قابلیت کے سلسلے میں ذکر کیا ہے کہ ابن حنفیہ رحمہ اللہ اپنے والد گرامی حضرت علی اور حضرت عثمان، عمار، معاویہ بن ابی سفیان، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کے ناقل اور راوی ہیں اور ان کے تلمیذ ہیں۔

((روى (محمد بن الحنفية) عن ابيه وعثمان وعمار و معاوية بن ابى سفيان و ابن عباس رضی اللہ عنہم))[2]

مورخین نے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی زور آزمائی کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں ان کی قوت اور شجاعت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے عہد خلافت میں پیش آیا۔

مصنفین نے لکھا ہے کہ رومیوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زور آزمائی کے لیے ایک پہلوان آیا اور وہ اپنی زور قوت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ ہاشمی جوان موجود تھے۔ ان کے ساتھ اس پہلوان کا مقابلہ کرایا گیا اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اس مقابلہ میں غالب رہے۔ یہ واقعہ بہ عبارت ذیل منقول ہے:

((ثم وجه معاوية رضی اللہ عنہ الى محمد بن الحنفية فحضر فخبر بما دعى له۔ فقال (ابن الحنيفة) قولوا له ان شاء فليجلس وليعطنى يده حتى اقيمه۔ او يقعدنى و ان شاء فليكن، هو القائم وانا القاعد۔ فاختار الرومى الجلوس فاقامه محمد وعجز الرومى عن اقعاده۔ ثم اختار ان يكون محمد هو القاعد فجذبه محمد فاقعده وعجز الرومى عن اقامته))[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۸ ج ۹ تحت محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۲۲۷ ج ۱۵ تحت محمد بن علی رحمہ اللہ (ابن حنفیہ)

[2] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۵۴ ج ۹ تحت محمد بن علی (ابن حنفیہ)

[3] الکامل (مبرد) ص ۴۵۷ ج ۲، ص ۳۰۸ ج ۱، طبع مصر
وفیات الاعیان، (ابن خلکان) ص ۴۴۹ ج ۱ تحت محمد بن علی بن ابی طالب، طبع مصر قدیمی
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۲ ج ۸ تحت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

شیعہ اکابر کی طرف سے بھی اس واقعہ کی تائید پائی جاتی ہے۔ اور شیعہ کے مشہور فاضل ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں ص ۲۳ ۷ ج ۳ طبع قدیم بیروت پر "فی ذکر بعض فخرت بنو هاشم ممن لم یوجد مثله فی الامویه" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

اس واقعہ کا مفہوم یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور ان کو جس مقصد کے لیے بلایا گیا اس سے آگاہ کیا۔ اس پر محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ پہلوان سے کہیے کہ اگر وہ چاہے تو بیٹھ جائے اور مجھے اپنا ہاتھ پکڑا دے، میں اس کو کھڑا کر دوں گا۔ یا وہ مجھے بٹھا لے اور اگر وہ چاہے تو کھڑا ہو جائے اور میں بیٹھ جاتا ہوں (مجھ کو کھڑا کر لے)۔

رومی نے بیٹھنا پسند کیا لیکن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اسے کھڑا کر دیا اور وہ انھیں بٹھانے سے قاصر رہا۔ پھر اس رومی نے کہا کہ محمد بن حنفیہ بیٹھ جائیں تو ابن حنفیہ رحمہ اللہ نے پہلوان کو بھی ساتھ بٹھا دیا اور رومی پہلوان محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو کھڑا کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اس طرح رومی شکست خوردہ ہو کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہذا سے ابن حنفیہ رحمہ اللہ کے اوصاف جلیلہ اور قوت و شجاعت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی آمد و رفت کے ساتھ ان کی مجالس میں زور آزمائی کے جوہر دکھانا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی عزت افزائی اور قدردانی کا پایا جانا بھی واضح ہے۔ پس یہ چیزیں ان حضرات کے مابین روابط پر واضح دلالت کرتی ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وظائف اور عطیات

یہ عنوان قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں مستقلاً ذکر ہو چکا ہے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح میں اسے دہرانے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تاکہ اس فصل کے سابقہ روابط میں یہ مسئلہ مستقل عنوان کی صورت میں پیش ہو سکے اور عطیات و وظائف کے سلسلے میں جو مزید حوالہ جات دستیاب ہیں ان کو سابقہ حوالہ جات سے ملا کر ایک ترتیب سے پیش کیا جا سکے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکابر بنی ہاشم حضرات کی ان کے ہاں دارالخلافہ دمشق میں آمد و رفت جاری رہتی تھی یہ حضرات اپنی ضروریات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آں موصوف ان حضرات کو نہایت اکرام و اعزاز کے ساتھ وافر عطیات و وظائف دے کر رخصت کرتے تھے۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ:

((فلما استقرت الخلافة لمعاويه رضي الله عنه كان الحسين رضي الله عنه يتردد اليه مع اخيه الحسن رضي الله عنه فيكرمهما معاوية رضي الله عنه اكراما زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا

ویعطیھما عطاء جزیلا))[1]

''یعنی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معیت میں آں موصوف کے پاس تشریف لایا کرتے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کا بہت زیادہ اکرام واحترام کرتے تھے انھیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے تھے اور بہت زیادہ عطیات عنایت کرتے تھے۔''

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اصمعی کی روایت کے ذریعے سے اسی مسئلے کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وروی الاصمعی قال وفد الحسن وعبدالله بن زبیر رضی اللہ عنہما علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال للحسن رضی اللہ عنہ مرحبا و اهلا یابن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وامر له بثلاث مائة الف وقال لابن الزبیر رضی اللہ عنہ مرحبا واهلا یابن عمة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وامر له بمائة الف))[2]

''یعنی سیدنا حسن اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس (بصورت وفد) تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مرحباً واہلاً یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باوقار الفاظ سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے تین لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے مرحباً واہلاً یابن عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔''

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ان الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کانا یقبلان جوائز معاویة رضی اللہ عنہ))[3]

''یعنی سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطیات کو قبول فرماتے تھے۔ (یہ چیز ان حضرات کے خوش تر مراسم کا واضح ثبوت ہے)۔''

اس سلسلے میں مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت حسن، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم کو دس لاکھ درہم بطور عطیہ اور وظیفہ کے پیش کرتے تھے۔

((ان معاویة رضی اللہ عنہ کان یجیز فی کل عام الحسن والحسین وعبدالله بن

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ من مکہ الی العراق (واقعہ شہادت)

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (قلمی مخطوطہ) ص ۳۹ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۷۴۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

عباس و عبدالله بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کل واحد منهم بالف الف درهم))[1]

اور شیعہ کے اکابر علماء میں سے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اسی مسئلے کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ومعاوية اول رجل فی الارض وهب الف الف درهم فانه كان يجيز الحسن والحسين ابنی علی فی كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم وكذالك كان يجيز عبدالله بن عباس وعبدالله بن جعفر))[2]

(۴) عطیات کے سلسلے میں دیگر روایات میں محدثین و مورخین عبداللہ بن بریدہ سے اس طرح بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں اتنی مقدار عطیہ پیش کرتا ہوں جس قدر اس سے قبل آپ کی خدمت میں کسی نے پیش نہ کیا ہو۔ اور فی الوقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کی خدمت میں دو لاکھ درہم پیش کیے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ پر چار لاکھ درہم کا عطیہ پیش کرنا بھی بعض کتب میں منقول ہے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ:

((عن عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ قال دخل الحسن والحسين رضی اللہ عنہما على معاوية رضی اللہ عنہ فامر لهما فی وقته بمأتی الف درهم وقال خذاها...... الخ))[3]

اور بعض روایات بہ عبارت ذیل منقول ہیں:

((عن عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ قال قدم الحسن بن على رضی اللہ عنہما على معاوية رضی اللہ عنہ فقال له لاجيزنك بجائزة لم يجزها احد كان قبلی، فاعطاه اربع مائة الف۔ ووفد اليه مرة الحسن والحسين رضی اللہ عنہما فاجازهما على الفور بمأتی

---

[1] لطائف المعارف (ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ) ص ۲۱-۲۲۔ طبع مصر

[2] شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید شیعی) ص ۷۰۵-۷۰۶۔ ج ۳ بحث فی المقارنۃ بین جود ملوک بنی امیہ و ملوک بنی ہاشم، طبع قدیم طبع بیروت

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۳۹، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الف وقال لهما ما اجاز بهما احد قبلی))[1]

محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے مصنف میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو عطیہ کا یہ مسئلہ بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حدثنی عبدالله بن بریدة رضی اللہ عنہ ان حسن بن علی رضی اللہ عنہما دخل علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال: لاجیزنك بجائزة لم اجزبها احدا قبلك ولا اجیزبها احدا بعدك من العرب، فاجازه باربعمائة (الف) فقبلها))[2]

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے عطیات خصوصی

تاریخ کے علماء نے اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں صلح اور مصالحت کر لی تو اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مطالبات پیش ہوئے تھے ان میں یہ بات بھی تھی کہ کوفہ کے بیت المال میں فی الوقت جو کچھ اموال نقدی وغیرہ موجود ہیں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حاصل کریں گے۔

چنانچہ اہل تاریخ نے مختلف اقوال میں تصریح کی ہے کہ خزانہ کوفہ میں پچاس لاکھ درہم تھے اور بعض کے نزدیک ستر لاکھ درہم تھے اور یہ تمام اموال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن کو ادا کر دیے تھے۔ اسی طرح دارابجرد کے علاقے کی سالانہ آمدنی بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ پس اسی طرح عطیات اور ہدایا مذکورہ اموال کے علاوہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات ۴۹ھ تک ملتے رہے۔

((حاصل ذالك انه اصطلح (الحسن رضی اللہ عنہ) معاوية رضی اللہ عنہ علی ان یاخذ ما فی بیت المال الذی بالکوفة فوفی له معاویه رضی اللہ عنہ بذالك فاذا فیه خمسة الاف الف وقیل سبعة الاف الف وعلی ان یکون خراج و قیل دارا بجرد له فی کل عام فامتنع اهل تلك الناحیة عن اداء الخراج الیه فعوضه معاویة رضی اللہ عنہ عن کل ستة الاف الف دزهم فی کل عام۔ فلم یزل یتناولها مع ماله فی کل زیادة من الجوائز والتحف والهدایا الی ان توفی فی هذا العام ۴۹ھـ))[3]

---

۱ الاصابہ، مع الاستیعاب ص ۳۲۹ ج ا تحت تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تحت قصة الحسین ...... الخ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۳ ج ۳ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبع جدید مصر۔

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۱ کتاب الامراء، طبع کراچی

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۱-۴۲ ج ۸ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

ایک ملاقات

مورخ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے باہمی احوال پر گفتگو ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ اے برادر زادے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر کچھ دین (قرض) ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً میں مقروض ہوں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کتنی مقدار ہے؟ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک لاکھ درہم ہے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کے لیے تین لاکھ درہم کی ادائیگی کا حکم دے دیا ہے۔ اس میں سے ایک لاکھ درہم تو آپ اپنا قرض ادا کریں اور ایک لاکھ درہم اپنے اہل بیت اور اقربا میں تقسیم کر دیں اور ایک لاکھ درہم خاص آپ کی ذات کے لیے ہے یہ آپ قبول کر لیں۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یہ عطیہ وصول کر کے واپس تشریف لائے۔

((ثم قال یا ابن اخی بلغنی ان علیك دینا قال ان علی دینا قال وکم ھو؟ قال مائة الف۔ قال فقد امرنا لك بثلاث مائة الف ثم قال مائة الف لقضاء دینك ومائة الف تقسمها فی اھل بیتك ومائة الف لخاصة بدنك۔ فاقبض صلتك))[1]

شیعہ اکابر کی طرف سے تائید

شیعہ کے عالم کبیر ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور تصنیف جلاء العیون میں امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عطیات کے سلسلے میں ایک مفصل روایت ذکر کی ہے، جس میں مندرجات مذکورہ کی تائید پائی جاتی ہے

"از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ روزے حضرت امام حسن بحضرت امام حسین وعبداللہ بن جعفر فرمود کہ جائزہ ہائے معاویہ در روز اول ماہ بشما خواہد رسید۔ چوں روز اول ماہ شد چنانچہ حضرت فرمودہ بود اموال معاویہ رسید جناب امام حسن قرض بسیارے داشت از آنچہ اوفرستادہ بود برائے آنحضرت قرض ہائے خود را ادا کرد۔ باقی رامیان اہل بیت وشیعان خود قسمت کرد جناب امام حسین قرض خود را ادا کرد و آنچہ ماندہ بود بسہ قسمت کرد یک حصہ را باہل بیت وشیعان خود داد و دو حصہ را برائے عیال خود فرستاد وعبداللہ بن جعفر قرض خود را ادا کرد باقی را برائے خوش آمدید معاویہ

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۸۴-۸۵ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

برسول او داد و چوں ایں خبر بمعاویہ رسید برائے او مال بسیار فرستاد"[1]

"یعنی ایک دن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے برادر سیدنا حسین اور چچا زاد برادر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اس ماہ کی پہلی تاریخ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہدایا و تحائف تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔ جب اس مہینہ کی اول تاریخ ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کثیر مال پہنچ گیا اور ان ہر سہ حضرات کو دے دیا گیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر بہت سا قرض تھا انھوں نے ان اموال سے پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی ماندہ کو اپنے اہل وعیال اور اپنے خاص لوگوں میں تقسیم فرمایا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی مال کو اس طرح تقسیم کیا کہ ایک حصہ اپنے رشتہ داروں اور خصوصی شیعوں (ساتھیوں) کو دیا اور دو حصے اپنے اہل وعیال کو عنایت فرمائے۔

اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما نے بھی اس مال سے اپنا قرض ادا کیا اور باقی مال میں سے کچھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد کو دے دیا۔

جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے اور زیادہ مال بھیج دیا۔"

نوٹ

حوالہ ہذا قبل ازیں ہماری کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں ص ۲۰۵ پر درج ہو چکا ہے۔

مالی امداد کا ایک دیگر واقعہ

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ میں درج کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ تقسیم کے لیے کچھ مال بھی لائے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر دریافت کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے اطلاع دی کہ آپ مکہ مکرمہ روانہ ہو چکے ہیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اموال کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں پہنچنے پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابومحمد! (یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) میں مدینہ طیبہ میں آیا اور میرے پاس کچھ اموال تھے جنھیں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا لیکن جب آپ کا مکہ شریف تشریف لے جانا معلوم ہوا تو اس مال کو لے کر یہاں پہنچا ہوں۔ آپ یہ مال لے لیں اور اس میں حسب منشا تصرف کریں۔ جواب میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی قرابت داری میں وصل پیدا کرے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

[1] جلاء العیون فارسی (از ملا باقر مجلسی) ص ۲۷۰ باب دربیان نصوص امامت و معجزات امام دوم حسن ست، طبع تہران

((عن عمرو بن عيسٰى قال قدم معاويه رضي الله عنه المدينة بمال يريد ان يقسم بها . فسأل عن الحسن بن على رضي الله عنهما فاخبر انه شخص الى مكة فادرك المال ومضى الى مكة فخرج اليه الحسن متلقيا فقال يا ابا محمد! انى قدمت المدينة ومعى مال اريد ان اقسمه بها فلما بلغنى شخوصك اركبته وها هو ذافرا فيه رأيك۔ قال وصل الله قرابتك يا امير المؤمنين! واحسن جزاك...... الخ))[1]

عین صید کا عطیہ

اسی طرح مشہور مورخ بلاذری نے اپنی تصنیف فتوح البلدان میں ایک یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عین صید نامی چشمہ مع ملحقات عطا کیا گیا تھا اور وہ اس سے منتفع ہوتے تھے۔

((وكان معاوية رضي الله عنه اقطع الحسن بن على رضي الله عنهما عين صيد هذه عوضا من الخلافة مع غيرها))[2]

ایک قریہ کا عطیہ

شیعہ کی مشہور کتاب ناسخ التواریخ جلد نہم (طراز المذہب مظفری) میں مندرجہ ذیل واقعہ مذکور ہے:

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ان کی صاحبزادی زینب کا رشتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے لیے مروان بن حکم کے ذریعے سے طلب کیا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ معاملہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے ارشاد فرمایا:

''ما چناں بصواب شمردیم کہ زینب را بہ پسر عمش قاسم بن محمد بن جعفر کابین بندم و او را با قاسم تزویج کردم و کابین او را بقریہ کہ در مدینہ دارم و معاویہ در ازائے دہ ہزار دینار بمن دادہ است مقرر داشتم و زینب را ایں مبلغ کفایت می کند۔''[3]

''یعنی ہم نے یہ رشتہ اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفر کو دے دیا ہے اور حق مہر کے طور پر زینب کے لیے وہ گاؤں دے دیا ہے جو مدینہ کے علاقے میں ہے اور وہ ہمیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۵۲۵ ج ۱۳ تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۰۷ تحت امر مدینۃ السلام، طبع مصر قدیم

[3] ناسخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) ص ۳۸۰ ج ۹ در بیان احتجاج عبداللہ بن جعفر با معاویہ و حکایت او...... الخ طبع قدیم ایران از مرزا عباس قلی خان سپہر

دینار کے عوض میں دیا تھا اور یہ مہر زینب کے لیے کافی ہو گا۔"

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں ایک گاؤں بھی باقی عطیات و وظائف کی طرح ملا ہوا تھا جسے اب وہ بطور مہر نکاح کے صرف کر رہے تھے (حوالہ ہذا ہماری کتاب "اقربا نوازی" ص ۲۰۹ پر قبل ازیں درج ہو چکا ہے)۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے عطیات خصوصی

اس مقام پر قبل ازیں ہدایا اور عطیات کا مسئلہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی ضمن میں بعض چیزیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق محدثین اور مورخین ذکر کرتے ہیں، ان کو مختصراً ذکر کر دینا مناسب خیال کیا ہے۔

① چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں تحریر کیا ہے کہ

((ولما توفی الحسن رضی اللہ عنہ کان الحسین رضی اللہ عنہ یفد الی معاویہ رضی اللہ عنہ فی کل عام فیعطیه ویکرمه))[1]

"یعنی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس (بطور وفد) تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اعزاز و اکرام کرتے اور عطایا پیش کرتے تھے۔"

② معروف بزرگ حضرت شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ (المعروف داتا گنج بخش لاہوری) نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب کے باب ثامن میں واقعہ ذیل نقل کیا ہے:

"حسین رضی اللہ عنہ وے را گفت بنشین کہ ما را رزقی در راہ است تا بیارند۔ بسی بر نیامد کہ پنج صرہ از دینار بیاوردند از نزد معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اندر ہر صرہ ہزار دینار بود۔ و گفتند کہ معاویہ رضی اللہ عنہ از تو عذر میخواہد۔ و میگوید کہ ایں مقدار اندر وجہ کہتراں صرف باید کرد واں ہر پنج صرہ بدو داد از وی عذر خواست۔"[2]

"یعنی ایک روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! میں ایک درویش آدمی ہوں، عیال دار ہوں، آپ مجھے آج کا کھانا عنایت فرمائیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں ٹھہر جائیے ہمارا رظیفہ پہنچنے والا ہے، وہ پہنچ جائے تو دے دیں گے۔ کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں جن میں سے ہر ایک تھیلی ایک ہزار دینار پر مشتمل تھی قاصد نے لا کر خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معذرت کرتے تھے کہ یہ قلیل سی مقدار ہے اسے صرف فرمائیں۔ حضرت

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین رضی اللہ عنہ وسبب خروجہ من مکہ...... الخ، طبع اول مصر

[2] کشف المحجوب از شیخ علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری ص ۹۲-۹۳، باب ۸ طبع سمرقندی ذکر ائمتہم من اہل البیت۔

حسین رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلیاں سائل کو دے دیں اور معذرت بھی کر دی۔"

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطایا و ہدایا

جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے لیے ہدایا، عطیات اور وظائف پیش کیے جاتے تھے اور وہ حضرات انھیں بخوشی قبول فرماتے تھے اسی طرح ان کے چچا زاد برادر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کو بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کافی عطیات اور ہدایا دیے جاتے تھے۔

جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اولاد ابی طالب میں مشہور بزرگ ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زادے ہیں اور اس کے علاوہ آں موصوف کے داماد بھی ہیں اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بہنوئی ہیں۔

محدثین اور مورخین نے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطیات اور ہدایا کے متعلق واضح تصریحات ذکر کی ہیں۔ ان تمام کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے، اس لیے یہاں صرف چند ایک حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے:

① حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں ذکر کیا ہے:

((وفد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما علی معاویۃ رضی اللہ عنہ فامر لہ بالفی الف درھم))[1]

"یعنی ایک دفعہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بطور وفد تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے بیس لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم دیا۔"

② اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ:

((کان لعبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما من معاویۃ رضی اللہ عنہ الف الف فی کل عام))[2]

"یعنی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر سال دس لاکھ درہم ملتے تھے۔"

③ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں لکھا ہے کہ:

((وبعث الی عبداللہ بن جعفر بمائۃ الف......الخ))[3]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک لاکھ درہم ارسال کیے۔"

مختصر یہ ہے کہ اولاد ابی طالب کے مشاہیر بزرگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے لاکھوں لاکھ ہدایا، عطیات اور وظائف ہمیشہ دیے جاتے تھے اور یہ حضرات انھیں بخوشی قبول کر کے اپنے مصارف میں

---

[1] مستدرک (حاکم نیشابوری) ص ۵۶۷ ج ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۴۰، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

صرف کرتے تھے۔ یہ ان حضرات کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ احسن تعلقات کا بین ثبوت ہے جس کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اور معاندین بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ایک لطیفہ

شیعہ کے اکابر علماء اور مورخین نے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے متعلق ایک عجیب بات تحریر کی ہے، جسے ایک لطیفہ سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے کا نام ''معاویہ'' تھا اور اپنے والد کی طرف سے وصی تھا۔ اس کا نام معاویہ اس لیے رکھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے تقاضا کیا کہ آپ اپنے فرزند کا نام ''معاویہ'' رکھیں تو میں آپ کو ایک لاکھ درہم عطا کروں گا۔ اس پر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ بات قبول کرتے ہوئے فرزند کا نام معاویہ رکھ دیا۔

((منهم معاوية بن عبدالله كان وصى ابيه وانما سمى معاوية لان معاوية بن ابى سفيان طلب منه ذالك فبذل له مائة الف درهم وقيل الف الف درهم))[1]

اسی واقعہ کو صاحب ناسخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''کنیت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ابو معاویہ است چہ گاہیکہ معاویہ بن عبداللہ متولد شد۔ عبداللہ نزد معاویہ بود واز ولادت فرزندش بشارت اوردند عبداللہ نیز با معاویہ بگفت معاویہ گفت ایں پسر ترا معاویہ نام کن وصد ہزار درہم بگیر۔ عبداللہ از معاویہ قبول کرد۔''[2]

''یعنی صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعے کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کی کنیت ابو معاویہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرزند جب متولد ہوا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے فرزند کی ولادت کی خوشخبری وہیں سنائی گئی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت سنائی تو اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس فرزند کا نام معاویہ رکھیے اور سو ہزار درہم (ایک لاکھ درہم) لے لیجیے تو عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما (برادر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے یہ بات قبول کر لی۔''

تنبیہ

مطلب یہ ہے کہ بقول شیعہ اکابرین اولاد ابی طالب کے بزرگ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کے اسماء اپنی اولاد میں کچھ درہم لے کر رکھ لیتے تھے اور ان سے عطایا و وظائف اور ہدایا خوب وصول کرتے تھے اور اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ صاحب انصاف کے نزدیک ان

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (جمال الدین ابن عنبہ شیعی) ص ۳۸ تحت ذکر عقب جعفر طیار

[2] ناسخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) ص ۳۹۵ ج ۹ در احوال زینب کبریٰ، طبع قدیم ایران۔

حضرات کی یہ کردار کشی ہے اور درحقیقت مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور صحیح فہم عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے عطیہ

مورخین نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ

((عن قتادة قال قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لمعاوية رضی اللہ عنہ لا يحزنني الله ولا يسوئني ما ابقا الله امير المومنين۔ قال فاعطاه الف الف ورقة وعروضا واشياء وقال خذها فاقسمها في اهلك))[1]

"یعنی قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی وجہ سے غمزدہ نہ کرے اور کوئی برائی نہ پہنچائے جب تک کہ امیر المومنین زندہ سلامت رہیں۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دس لاکھ درہم کا عطیہ عنایت فرمایا اور کچھ سامان اور چند چیزیں دیں اور کہا کہ ان تمام کو آپ اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیں۔"

جیسا کہ قبل ازیں درج ہو چکا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دیگر ہاشمی بزرگوں کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ انھیں ہمیشہ ہدایا اور وظائف سے نوازتے تھے۔

اسی ربط اور تعلق کے سلسلے میں مورخین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک دیگر واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار قیصر روم نے ایک شیشی ارسال کی اور کہلا بھیجا کہ اس میں ایسی چیز ہماری طرف روانہ کریں جس میں سب چیزیں آ جائیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شیشی میں پانی ڈال کر ان کی طرف ارسال کر دیں۔

جب یہ چیز قیصر روم کے پاس پہنچی تو رومی بادشاہ نے کہا کہ ان کے آباء کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر ہو، یہ کتنا عقل مند اور زیرک آدمی ہے۔

ادھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ پانی کو ارسال کرنا کیسے تجویز کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ الآیہ

((ان ملك الروم وجه الى معاوية بقارورة فقال ابعث الى فيها من كل شيء۔ فبعث الى ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال لتملاء له ماء فلما ورد بها على ملك الروم قال لله ابوه ما ادهاه۔ فقيل لابن عباس رضی اللہ عنہما كيف اخترت ذالك؟ فقال لقول

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۷۴۱ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اللہ عزوجل: وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ))[1]

امام زین العابدین رحمہ اللہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دوران میں جس طرح سابقہ اوراق میں ہاشمی بزرگوں کے وظائف اور ہدایا کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے علی بن حسین (امام زین العابدین رحمہ اللہ) کے وظیفہ کے متعلق شیعہ کے اکابر نے ذکر کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم کو مدینہ طیبہ کا والی اور عامل مقرر کیا گیا۔ اس وقت آں موصوف نے مروان کو حکم دیا کہ قریش کے نوجوانوں کے لیے وظائف اور ہدایا مقرر کریں۔ زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں بھی اسی سلسلے میں مروان بن حکم کے پاس پہنچا۔ مروان نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا نام علی بن حسین ہے۔ پھر اس نے کہا کہ آپ کے بھائی کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا نام بھی علی ہے۔ اس پر مروان نے کہا کہ آپ کے والد اپنی اولاد کے نام علی ہی رکھتے ہیں؟ جناب زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر اس نے میرے لیے مالی وظیفہ مقرر کر دیا۔ جب میں اپنے والد کے پاس آیا تو میں نے انھیں اس تمام مذکورہ گفتگو کی اطلاع کی۔

((استعمل معاوية مروان بن الحكم على المدينة وامره ان يفرض لشباب قريش ففرض لهم۔ فقال: على بن الحسين علیہ السلام فاتيته۔ فقال ما اسمك؟ فقلت على بن الحسين۔ فقال: ما اسم اخيك؟ فقلت على۔ فقال على وعلى: ما يريد ابوك ان يدع احدا من ولده الاسماه عليا؟ ففرض لى۔ فرجعت الى ابى علیہ السلام فاخبرته))[2]

رعایت کا معاملہ

سابق صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اولاد ابی طالب کے لیے ہدایا اور وظائف کے متعلق جو چیزیں تاریخ میں ملتی ہیں ان میں سے بعض مختصراً ذکر کی ہیں۔ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان حضرات کا اکرام کرنا اور حسن سلوک سے پیش آنا برملا ثابت ہوتا ہے۔

اب اس سلسلے میں ایک دیگر اہم چیز ذکر کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام پہنچے ہیں تو آں موصوف نے اپنے اخلاف کے لیے بعض ضروری وصایا فرمائی تھیں۔ ان

---

1. الکامل (مبرد) ص ۴۵۷ ج ۲، ص ۳۰۸ ج ۱ طبع مصر
2. فروع کافی (محمد بن یعقوب کلینی رازی شیعی) ص ۲۶۲-۲۶۳ ج ۲ کتاب العقیقہ باب الاسماء والکنی طبع نول کشور لکھنؤ۔
ناسخ التواریخ ص ۴۰ ج ۱۱ کتاب دوم ص در احوال زین العابدین تحت مکالمہ مروان باآں حضرت، طبع قدیم ایران

میں سے خصوصی طور پر مورخین نے ان کی ایک وصیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق خصوصی تاکید فرماتے ہوئے اپنے فرزند یزید کو ارشاد فرمایا کہ:

((ان له رحما ماسة وحقا عظيما وقرابة من محمد ﷺ ولا اظن اهل العراق تاركيه حتى يخرجوه فان قدرت عليه فاصفح عنه فانى لو انى صاحبه عفوت عنه))[1]

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے بہت قرابت قریبہ ہے اور حق عظیم ہے اور نبی اقدس ﷺ کے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اہل عراق ان کو اپنی حالت پر نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ ان کو مخالفت پر آمادہ کریں گے۔ پس اگر تو ان پر قدرت پائے تو ان سے رعایت کرنا۔ اگر میرے سامنے یہ معاملہ آئے تو میں ان سے درگزر کروں گا۔"

اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنی وفات سے قبل بلایا اور اس کو جو وصیت کرنی تھی وہ وصیت فرمائی۔ ان وصایا میں یہ بات خاص طور پر فرمائی کہ جناب حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا احترام ملحوظ رکھنا۔ تحقیق وہ لوگوں کی نظروں میں زیادہ پسندیدہ ہیں۔ پس ان سے صلہ رحمی کرنا اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، تو تیرے لیے معاملہ اپنی جگہ پر درست رہے گا۔

((ثم ان معاويه لما حضرته الوفاة دعا ابنه يزيد فاوصاه بما اوصاه به وقال له انظر حسين بن على يعنى ابن فاطمة بنت رسول الله ﷺ فانه احب الناس الى الناس فصل رحمه وارفق به يصلح لك امره))[2]

گزشتہ سطور میں مسئلہ ہذا پر مورخین کے بعض حوالہ جات ذکر کیے گئے ہیں۔ اب اس مسئلہ میں شیعہ کے اکابر علماء اور مورخین کے حوالہ جات تائیداً پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ ہذا اپنی جگہ پر بین الفریقین قابل تسلیم ہو جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں شیعہ کے مشہور اور قدیم مورخ دینوری کا قول درج کیا جاتا ہے:

((فاما الحسين بن على رضی اللہ عنہما فاحسب اهل العراق غير تاركيه حتى

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۰ ج ۶ تحت ذکر ما کان فیہ من الاحداث سنہ ۶۰ھ طبع مصر
کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۲۳ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۵ ج ۸ تحت سنہ ۶۰ھ طبع اول مصر

[2] کتاب تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۲۷ ج ۴ ذکر قصہ واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

((فاما الحسین بن علی رضی اللہ عنہما فاحسب اهل العراق غیر تارکیه حتی یخرجوه، فان فعل، فظفرت به، فاصفح عنه))[1]

''مطلب یہ ہے کہ یزید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اہل عراق جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کو نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ وہ ان کو مخالفت پر آمادہ کریں گے اور اگر ان سے یہ بات صادر ہو اور تو ان پر غلبہ حاصل کر لے تو ان سے درگزر کرنا (اور ان کی اذیت کے درپے نہ ہونا)۔''

اور شیعہ کے ایک دیگر مشہور مورخ ابن طقطقی نے یہ مضمون بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فان خرج (الحسین رضی اللہ عنہ) وظفرت به فاصفح عنه فان له رحما ماسة وحقا عظیما و قرابة من محمد صلوات الله علیه وسلامه))[2]

''یعنی (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید سے کہا) اگر جناب حسین (رضی اللہ عنہ) مخالفت پر آمادہ ہو جائیں اور تو ان پر کامیابی پائے تو ان سے اعراض کرنا۔ تحقیق جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے قرابت قریبہ ہے اور حق عظیم ہے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔''

اور شیعہ کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی نے اسی مسئلہ کو شیخ صدوق ابن بابویہ قمی شیعی سے معتبر سند کے ساتھ بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''وامام حسین پس میدانی نسبت وقرابت اورا بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم واو پارۂ تن آنحضرت است و از گوشت وخون آنحضرت پرورده است ومن میدانم که البتہ اہل عراق اورا بسوئے خود خواہند برد و یاری او نخواہند کرد و اورا تنہا خواہند گزاشت اگر باو ظفر یابی حق حرمت اورا بشناس ومنزلت وقرابت اورا با پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آور داورا بکردہ ہائے اورا مواخذہ مکن وروابطی کہ من باو دریں مدت محکم کردہ ام قطع مکن زنہار کہ باو مکروہے وآسیبے مرساں۔''[3]

''اس فارسی عبارت کا مفہوم اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید سے کہا کہ جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق تمھیں معلوم ہے کہ انھیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی نسبت ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور ان کا جسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پرورش یافتہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ اہل عراق ضرور ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہیں کریں گے اور ان کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ اگر تجھے ان پر غلبہ ہو تو ان کی عزت کے حق کو

---

[1] بحار الانوار (ملا باقر مجلسی) ص ۲۳۸ ج ۱۰ طبع قدیم تحت ما جری علیہ بعد بیعۃ الناس یزید

[2] تاریخ الفخری (محمد بن علی بن طباطبا المعروف بابن طقطقی شیعی) ص ۱۰۳ تحت حالات معاویہ

[3] جلاء العیون فارسی از ملا باقر مجلسی شیعی ص ۳۸۸ تحت فصل دوازدہم در بیان توجہ جناب سید الشہداء بجانب مکہ۔

پہچاننا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی قرابت کے مرتبہ کو یاد رکھنا اور ان کے اعمال کا مواخذہ نہ کرنا اور میں نے ان کے مابین جو روابط اس مدت میں قائم کر رکھے ہیں ان کو قطع نہ کرنا۔ خبردار انھیں کوئی مکروہ اور تکلیف دہ چیز نہ پہنچانا۔"

تنبیہ

گزشتہ سطور میں ہم نے گیارھویں صدی کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی شیعی کی جلاء العیون سے ایک روایت پیش کی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت مذکور ہے۔

اس روایت کے متعلق آج کل کے بعض شیعہ صاحبان نے ''موضوع'' ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سنیوں کی روایت ہے۔

اس دعویٰ کے جواب میں بعض چیزیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

① ایک تو یہ چیز قابل توجہ ہے کہ معترض نے اس روایت کے موضوع ہونے کا دعویٰ تو کیا ہے مگر اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اس روایت کو سنیوں کی روایت قرار دینے پر اکتفا کیا ہے۔

② روایت کو موضوع قرار دینے کے لیے ضروری تھا کہ معترض اپنے سابق اکابر شیعہ علماء کے اقوال پیش کرتا جنھوں نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے یا خود وہ وجوہ ذکر کرتا جس کی بنا پر فن روایت کے لحاظ سے اسے موضوع قرار دیا جا سکتا، بصورت دیگر یہ محض ادعا ہی ٹھہرے گا جس کی کسی لحاظ سے بھی کوئی وقعت نہیں۔

③ مشہور شیعی مجتہد ملا باقر مجلسی نے شیخ صدوق ابن بابویہ قمی کی معتبر سند کے ساتھ یہ روایت امام زین العابدین رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔ اب معترض کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے ثقہ مجتہد شیخ صدوق کی پیش کردہ صحیح سند کو معتبر دلائل کے ساتھ رد کرے۔

④ نیز یاد رہے کہ ملا باقر مجلسی نے اپنی اس تصنیف جلاء العیون کے مقدمہ میں صرف معتبر اور صحیح روایات درج کرنے کا التزام کیا ہے۔

⑤ اور ہم نے یہ روایت بطور الزام شیعہ کے اکابر سے نقل کی ہے۔ اگر انھوں نے دروغ گوئی کی ہے تو اس میں ہمارا دخل نہیں۔ ناظرین کرام خود فیصلہ فرمائیں۔

اگر روایت درست ہے (جیسا کہ ان کے مجتہدین کے عمل سے ظاہر ہے) تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے وصیت ہذا کر کے جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی رعایت کی پوری کوشش کی اور حمایت کا حق ادا کر دیا۔ اگر اس پر عمل درآمد نہیں ہوا تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصور نہیں اور وہ مورد الزام نہیں ہو سکتے۔

اور شیعہ کے متاخرین مورخین میں مرزا محمد تقی لسان الملک اپنی مشہور کتاب ناسخ التواریخ میں لکھتے ہیں

کہ (معاویہ نے کہا:)

''اے یزید زینہار ہزار زینہار! حسین را ہیچ گونہ رنجانی وہیچ نوع زحمت نرسانی مگر ندیدی مرا کہ از حسین چند تحمل کردم و از وی کلمات درست دردناک شنیدم و پاسخ ندادم چہ او فرزند مصطفیٰ است۔ اکنوں آنچہ دانستم وواجب شمردم با تو گفتم وحجت تمام کردم...... الخ''[1]

''یعنی معاویہ نے اپنے فرزند یزید کو خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچانا اور انھیں زحمت نہ دینا، ایذا رسانی نہ کرنا۔ تو نے دیکھ نہیں لیا کہ میں جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے معاملہ میں کس قدر تحمل کرتا رہا ہوں؟ ان سے سخت سخن (گفتگو) سننے کے باوجود کوئی ناروا جواب نہیں دیا کیونکہ وہ فرزند مصطفیٰ ہیں۔ اب جو واجب بات تھی وہ میں نے تجھے کہہ دی اور حجت تمام کر دی۔''

فوائد ونتائج

فصل ہذا میں بنی ہاشم حضرات اور خصوصاً حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات پیش کیے گئے ہیں۔ مندرجات بالا کی روشنی میں ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں:

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد اکابر ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برخلاف نہیں تھے بلکہ ان کے منصب خلافت کو درست تسلیم کرتے تھے اسی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات اور روابط استوار کیے ہوئے تھے اور ان سے اپنے ہدایا وعطیات و وظائف بخوشی قبول کرتے اور اپنے مصارف میں صرف کرتے تھے اور ان کا یہ باہمی حسن سلوک آخر تک جاری رہا۔

② ان حضرات کے درمیان قبائلی تعصب اور خاندانی تفریق نہیں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہاشمی حضرات ہوں یا اموی ہوں سب کو وظائف دیے جاتے تھے۔ خاندانی تعصب سے بالاتر ہو کر بنی ہاشم کے ساتھ مالی تعاون کیا جاتا اور ان کی قدر شناسی کی جاتی تھی اور یہ چیزیں ان کے ساتھ ہمدردی کا بین ثبوت ہیں۔

③ اور یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی غاصبانہ نہیں تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متغلب خلیفہ اور ظالم حکمران نہیں تھے۔ اور اگر یہ معروضات صحیح نہیں ہیں تو پھر ان اکابر بنی ہاشم نے کیا قرآن مجید پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا؟ قرآن مجید کا حکم ہے کہ

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ۱۲)

---

[1] ناسخ التواریخ از مرزا محمد تقی شیعی ص ۱۵۷ ج ۶ از کتاب دوم تحت شرح حالات سید الشہداء علیہ السلام تحت وصیت معاویہ با یزید، طبع ایران۔

''یعنی اہل ظلم کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تم کو (جہنم کی) آگ لگ جائے گی۔''

نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تصرفات دینی احکام کے برخلاف نہیں تھے بلکہ شریعت کے عین مطابق تھے اسی بنا پر اس دور کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اعاظم بنی ہاشم حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر معترض نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ متفق اور متعاون تھے۔

④ ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن ظلم اور تعدی کے طعن سے صاف ہے اور حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ عناد و دشمنی کے اعتراضات سے آں موصوف بری ہیں۔

⑤ ان حقائق اور دلائل کے باوجود اگر کوئی شخص ان حضرات کے درمیان دائمی عداوت اور دیرینہ دشمنی کا قول کرتا ہے تو وہ مبنی بر حسد و عناد ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ

از حسد اول تو دل را پاک دار
خویشتن را بعد زاں مومن شمار

فصل دہم

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ حسن سلوک

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے تھے اور ان کے ساتھ علیٰ حسب المراتب حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح آں موصوف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی قدر دانی کا معاملہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ربط اور تعلق کی چند چیزیں مختصراً پیش کرتے ہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر دانی کے کچھ واقعات بھی درج کرتے ہیں جن میں ان کے مقام و مرتبت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پورا پورا اکرام و احترام کرتے تھے اور صدق دل سے عظمت و فضیلت کے قائل تھے۔

① ایک بار حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی عجیب شان رفعت بیان کی۔

عبداللہ بن وردان کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی بات کو ان پر لوٹایا اور رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا انھی لوگوں میں سے ایک ہیں۔

((عن عبداللہ بن وردان قال معاویة رضی اللہ عنہ ان من الناس من لا یرد علیه امره وان عائشة رضی اللہ عنہا منهم))[1]

روایت ہذا قبل ازیں جواب المطاعن (قتل صدیقہ کے الزام) میں درج ہو چکی ہے لیکن اس مقام پر ربط و تعلق کے مضمون کے تحت اس کو لایا گیا ہے۔

② اسی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین بعض اوقات مراسلت ہوئی اس چیز کو کبار محدثین اور مورخین نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ چند ایک مراسلات

---

[1] تاریخ الکبیر (امام بخاریؒ) ص ۲۲۰ ج ۳ قسم اول طبع دکن باب عبداللہ تحت الواوٗ

جو ہمیں دستیاب ہوئے ہیں وہ ایک ترتیب سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

(الف) عامر شعبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مختصر مکتوب ارسال فرمایا:

((عن الشعبی قال کتبت عائشة رضی اللہ عنہا الی معاویة رضی اللہ عنہ اما بعد: فانه من یعمل بسخط الله (یصیر) حامده من الناس ذاما))[1]

اور اسی چیز کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الزہد والرقائق میں اور امام حمیدی رحمہ اللہ نے اپنے مسند میں یہ عبارت ذیل نقل درج کیا ہے:

((کتبت عائشة رضی اللہ عنہا الی معاویة رضی اللہ عنہ انه من یعمل بمعاصی الله یصیر حامده من الناس ذاما))[2]

''ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تحریر فرماتی ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تو اس کی تعریف کرنے والے لوگ بھی مذمت اور بدگوئی کرنے لگ جاتے ہیں۔''

(ب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادے عروہ اپنی خالہ محترمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مراسلہ ارسال کیا اور اس میں تحریر فرمایا کہ:

((عن هشام عن ابیه (عروة) عن عائشة رضی اللہ عنہا انها کتبت الی معاویة رضی اللہ عنہ: اوصیك بتقوی الله فانك ان اتقیت (الله) کفاكِ الناس (فان اتقیت الناس) لم یغنوا عنك من الله شیئا۔ فعلیك بتقوی الله اما بعد))[3]

''یعنی (ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرماتی ہیں) کہ میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے کی وصیت کرتی ہوں (کیونکہ) اگر تم اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ گے تو وہ تمھارے لیے لوگوں سے کفایت کرے گا اور اگر تم لوگوں سے خوفزدہ ہو گے تو یہ لوگ تمھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکیں گے اور کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے، پس تم تقویٰ اختیار کرو۔''

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۲۳ ج۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

[2] کتاب الزہد والرقائق (عبداللہ بن مبارک) ص۶۶ باب الاخلاص والنیۃ
مسند حمیدی ص۱۲۹ تحت احادیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، طبع مجلس علمی ڈابھیل

[3] مصنف ابن ابی شیبہ ص۶۱ ج۱۴ کتاب الزہد، طبع کراچی
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص۵۵۰ ج۱ تحت عروہ بن زبیر

(ج) اسی طرح ایک دیگر روایت میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کر کے تقاضا کیا کہ آپ مختصر سی نصیحت و وصیت تحریر کر کے میری طرف روانہ فرمائیں اس میں تطویل نہ ہو۔ تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تحریر ارسال فرمائی کہ

((قال كتب معاوية رضي الله عنه الى عائشة رضي الله عنها ان اكتبي الى كتابا توصيني فيه ولا تكثري قال فكتبت عائشة رضي الله عنها الى معاوية رضي الله عنه سلام عليك اما بعد: فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من التمس رضا الله بسخط الناس كفاه الله مئونة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط الله وكّله الله الى الناس۔ والسلام عليك))[1]

''یعنی حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ پر سلام ہو! میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آنجناب فرماتے تھے کہ جس شخص نے لوگوں کی ناراضی اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ اور سختی سے اس کی کفایت کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی اٹھا کر لوگوں کی رضا مندی کا طلبگار ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی طرف سونپ دیتے ہیں اور اپنی کفالت سے خارج کر دیتے ہیں۔''

تنبیہ

❁ یہ چیز قابل ذکر ہے کہ یہ روایت کتاب ہذا میں قبل ازیں دور چہارم کے فصل سوم میں مراسلات وخطوط کے تحت درج ہو چکی ہے۔ یہاں پھر ان حضرات کے مابین روابط کے سلسلے میں ذکر کی گئی۔

❁ نیز یہ چیز یہاں سے واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کی زبان بندی نہیں تھی اور حق گوئی کے سلسلے میں ان کی زبانوں پر قفل نہیں چڑھائے گئے تھے۔ بلکہ حق گوئی میں آزادی تھی، اہل حق حق بات کہتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق بات کو بخوشی قبول کرتے تھے۔ اسی بنا پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی درخواست پر حق بات کا اظہار فرمایا اور حق گوئی کا فریضہ ادا کیا۔

❁ اور معلوم ہوا کہ آں موصوفہ مکرمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دور کے امیر و فرماں روا کو وہ نصائح ارشاد فرمائے جن کی ان کو ضرورت تھی۔

---

[1] ترمذی شریف ص ۳۴۸ تحت ابواب الزہد آخر باب ہذا، طبع قدیم لکھنؤ
کتاب الزہد والرقائق (حضرت عبداللہ بن مبارک) ص ۶۶ باب الاخلاص والنیہ، طبع مالیگاؤں ہند
مسند اسحاق بن راہویہ ص ۶۰۰ ج ۲ روایت نمبر ۱۱۷۵، ۶۳۲ طبع مدینہ منورہ
مصابیح السنہ (امام بغوی) ص ۴۰۶، ۴۰۷ ج ۳ کتاب الآداب باب الظلم، روایت نمبر ۳۹۸۲
کیمیائے سعادت (فارسی) از امام غزالی ص ۲۲۰، طبع قدیم بمبئی

عطیات و ہدایا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بعض اوقات ہدایا اور وظائف ارسال فرماتے تھے اور آں موصوفہ رضی اللہ عنہا انھیں شرف قبولیت بخشتی تھیں۔

① عبدالرحمٰن بن عصمہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک قاصد ہدایا لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ امیر المومنین کی طرف سے یہ ہدیہ پیش خدمت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ ہدیہ قبول فرمالیا۔

جب قاصد واپس چلا گیا تو ہم نے عرض کیا: اے ام المومنین! کیا ہم مومن نہیں اور وہ ہمارے امیر نہیں؟ تو جواب میں آں موصوفہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ تم مومن ہو اور وہ تمھارے امیر ہیں اور امیر المومنین ہیں۔

((عن عبدالرحمن بن عصمة قال: كنت عند عائشة رضی اللہ عنہا فاتاها رسول من معاوية رضی اللہ عنہ بهديه فقال ارسل بهذا امير المؤمنين فقبلت هديته فلما خرج الرسول قلنا: (يا) ام المؤمنين! السنا مؤمنين وهو اميرنا؟ قالت انتم ان شاء الله المؤمنون وهو اميركم))[1]

روایت ہذا سے جہاں ربط و تعلق کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے وہاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے برحق ہونے کی تصدیق بھی پائی جاتی ہے کہ وہ مومنوں کے بلاشبہ امیر ہیں۔

② سابقہ طریقے کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں ایک بیش قیمت قلادہ (ہار) ہدیتاً ارسال کیا جس کی قیمت اس دور کے مطابق ایک لاکھ درہم تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہدیہ قبول فرمایا اور دیگر امہات المومنین میں تقسیم فرما دیا۔ بقول بعض یہ ہدیہ مکہ شریف میں پیش کیا گیا تھا۔

((عن حجاج عن عطاء ان عائشة رضی اللہ عنہا بعث اليها معاوية رضی اللہ عنہ قلادة قومت بمائة الف فقبلتها وقسمتها بين امهات المؤمنين))[2]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۹ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ، طبع کراچی روایت نمبر ۳۷۳

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ، طبع کراچی
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۳۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

③ اسی طرح ایک بیش قیمت ہدیہ کا ذکر ہشام نے اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم کا ہدیہ ارسال کیا تو آں موصوفہ نے اس ہدیہ کو فی الوقت تقسیم کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ تمام ہدیہ کو تقسیم کر ڈالا اور اس میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ بریرہ پاس بیٹھی ہوئی تھیں انھوں نے عرض کیا کہ آپ روزہ دار ہیں، ایک درہم بچا لیتیں تو اس سے آپ کی افطاری کے لیے گوشت خرید لیا جاتا تو اس وقت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تو یہ بات تقسیم کے وقت یاد دلا دیتی تو میں ایسا کر لیتی۔

((عن هشام بن عروه عن ابيه ان معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما بعث الى عائشة رضي الله عنها بمائة الف۔ فقسمها حتى لم تترك منها شيئا فقالت بريرة انت صائمة فهلا ابتعت لنا بدرهم لحما فقالت عائشة رضي الله عنها لو انى ذكرت لفعلت))[1]

④ کبار مورخین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرض کے زیر بار ہو گئیں تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قرض کی ادائیگی کے لیے اٹھارہ ہزار دینار یکمشت ارسال کر کے انھیں سبکدوش کر دیا۔

((حدثنا سعيد ان معاوية رضي الله عنه قضى عن عائشة رضي الله عنها ثمانية عشر الف دينار))[2]

زہد و تقویٰ

ناظرین کرام کے پیش نظر یہ بات آ گئی ہے کہ آں موصوفہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیش قیمت ہدایا اور کثیر دراہم بطور وظیفہ کے پہنچتے تھے لیکن ان حالات کے باوجود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زہد و ترک دنیا کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے خواہر زادے (بھانجے) عروہ رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((قال عروة فما كانت عائشة رضي الله عنها تستجد ثوبا حتى ترقع ثوبها وتنكسه (تجعل اعلاه اسفله)...... الخ))[3]

---

۱ مستدرک حاکم ص ۱۳ ج ۴ تحت باب افضل الرجال ابوبکر وافضل نساء عائشة
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۶-۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ، طبع مصر
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۴۱۰ ج ۲ تحت مکحول، طبع بیروت
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۳۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۳ الترغیب والترہیب (حافظ منذری) ص ۱۲۶ ج ۵ طبع مصر

"یعنی جس کپڑے کو استعمال کرتیں اس کو جب تک پیوند نہ لگا لیتیں ترک نہیں کرتی تھیں......الخ"

اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((عروة عن عائشة رضي الله عنها قال رأيتها تصدق بسبعين الفا وانها لترقع جانب درعها))[1]

"یعنی عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم صدقہ کرتے دیکھا ہے۔ اوران کی حالت یہ تھی کہ اپنی قمیص کو پیوند لگایا کرتی تھیں۔"

حصول تبرک

مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک سے تبرک حاصل کرنے کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ آپ میری طرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک (انبجانیہ) اور موئے مبارک ارسال فرمائیں۔ تو روایت کرنے والی خاتون (مرجانہ) کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ دونوں چیزیں میرے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھجوائیں۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حصول برکت کی خاطر چادر مذکورہ کو اوڑھ لیا اور شعر مبارک (بال مبارک) کو پانی سے دھو کر وہ پانی پی لیا اور بقیہ پانی اپنے جسم پر مل لیا)۔

((وروى علقمة بن ابى علقمة عن امه قالت قدم معاوية رضي الله عنه المدينة فارسل الى عائشة رضي الله عنها ارسلي الى بانبجانية رسول الله صلى الله عليه وسلم وشعره فارسلت بذالك معى احمله فاخذ الانبجانية فلبسها وغسل الشعر بماء فشرب منه وافاض على جلده))[2]

واقعہ ہذا کے ذریعے سے ثابت ہوا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال عقیدت رکھتے تھے اور آنجناب کے ساتھ محبت واشتیاق میں کچھ کم نہ تھے اور شان نبوت کے کما حقہ قدردان تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۵ ج ۸ تحت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۲۱ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

لائق توجہ یہاں یہ بات ہے کہ جو شخص اپنے آقا کے ساتھ اس طرح کی والہانہ عقیدت رکھتا ہے کیا وہ اپنے سردار کے فرمودات وارشادات پر عمل نہیں کرے گا؟ اور اجرائے احکامات میں ان کی شریعت کی پیروی نہیں کرے گا؟

مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے عہد خلافت کو احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی کرنے والا قرار دینا اور ان کو سیاسی اغراض کے لیے شرعی حدود کو توڑنے والا کہنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔ یہ بات دانشمندی کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ واقعات کے بھی مطابق نہیں۔ ایک دانشمند آدمی ان واقعات کی روشنی میں ان امور کا تجزیہ خود کر سکتا ہے۔

حصول تبرک بآثار نبوی کے بعض واقعات آئندہ بھی نقل ہوں گے (ان شاء اللہ) تھوڑا سا انتظار فرمائیں۔

ہمشیرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے عطیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر دانی کرتے اور ان کو ہدایا اور وظائف ارسال کرتے تھے اور ان کی ضروریات پورا کرنے میں سعی تام کرتے تھے اسی طرح ان کی ہمشیرہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو بھی بعض دفعہ معقول عطیات سے نوازتے تھے۔

چنانچہ کتب احادیث میں منقول ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک بار اپنے برادر زادوں (قاسم بن محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن ابی عتیق رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ دیتی ہوں جو مجھے معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

((وقد اعطانی معاویة مائة الف فهو لكما))[1]

قدر دانی و نفع رسانی

ماقبل میں ہم نے چند ایک واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطایا اور ہدایا کی نوعیت کے ذکر کیے ہیں اب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور دیگر حضرات کی قدر دانی کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے۔

① مدینہ منورہ کی تاریخ لکھنے والے علماء نے اپنی تصانیف میں یہ چیز درج کی ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعض منازل خرید کی تھیں۔ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مکان ایک لاکھ اسّی ہزار درہم میں خرید کیا۔

((واشتری معاوية رضي الله عنه من عائشة رضي الله عنها منزلها بمائة الف وثمانين الف

---

[1] بخاری شریف ص ۳۵۴ ج ۱، باب ہبہ الواحد للجماعۃ، طبع دہلی
فتح الباری (ابن حجر) ص ۱۷۲ ج ۵ باب الہبۃ المقبوضہ وغیر المقبوضہ ...... الخ

درھم))[1]

(۲) حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ خیبر کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ آپ اہل کتاب میں سے تھیں اور طبعی ذہانت کی بنا پر اپنے قبیلہ کی معزز خواتین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کرنے کے بعد اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔[2]

مشہور محدث سعید بن منصور رحمہ اللہ نے ان کے متعلق اپنی کتاب السنن میں ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے اپنی ضرورت کے تحت اپنا حجرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم کے عوض میں فروخت کیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رعایت فرماتے ہوئے انھیں ایک کثیر رقم پیش کر دی۔

((سعید قال: نا سفیان عن ایوب عن عکرمة ان صفية بنت حيي رضي الله عنها باعت حجرتها من معاوية رضي الله عنه بمائة الف))[3]

(۳) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ہمشیر رقیقہ بنت خویلد بن اسد تھیں۔ ان کی دختر امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خواہر زادی ان خواتین میں سے ہیں جنھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ امیمہ ہذا کے متعلق اہل تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کی قدر شناسی کرتے ہوئے ان کو شام میں منتقل کیا اور وہاں ان کے لیے رہائشی مکان کا انتظام کیا۔

((ونقلها (اميمةبنت رفيقة رضي الله عنها) معاوية رضي الله عنه الى الشام وبنى لها دارا وكذا قال زبير بن بكار وزاد كان لها بدمشق دار و موالي))[4]

(۴) مدینہ طیبہ کی تاریخ مرتب کرنے والے علمائے کرام میں سے مشہور عالم نور الدین سمہودی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف وفاء الوفاء میں ابن شبہ کی زوایت نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک دار (حویلی) جسے "رحبۃ القضاء" کہتے تھے مدینہ طیبہ میں تھی۔ آنجناب کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو آں موصوف نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے ذمے اتنا قرض ہے اسے رحبۃ القضاء کو فروخت کر کے ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور ولایت میں ان حضرات سے یہ حویلی (رحبۃ القضاء) خرید لی۔ (اور اس طرح ان کی ضروریات کو پورا کر دیا)

---

۱ وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۶۶۴ ج ۲ تحت الفصل التاسع، حجرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۲ تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) ص ۲۹۷-۲۹۸ ج ۲ تحت حرف الصاد، النساء

۳ کتاب السنن (سعید بن منصور) ص ۱۱۰ ج ۳ قسم الوتحت باب وصیہ الصبی

وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) ص ۶۶۴ ج ۲ تحت الفصل التاسع، حجرات نبوی

۴ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۳۵ ج ۴ تحت (۹۷) امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا مع الاستیعاب۔

((فباعوها من معاوية ابن ابی سفيان رضی اللہ عنہما وكانت تسمى دار القضاء قال ابن ابی فديك: فسمعت عمى يقول: ان كانت تسمى دار قضاء الدين، قال: وكان معاوية رضی اللہ عنہ اشتراها عند ولايته))[1]

⑤ محدثین اور سیرت نگار حضرات نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے واقعہ افک میں (غلطی کی بنا پر) حصہ لیا تو صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے انھیں خوب زدوکوب کیا۔ بعدہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی شکایت کی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تو صفوان کو یہ غلطی معاف کر دے تو حسان رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انھیں معاف کر دیا۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھجور کا عمدہ باغ اور ایک جاریہ (لونڈی) عنایت فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے مال کثیر کے عوض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسان رضی اللہ عنہ کی ضروریات پوری کرتے ہوئے ان کو ایک خطیر رقم دی تھی۔

((عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قالت عائشة رضی اللہ عنہا ثم باع حسان رضی اللہ عنہ ذالك الحائط من معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما فی ولايته بمال عظيم))[2]

⑥ مورخین نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے تحت یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قریش کا ایک دار الندوہ تھا۔ وہ قبیلہ قریش کے لیے ایک عزو شرف اور عدل کا مقام تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس دار الندوہ کو ایک کثیر رقم (ایک لاکھ درہم یا چالیس ہزار دینار) کے عوض میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت اور شوکت کی ایک چیز کو فروخت کر دیا! جواب میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سابقہ مکارم کی چیزیں اب رخصت ہو چکی ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد اب عزت اور شرف صرف تقویٰ اور پرہیز گاری میں ہے اور دین کے ذریعے سے شوکت قائم ہے۔

پھر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس زر کثیر کو للہ فی اللہ صرف کر دیا۔ حکیم موصوف ایک بہت بڑے متوکل بزرگ تھے۔

((وقد كان بيده حين اسلم الرفاده ودار الندوة فباعها بعد من معاوية رضی اللہ عنہ بمائة الف وفى رواية باربعين الف دينار فقال له ابن الزبير رضی اللہ عنہما بعت مكرمة

---

[1] وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۶۹۸ - ۶۹۹ الجزء الاول تحت فصل ۳۲ باب القضاء

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۴ ج ۹ باب فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا تحت حدیث افک
سیرۃ الحلبیہ ص ۳۲۲ ج ۲ تحت غزوہ بنی المصطلق تحت بحث افک

قریش فقال له حکیم (بن حزام رضی اللہ عنہ) ابن اخی ذهبت المکارم فلا کرم الا التقوی۔ یا ابن اخی! انی اشتریتها فی الجاهلیة بزق خمر ولاشترین بها دارا فی الجنة اشهدك انی قد جعلتها فی سبیل الله وهذه الدار کانت لقریش بمنزلة العدل))[1]

⑦ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت حویطب رضی اللہ عنہ ایک مشہور جلیل القدر صحابی ہیں جو عام الفتح میں اسلام سے مشرف ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آنجناب کے دفن میں شریک ہوئے تھے۔

حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک دار (حویلی) مکہ مکرمہ میں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خرید لی۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اس دار کی یہ قیمت بہت زیادہ ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حویطب کا کنبہ پانچ افراد پر مشتمل ہے اور ان کی ضروریات کے پیش نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔

((وکان حویطب ممن شهد دفن عثمان رضی اللہ عنہ واشتری منه معاویة رضی اللہ عنہ داره بمکة باربعین الف دینار فاستکثرها الناس۔ فقال وما هی فی رجل له خمسة من العیال۔ قال الشافعی رحمہ اللہ کان حویطب جید الاسلام))[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ فصل ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور دیگر حضرات کے تعلقات اور روابط و نفع رسانی کی چند ایک چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

❁ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نہایت قدر شناسی فرماتے اور ان کے احترام اور رفعت و منزلت کو ملحوظ رکھتے تھے، اور دیگر حضرات صحابہ کی بھی قدر دانی فرماتے تھے اور نفع رسانی کرتے تھے۔

❁ اور وہ روایات جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان حضرات کے حق میں بدسلوکی و بد معاملگی اور تنفر وغیرہ نقل کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ بے اصل ہیں۔ اور مذکورہ بالا واقعات اس مسئلے پر قرائن وشواہد کا درجہ رکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عمدہ سلوک کے روادار اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل تھے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۹ ج ۸ تحت ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۴۱ ج ۲ تحت ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۷۰ ج ۸ تحت تذکرہ حویطب بن عبدالعزیٰ العامری رضی اللہ عنہ۔

فصل یازدہم

آخری مراحل

اسلامی حکومت کی وسعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت موصوف کی مساعی جمیلہ سے اسلام کا غلبہ بیشتر ممالک پر ہو چکا تھا اور اشاعت اسلام کے لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوششیں بارآور ہو چکی تھیں اور مشہور مشہور ممالک اسلام کی حکومت کے تحت ہو چکے تھے۔

مورخین نے اس دور میں اسلامی حکومت کی حدود کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ بخارا سے لے کر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگیں تھے۔

اور بقول بعض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک یہ سب ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔[1]

((فانه كان فى ولايته من خراسان الى بلاد افريقية بالمغرب ومن قبرص الى اليمن))[2]

بیعت یزید کا مسئلہ

ظاہر بات ہے کہ اتنی عظیم سلطنت کے نظم و انتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین اور ولی عہد تجویز کرنے کی طرف توجہ کی اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے فرزند یزید کو اس منصب کے لیے مناسب سمجھا۔

مسئلہ ہذا قبل ازیں جواب المطاعن میں درج ہو چکا ہے اور وہ مطالعہ کے لائق اور عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔ تاہم اختصاراً تسلسل مضامین کے لحاظ سے یہاں یہ مسئلہ درج کیا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے ناظرین کرام جواب المطاعن میں ''مسئلہ استخلاف یزید'' کے عنوان کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اور مسئلہ ہذا کے

۱۔ دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ طبع دکن
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۹ طبع مصر

۲۔ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۶ ج ۳ طبع لاہور۔

متعلقہ حوالہ جات بقدر ضرورت وہاں ذکر کر دیے گئے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولی عہد کے انتخاب کے سلسلہ میں جو صورت اختیار فرمائی وہ اس دور کے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور کے فتنہ سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح تک اہل اسلام میں جو فکری انتشار اور نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا تھا اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے بصد مشکل قابو پایا اور لوگوں کو بڑی سیاسی تدابیر سے ایک نظم میں منسلک کیا۔

پھر آں موصوف نے اپنے عہد خلافت میں اسلام کی بہتری کی خاطر اور اہل اسلام کی خیر خواہی کے پیش نظر مسئلہ خلافت و امارت میں افتراق و انتشار نہیں واقع ہونے دیا اور جو اس سلسلے میں عوارض پیش آئے ان کو رفع کیا۔ اور انیس سال چند ماہ آپ کی بالاستقلال خلافت کا عہد ہے۔ اس تمام دور میں اسلام کی ترقی کے لیے ہر ملک اور ہر علاقے میں اسلام کے استحکام کی پوری کوششیں جاری رکھیں اور پرچم اسلام کو ہر مقام پر بلند کیا اور لوائے اسلام کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

نیز مسئلہ استخلاف پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہ تھی اور اس کوشش میں تھے کہ جو اسلام کا شیرازہ بڑی محنتوں سے پھر سے بندھا ہے وہ منتشر نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں وہ اس دور کے اہل الرائے سے استفادہ اور مشورہ بھی حاصل کرتے رہے۔ آخر کار ان کی یہ رائے ہوئی کہ اگرچہ ان کے فرزند یزید سے دیگر حضرات تقویٰ اور علم میں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں لیکن انتظام مملکت کے سلسلے میں اور قبائلی اتحاد کے پیش نظر یہی صورت بہتر ہے کہ یزید کو ولی عہد بنایا جائے۔ اگر اس کے ماسوا کوئی دیگر صورت اختیار کی جاتی تو قبائلی انتشار کا شدید خدشہ تھا، خصوصاً قریش کا عظیم قبیلہ (بنو امیہ) کسی دوسری صورت پر رضامند ہونے کو آمادہ نہ تھا۔

اس مسئلے کے متعلق صحیح طور پر واقعہ کو ترتیب میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم عام روایات پر نظر ڈالنے اور اپنی معلومات کی حد تک اس واقعہ کو مختصراً اس طرح ذکر کیا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جب یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے کی رائے پختہ ہو گئی تو بعض روایات کے اعتبار سے انھوں نے ۵۶ھ میں اپنے ماتحت ولاۃ اور حکام کو یزید کی ولی عہدی کے متعلق لکھا اور اپنے حکام کو مختلف قبائل اور علاقہ کے اکابر سے یزید کی امارت کے لیے بیعت لینے کا حکم صادر فرمایا۔

چنانچہ اس دور میں مدینہ طیبہ پر مروان بن حکم والی اور حاکم تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کے اکابرین کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو اس موقع پر بعض حضرات مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم نے اس مسئلے میں خلاف کیا اور مروان کی ان حضرات کے ساتھ گفتگو میں شدت پیدا ہو گئی اور خلاف

کرنے والے افراد نے اپنے اختلاف رائے کو برملا ظاہر کر دیا۔

اور بعض دیگر روایات کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور واپسی پر جب مدینہ طیبہ میں پہنچے تو اس وقت کے اکابر صحابہ کرام جناب عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جناب عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور حسین بن علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم کو طلب کیا اور ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا۔

ان حضرات کی رائے دوسری تھی انھوں نے اس مسئلہ میں اختلاف رائے کا اظہار کیا خصوصاً عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی کے سخت خلاف تھے جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نرمی کا رویہ اختیار فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو بیعت یزید کے لیے کہا تو مذکورہ بالا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ماسوا دوسرے لوگ اس چیز پر آمادہ ہو گئے اور بیعت کو تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس شام تشریف لائے۔ کچھ مدت کے بعد جناب عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور جناب عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیعت یزید منظور کر لی۔ لیکن سیدنا حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنی اختلافی رائے پر قائم رہے۔

اسلامی مملکت کے دیگر علاقوں سے اس مسئلہ میں کوئی قابل ذکر اختلاف رائے کا اظہار نہیں کیا گیا اور عام طور پر بیعت یزید قبول کر لی گئی۔

بعض شیعہ مورخین نے انتخاب کے مسئلے کا یہ واقعہ ۵۹ھ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عراق اور دیگر بلاد سے وفود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے اور اس موقع پر ولی عہدی کا فیصلہ یزید کے حق میں کیا گیا۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ضعیف العمر ہو گئے تو انھوں نے اپنے فرزند یزید کو جہاں دیگر وصایا فرمائے وہاں یہ وصیت بھی تاکیداً ذکر کی کہ میرے بعد تمھاری امارت کے سلسلے میں جناب حسین اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) کے ماسوا کسی سے اختلاف کی توقع نہیں۔ اگر اہل عراق حسین ابن علی المرتضٰی (رضی اللہ عنہ) کو تمھاری مخالفت پر آمادہ کر کے سامنے لائیں تو ان سے نہایت نرمی کا سلوک کرتے ہوئے درگزر کا معاملہ کرنا۔ جیسا کہ قبل ازیں ''رعایت کا معاملہ کرنے کی وصیت'' کے عنوان کے تحت فصل نہم میں اسے ذکر کیا گیا ہے اور حوالہ جات دے دیے ہیں۔

تنبیہ

استخلاف یزید کے متعلق مختلف النوع روایات پائی جاتی ہیں۔ بعض میں بیعت یزید کے لیے حضرت امیر

[1] مروج الذہب (مسعودی) ص ۳۶ ج ۳ تحت ذکر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ

دمعا رضی اللہ عنہ کی طرف سے ظلم اور زیادتی اور جبر واکراہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ بزور قوت طے کیا۔ اور اس مقام کی بعض روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تہدید قتل اور جواب میں مخاطب کی طرف سے لعن طعن کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس نوع کی روایات مجروح ہیں اور ان کی سند میں روایت کرنے والا کہتا ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلة...... الخ (یعنی ایک شخص نے مجھے یہ روایت نخلہ کے مقام پر بیان کی......الخ) یعنی اس روایت کو بیان کرنے والا ایک ''رجل'' ہے اور یہ ''رجل'' ایک مجہول الذات والصفات شخص ہے۔ معلوم نہیں یہ کون ہے اور کن نظریات کا حامل شخص ہے؟ نیز جب یہ واقعہ پیش آیا راوی اس زمانے کا شخص نہیں بلکہ بعد کے دور کا ہے۔ پھر کس شخص نے اس کو یہ واقعہ بتلایا؟ اس صورت میں روایت ہذا میں واضح طور پر انقطاع زمانی موجود ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ تاریخ میں تنقید کا معیار تب ہی کمزور رکھا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نہ ٹکرائیں اور بنا بر قبول ان کے اثرات عقائد کو نہ چھوتے ہوں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف اور اتباع شریعت کی روایات آپ سابقاً پڑھ آئے ہیں اب ان بے سروپا تاریخی مرویات کے سہارے ہم ان اصولی روایات کو کیسے چھوڑ دیں؟ اور ان غیر مستند اور غیر معتمد (مرسل ومنقطع) مرویات کو کیسے قبول کر لیں؟ جن کا تاریخی ملغوبات سے زیادہ کچھ وزن نہیں۔

بہرکیف اس نوع کی روایات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کو گرایا نہیں جاسکتا اور ان کی وجہ سے ان عظیم المرتبت شخصیات کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ بیعت یزید میں اگرچہ بعض حضرات نے اختلاف رائے کیا تھا لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم وغیرہم نے بیعت ہذا تسلیم کر لی تھی، اور سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے نظریاتی اختلاف پر قائم رہے۔ لیکن اس دور کے باقی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور دیگر لوگوں نے عموماً مسئلہ بیعت کو تسلیم کر لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کوئی تشدد اور ظلم وزیادتی نہیں کی بلکہ مسئلہ ہذا کو بہتر طریق سے انجام دیا۔ اس چیز کی تائید میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین شیعہ حضرات کا بیان پیش کرتے ہیں جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ

((ولم يكرههم على البيعة))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور نہیں کیا اور جبر واکراہ سے کام نہیں لیا۔''

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۲۹ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی، طبع بیروت۔

مکہ مکرمہ میں خطبہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ ہوگئے تھے اور اپنے جسمانی وطبعی تقاضوں میں بہت ضعف محسوس کرتے تھے اور یہ صحیح ہے کہ آپ میں کافی ضعف آ چکا تھا۔

ان ایام میں آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب ابواء کے مقام پر پہنچے تو وہاں بقول مورخین آپ پر مرض لقوہ کا حملہ ہوا۔ اسی حالت میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جب طبیعت کچھ سنبھلی تو لوگوں کو ملاقات کا موقع دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد وثنا اور درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! ابن آدم پر مصیبت وارد ہوتی ہے اور ابتلا آتا ہے تاکہ اسے (صبر کرنے پر) اجر ملے یا بعض اوقات کسی معصیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے طلب رضائے الٰہی کا موقع دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مالک کو رضامند کر سکے۔

میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں مجھ سے پہلے بھی اخیار لوگ مرض میں مبتلا ہوئے ہیں اور میں صالحین میں سے ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے قبل خطا کاروں کو معاف کر دیا گیا ہے اور میں معافی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے سے ناامید نہیں ہوں۔

((ثم اذن للناس فلما اخذوا مجالسهم حمد الله واثنى عليه وصلىٰ على محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال: ايها الناس ان ابن آدم يعرض بلاء اما مبتلا ليوجروا ما معاقب بذنب واما مستعتب ليعتب۔ فان ابتليت فقد ابتلى الصالحون قبلى وانى لارجوا ان اكون منهم...... الخ))[1]

شام میں خطبہ

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک شام واپس تشریف لائے اور حسب دستور سابق اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ پھر ایک بار بطور نصائح کے ایک خطبہ دیا (جس میں دنیا کی بے ثباتی اور خلافت و امارت پر تجزیہ پیش کیا)۔

عبادہ بن نسی کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ہماری مثل ایک کھیتی کی ہے جو بوئی گئی اور پھر مدت پوری ہونے پر اس کو کاٹ دیا گیا۔ میں تم پر ایک مدت تک

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۴۹۔ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲ ج ۴ طبع یروشلم، تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۲۴ درآخر صواعق المحرقہ، طبع مصر۔

والی اور حاکم رہا ہوں۔ مجھ سے قبل والے امراء اور خلفاء مجھ سے بہتر تھے اور میرے بعد مجھ سے بہتر آنے والے کی امید نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو میری ملاقات کو پسند فرما کر بہتر بنا دے۔

((عن عبادة بن نسیی قال خطب معاویة رضی اللہ عنہ الناس فقال انی من زرع قد استحصد وقد طالت امرتی علیکم ولا یاتیکم بعدی خیر منی کما ان من کان قبلی کان خیرا منی وقد قیل من احب لقاء الله احب الله لقاءہ۔ اللهم انی قد احببت لقاءك فاحب لقائی))[1]

نصف مال دینا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات میں جو حالات پیش آئے ان میں سے یہ چیز قابل ذکر ہے کہ آں موصوف نے آخری اوقات میں اپنے ذاتی اموال کے متعلق یہ وصیت فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف اسلامی بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ گویا کہ وہ از راہ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح آخری اوقات میں اپنا مال تقسیم کر دیا۔

((عن محمد بن الحکم عمن حدثه ان معاویة رضی اللہ عنہ لما احتضر اوصی بنصف ماله ان یرد الی بیت المال کانه اراد ان یطیب له۔ لان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قاسم عماله))[2]

موئے مبارک سے تبرک حاصل کرنا

دوسری چیز مورخین نے یہ ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا زمانہ جب قریب ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند تبرکات محفوظ ہیں ان میں سے ایک چیز موئے مبارک ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں صفا کے مقام پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک کٹوانے کا ارادہ فرمایا تو یہ خدمت میں نے سرانجام دی اور مشقص (بال کاٹنے کا آلہ) کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹے۔ ان میں سے چند بال میں نے حاصل کیے۔

---

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲ ج ۴ ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اب وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان کو میرے منہ اور ناک میں رکھ دیا جائے۔
چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ

((عن معاویة رضی اللہ عنہ قال قصرت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمشقص))[1]

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما احتضر معاویة رضی اللہ عنہ قال یا بنی انی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الصفا وانی دعوت بمشقص فاخذت من شعرہ وھو فی موضع کذا وکذا فاذا انامت فخذوا ذالك الشعر فاحشوا بہ فمی ومنخری))[2]

ناخن کے تراشے

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے تھے جو انھوں نے اپنے پاس محفوظ کیے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ان کے متعلق بھی وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو ناخن مبارک کے تراشوں اور بال مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ امید ہے ان کی برکت سے معافی ہو جائے گی۔

بلاذری نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وقلم اظفارہ فاخذت قلامتھا فاذا مت فالبسونی القمیص وخذوا القلامة فاجعلوھا فی عینی فعسی اللہ......))[3]

ابن عساکر نے تحریر کیا ہے کہ:

((قراضة من شعر واظفارہ فاستودع القراضة انفی واذنی وعینی......الخ))[4]

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ

((وقلم اظفارہ فاخذت القلامة فجعلتھا فی قارورة فاذا مت۔ واقطعوا تلك القلامة واستحقوھا واجعلوھا فی عینی فعسی))[5]

---

۱ بخاری شریف ص ۲۳۳ ج ۱ تحت باب الحلق والتقصیر، کتاب مناسک الحج۔

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۳ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۴ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۰ ج ۱۶، ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۵ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۰ ج ۱۶، ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اور امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں ذکر کیا ہے کہ:

((وکان عندہ قلامة اظفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیه وفمه وقال افعلوا ذالك بی وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین))[1]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے درج کیا ہے کہ:

((وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلم یوما اظفارہ واخذ من شعرہ فجمعت ذالك۔ فاذا مت فاحش به فمی وانفی۔ وخبات قلامة اظفارہ فی قارورة فاذا مت فاجعلوا المقمیص علی جلدی واستحقوا تلك القلامة واجعلوها فی عینی فعسی اللہ ان یرحمنی ببرکتها))[2]

"مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے تراشے اور موئے مبارک وقمیص مبارک میں نے محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان تبرکات کو میرے منہ، ناک، اور آنکھوں میں ڈالا جائے اور قمیص مبارک میرے بدن کے ساتھ لگائی جائے، پھر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ امید ہے اللہ کریم ان چیزوں کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔"

مسئلہ ہذا کو بے شمار اکابر نے اس مقام پر درج کیا ہے ہم نے بعض حوالہ جات کی عبارتیں اہل علم کی تسلی کے لیے ذکر کر دی ہیں اس کے ماسوا بعض معتمد علماء کے صرف حوالہ جات نقل کیے ہیں۔ جو صاحب تسلی کرنا چاہیں وہ مقامات ذیل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

① الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۳۸۰ ج ۳ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (مع الاصابہ)
② اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۷ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
③ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸، ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
④ مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۶۷ ج ۱ کتاب العلم الفصل الاول طبع ملتان۔
⑤ الناہیہ عن ذم معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ ص ۳۱ تحت فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ طبع ملتان۔
⑥ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۲ ج ۶ تحت سنہ ۶۰ ھ ذکر العلة التی کانت فیها وفاته

قمیص مبارک سے تبرک

کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری اوقات میں جو وصایا فرمائے تھے ان میں قمیص نبوی کے متعلق ایک تاکیدی وصیت بھی فرمائی تھی۔ اگرچہ ضمناً پہلے اس کا ذکر آ گیا ہے لیکن اب بالاصالت ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرانے کی سعادت حاصل کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے معاویہ! میں تجھے ایک قمیص نہ پہناؤں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ضرور مجھ پر عنایت فرمائیں۔ آنجناب نے اپنا قمیص مبارک اتار کر مجھے پہنا دیا۔ میں نے وہ قمیص مبارک کچھ دیر پہنا اور پھر اس کو میں نے اپنے پاس محفوظ رکھ لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس قمیص مبارک کو اس وقت کے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا اب اس قمیص مبارک کو میرے کفن کے اندر داخل کر دیا جائے اور یہ میرے جسم سے متصل ہونا چاہیے۔

بلاذری وابن عساکر رحمہم اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((میمون بن مهران عن ابيه ان معاويه رضي الله عنه قال: في مرضه الذي مات كنت اوضى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لي الا اكسوك قميصا قلت بلى بابي وامي۔ فنزع قميصا كان عليه فكسانيه...... الخ))[1]

اور امام نووی رحمہ اللہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

((ولما حضرته الوفاة اوصى ان يكفن في قميص كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كساه اياه وان يجعل ما يلي جسده...... الخ))[2]

آثار نبوی کا احترام، کساء (چادر) مبارک سے تبرک

سیرت وتراجم نگار علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذوق وشوق اور عقیدت مندی کا ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک مشہور شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ تھے جو اسلام لانے سے قبل اسلام کے خلاف اپنے شاعرانہ کلام میں سراسر ہجو گوئی کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے کعب

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

بن زہیر موصوف کو ہدایت بخشی تو وہ مشرف باسلام ہوئے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کمال شفقت فرماتے ہوئے وہ چادر مبارک جوزیب تن فرمائے ہوئے تھے انھیں عطا فرمائی۔

یہ چادر مبارک کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے دس ہزار درہم میں خریدنے کی کوشش فرمائی مگر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے یہ چادر مبارک فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے یہ چادر بیس ہزار درہم کے عوض میں حاصل کی۔

یہ وہی چادر مبارک تھی جس سے خلفائے بنو امیہ اور پھر بنو عباس تبرک حاصل کرتے رہے اور عیدین میں اس کو پہنتے تھے۔ اس چیز کو علی بن برہان الدین حلبی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف سیرۃ حلبیہ میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((القی علیه (کعب بن زهیر رضی الله عنه) صلی الله علیه واله وسلم بردة کانت علیه صلی الله علیه وسلم وقد اشتراها معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما من آل کعب بمال کثیر ای بعد ان دفع لکعب رضی الله عنه فیها عشرة الاف۔ فقال ما کنت لا اوثر بثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم احدا فلما مات کعب رضی الله عنه اخذها من ورثته بعشرین الفا وتوارثها خلفاء بنی امیة ثم خلفاء بنی العباس))[1]

اور اصابہ واسد الغابہ میں ہے کہ:

((فکساه النبی صلی الله علیه وسلم بردة له فاشتراها معاویة (بن ابی سفیان رضی الله عنهما) من ولده فهی التی یلبسها الخلفاء فی الاعیاد...... الخ))[2]

ایک دیگر واقعہ

ماقبل کے صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آثار نبوی کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں۔ اب اس کے بعد اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت نبوی اور عقیدت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جو کبار علماء اور مورخین نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت کے احترام و اکرام کے جذبات کا مظاہرہ اور ان کی ایمانی کیفیات کا مشاہدہ پایا جاتا ہے۔

۱۔ سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۲ ج ۳ تحت باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود التی وفدت علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) مع الاستیعاب ص ۲۷۹ ج ۳ تحت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۱ ج ۴ تحت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے علاقہ میں ایک شخص کابس بن ربیعہ سامی بصری رہتے تھے ان کی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گونہ صورتاً مشابہت پائی جاتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب کابس بن ربیعہ مذکور کے متعلق علم ہوا تو انھوں نے والی اور حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ کابس بن ربیعہ کو احترام کے ساتھ میری طرف روانہ کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور وفد روانہ کیا۔

جب کابس بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو آں موصوف کو کابس کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرط عقیدت میں اپنی مسند سے اتر پڑے اور پاپیادہ چل کر کابس بن ربیعہ کا استقبال کیا اور ان سے ملاقات کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شوق اور تکریم کی بنا پر کابس بن ربیعہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور پیشانی کی تقبیل کی (یعنی پیشانی چومی)۔

بعدہٗ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے مرو کے علاقے میں ایک قطعہ اراضی متقلاً متعین کر دیا جس کو مرغاب کہتے تھے تاکہ آپ سہولت اور خوشحالی سے اپنا وقت بسر کر سکیں۔ یہ صرف آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کے احترام کے پیش نظر کیا اور ان کی قدر شناسی کی سعادت حاصل کی۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب جناب کابس کو دیکھتے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہونے کے سبب سے گریہ فرماتے تھے۔

((وکان بلغ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان بالبصرة رجلا یشبه برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فکتب الی عامله علیها وهو عبدالله بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ ان یوفده الیه فاوفد کابسا (کابس بن ربیعة) فلما دخل الی معاویه رضی اللہ عنہ نزل عن سریره ومشی الیه حتی قبل بین عینیه واقطعه المرغاب))[1]

اسی چیز کو قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے الشفاء میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وبلغ معاویة رضی اللہ عنہ ان کابس بن ربیعة (بن مالك بن لؤی السامی البصری) یشبه برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (بنوع من الشبه) فلما دخل علیه من باب الدار قام عن سریره وتلقاه وقبل بین عینیه (تکریما لمشابهته لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وکان انس بن مالك رضی اللہ عنہ اذا راٰه بکی لتذکرة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم) و اقطعه المرغاب

---

[1] کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۴۶-۴۷ تحت المشبهون بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۴۹۲-۴۹۳ ج ۱۴ تحت الکاف (کابس بن ربیعہ السامی)

(اسم ارض بمرو) لشبهه صورة رسول الله ﷺ))[1]

نیز تراجم نویس علماء نے ذکر کیا ہے کہ ہاشمی حضرات میں سے جناب قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی ظاہری شکل وصورت سردار دو جہاں ﷺ کے ساتھ ایک گونہ مشابہ تھی (اور یہ چیز قبل ازیں فتوحات خراسان وترکستان کے تحت تنبیہ کے ذیل میں ذکر ہو چکی ہے)

((كان (قثم بن عباس رضی اللہ عنہما) يشبه بالنبي ﷺ))[2]

مختصر یہ ہے کہ آثار نبوی کے ساتھ تبرک واستفادہ کی چند ایک چیزیں گزشتہ صفحات میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ یہاں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی کیفیت اور عقیدت مندی واضح ہے۔ اور یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کا احترام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور آنجناب کی شریعت کی پابندی کرنا ان کا مقصد حیات تھا۔ یہی چیز ارادت مندی کا صحیح تقاضا اور عقیدت کا ثبوت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آں موصوف ارشادات نبوی اور شرعی قواعد کا ہرگز خلاف نہیں کرتے تھے ان کے یہ آخری اعمال اس بات کے شاہد ہیں۔

بعض دیگر وصایا

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی اسلام کی ترقی اور اس کے احیا و بقا کے لیے وقف رہی اور آں موصوف زندگی کے آخری مراحل تک اسلام کی اشاعت اور بقا کے لیے مساعی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ آخری وصایا میں بھی اس بات کی تلقین فرمائی کہ رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھا جائے اور ان پر کنٹرول مضبوط کیا جائے تاکہ ان کے ذریعے سے باقی اقوام کو بدنظمی سے بچا کر ایک ضبط میں رکھا جا سکے۔

((كان آخر ما اوصاهم به معاوية رضی اللہ عنہ ان شدوا خناق الروم فانكم تضبطون بذالك غيرهم من الامم))[3]

وجہ یہ ہے کہ روم اس دور کی بڑی اہم قوت تھے اور وسیع علاقہ جات پر ان کے اثرات تھے ان کو اسلام کے زیر نگین کرنے سے ہی اسلامی سرحدوں کی مکمل حفاظت ہو سکتی تھی۔ دور اندیشی کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفا (شہاب الدین خفاجی) ص ۶۳ ۴ ج ۳ فصل من توقیرہ ﷺ...... الخ
جمع الجوامع (سیوطی) ج ۱۴ ص ۹۱ تحت مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، طبع بیروت

[2] الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۱۸ ج ۳ تحت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۶۴ ج ۳ تحت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۲۰ ج ا تحت سنہ ۶۰ ھ

نے حفاظتی تدابیر کو ملحوظ رکھا اور رومیوں کو نظم و ضبط میں رکھنے کی وصیت فرمائی۔ یہ ان کی کمال فراست اور عاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

تقویٰ کی تلقین

آخری ایام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ علیل ہوگئی اور بیماری کا غلبہ ہو گیا اور علاج معالجہ کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہو سکا۔ اس دوران میں بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت پر شدت مرض کی وجہ سے اغماء ہوا۔ پھر جب کچھ صحو ہوا اور حالت سنبھلی اور آپ ہوش میں آئے تو فرمایا:

((فقال لمن حضره من اهله اتقوا الله فان الله يقى من اتقاه ولا يقى لمن لا يتقى الله ثم قضى۔ رحمه الله))[1]

اور البدایہ میں ہے کہ

((اغمى عليه ثم افاق فقال لاهله اتقوا الله فان الله تعالىٰ يقى من اتقاه ولا يقى من لا يتقى۔ ثم مات۔ رحمه الله))[2]

''یعنی اپنے حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرو۔ جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کو مہالک سے بچا لیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتا اس کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اللہ کریم ان پر رحم فرمائیں۔''

وفات، جنازہ اور دفن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں وصایا اور ہدایات فرمائیں۔ پھر طبیعت نہایت مضمحل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وقت مقرر تھا وہ آ پہنچا اور آپ انتقال فرما کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بقول بعض مورخین آپ کا فرزند یزید بن معاویہ اس موقع پر موجود نہیں تھا اور حوارین کے مقام پر گیا ہوا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا۔ ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باعتماد افراد میں سے تھے۔ وہ انتقال کے بعد کفن ہاتھ میں لیے ہوئے ان کے مکان سے باہر آئے اور لوگوں کو حمد و ثنا کے بعد کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا ہے آپ تمام

---

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۲۹ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

عرب کے لیے سور البلد (شہر پناہ) کی طرح جائے پناہ اور معاون و مددگار تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے خانہ جنگی کو ختم فرمایا اور بے شمار ممالک ان کی سربراہی میں مفتوح ہو کر مملکت اسلامی میں شامل ہوئے اب ہم ان کو اس کفن میں داخل کریں گے۔

ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد کے ذریعے سے یزید کی طرف حوارین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی اطلاع ارسال کی اور اسے جلد واپس پہنچنے کے لیے لکھا۔ پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اور حسب وصیت وہ تبرکات جو آں موصوف نے محفوظ کیے ہوئے تھے کفن میں شامل کیے گئے۔ (جیسا کہ قبل ازیں وصایا میں ذکر کیا گیا ہے)۔

((وقد ورد من غير وجه انه اوصى اليه ان يكفن فى ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى كساه اياه۔ وكان مدخرا عنده لهذا اليوم وان يجعل ما عنده من شعره وقلامه اظفاره فى فمه وانفه وعينيه واذنيه))[1]

جب تجہیز و تکفین کے مراحل طے ہو چکے تو نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ضحاک بن قیس فہری مذکور رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ مسجد جامع دمشق میں پڑھائی اور بعدہ بقول بعض مورخین انھیں دارالامارۃ دمشق (جسے خضراء کہتے ہیں) میں دفن کیا گیا۔

بقول امام ذہبی رحمہ اللہ باب الجابیہ اور باب الصغیر (دمشق) کے درمیان دفن ہوئے۔

اور جمہور اہل تاریخ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جسد کو باب الصغیر کے نزدیک جو مقابر تھے ان میں سپرد خاک کیا گیا۔ (اللہ اعلم) يغفر الله له و يرحمه۔

((قال لما مات معاوية رضی اللہ عنہ صعد الضحاك بن قيس المنبر فخطب الناس۔ واكفان معاوية رضی اللہ عنہ على يديه فقال بعد حمد الله والثنا عليه: ان معاوية الذى كان سور العرب وعونهم وجدهم۔ قطع الله به الفتنة وملكه على العباد وفتح به البلاد الا انه قد مات وهذه اكفانه۔ وبعث البريد الى يزيد بن معاوية يعلمه ويستحثه على المجئ۔ كان ابنه يزيد غائبا فصلى عليه الضحاك بن قيس رضی اللہ عنہ بعد صلوة الظهر بمسجد دمشق۔ ثم دفن فقيل بدارالامارة وهى الخضراء وقيل بمقابر باب الصغير وعليه الجمهور فالله اعلم))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ طبری ص ۱۸۲ ج ۶ تحت ذکر الخبر عن من صلی علی معاویہ رضی اللہ عنہ
مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۸۷ ج ۲۵ طبع دمشق

((ودفن بين باب الجابية و باب الصغير فيما بلغني))[1]

یہی مضمون ابن عساکر میں ص ۷۵۷ ج ۱۶ (مخطوطہ عکسی) اور صفحہ ۱۹۶ ج ۲ طبع اول دمشق میں ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے تحت مذکور ہے۔ تسلی کے لیے ناظرین کرام رجوع فرمائیں۔

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وصلى عليه الضحاك بن قيس الفهرى رضی اللہ عنہ لغيبة يزيد فى ذالك الوقت و دفن بدمشق))[2]

یزید کی واپسی

یزید کو حوارین کے مقام پر اپنے والد کے انتقال کی اطلاع ملی تو وہ واپس دمشق پہنچا۔ پہلے باب الصغیر کے مقابر کی طرف گیا اور والد کے مزار پر جنازہ پڑھا اور دعائے مغفرت کی اور پھر اس کے بعد اپنی منزل کی طرف آیا۔

((ثقل معاوية رضی اللہ عنہ و يزيد بحوارين فاتاه الرسول بخبره فجاء وقد دفن معاوية رضی اللہ عنہ فلم يدخل منزله حتى اتى قبره فترحم عليه ودعا له۔ ثم انصرف الى منزله))[3]

تنبیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزار اور دفن کے متعلق گزشتہ سطور میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ قدیم دور کے مولفین کی تصریحات کے مطابق ہے۔ مرور زمانہ کے بعد بے شمار تبدیلیاں اور تصرفات ہوئے اور لاتعداد حکومتیں تبدیل ہوئیں اب اس دور میں آں موصوف کے مزار کی جو کیفیت ہے وہ موجودہ دور کے ایک مشہور فاضل اور معتمد عالم دین (مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کراچی) نے اپنے رسالہ ''البلاغ'' میں یہ عبارت ذیل ذکر کی ہے:

''معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت (دمشق) نے عام زیارت کے لیے بند کر رکھا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بعض روافض یہاں آ کر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے تھے۔ لہذا محکمہ

---

1. تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۴ ج ۲
2. تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی علیہ السلام
3. کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اوقات (دمشق) نے یہ پابندی لگا دی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔

...... یہ ایک پرانے طرز کا (بوسیدہ) مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گزر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بتائی جاتی ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔''[1]

حوالہ ہذا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ شیعہ احباب کو جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے ساتھ قلبی عداوت ہے اسی طرح آں موصوف کی قبر کے ساتھ بھی کامل عناد ہے۔ ان کو موقع ملے تو قبر کے ساتھ بھی دشمنی پوری کرنے سے نہیں چوکتے حالانکہ اسلام میں قبر کا بھی احترام ہے۔

تاریخ وفات و عمر و مدت خلافت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، ان کی عمر اور مدت خلافت کے متعلق علمائے فن کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔

اس بنا پر ان ہر سہ امور کے متعلق ذیل میں چند مشہور اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

((توفی معاویة رضی اللہ عنہ فی رجب لاربع لیال خلت منه سنة ستین))[2]

((وفی سنة ستین توفی امیرالمؤمنین معاویة رضی اللہ عنہ فی رجب لاربع لیال خلت منه))[3]

ابن حبان رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

((مات یوم الخمیس النصف من رجب سنة ستین (۶۰ھ) وھو ابن ثمانین سنة فکانت ولایته تسع عشر سنة وثلاثة اشهر واثنین وعشرین لیلة))[4]

اور بلاذری نے لکھا ہے کہ

((توفی معاویة رضی اللہ عنہ للنصف من رجب سنة ستین وله اثنتان وثمانون سنة))[5]

---

[1] ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ص ۲۰-۲۱ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء تحت مضمون بعنوان ''احد سے قاسیون تک'' از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

[2] کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۲۴ ج ۳ تحت سنہ ۶۰ھ

تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۱۰ ج ۱ تحت ذکر ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ

[4] کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۳۷۳ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[5] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۲ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (طبع یروشلم)

اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((مات لیلة الخمیس للنصف من رجب سنة ستین وھو یومئذ ابن ثمان وسبعین سنة))[1]

اور تاریخ خلیفہ ابن خیاط میں امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق ایک قول اس طرح مذکور ہے کہ

((وفیھا مات معاویہ رضی اللہ عنہ بدمشق یوم الخمیس لثمان بقین من رجب۔ مات معاویة رضی اللہ عنہ وھو ابن اثنتین وثمانین سنة ویقال ثمانین ویقال ست وثمانین وکانت ولایة تسع عشر سنة وثلاثة اشھر وعشرین یوما))[2]

((ومات یوم الخمیس لثمان بقین من رجب سنة ستین قال خلیفة وعمر بن علی وقال عمرو وھو ابن ثمان وسبعین سنة۔ واجتمع الناس علیه الی ان مات تسع عشرة سنة واربعة اشھر))[3]

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وکانت ولایته تسع عشرة سنة وثمانیة اشھر))[4]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں جو متعدد اقوال اس مسئلے میں پائے جاتے ہیں جمع کر دیے ہیں۔

((لا خلاف انه توفی بدمشق فی رجب سنة ستین۔ فقال جماعة لیلة الخمیس للنصف من رجب سنة ستین۔ وقیل لیلة الخمیس لثمان بقین من رجب سنة ستین۔ قاله ابن اسحاق وغیر واحد۔ وقیل لاربع خلت من رجب قاله اللیث))[5]

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، عمر اور مدت خلافت کے بارے میں جو اقوال سطور بالا میں درج کیے گئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ:

❁ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات بعض کے نزدیک ۴ رجب ۶۰ھ ہے اور بعض کے نزدیک یوم الخمیس

---

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۷ قسم ثانی تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۵-۲۱۶ ج ۱ تحت سنہ ۵۹ھ

۳ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۶۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۴ تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۸ ج ۲ تحت وفاة الحسن بن علی علیہ السلام

۵ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ ص ۱۱۶ ج ۸ تحت سنہ ۶۰ھ

۱۵ رجب ۶۰ ھ ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ آپ ۲۲ رجب ۶۰ ھ میں فوت ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند میں شیعہ حلقوں میں یہ ۲۲ رجب ہی زیادہ مشہور ہے۔

❁ اور انتقال کے وقت آپ کی عمر بعض کے نزدیک ۷۸ سال اور بعض کے نزدیک ۸۰ یا ۸۲ سال اور ایک قول کے مطابق ۸۶ سال کی تھی۔

❁ اور آں موصوف کا عہد خلافت و ولایت بقول مورخین ۱۹ برس اور تین ماہ یا چار ماہ پر محیط تھا اور یعقوبی شیعی کے قول کے مطابق آپ کی خلافت و ولایت ۱۹ سال ۸ ماہ تھی۔

ازواج و اولاد

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ازواج اور اولاد کے متعلق مورخین نے مندرجہ ذیل تصریحات ذکر کی ہیں:

① پہلی زوجہ میسون بنت بحدل بن انیف کلبیہ تھی۔ اس سے یزید بن معاویہ اور ایک لڑکی امہ رب المشارق (جو بچپن میں ہی فوت ہوگئی تھی) پیدا ہوئے۔

② فاختہ بنت قرظہ بن عمرو سے عبدالرحمٰن اور عبداللہ پیدا ہوئے اور ایک بیٹی ہند بنت معاویہ تولد ہوئی جس کا نکاح عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

③ ایک زوجہ نائلہ بنت عمارہ کلبیہ تھی۔ اس زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور مطلقہ کر دی گئی۔

④ کنود، کتوہ، کنوہ (علیٰ اختلاف الاقوال) بنت قرظہ بن عمرو یہ فاختہ بنت قرظہ کی بہن ہے اور فاختہ کے الگ ہونے کے بعد اس کو نکاح میں لیا۔ اس زوجہ سے رملہ بنت معاویہ پیدا ہوئی جس کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

((فولد معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما يزيد وامه ميسون بنت بحدل بن انيف۔ وعبدالله بن معاوية و هند بنت معاوية تزوجها عبدالله بن عامر بن كريز رضی اللہ عنہ امهما فاختة بنت قرظة بن عبدعمرو بن نوفل بن عبدمناف۔ ورملة بنت معاوية تزوجها عمرو بن عثمان بن عفان مولات خالدا وعثمان امها كنود بنت قرظة اخت فاختة بنت قرظة))[1]

اور طبری نے لکھا ہے کہ

((ومنهن فاخته ابنة قرظه بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف ولدت له عبدالرحمن و عبدالله ابنی معاوية))[2]

---

[1] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۸ تحت ولد معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۳ ج ۶ تحت تذکر نساءہ وولدہ سنہ ۶۰ ھ طبع قدیم

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۴ - ۱۴۵ ج ۸ تحت ذکر من تزوج من النساء ومن ولدلہ ...... الخ

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وخلف من الذکور اربعة یزید وعبدالله ومحمدا وعبدالرحمن))[1]

یعنی آں موصوف کی اولاد نرینہ چہار فرزند تھے: یزید، عبداللہ، محمد، عبدالرحمٰن۔

اختتامی گزارش

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد (چہارم) کے قریباً گیارہ عدد فصول تمام ہوئے۔ ان میں آں موصوف کی ''ملّی خدمات'' مختلف عنوانات کے تحت گزشتہ فصول کی شکل میں پیش کی گئی ہیں، جن سے آنجناب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا تفوق، غلبہ اسلام کا ظہور، اعدائے دین کی مغلوبیت، نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے اور ان کے اعلیٰ کردار اور بہترین نظم ونسق کی وجہ سے رعایا میں آپ کی مقبولیت واضح طور پر پائی جاتی ہے۔

- اور ثابت ہوتا ہے کہ آنجناب اپنے مقام پر اخلاق و دیانت میں کامل تھے۔
- اور بلند پایہ اخلاص کے حامل تھے۔
- ملت وقوم کے بہترین خیر خواہ تھے۔
- ایک بالغ نظر مدبر اور صاحب فکر ونظر خلیفہ تھے۔
- اور اسلام کے عظیم المرتبت فاتح تھے۔
- اسلام کے خلاف عراقی فتنوں اور شام کے یہود ونصاریٰ کی سازشوں کا قلع قمع کرنے والے مرد مجاہد تھے۔

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی علیہ السلام، طبع بیروت

فصل دواز دہم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابرین امت کی نظروں میں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (یعنی دور چہارم) کی یہ آخری دواز دہم فصل ہے۔ اس میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو اکابرین امت کے بیانات، مشائخ عظام کے فرمودات اور علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ آں موصوف کے متعلق امت کے اکابر کیا رائے رکھتے ہیں؟ اور مشاہیر حضرات کے کیا نظریات ہیں؟

یہ تمام قوم کے تاثرات کا بیان تو نہیں البتہ بعض حضرات کی آراء کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے امید ہے کہ قارئین کرام کے لیے یہ بیانات موجب اطمینان ہوں گے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوءظن سے اجتناب کرنے اور حسن ظن رکھنے کے لیے مفید ہوں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات

رابع خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد فرمودات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذیل میں پیش خدمت ہیں:

① جن ایام میں ''جمل و صفین'' کے واقعات پیش آ چکے تھے، اس کے بعد بعض لوگ اہل جمل و صفین کے حق میں غلو کرنے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے جواب میں فرمایا:

((لا تقولا الا خیرا...... الخ))[1]

''یعنی ان لوگوں (اہل جمل و صفین) کے حق میں کلمہ خیر کے بغیر کچھ نہ کہو۔''

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وقتی طور پر ان کے اور ہمارے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا اور حالات برگشتہ ہو گئے تھے لیکن اب تم انھیں برائی سے یاد نہ کرو۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۲۹ ج ۱، طبع دمشق (طبع ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۱ء)
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۳۵ طبع مصر۔

(۴) اس سلسلے میں جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دیگر فرمان پیش کیا جاتا ہے جو آنجناب سے ناقلین حضرات نے اس طرح نقل کیا ہے کہ صفین سے واپسی کے موقع پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بعض ایسی چیزیں بیان فرمائیں جو اس سے قبل آپ ذکر نہیں فرمایا کرتے تھے ان میں یہ چیز بھی تھی جس کو بڑے اہتمام سے بیان فرمایا:

((فتكلم باشياء كان لا يتكلم بها۔ وحدث باحاديث كان لا يتحدّث بها۔ فقال فيما يقول: ايها الناس! لا تكرهوا امارة معاوية ، والله! (لوقد فقدتموه) لقد رأيتم الرءوس تندر من كواهلها كالحنظل))[1]

''یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ امارت وحکومت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کومکروہ مت جانو کیونکہ اگر یہ امارت ختم ہو جائے گی اور نہ رہے گی تو تم دیکھو گے کہ تمھارے سروں کوتمھارے دوش سے حنظل (اندرائن) کی طرح زائل کر دیا جائے گا۔''

مقصد یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا عہد نہ رہا تو اس کے بعد حالات دگرگوں ہو جائیں گے اور شدید تر واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (اس لیے آنے والے ایام سے ان کا دور ہی بہتر ہے)۔

گزشتہ نوع کے فرامین کو بہت سے محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے حوالہ حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں اگرچہ وقتی طور پر سیاسی اختلافات رونما ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی، تاہم آں موصوف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور ان کی امارت کے متعلق ہدایت فرماتے تھے کہ اس کو مکروہ نہیں جاننا چاہیے یہ مذمت کے قابل نہیں۔

اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آیندہ دور امارت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت تھی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تسلیم نہ کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ہمچوں قسم کا فرمان منقول ہے کہ جب باہمی صلح کے بعد آں موصوف کوفہ سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بعض لوگوں نے بطور طعن و اعتراض کہا: یا مذل المومنين

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۳-۲۹۴ ج۱۵ کتاب الجمل تحت باب ماذکر فی صفین ، طبع کراچی
کتاب السنہ (امام احمد) ص۱۹۴ طبع مکہ مکرمہ
انساب الاشراف (بلاذری) ص۴۰ ج۴ طبع یروشلم، قسم اول
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص۲۰۷ ج۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص۲۸۸ ج۶ تحت اخبارہ علیہ السلام......الخ
کنز العمال (علی متقی الہندی) ص۸۷-۸۸ ج۶ تحت الصفین طبع اول
تاریخ الاسلام (ذہبی) ص۳۲۰ ج۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

(اے مومنوں کو ذلت میں ڈالنے والے!) تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کہو! کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایام ولیالی (دن رات) نہیں گزریں گے یہاں تک کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) حکمران ہوں گے۔

((یقول (صلی اللہ علیہ وسلم) لا تذهب الایام واللیالی حتی یملك معاویة))[1]

مقصد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر وحکمران ہونا ان حضرات کے نزدیک برا نہیں تھا، بلکہ بطور اعتراف حقیقت یہ امارت وحکومت درست ہے اور قابل اعتراض نہیں۔

تنبیہ

نیز اکابر بنی ہاشم حضرات کے ساتھ ربط وتعلق کی چیزیں ہم نے قبل ازیں فصل (۹) کی شکل میں ذکر کر دی ہیں ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ جو ان حضرات کے ہاں ہے وہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیانات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکابر بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے خاص حامیوں میں سے تھے اور مدت العمر ان حضرات کے معاون ومددگار رہے۔ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ اور فضیلت کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

① رکعات وتر کے مسئلے پر جب بحث ہوئی ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ ((اصاب انه فقیه))[2]

② اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر اس طرح فرمایا:

((اصاب ای بنی لیس احد منا اعلم من معاویة))[3]

"یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں بہت درست ارشاد فرمایا ہے کیونکہ وہ فقیہ ہیں (اور مجتہد ہیں)۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ مسئلہ انھوں نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ اے عزیزو! آج کے دور میں ہم سے

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۱ ج ۸ طبع اول مصر، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ طبع مصر

بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب الذکر تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع دہلی

مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲-۱۱۳ ج ۱ الفصل الثالث باب الوتر، طبع دہلی

[3] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر، طبع حیدر آباد دکن

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۶۷ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اس مسئلے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم کوئی دوسرا نہیں۔

اور اس مقام پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

((فهذه شهادة الصحابة بفقهه و دينه و الشاهد بالفقه ابن عباس رضی اللہ عنہما))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دینداری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ شہادت پائی گئی ہے ان کے فقیہ ہونے پر ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے ثقہ آدمی شاہد ہیں۔''

یہ معمولی درجہ کی شہادت نہیں بلکہ ''حبر الامت'' جن کا لقب ہے ان کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد ہونے کی گواہی ہے۔

③ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ نے آپ سے ذکر کیا کہ قصر شعر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنے) کی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماسوا کسی دیگر صحابی سے منقول نہیں تو جواب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی صداقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((ما كان معاويه على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم متهما))[2]

''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اتہام لگانے والے نہیں (ان کی یہ بیان کردہ روایت صحیح ہے)۔''

④ نیز اکابر علماء نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ملکی نظم و نسق کے متعلق فرماتے تھے کہ

((ما رأيت احدا كان اخلق للملك من معاوية))[3]

''یعنی ملکی نظم و نسق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں فرمانروا میں نے نہیں دیکھا۔''

⑤ اور ایک دیگر روایت میں ہے کہ

((ما رأيت احدا كان احق بالملك من معاوية))[4]

---

1. المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ طبع مصر
النا ہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۵ تحت فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ، طبع ملتان

2. مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ
منحۃ المعبود فی ترتیب مسند طیالسی ص ۲۱۹ ج ۱ تحت باب فسخ الحج الی العمرۃ۔

3. تاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۴ باب تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۳۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

4. انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
غریب الحدیث (ابن قتیبہ) ص ۳۵۳ ج ۲ تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ

''یعنی حکمرانی کے زیادہ لائق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخصیت (اس دور میں) میں نے نہیں دیکھی۔''

⑥ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس وقت ان کے حق میں آں موصوف نے اظہار افسوس کرتے ہوئے ان کا مقام بیان فرمایا اور تاثرات ظاہر کیے کہ

((اما واللہ ما کان مثل من قبلہ و لا یاتی بعدہ مثلہ))[1]

''یعنی اللہ کی قسم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ماقبل خلفاء کی مثل نہیں تھے لیکن ان کے بعد ان کی مثل نہیں آئے گا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ مختصراً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس دور کے مشاہیر ہاشمی بزرگوں میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فرمودات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیادت اور حکمرانی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

((ما رأیت احدا بعد رسول اللہ ﷺ اسود من معاویة))[2]

''یعنی نبی کریم ﷺ کے بعد میں نے کسی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حکمران نہیں دیکھا۔''

کسی نے ان سے کہا کہ سابق خلفاء سے بھی یہ بہترین حکمرانی کرنے والے تھے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ سابق خلفاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خیر اور بہتر تھے لیکن حکمرانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فائق اور بہترین فرماں روا تھے۔

مطلب یہ ہے کہ نیکی، تقویٰ اور زہد وغیرہ اپنی جگہ پر کامل صفات ہیں لیکن اسلام میں حکمرانی اور فرمانروائی کے اصول وضوابط الگ صفات خیر ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فطرت سلیمہ میں قدرت کی طرف سے ودیعت کیے گئے تھے۔ اس چیز کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرما رہے ہیں۔

قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ

اسی طرح قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

((ما رأیت رجلا اثقل حلما و لا ابطا جھلا و لا ابعد اناة منہ))[3]

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳-۴ ج ۴ تحت امر یزید بن معاویہ
الامامہ والسیاسہ (ابن قتیبہ) ص ۲۱۳ تحت وفات معاویہ

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۳۰ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول مصر
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول مصر

''یعنی بڑا حوصلہ مند، جہالت سے بہت دور، بڑا باوقار، بہت بردبار شخص (اس دور میں) معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ میں نے نہیں دیکھا۔''

گویا صحابہ کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصی عظمت کو ان مختصر الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انصاف اور عوام کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق فرماتے ہیں کہ

((ما رأيت بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب))[1]

''یعنی میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حق کو پورا کرنے والا اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور حسن نماز کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

((قال ما رأيت احدا اشبه صلوة برسول الله ﷺ من امامكم هذا يعنى معاوية رضي الله عنه))[2]

''مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ میں نے اس دور میں تمھارے اس امام (معاویہ) سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔''

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں اور صاحب زہد و تقویٰ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علاقہ حمص کے والی اور حاکم تھے۔ وقتی تقاضوں کے تحت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا تو اس وقت لوگ کہنے لگے کہ عمیر (رضی اللہ عنہ) کو معزول کر کے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو (جو نو عمر ہیں) والی بنا دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۲ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علیٰ معاویہ رضی اللہ عنہ ...... الخ، طبع مصر

((لا تذكروا معاوية الا بخير فانی سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم اهده))[۱]

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر وخوبی کے بغیر مت کرو، میں نے جناب نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ان کے حق میں دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ انھیں ہدایت عطا فرما۔"

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہدایت کی جاتی ہے کہ آں موصوف کو خیر سے ہی یاد کرو، طعن واعتراض ان پر مت کرو اور جناب نبی کریم ﷺ کی طرف سے جو دعائیں ان کے حق میں پائی جاتی ہیں ان کو ملحوظ رکھو۔

تابعین وغیرہم رحمہم اللہ کی نظروں میں

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نہایت ثقہ تابعی اور معتمد بزرگ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کے متعلق ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ

((من مات محبا لابی بکر وعمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم وشهد للعشرة بالجنة و يرحم على معاوية رضی اللہ عنہ كان حقا على الله ان لا يناقشه الحساب))[۲]

"یعنی سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دے اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں رحمہ اللہ کہے، امید ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص سے حساب کتاب کا مناقشہ نہیں فرمائے گا اور محاسبہ سے درگزر فرمائے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ اکابر تابعین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عقیدت مندی اور حسن ظن رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں اور اس چیز کو یوم آخرت میں مواخذہ ومحاسبہ سے نجات کا باعث قرار دیتے ہیں۔

---

۱ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع دکن
جامع ترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۵ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

کعب احبار رحمۃ اللہ

((قال کعب لن یملك احد من هذه الامة ما ملك معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

"یعنی جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمرانی کی ہے اس درجہ میں اس امت میں سے کسی نے حکمرانی نہیں کی ہوگی۔ یعنی سلیقہ حکمرانی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔"

ابومجلز رحمۃ اللہ کا بیان

ابومجلز رحمۃ اللہ ایک مشہور ثقہ تابعی ہیں۔ ان کا نام لاحق بن حمید بن سعید سدوسی بصری ہے۔ آپ نے اکابر صحابہ کرام ابوموسیٰ اشعری، حضرت حسن بن علی، معاویہ بن ابی سفیان، عمران بن حصین اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایات لی ہیں اور قتادہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ جیسے مشہور تابعین آپ سے روایات کے راوی ہیں اور آپ کو تابعین کے طبقہ ثالثہ (وسطیٰ) میں شمار کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ عمران بن حدیر نے ابومجلز موصوف رحمۃ اللہ سے "بیع مصحف" کا مسئلہ دریافت کیا (کہ مصحف یعنی قرآن مجید کی کتابت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟) آں موصوف نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیع مصحف ہوئی ہے (فلہٰذا یہ کام جائز ہے)۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں مصحف کی کتابت کروں؟ ابومجلز رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تو اپنے ہاتھ کو حسب منشاء (جائز) کام میں استعمال کر سکتا ہے۔

((عن عمران بن حدیر قال: سالت ابا مجلز عن بیع المصاحف قال: انما بیعت فی زمن معاویة رضی اللہ عنہ قلت فاکتبها؟ قال استعمل یدك بما شئت))[2]

یہاں سے واضح ہوا کہ ثقہ تابعین کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت شرعی مسائل میں استشہاد اور استناد کا درجہ رکھتا ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ (المتوفی ۱۵۸ھ) کا بیان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت اور صداقت کے متعلق امام اوزاعی رحمۃ اللہ (عبدالرحمٰن بن عمرو) کا ایک تجزیہ اور تبصرہ پیش خدمت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے البدایہ میں اسے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((قد قال ابوزرعة الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ عن دحیم عن الولید عن الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ قال ادرکت خلافة معاویة رضی اللہ عنہ عدة من الصحابة منهم اسامة وسعد و جابر

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۰ ج ۴ قسم اول ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۱۷ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۷ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

وابن عمر و زيد بن ثابت و مسلمة بن مخلد و ابوسعيد و رافع بن خديج و ابوامامة وانس بن مالك رضي الله عنهم ورجال اكثر واطيب ممن سمينا باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى، واوعية العلم، حضروا من الكتاب تنزيله، ومن الدين جديده وعرفوا من الاسلام مالم يعرفه غيرهم۔ واخذوا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم تاويل القرآن ومن التابعين لهم باحسان ما شاء الله منهم المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الاسود بن عبديغوث وسعيد بن المسيب وعبدالله بن محيريز رحمهم الله، وفى اشباه لهم لم ينزعوا يدا من جماعة من جمعه فى امة محمد صلى الله عليه وسلم))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پایا۔ ان میں اسامہ، سعد، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید، رافع بن خدیج، ابوامامہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور ان مذکور افراد سے بھی بہت زیادہ صحابہ کرام موجود تھے۔

یہ لوگ اپنے دور میں ہدایت کے چراغ اور علم کے ظروف تھے، اللہ کی کتاب کی تنزیل کے وقت حاضر تھے اور دین اسلام کے متعلق ایسی پہچان اور معرفت رکھتے تھے جو دوسروں کو حاصل نہیں اور قرآن مجید کے معانی و مفاہیم انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حاصل کیے۔

اور احسان کے ساتھ تابعداری کرنے والے تابعین میں سے بہت سی جماعت اس دور میں تھی ان میں سے مسور بن مخرمہ، عبدالرحمٰن بن اسود، سعید بن مسیّب، عبداللہ بن محیریز اور دیگر اکابر ہیں۔

امت محمدیہ کی اس جماعت میں سے (اس وقت) کسی نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت وفرمانبرداری سے ہاتھ نہیں کھینچا اور جماعتی وحدت سے جدا نہیں ہوئے۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ کے اس بیان سے واضح ہوا کہ امت کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین (جو اس دور کے قریب تر ہیں) کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی اور آپ برحق خلیفہ و امیر تھے یعنی ان کی جابرانہ اور ظالمانہ حکومت نہیں تھی اور نہ وہ از خود متغلب خلیفہ بنے ہوئے تھے۔ ورنہ اس دور کے مذکور اکابر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہ کرتے اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کے اس بیان سے بہت سے شبہات مرتفع ہو گئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ

جناب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کبار علمائے امت میں شمار ہوتے ہیں اوران کی جلالت شان اور وثاقت جمہور علماء میں تسلیم شدہ ہے۔ ان سے بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ

((ما اقول فی رجل قال رسول الله ﷺ سمع الله لمن حمده۔ فقال معاوية رضی اللہ عنہ من خلفه ربنا لك الحمد))[1]

''یعنی میں ایسی شخصیت کے حق میں کیا کچھ کہہ سکتا ہوں کہ جب جناب نبی کریم ﷺ نمازوں میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ان کے پیچھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اقتداء میں ربنا لک الحمد کے کلمات ادا کرتے تھے۔''

یہ آنحضرت ﷺ کی گواہی ہے کہ جس نے اللہ رب العزت کی حمد کی اللہ نے اس کی حمد سن لی۔ اب اس کے فوراً بعد صحابہ کہتے اے ہمارے رب حمد تیرے لیے ہے۔ صحابہ کی اس حمد کی حضور ﷺ نے پہلے سے گواہی دے دی کہ اللہ نے سن لیا ہے۔ سو جو حضرات حضور ﷺ سے اور پھر اللہ سے یہ قرب پا چکے ہیں ان کے بارے میں میں (عبداللہ بن مبارک) کیا گواہی دے سکتا ہوں۔ انھی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سو وہ اس مقام سے بلند ہیں کہ ہم ان کے بارے میں کوئی رائے دیں۔ یعنی دیگر صحابہ کے ساتھ یہ شرف اور عظمت ان کو بھی حاصل تھی۔ اور اس سے فائق مقام اور مرتبہ کیا ہو سکتا ہے؟

اور بعض دفعہ جناب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

((تراب فی انف معاوية رضی اللہ عنہ فی منخری معاوية رضی اللہ عنہ مع رسول الله ﷺ خير وافضل من عمر بن عبدالعزيز))[2]

''یعنی جناب نبی اقدس ﷺ کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے بہتر اور افضل ہے۔''

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
   تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۰۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
2. تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۰۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
   البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
   مرقات شرح مشکوۃ ص ۱۳۱ ج ۱۰ طبع ملتان

اور باعتبار بعض روایات یہ جواب اس طرح مذکور ہے کہ

((فقال والله للغبار الذی دخل انف فرس معاویة رضی اللہ عنہ مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خیر من مائة واحد مثل ابن عبدالعزیز))

((یرید بذالك ان شرف الصحبة والرؤیة لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحلول نظرة الکریم لا یعادله عمل ولا یوازیه شرف))[1]

''یعنی ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے سو افراد سے بہتر وافضل ہے۔''

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت، آنجناب کا دیدار مبارک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نظر شفقت کا حصول یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی عدیل نہیں اور ان کے موازی اور متساوی کوئی شریک شرف نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱ھ)

جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اسلام میں مشہور مصنف اور عادل و صالح خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ یہ تھا کہ جب ان کے دور میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدکلامی کی تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس شخص کو سزا کے طور پر کوڑے لگوائے۔

اس دور کے ایک بزرگ ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کسی کو اپنے عہد میں کوڑے لگوائے ہوں مگر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زبان درازی اور بدکلامی کرنے والے شخص کو کوڑے لگوائے۔

((عن ابراهیم بن میسره قال ما رأیت عمر بن عبدالعزیز رحمة اللہ علیہ ضرب احدا فی خلافته غیر رجل واحد تناول من معاویة فضربه ثلاثة اسواط))[2]

((عن ابراهیم بن میسرة قال ما رایت عمر بن عبدالعزیز رحمة اللہ علیہ ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاویة رضی اللہ عنہ فانه ضربه اسواطا))[3]

۱۔ الفتاویٰ الحدیثیہ (ابن حجر ہیثمی) ص ۳۰۵ تحت مطلب فی قول ابن مبارک......الخ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۰، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ......الخ

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸۳ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیزؒ

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۷۴۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

یہ حوالہ جات قبل ازیں تمہید جواب المطاعن میں گزر چکے ہیں یہاں فصل دوازدہم میں ماقبل کے تسلسل مضامین کے پیش نظر ان کو ذکر کیا گیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان (المتوفی ۱۷۹ھ)

ائمہ اربعہ میں امام مالک رحمہ اللہ ایک اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنے والے شخص کے بارے میں آنجناب نے فرمایا کہ

((ومن شتم اصحابه ادب وقال ايضا من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابا بكر او عمر او عثمان او معاوية او عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ۔ فان قال كانوا فی ضلال قتل وان شتم بغير هذا من مشاتمة الناس نكل نكالا شديدا))[1]

"یعنی امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرے تو اس کی تادیب کی جائے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک صحابی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ یا عمرو بن عاص وغیرہم رضی اللہ عنہم کے حق میں کہے کہ یہ حضرات گمراہی پر تھے تو اسے قتل کیا جائے لیکن اگر اس لفظ کے بغیر عام لوگوں کی گالیوں کی طرح سب وشتم کرے تو اس کو سخت سزا دی جائے۔"

مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت امیر معاویہ یا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی شان میں بھی گستاخی اور بدگوئی کرنے والے شخص کو اسی فہرست میں شمار کیا گیا ہے جس میں حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگوئی اور بدکلامی کرنے والے شمار ہیں۔ گویا حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے حق میں بدکلامی کرنا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سب کرنے کے مترادف ہے۔

اس بدگوئی میں اگر وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کفر کے قائل ہوں تو یہ بدگوئی ان سے دراصل ان کے ایمان سے تبریہ اور بیزاری ہے۔ انھیں مسلمان سمجھتے ہوئے برا بھلا کہنے کی سزا کوڑے ہیں۔ لیکن یہ آخری درجے کی سزا (قتل) اس صورت میں ہے کہ وہ بدگوئی کرنے والا ان کے کفر کا عقیدہ رکھتا ہو۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، کسی عام عالم کا نہیں۔ امام مجتہد کا یہ فرمادینا کوئی معمولی بات نہیں ہے خوب غور فرمائیں۔

اعمش رحمہ اللہ کا بیان

مشہور عالم سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ کی خدمت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل وانصاف کا تذکرہ ہوا تو اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

---

[1] رسائل ابن عابدین شامی ص ۳۵۸ ج ا تحت الباب الثانی فی حکم ساب احد من الصحابہ

((کیف لو ادرکتم معاویة؟ قالوا فی حلمه؟ قال: لا واللہ بل فی عدله))[۱]

''مطلب یہ ہے کہ تم کیا شان عمل دیکھتے اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پاتے؟ سامعین نے کہا: ان کی بردباری کے متعلق؟ فرمایا: نہیں بردباری تو ہے، ان کے عدل و انصاف کی بھی ایک عجیب شان تھی۔''

یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حلم میں نہیں بلکہ خدا کی قسم عدل و انصاف میں بھی فائق تھے۔

ابو اسحاق رحمہ اللہ کا قول

اپنے دور کے مشہور فاضل ابو اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنا نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

((روی ابوبکر بن عیاش عن ابی اسحاق قال ما رأیت بعده مثله یعنی معاویة))[۲]

''یعنی ابوبکر بن عیاش نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان جیسا شخص نہیں دیکھا۔''

ابو توبہ حلبی رحمہ اللہ

ان کا اسم ربیع بن نافع ابو توبہ حلبی ہے اور مشہور محدث ابو داود رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ابو توبہ حلبی رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

((یقول معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ستر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف الرجل الستر اجتری علی ما وراہ))[۳]

''یعنی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پردہ کے درجہ میں ہیں۔ اگر کوئی شخص پردہ کو کھول دے تو پھر وہ ہر چیز پر جرأت کر سکے گا۔''

---

۱ منہاج السنہ ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع، طبع لاہور
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

۲ المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر

۳ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۹ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ابو مسعود معافی بن عمران ازدی موصلی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۵ھ)

معافی بن عمران رحمہ اللہ ایک مشہور محدث ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو آپ نے ناراض ہوتے ہوئے سائل سے فرمایا کہ تو ایک صحابی کو تابعی کے برابر قرار دیتا ہے؟ پھر فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں، کاتب ہیں اور وحی الٰہی پر آپؐ کے امین ہیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب اور اصہار کو میرے لیے چھوڑ دو۔ جو شخص ان کو سب وشتم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

((سئل المعافی بن عمران ایهما افضل؟ معاویة او عمر بن عبدالعزیز؟ فغضب وقال لسائل: اتجعل رجلا من الصحابة مثل رجل من التابعین؟ معاویة صاحبه وصهره کاتبه وامینه علی وحی الله وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دعوا لی اصحابی واصهاری فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین))[1]

اور معافی بن عمران مذکور رحمہ اللہ ایک دوسری روایت میں اس طرح فرماتے ہیں کہ:

((قال یوم من معاویة افضل من عمر بن عبدالعزیز عمره))[2]

''یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک روز عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تمام عمر سے افضل ہے۔''

اسی سلسلے میں بعض دیگر علماء نے اس مضمون کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((قال بعضهم فی معاویة رضی اللہ عنہ وعمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ لیوم شهده معاویة رضی اللہ عنہ مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبدالعزیز واهل بیته))[3]

''یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک دن حاضر رہنا عمر بن عبدالعزیز

---

۱ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۹ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر، ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
الشفا (قاضی عیاض) ص ۵۲ ج ۲ تحت فصل من توقیرہ......الخ
کتاب الاباطیل والمناکیر (جوزقانی) ص ۱۹۵ ج ۱ روایت ۱۸۴

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ الباعث الحثیث (ابن کثیر) ص ۱۸۱، النوع (۳۹) معرفۃ الصحابہ طبع ثالث مصر

رحمۃ اللہ اوران کے گھرانے سے بہت بہتر ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ دربار نبوت میں ایک یوم کی حاضری عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی تمام زندگی سے فائق ہے۔ (سبحان اللہ)

فضل بن عنبسہ رحمۃ اللہ

ایک بزرگ فضل بن عنبسہ رحمۃ اللہ مشہور عالم دین ہیں ان سے عیسیٰ بن خلیفہ الحذاء نے سوال کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا خلیفہ عمر بن عبدالعزیز؟ تو فضل بن عنبسہ رحمۃ اللہ اس سوال پر متعجب ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ! کیا میں اس شخص کو جس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے ایسے شخص کے برابر قرار دوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا؟ فضل رحمۃ اللہ نے یہ کلمات تین بار دہرائے۔

((نا عیسی بن خلیفة الحذا قال كان الفضل بن عنبسة جالسا عندی فی الحانوت فسئل معاوية افضل ام عمر بن عبدالعزيز؟ فعجب من ذالك وقال سبحان الله! اجعل من رای رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كمن لم يره قالها ثلاثا))[1]

امام احمد رحمۃ اللہ (المتوفی ۲۴۰، ۲۴۱ھ) کا فرمان

مسئلہ ہذا میں ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا ارشاد ان کے ایک تلمیذ میمونی رحمۃ اللہ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ میمونی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے امام احمد رحمۃ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آں موصوف نے فرمایا: لوگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا ہو گیا ہے کہ ان کی برائی ذکر کرنے لگے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ اور پھر مجھے خطاب کرتے ہوئے امام موصوف نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اصحاب رسول میں سے کسی صاحب کو برائی سے یاد کرتا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

((وقال الميمونی سمعت احمد يقول: ما لهم ولمعاوية نسئل الله العافية وقال يا ابا الحسن اذا رأيت احدا يذكر اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بسوء فاتهمه على الاسلام))[2]

حاصل یہ ہے کہ ائمہ کرام اور فقہائے امت کی تعلیم یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی بھی صحابی کی بدگوئی کرنے سے مسلمان کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام قابل اعتبار نہیں رہتا۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی کرنا اور سوء ظنی رکھنا ہرگز روا نہیں ایسا کرنے سے ایمان برباد ہوگا

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] الصارم المسلول (ابن تیمیہ) ص ۵۷۳ تحت فصل فی حکم سب اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم وسب اہل بیتہ طبع دکن

اور عاقبت خراب ہوگی۔

ابوشکور سالمی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۵ھ)

علامہ ابوشکور سالمی رحمہ اللہ ''علم عقائد'' کے قدیم فاضل ہیں اور اپنی مشہور تصنیف ''کتاب التمہید'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((انا نقول ان معاوية رضی اللہ عنہ كان عالما من غير فسق و كانت فيه الديانة ولو لم يكن متدينا لكان لا يجوز الصلح معه۔فلم يوجد منه سوى البغى ثم على رضی اللہ عنہ صالح معه لان فى بغيه ما جار المسلمين۔ وكان يدعى الحق وكان عادلا فيما بين الناس ثم بعد على رضی اللہ عنہ كان اماما على الحق عادلا فى دين الله وعمل الناس))[1]

''یعنی فاضل سالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین و شریعت کے عالم تھے، ان میں فسق نہیں پایا گیا بلکہ ان میں کامل دیانت تھی اور اگر بالفرض معاویہ رضی اللہ عنہ متدین نہ ہوتے تو ان کے ساتھ (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی) صلح صحیح اور جائز نہ ہوتی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بغاوت کے سوا کوئی قابل اعتراض چیز نہیں پائی گئی اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے مصالحت کر لی تھی کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کے دور میں کسی مسلمان پر جور وظلم نہیں روا رکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے داعی تھے اور لوگوں کے درمیان عدل کرنے والے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق تھے، اللہ تعالیٰ کے دین میں عادل تھے اور لوگوں کے معاملات میں منصف تھے۔''

حاصل یہ ہے کہ:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دین و شریعت کے عالم تھے (دین سے ناواقف نہیں تھے)۔
② آنجناب دیندار اور متدین تھے (کوئی فاسق نہیں تھے)۔
③ ان میں بغی کی صفت پائی گئی لیکن اس مدت میں آپ نے مسلمانوں پر جور وظلم نہیں کیا۔
④ دینی و دنیوی امور میں عادل اور منصف تھے (ظالم جابر اور جائر نہیں تھے)
⑤ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق تھے۔

امام غزالی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کا فرمان

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تصوف کے مشہور مقتدا ہیں اور مشائخ صوفیہ میں ان کا بڑا مقام ہے انھوں

[1] کتاب التمہید (ابوشکور سالمی) ص ۱۶۹ تحت القول الثامن فی قتل الحسین رضی اللہ عنہ (محمد بن عبد السعید بن شعیب الکبشی السالمی) حزب الاحناف، لاہور

نے اپنی تصنیف ''کیمیائے سعادت'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نجات اور مغفرت کے متعلق عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا رویائے صالحہ ذکر کیا ہے۔

اس سے امام موصوف کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن ظن واضح طور پر ثابت ہے اور ان کے حق میں سوءظنی اور بدگمانی کرنے سے اجتناب کی تلقین پائی جاتی ہے۔

اس رویائے صالح کی اصل عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدم با ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نشستہ چوں با ایشان نشستم ناگاہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما را بیاوردند و درخانہ فرستادند و در بہ بستند۔ در وقت علی رضی اللہ عنہ را دیدم کہ بیرون آمد و گفت "قضى لى ورب الكعبة" یعنی حق مرانہادند پس بزودی معاویہ رضی اللہ عنہ بیروں آمد و گفت "غفرلى ورب الكعبة" مرانیز عفو کردند و بیا مرزیدند۔''[1]

حوالہ ہٰذا قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' ص ۳۷۸ تحت بشارت ثانیہ اور سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ابحاث صفین کے تحت ہم نے ذکر کیا ہے۔

رئیس المشائخ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۶۰ھ) کا بیان

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ''غنیۃ الطالبین'' میں اہل السنہ کے عقائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

((امام خلافة معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما فثابتة صحيحة بعد موت على رضي الله عنه وبعد خلع الحسن بن على رضي الله عنهما نفسه عن الخلافة وتسليمها الى معاوية رضي الله عنه لراى راه الحسن رضي الله عنه ومصلحة عامة تحققت له وهى حقن دماء المسملين وتحقق قول النبى صلى الله عليه وسلم فى الحسن رضي الله عنه ابنى هذا سيد يصلح الله تعالى به بين فئتين عظيمتين فوجبت امامته بعقد الحسن رضي الله عنه له فسمى عامة عام الجماعة لارتفاع الخلاف بين الجميع واتباع الكل لمعاوية لانه لم يكن هناك منازع ثالث فى الخلافة))[2]

''یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور امر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دینے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق، ثابت اور صحیح ہے۔

---

۱ کیمیائے سعادت از امام غزالی ص ۴۸۴ تحت پیدا کردن اموال مردگاں کہ مکشوف شدہ است بطریق خواب (طبع محمدی ممبئی)

۲ غنیۃ الطالبین (شیخ عبدالقادر جیلانی) (مترجم) ص ۱۳۸-۱۳۹ فصل و یعتقد اہل السنۃ ص طبع نول کشور، لاہور۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر کہ مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی نہ ہو خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمان کہ ''اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا'' صحیح ثابت ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقد و عہد کر لینے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت میں نزاع مرتفع ہو جانے کی بنا پر اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' ٹھہرا۔ اس وقت کوئی تیسرا شخص خلافت کا مدعی نہیں تھا۔ فلہٰذا تمام حضرات نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع اور اطاعت کر لی۔''

حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے بیان مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق اور صحیح ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحیح خلیفہ اور امام برحق ہیں اور طعن و تشنیع کے لائق نہیں۔

بعض لوگوں کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک متغلب حکمران اور ایک عام دنیوی بادشاہ کی حیثیت سے ذکر کرنا درست نہیں۔ اور ساتھ ہی اس طرح مطعون کرنا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاست کو دین پر بالا رکھتے تھے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدود کو توڑنے والے تھے۔ یہ چیز بھی ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ نظریات حضرت شیخ موصوف رحمہ اللہ کے فرمودات بالا کے بالکل برعکس ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۲ھ) کا بیان (بصورت حکایت)

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ اکابر صوفیہ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کی مثنوی شریف مکارم اخلاق، نصائح اور حقائق تصوف کے بیان میں ایک وقیع تصنیف ہے جو مشائخ اور علماء میں نہایت مقبول اور معتمد ہے۔ اس میں مولانا روم رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابلیس کا نماز کے لیے بیدار کرنے کا طویل مکالمہ ذکر کیا ہے اور اس پر کم و بیش بارہ عدد عنوانات قائم کیے ہیں۔

اس مفصل مکالمے کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک روز اپنے مقام پر محو خواب تھے۔ نماز باجماعت کا وقت ہو چکا تھا ابلیس نے آ کر آں موصوف کو بیدار کیا کہ نماز باجماعت میں شمولیت کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا ہے؟ تیرا کام تو عبادت سے غفلت دلانا ہے۔ ابلیس نے پہلے تو اصل بات بتلانے سے پس و پیش کی اور حیل و حجت سے کام لیا مگر آخر کار مجبور ہونے پر کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ سے نماز باجماعت چھوٹ جاتی تو آپ اس کوتاہی پر باری تعالیٰ کی جناب میں آہ و زاری کرتے اور اس تضرع و عاجزی کی وجہ سے خداوند کریم کے ہاں آپ کے درجات بلند ہوتے۔ میں نے یہی بہتر جانا کہ آپ نماز باجماعت میں شامل ہو جائیں تاکہ

بلندی درجات سے محروم رہیں۔

اشعار مثنوی

در خبر آمد کہ آں معاویہؓ — خفتہ بد در قصر در یک زاویہ

(بعض نسخوں میں یہ شعر بالفاظ ذیل درج ہے)

در خبر آمد کہ خال مومناں — بود اندر قصر خود خفتہ شباں

قصر را از اندروں در بستہ بود — کز زیارت ہائے مردم خستہ بود

ناگہاں مردے و را بیدار کرد — چشم چوں بکشاد پنہاں گشت مرد

(چند اشعار مزید کے بعد فرماتے ہیں)

گفت ہے تو کیستی نام تو چیست — گفت نام فاش ابلیس شقیست

گفت بیدارم چرا کر دی بجد — راست گو بامن مگو برعکس و ضد

گفت ہنگام نماز آخر رسید — سوئے مسجد زود مے باید دوید

گفت نے این غرض نبود ترا — کہ بخیرے راہنما باشی مرا

گفت امیرؒ اے راہزن حجت مگو — مرترا رہ نیست در من رہ مجو

اے ابلیس خلق سوز فتنہ جو — بر چیم بیدار کر دی راست گو

اے سگ ملعوں جواب من بگو — راست گو و در دروغ راہ مجو

تا رسی اندر جماعت در نماز — از پے پیغمبر دولت فراز

گر نماز از وقت رفتے مر ترا — ایں جہاں تاریک گشتے بے ضیا

از غبین و درد رفتے اشکہا — از دو چشم تو مثال مشکہا

گر نمازت فوت مے شد آں زماں — مے زدی از درد دل آہ و فغاں

آں تاسف و آں فغاں و آں نیاز — در گزشتے از دو صد ذکر و نماز

من ترا بیدار کردم از نہیب — تا نسوزاند چناں آہے حجیب

تا چناں آہے نباشد مرترا — تا بداں راہے نباشد مرترا

من حسودم از حسد کردم چنیں — من عدوم کار من مکرست و کیں

گفت اکنوں راست گفتی صادقی — از تو ایں آید تو ایں را لائقی [1]

---

[1] مثنوی مولانا روم ص ۶۵-۶۶ دفتر دوم، نول کشور لکھنؤ طبع چہار دہم

مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم ص ۲۳۶ تا ۲۸۰ دفتر دوم حصہ سوم مطبوعہ لاہور

واقعہ ہذا مثنوی شریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ نے اپنی حسب عادت بہت سی تمثیلات ملا کر نہایت مفصل ذکر کیا ہے اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی مقام اور اخلاص فی الصلوٰۃ اور استقلال فی العبادۃ بہت نمایاں ہے۔ آنجناب خلافت و امارت کے مشاغل کے باوجود اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول و مصروف رہتے تھے اس میں قصور و فتور راہ نہیں پاتا تھا حتیٰ کہ شیطان بھی اس مسئلہ میں ان کو اپنے مکائد میں پھنسا نہ سکا، خداوند کریم نے انھیں اپنے فضل و کرم سے محفوظ فرمالیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مشہور بزرگان دین کے جو نظریات پیش خدمت کیے جارہے ہیں ان میں سے یہ واقعہ بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ اکابر صوفیہ کی عقیدت مندی اور حسن ظن آں موصوف کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

امام نووی رحمۃ اللہ (المتوفی ۶۷۶ھ) کا قول

محدثین میں امام نووی رحمۃ اللہ (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی) بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ شرح حدیث میں ان کا قول حجت قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی تالیف شرح مسلم شریف کے باب فضل صحابہ کی ابتداء میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں:

((واما معاویۃ رضی اللہ عنہ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ النجباء......الخ))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل فاضل اور صاحب نجابت صحابہ کرام میں سے ہیں۔''

مقصد یہ ہے کہ علمائے حدیث کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کردار اور اعمال میں عادل ہیں (ظالم نہیں) اور احکام شریعت کے عالم فاضل ہیں (ناواقف نہیں) اور صاحب شرافت و نجابت ہیں (یعنی اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں)۔

پھر جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیاسی اغراض کی خاطر شرعی قواعد کو توڑنے دینے والا قرار دیا ہے وہ سراسر تعصب کی بنا پر ہے اور واقعات کے برعکس ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر محدثین کی تصریحات بالا کے برخلاف ہے۔

ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ کا بیان

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی علیہما الرحمۃ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور اخلاق و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

((وفضائل معاویۃ رضی اللہ عنہ فی حسن السیرۃ والعدل والاحسان کثیرۃ))[2]

---

[1] شرح مسلم شریف (امام نووی) ص ۲۷۲ ج ۲ ابتدا کتاب فضائل الصحابہ

[2] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع طبع لاہور
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸ طبع مصر، تحت ثناء الائمۃ الاعلام علیٰ معاویہ رضی اللہ عنہ......الخ

"مطلب یہ ہے کہ عمدہ سیرت، عدل وانصاف اور حسن سلوک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل پائے جاتے ہیں۔"

ایک دوسرے مقام پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عمدہ سیرت والے ولاۃ اور حکام کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت بھی اپنی رعیت کے حق میں بہترین تھی اور ان کی رعیت ان کے ساتھ محبت کرتی تھی۔ صحیحین میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے ائمہ اور والیوں میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو اور وہ تمھارے ساتھ محبت رکھتے ہیں...... الخ

((وکانت سیرۃ معاویۃ رضی اللہ عنہ مع رعیتہ من خیار سیر الولاۃ وکانت رعیتہ یحبونہ وقد ثبت فی الصحیحین علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم))[1]

ملا علی قاری رحمہ اللہ کا قول

جید علمائے حدیث میں ملا علی قاری رحمہ اللہ مشہور مصنف ہیں۔ شرح مشکوٰۃ شریف جو "مرقاۃ المفاتیح" کے نام سے موسوم ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو بیان کرتے ہوئے آں موصوف فرماتے ہیں کہ

((واما معاویۃ رضی اللہ عنہ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ الاخیار))[2]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور صاحب فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور انؓ کا شمار اخیار صحابہ میں ہوتا ہے۔"

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علمائے ہند میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں اور مدح صحابہ میں ان کے بیان کو عند العلماء بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آں موصوف اپنی مشہور تالیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تنبیہ سوم کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام ومنزلت کو تحریر فرماتے ہیں کہ

"باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔

اخرج ابوداود عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فو

---

[1] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۹ ج ۳ تحت جوابات مطاعن

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ) ص ۲۷۲ ج ۱۱ تحت مناقب الصحابہ طبع ملتان

الذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ"

متعدد احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام رقم کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

''وعقل نیز برآں دلالت مے کند زیرا نکہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت ﷺ معلوم فرمودند کہ وی فی وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد وآنحضرت ﷺ چوں شفقت وافرہ برامت داشتند کما قال اللہ تعالیٰ: ''حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' پس رافت کاملہ آنجناب ﷺ بنسبت امت اقتضا فرمود کہ خلیفہ ایشاں را دعا بہدایت واہتدا نماید۔''

مزید احادیث فضیلت نبوی رقم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

((وقد استفاض ان النبی ﷺ استکتبه وھو لا یستکتب الا عدلا امینا...... الخ))[1]

''یعنی معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جناب نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں اور فضیلت جلیلہ کے حامل اصحاب میں شامل ہیں۔ خبردار! معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور سب وطعن کے چکر میں پڑ کر حرام فعل کا ارتکاب نہ کرنا۔ کیونکہ نبی اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے اصحاب کو سب وشتم مت کرو۔ اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمھارا ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر زر کثیر صدقہ کرے تو وہ ان کے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے ایک مد (قریباً ایک سیر) کے برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (یعنی بہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ نہایت رفیع ہے)۔''

''(دیگر فضیلت اس طرح ذکر فرمائی) طرق کثیرہ کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم تھا کہ ایک وقت میں وہ خلیفہ ہوں گے چونکہ آنجناب ﷺ کی ذات گرامی کی امت پر شفقت وافرہ ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے کہ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ پس امت پر شفقت کے تقاضا کی بنا پر آپ نے اپنے اس خلیفہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ ہونے کی دعائیں فرمائیں۔''

''(اور دیگر یہ چیز ذکر کی کہ) یہ بات شہرت کا درجہ رکھتی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب اور منشی قرار دیا اور آنجناب ﷺ عادل اور امین شخص کے بغیر کسی کو یہ

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کامل ص ۱۴۶-۱۴۷ تحت تنبیہ سوم تتمہ مقصد بالا، فصل پنجم از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی طبع اول بریلی۔

منصب نہیں عطا فرماتے تھے۔''

مختصر یہ ہے کہ یہ ''تنبیہ سوم'' تمام ہی فضیلت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل ہے جس میں سے چند ایک چیزیں نقل کی ہیں اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نظریات واضح ہیں یعنی وہ انھیں عادل اور امین سمجھتے ہیں اور ان کو جلیل القدر صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کی بدگوئی اور بدکلامی سے منع کرتے ہیں۔

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۰ھ) کا فرمان

① حضرت خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ (سیال شریف، ضلع سرگودھا پنجاب) مشائخ چشت کے مشاہیر بزرگوں میں سے ہیں اور تصوف وطریقت میں نہایت اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہیں۔ آں موصوف کے ملفوظات کو ایک عقیدت مند سید محمد سعید شاہ لاہوری نے مجالس کی شکل میں بزبان فارسی مدون کیا ہے جس کا نام ''مرأۃ العاشقین'' ہے۔

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ کی ایک مجلس کا بیان ذکر کرتے ہوئے سید محمد سعید شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

> ''بعد ازاں سخن در ذکر جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وامیر معاویہ رضی اللہ عنہ افتاد۔ خواجہ شمس العارفین فرمود آنچہ میاں حضرت علی وامیر معاویہ رضی اللہ عنہما نزاع وخصومت واقع شدہ است اجتہاد بود نہ از جہت عناد۔ پس اے درویش اگر چہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برخطا بود لیکن فعل مجتہد اگر برخطا افتد ہم یک ثواب حاصل شود۔ پس درویش را باید کہ در حق ایشاں ہیچ نہ گوید۔''[1]
>
> ''یعنی گزشتہ کلام کے بعد آں موصوف کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ کا تذکرہ ہوا تو حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو نزاع اور خصومت واقع ہوئی وہ ازروئے اجتہاد تھی، کسی عناد کی بنا پر نہیں واقع ہوئی۔
>
> فرمایا کہ اے درویش! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر چہ خطا پر تھے لیکن مجتہد کا فعل اگر خطا پر بھی ہو تو پھر بھی ایک ثواب اسے حاصل ہوتا ہے (یعنی وہ عیب شمار نہیں ہوتا)۔ پس درویش کو چاہیے کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں کچھ نازیبا کلام ہرگز نہ کرے۔''

② اسی طرح مرأۃ العاشقین کی ایک دوسری مجلس میں مذکور ہے کہ صاحب تالیف نے جناب حضرت اعلیٰ

---

[1] مرأۃ العاشقین در ملفوظات حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمہ اللہ ص ۱۰۹ طبع قدیم لاہور، تالیف سید محمد سعید شاہ صاحب لاہور، تحت مراۃ بیست وسوم (۲۳) ذکر جہاد اصغر و جہاد اکبر۔

کی خدمت میں گزارش کی کہ قوم سادات کے بعض افراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتقاد درست نہیں رکھتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں اعتقاد درست نہ رکھے اس کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

''بندہ عرض داشت کہ بعض قوم سادات درحق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعتقاد درست نمی دارند و بزمرہ عداوتیاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ می شمارند۔ خواجہ شمس العارفین فرمود تا آنکہ درحق جمیع اصحاباں اعتقاد درست ندارد ایمان او کامل نباشد...... الخ''[1]

مندرجات بالا کے ذریعے سے اکابر مشائخ چشت کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں معتقدات واضح ہیں اور ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی اور سوء ظنی سے اجتناب کی تلقین پائی جاتی ہے۔

علمائے بریلی کا بیان

ایک مکتب فکر کے مشہور بزرگ علامہ احمد رضا خان صاحب بریلویؒ (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کی خدمت میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے متعلق چند اشخاص کے درج ذیل نظریات پیش کیے:

(الف) زید کہتا ہے کہ آں موصوف رضی اللہ عنہ لالچی شخص تھے یعنی انھوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ سے لڑ کر خلافت لے لی اور ہزار ہا صحابہ کو شہید کیا۔

(ب) بکر کہتا ہے کہ میں ان کو خطا پر جانتا ہوں ان کو امیر نہ کہنا چاہیے۔

(ج) عمرو کا یہ قول ہے کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں، ان کی توہین کرنا گمراہی ہے...... الخ

پھر سوال کیا کہ مذکورہ بالا اشخاص کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ان کو اہل سنت والجماعت کہہ سکتے یا نہیں؟ اور حضور کا اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟ جواب مدلل اور عام فہم ارقام فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل نے سورہ ''الحدید'' میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائی ہیں: ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا...... دوسرے وہ کہ بعد...... پھر فرما دیا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کو فرماتا

---

[1] مرأۃ العاشقین فارسی درملفوظات حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی ص ۱۳۹ تحت مراۃ بیست وہشتم (۲۸) درذکر فرقہ رافضیہ و مذمت آں، مطبع مصطفائی، لاہور

ہے:

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

''وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے وہ اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرما دیا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے، بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

((ومن يكن يطعن فى معاوية رضي الله عنه فذاك كلب من كلاب الهاوية))[1]

''یعنی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

فلہٰذا مذکورہ بالا اشخاص میں سے عمرو کا قول (کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں ان کی توہین گمراہی ہے) سچا ہے اور زید و بکر جھوٹے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد
عیب نماید بہ نگاہش ہنر

یہ خبثاء خذلہم اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا نہیں دیتے بلکہ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں حدیث میں ہے:

((من اٰذاهم فقد اٰذانى ومن آذانى فقد اذى الله ومن اذى الله فيوشك الله ان ياخذه))

''جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار کرے۔''

---

[1] نسیم الریاض شرح شفاء، للقاضی عیاض (خفاجی) ص ۵۷۴ ج ۳ تحت فصل ومن توقیرہ وبرہ صلی اللہ علیہ وسلم توقیر اصحابہ وبرہ، طبع ترکی

والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم[1]

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ
بحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

ماخوذ از مستند مجموعہ احکام شریعت از امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ ناشر: مکتبہ فقریہ رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور طبع ۱۹۸۴ء

اب اگر کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو اپنا بھائی کہتا ہے اور سنی شیعہ بھائی بھائی کے نعرے لگاتا ہے تو کیا وہ مولانا احمد رضا خان کا پیرو کہلانے کے لائق ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں۔

لاہور کی مرکزی ''مجلس رضا'' کی طرف سے ایک مجموعہ رسائل طبع ہوا ہے۔ اس کے صفحہ ۶-۷ پر ارباب مجلس نے اعلیٰ حضرت بریلوی کے چھ عدد رسائل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیے ہیں ذیل میں ہم ان رسائل کے اسماء پیش کرتے ہیں

① البشریٰ العاجلہ من تحف آجلہ (تصنیف ۱۳۰۰ھ)
(تفضیلیہ و مفسقان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رد)

② عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

③ ذب الاہواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا جواب)

④ اعلان الصحابہ الموافقین لامیر معاویہ وام المومنین (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وام المومنین کے ساتھ کون صحابہ تھے)

⑤ الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ (تصنیف ۱۳۱۳ھ)
(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کی احادیث)

⑥ لمعہ الشمعہ لہدیٰ شیعہ الشنیعہ (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(تفضیل و تفسیق کے متعلق سات سوالات کے جوابات)[2]

---

[1] احکام شریعت از امام اہل سنت احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ ص ۱۲۲-۱۲۴ طبع اول، ۱۹۸۴ء طبع مکتبہ فقریہ، لاہور تحت مسئلہ نمبر ۲۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ۔

[2] منقول از مجموعہ رسائل ص ۶-۷ مرکزی مجلس رضا، لاہور نمبر ۶۸ پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶۔

مذکورہ بالا رسائل میں علامہ احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن اور اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمدہ صفائی پیش کی گئی ہے اور پرزور طریقہ سے دفاع کا حق ادا کیا ہے۔ نیز ان رسائل کے مندرجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب علامہ بریلویؒ کے عمدہ نظریات صاف طور پر سامنے آ گئے اور ان کی عقیدت مندی واضح ہو گئی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کا بیان

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو ''فتاویٰ امدادیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور مقام کے متعلق تحریراً سوال کیا تو اس کے جواب میں مولانا صاحب موصوف نے درج ذیل جواب ذکر کیا کہ

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود صحابی ہیں اور ایک صحابی کے فرزند ہیں ان کے صحابی ہونے اور ان کی فضیلت اور شان میں کسی کو کلام نہیں مگر کہ وہ شخص رافضی ہو۔''

......''حضرت'' کا لقب اور ''رضی اللہ عنہ'' کے ''تحیہ وتحفہ'' کے ساتھ ان کا ذکر کرنا اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور جو شخص ان کے حق میں اپنی زبان پر طعن وتشنیع کے کلمات لاتا ہے وہ شعبہ رفض سے خالی نہیں۔''

بعدہ حضرت موصوف نے فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم پر متعدد احادیث ذکر کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ:

''از حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ منقول است کہ اگر در رہگذر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نشینم وگرد سم اسپ جناب بر من افتد باعث نجات می شناسم۔''

پس تعجب کہ چنیں بزرگان دین چناں خیال فرمایند وچند کساں و ناکساں زبان درازی کنند۔ صدق من قال

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں برد

فقط ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ[1]

''یعنی حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رہگذر میں بیٹھ جاؤں اور ان کے گھوڑے کے سم کی گرد مجھ پر پڑے تو اسے میں اپنی نجات کا باعث شمار کرتا ہوں۔

پس تعجب کا مقام ہے کہ اس اعلیٰ درجے کے بزرگان دین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کا اظہار عقیدت فرمائیں اور دوسرے کس و ناکس زبان درازی کریں۔ شاعر نے سچ کہا ہے کہ

''جب خدا تعالیٰ کسی کا پردہ پھاڑ دیتا ہے تو وہ نیک لوگوں کے خلاف زبان درازی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔''

---

[1] فتاویٰ امدادیہ ص ۱۲۲-۱۲۳ ج ۴ کتاب العقائد والکلام، طبع مجتبائی دہلی قدیم۔

خاتمۃ الکتاب

گزشتہ اوراق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح اور ملّی خدمات کوحتی المقدور باحوالہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تالیف ہذا کو چار ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مقدمۃ الکتاب کے آخر میں اس چیز کو ذکر کیا ہے۔ کتاب ہذا میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق تمام حالات ذکر کرنے کا دعویٰ نہیں تاہم اپنی معلومات کی حد تک ان کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کی ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ پر مطاعن کے جوابات الگ مرتب کر دیے ہیں جو ایک مستقل تالیف کی شکل میں ہیں۔

اب ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ان چہار ادوار یعنی قبول اسلام سے لے ان کے انتقال ۶۰ھ تک واقعات پر منصفانہ نظر غائر فرمائیں اور اسلام کے فروغ احیاء اور بقا کے لیے آں موصوف نے جو دینی وملّی خدمات سرانجام دی ہیں ان پر توجہ کریں۔

پھر اس کے بعد عہد معاویہ پر ناقدین احباب کے عائد کردہ الزامات کو پیش نظر رکھیں۔ الزامات قائم کرنے والے دوست اپنے نظریات کے تحت لکھا کرتے ہیں کہ:

- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے خلفاء کا طرز زندگی بدل کر قیصر وکسریٰ کا نمونہ اختیار کیا۔
- شاہی حرس (حفاظتی دستہ) اور دربان مقرر کیے جو عوام اور خلیفہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس طرح رعایا کی شکایات اور مشکلات کا خلیفہ تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔
- بیت المال کی حیثیت میں ناروا تبدیلی کر دی اور پھر اس میں حلال وحرام کی تمیز بھی اٹھتی چلی گئی۔
- غنائم و دیگر اموال کی تقسیم کے معاملے میں کتاب وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کر دی۔
- سیاست کو دین پر فوقیت دینے اور سیاسی اغراض کے اتمام کے لیے شریعت کی حدود توڑنے کی ابتداء کی گئی۔
- رائے کی آزادی اور عدلیہ کی خودمختاری کا خاتمہ کر ڈالا اور اسلامی قوانین کی بالاتری معدوم ہو گئی۔
- ضمیروں پر قفل چڑھا دیے اور حق گوئی سے زبانیں بند کر دی گئیں۔
- امیر معاویہ، ایک جابر، ظالم اور متغلب حکمران کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔

یہ وارد کردہ الزامات بطور نمونہ اور تمثیل کے لکھ دیے ہیں۔

اور ان الزامات کے جوابات اگرچہ کتاب ''جواب المطاعن'' میں حسب موقع ذکر کر دیے ہیں تاہم ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ واقعات و حقائق (جو شواہد کے درجے میں ہیں) کے ساتھ ان عائد کردہ اعتراضات کا موازنہ کریں اور مخالفین نے آں موصوف کے کردار کی جو تصویر پیش کی ہے اس کا بھی بالتحقیق جائزہ لیں۔

امید واثق ہے کہ منصفانہ نظر کرنے کے بعد صحیح نتائج پر پہنچنے میں قارئین کرام کوئی دقت محسوس نہیں کریں گے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان ملّی خدمات کی بنا پر اس عہد کی اہمیت و افادیت سے مطلع ہوسکیں گے اور اہل اسلام کے حق میں اس دور کے منفعت بخش ہونے کی تصدیق و تائید کریں گے۔ نیز آں موصوف کی عظیم شخصیت کو اسلام میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے اس سے آگاہ ہوسکیں گے۔

آخر میں اپنے مالک کریم کا بہ صمیم قلب شکر ادا کیا جاتا ہے جس مہربان نے اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز کو اپنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور حالات بیان کرنے اور ان کی جانب سے دفاع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کی رحمت کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ اس قلیل سی خدمت کو قبول فرمائے اور شفاعت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نصیب فرمائے اور آخرت میں اپنے مقبولان بارگاہِ خداوندی کے قدموں میں جگہ عنایت فرما کر بخشش کا سامان کر دے۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین والاخرین وعلی الہ واصحابہ واتباعہ باحسان الی یوم الدین۔

دعا جو محمد نافع عفا اللہ تعالیٰ عنہ

محمدی شریف ضلع جھنگ (پاکستان)

دوشنبہ ۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۹۲ء

رائے گرامی حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم

الحمد لله رب العالمین، والصلوٰة والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین اما بعد:

اس پرآشوب دور میں جہاں شعائر اسلام کا استخفاف واستحقار اور امور دین سے اعراض وانکار روز مرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین متین داخلی و خارجی فتنوں سے ہمکنار ہو، آئے دن فتنوں کا ایک سیلاب امنڈتا چلا آ رہا ہو اور اہل باطل کی ریشہ دوانیاں اور کارستانیاں ''مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ'' کی صورت نمودار ہو رہی ہوں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تحریف وانکار کے نشے میں دنیا میں روز افزوں ہوں اور حب اہل بیت کے نام پر صحابہ سے نفرت و بیزاری کا بیج بویا جا رہا ہو، حتیٰ کہ اسلام کے نام پر پورا کفر مسلط کیا جا رہا ہو، ایسی سنگین صورت حال میں معاندین کی یہ روش کتنی دلسوز ہے کہ تربیت یافتگان رسول کو ہدف طعن و تشنیع بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے اور خلفائے ثلاثہ حضرات صدیق و فاروق و غنی رضی اللہ عنہم کی تکفیر و سب و شتم میں طبع آزمائی کر کے دل کی آگ بجھائی جائے۔ گویا نام نہاد محبان، شجر اسلام کی جڑ کاٹنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس کربناک داستان کا آغاز اس تحریک وتخریب سے ہوا جس کے پرچار کنندگان شیعہ اثنا عشری اور روافض کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر شیعی نظریات کے اولین موجد عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے رفقاء تھے۔ جنہوں نے یہودیت کی شہ پر اسلامی فتوحات وترقی کو روکنے اور امت مسلمہ کی وحدانیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے خطرناک چالیں چلیں۔ ابن سبا نے سب سے پہلے نظریہ امامت ایجاد کر کے اس کا خوب پرچار کیا اور پھر ساتھ ہی اصحاب ثلاثہ کی تکفیر اور ان پر واشگاف الفاظ میں سب وتبرا کرنے کا آغاز کیا جس کا اقرار شیعہ مجتہدین مثلاً ابوعمرو کشی، مامقانی اور باقر مجلسی جیسے لوگ بھی اپنی کتب معتبرہ میں کر چکے ہیں۔ بلکہ شیعہ مجتہدین نے لکھا ہے کہ "فمن ههنا قال من خالف الشیعة اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیهودیة" (فرق الشیعہ، ص۳۰، رجال کشی ص۱۰۸، تنقیح المقال ص۸۷، بحار الانوار ص۲۵، تفسیر مرأة الانوار ص۶۲) یعنی یہیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ شیعیت و رافضیت، یہودیت سے ماخوذ ہے۔ نیز مرزا غلام احمد قادیانی دجال بھی اپنی کتاب میں ایک موقع پر لکھتا ہے کہ ''میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے ان کا

مقولہ تھا کہ وباء کا علاج فقط تولا اور تبرا ہے یعنی ائمہ اہل بیت کی محبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دینا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے رہنا، اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔'' (دافع البلاء ص ۷)

اس سے واضح ہوا کہ قادیانیت، شیعیت کی پیداوار ہے جبکہ شیعیت، یہودیت کا چربہ ہے...... ع

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

بہرحال شیعہ مجتہدین کی صراحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن سباء نے عقیدۂ امامت کے ذریعے سے حب آل رسول کا لبادہ اوڑھ کر نفاق اور تقیہ کے سیاہ و دبیز پردے میں شیعیت کی بنیاد رکھی۔ اس اسلام دشمن تحریک میں ظاہراً صحابہ کو موردِ طعن بنایا گیا۔ مگر اہل علم سے مخفی نہیں کہ شیعہ امامیہ کو اصالتاً جو کچھ عداوت تھی وہ اسلام، قرآن اور صاحب قرآن سے تھی۔ صحابہ کو مورد طعن محض اس لیے بنایا گیا کہ قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چشم دید گواہ صحابہ ہی ہیں، جب عینی گواہ مجروح ہو جائیں گے تو سارے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اسی لیے امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

((اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انه زنديق)) (ابوزرعہ رازی ص ۱۹۹، ص ۲۳۱)

''جب تم ایسے شخص کو دیکھو کہ جو صحابہ کی تنقیص و تردید کرتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔''

پس اسی سبب سے ہم سمجھتے ہیں کہ فتنہ رفض کئی وجوہ کی بنا پر عام کھلے کفر و زندقہ سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ لیکن عوام الناس حب اہل بیت کے خوشنما نعرے سے دھوکا کھا گئے اور اہل تشیع کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ تصور کرنے لگے۔ یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ شیعوں کی کتب اصلیہ نایاب تھیں اور ان کے عقائد و نظریات کا کما ینبغی کسی کو علم نہ ہو سکا اور ساتھ ہی شیعیت پر کتمان و تقیہ کی سیاہ چادر تنی رہی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ مذہب نہ صرف بے شمار ضروریات دین کا منکر و مکذب ہے بلکہ اس کا کلمہ سے لے کر قرآن تک مسلمانوں سے جدا ہے۔ انھیں مسلمان کہنا خود اسلام کی نفی ہے۔ علمائے امت ہمیشہ مسلمانوں کو ان کی شقاوت ضلالت اور کفر و نفاق سے آگاہ کرتے رہے۔ مثلاً علامہ ابوبکر ابن العربی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ۔ آج سے تقریباً پون صدی قبل استاذی المکرم امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اثنا عشریہ کے کفریہ عقائد مثل تحریف قرآن، عقیدۂ بداء، عقیدۂ امامت، تکفیر صحابہ اور قذف عائشہ رضی اللہ عنہا کی بنیاد پر ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا، جس پر مشائخ دیوبند شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا و مرشدنا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ جیسے اساطین علم کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں...... دیکھیے:

(ماہنامہ بینات ص ۹۳، ص ۹۴، ص ۱۰۷، ص ۱۵۷، کراچی، خمینی اور شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ)

احقر بھی شیعہ عقائد کی تفصیل اپنی عربی تالیف ''کشف الواعض فی عقیدۃ الروافض'' میں تحریر کر چکا ہے۔ اہل ذوق مراجعت فرمائیں۔ مگر اس کے علاوہ شیعہ سنی کے مابین نزاعی مسائل پر میں خود ایک جامع کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کر رہا تھا مگر تبلیغی مصروفیت کے ساتھ فرق باطلہ سے مناظروں کی مشغولیت، تدریسی امور اور دیگر وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس حوالے سے کوئی ضخیم کتاب مرتب کر سکوں۔ مگر اس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقاء بالخیر نے ہر عنوان سے الگ الگ ایک جامع کتاب تالیف فرمائی ہے۔ بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (مکمل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہؓ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں اور ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بحمد اللہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوگئی ہے۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے میں خود ایسی جامع کتب نہ لکھ سکتا۔ مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابقی ہیں۔ ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ فاضل محقق نے مقام صحابہ اور مقام اہل بیت کی وضاحت کر کے نہ صرف مسلک حقہ کو واضح کیا ہے بلکہ روافض کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا خوب استیصال کیا ہے۔ مولانا کی تالیفات روافض کے خود ساختہ نظریات پر ضرب کاری ہیں۔ ردمطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقل سلیم وفہم مستقیم رکھنے والے حضرات کے لیے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں...... ليهلك من هلك عن بينة ويحيىٰ من حى عن بينة......

احقر اپنے حلقہ کے علمائے کرام وطلبہ کو مشورہ دیتا ہے کہ مذکورہ کتب سے ضرور استفادہ کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ عظیم کاوش قبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کے لیے مثمر و نافع بنائے۔

آمین یارب العالمین

محمد عبدالستار تونسوی عفا اللہ عنہ
رئیس تنظیم اہل السنۃ پاکستان
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(حصہ دوم)

الموسوم بہ

جواب المطاعن

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

جواب المطاعن

فہرست تمہید برائے جواب المطاعن

تمہید برائے جواب المطاعن

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی امام الرسل وخاتم النبیین وعلی ازواجه وبناته واله واصحابه واتباعه اجمعین

بندۂ ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ کی طرف سے یہ گزارش کی جاتی ہے کہ ''سیرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کی تالیف کے بعد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لکھنے کا قصد کیا ہے۔ اس تالیف کے دو حصے تجویز کیے ہیں ایک حصہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات، سیرت، ان کے کردار و اخلاق اور ان کی اسلامی خدمات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حصہ موصوف پر تجویز کردہ اعتراضات اور وارد کردہ مطاعن کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ان کی سیرت کا حصہ علیحدہ مرتب کیا گیا ہے جب کہ جواب المطاعن کا حصہ الگ تجویز کیا گیا ہے۔ جواب المطاعن میں اکتالیس کے قریب مشہور مشہور اعتراضات و مطاعن کے جواب دیے گئے ہیں۔ (بعونہ تعالیٰ)

کتاب لو تامله الضریر۔ لعاد کریمتاه بلا ارتیاب یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اگر نابینا بھی اس پر غور کرے تو بے شک اس کی دونوں آنکھیں بینا ہو جائیں۔

ناظرین کرام کی خدمت میں اطلاعاً ذکر ہے کہ جوابات المطاعن پہلے مرتب کیے گئے ہیں جب کہ سیرت و سوانح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بعد میں ترتیب دیا گیا ہے۔

اب بطور تمہید کے چند امور پہلے ذکر کیے جاتے ہیں اس کے بعد مطاعن کے جوابات حسب استطاعت پیش خدمت ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور صحبت نبوی کا شرف اور فضیلت

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور ان کے فضائل قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر موقع بہ موقع مذکور ہیں۔ مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلے کو قرآن نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ علمائے کرام پر واضح ہے اور ان میں کوئی اچھے اور بڑے کی تقسیم نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی اس جماعت خیر کا شرف اور فضیلت بہت مواقع پر منقول ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے لیکن یہاں اثبات مسئلہ کے لیے بعض روایات پیش کی جاتی ہیں اور چند اقوال اکابرین ملت کے درج کیے جاتے ہیں، جن سے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کا مقام فضیلت نمایاں طور پر ثابت ہے۔

① جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((لا تسبوا اصحابی ولو انفق احدکم مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه۔ او كما ذكر فی الحدیث))[1]

''یعنی میرے اصحاب کے متعلق برائی سے کلام مت کرو۔ (ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے) کہ اگر تمہارا ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر بھی زر کثیر (صدقہ) کرے تو ان کے ایک مد (قریباً ایک سیر کے) برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

اس ارشاد نبوی کے ذریعے سے بہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور ان کا مقام واضح طریقہ سے ثابت ہے اور ان میں اس فضیلت کے باب میں آپس کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

② ایک دوسرے مقام پر یعنی فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں شیخ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((اذا ذکر اصحابی فامسکوا))[2]

''یعنی جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو اپنی زبان کو (ان پر طعن سے) روک رکھو۔''

مطلب یہ ہے کہ ان کے مشاجرات و منازعات وغیرہ پر نظر نہ کرو اور جو چیزیں ان کے لائق شان نہیں ہیں ان کے ذکر سے بچو یہ لوگ امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ ان کو خیر امت اور خیر القرون فرمایا گیا۔ (مناوی)

یہاں سے معلوم ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق طعن سے زبان کو روکنا واجب ہے جیسا کہ اوپر والی روایت میں بدگوئی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اسی طرح اس مقام پر طعن و تشنیع کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔

تنبیہ

کبار علماء نے اس روایت کی تائید و تصدیق کے متعلق درج ذیل کلام کیا ہے جو اہل علم کے لیے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے:

((فقد روی هذا الحدیث عن ثلثة من الصحابة واسانیده وان کان فیها مقال كما ذكره فی فیض القدیر ولكنه اعتضد بتعدد الروایات فلذالك

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابہ فصل اول (متفق علیہ) طبع نور محمدی دہلی

[2] فیض القدیر (شیخ عبدالرؤف مناوی) ص ۳۴۷ ج ۱ بحوالہ طبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

رمزالسیوطی علیه برمز الحسن وعد هذا الحدیث حسنا))[۱]

(۳) مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کسی ایک مشہد یعنی جنگ کے موقع میں ایک مسلمان حاضر ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو، یہ شخص، اس شخص سے افضل ہے جو عمر نوح علیہ السلام پا کر نیک عمل کرتا رہے۔

یہ فضیلت سب صحابہ کو شامل ہے اس میں کسی ایک طبقے کی تخصیص نہیں۔

((قال والله لمشهد شهده رجل یغبر فیه وجهه مع رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح علیه السلام))[۲]

(۴) اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ابن بطہ نے صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ (مخاطبین کو نصیحت کرتے ہوئے) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب وشتم مت کرو۔ کیونکہ ان کا مقام ومرتبہ یہ ہے کہ ان حضرات کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ساعت کا قیام آپ لوگوں کے چالیس برس کے عمل سے بہتر ہے۔ اور وکیع رحمہ اللہ سے مروی روایت کے مطابق تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔

((وروی ابن بطة باسناد صحیح عن ابن عباس رضی الله عنهما انه قال لا تسبوا اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم فلمقام احدهم ساعة یعنی مع النبی صلی الله علیه وسلم خیر من عمل احدکم اربعین سنة وفی روایة وکیع خیر من عبادة احدکم عمره هذا))[۳]

(۵) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حین حیات میں ہی بعض لوگ بعض صحابہ کے متعلق بدگوئی کرنے لگے اور ان کی شان میں کوتاہی کرنے کے درپے ہوئے تو ان حالات کے پیش نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور عظمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق استغفار کرنے اور بخشش طلب کرنے کا حکم ہوا تھا مگر انھوں نے ان کے حق میں بدگوئی شروع کر دی ہے۔

((عن عائشة رضی الله عنها قالت: امروا بالاستغفار لاصحاب محمد صلی الله علیه وسلم فسبوهم))[۴]

---

۱ احکام القرآن (مولانا مفتی محمد شفیع کراچوی) ص ۲۷۳ ج ۴ تحت بحث ان الصحابہ کلہم مغفورون ماجورون

۲ مسند امام احمد، ص ۱۸۷ ج ۱ تحت مسندات سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ۔

۳ شرح فقہ اکبر (ملا علی بن سلطان القاری) ص ۸۳ طبع مجتبائی کتاب الفضائل، تحت عنوان اہل السنہ فی تسمیۃ معاویہ

۴ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۷۹ ج ۱۲ کتاب الفضائل طبع کراچی۔ قول صدیقہ مسلم شریف میں منقول ہے۔ ص ۴۲۱، ۴۵۰ تحت ابواب التفسیر طبع نور محمدی دہلی۔

الاعتقاد (بیہقی) ص ۳۲۳

شرح طحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ (صدر الدین) ص ۴۱۷، تحت قولہ ونحب اصحاب......الخ

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں طعن اور تشنیع کا حکم نہیں بلکہ ان حضرات کے حق میں استغفار کرنے کا حکم ہے اور ان کو نیکی کے ساتھ یاد کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی روشنی میں علمائے کرام نے بعبارت ذیل عمدہ تشریح درج کی ہے جو اہل علم کی تسلی کے لیے بلفظہٖ ذکر کی جاتی ہے:

((وقال تعالیٰ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ ومحبة الشیء کراهة لضده، فیکون انه سبحانه یکره السب لهم الذی هو ضد الاستغفار، والبغض لهم الذی هو ضد الطهارة وهذا معنی قول عائشة رضی اللہ عنہا: وامروا بالاستغفار لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فسبوهم))[1] رواہ مسلم

بدزبانی اور بدگوئی کرنے والے کا حکم

اکابرین امت نے اس سلسلے میں اپنے بیانات واضح طور پر ذکر کیے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بدزبانی یا بدگوئی کرے تو اس کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں برائی اور بغض ہے اور اس کا اسلام متہم ہے، وہ شخص قابل اعتماد نہیں بلکہ وہ قابل سزا اور مستوجب عقوبت ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابو سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم یہ تمام حضرات برگزیدہ صحابی ہیں صحابہ کرام کے متعلق احکامات سب بزرگوں کے حق میں یکساں ہیں پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بدگمانی کرنا اور سوء ظنی کرنا دین اسلام میں نہایت شنیع فعل ہے اور اس سے اس شخص کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے، اس کے ایمان کا شریعت میں کوئی وزن نہیں رہتا۔

① چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے فضل بن زیاد نے سنا کہ امام موصوف سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی تنقیص شان کرتا ہے کیا اس شخص کو رافضی کہا جائے؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات پر وہی شخص جرأت کر سکتا ہے جس کے اندر برائی پوشیدہ ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک صحابی کے ساتھ بھی جو شخص بغض رکھتا ہے اس کے باطن میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔

((وقال الفضل بن زیاد سمعت ابا عبدالله یسأل عن رجل تنقص معاویة وعمرو بن العاص أیقال له رافضی؟ فقال انه لم یجتری علیهما الا وله خبیئة سوء ما انتقص احد احدا من الصحابة الا وله داخلة سوء))[2]

---

[1] احکام القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع کراچوی ص ۲۴۵ ج ۴ تحت بحث الصحابہ کلہم عدول۔

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۴۷ ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

② میمونی ذکر کرتے ہیں کہ مجھے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا اے ابوالحسن جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کو برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا اسلام متہم ہے اور اس کا ایمان مشکوک ہے۔

((وقال الميمونى قال لى احمد بن حنبل: يا ابا الحسن! اذا رأيت رجلا يذكر لاحد من الصحابة بسوء فاتهمه على الاسلام)) [1]

حسن ظن کا حکم

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اکابر علمائے امت نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ان سے اعتراضات اور رذائل کی نفی کرنی چاہیے۔ یہ دین اسلام کی طرف سے ہمیں حکم ہے۔ اور اس باب میں اگر کوئی اعتراض پایا جائے اور اس کی کوئی تاویل کی گنجائش نہ مل سکے تو اس صورت میں اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف غلط امر کا انتساب نہیں کیا جائے گا چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ مسلم شریف جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم، وانا انسدت الطرق (طرق تاويلها) نسبنا الكذب الى الرواة)) [2]

ظاہر ہے کہ امر وجوب کے لیے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حسن ظن امت پر واجب ہے۔
اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رذائل کی نفی کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ

"پس زبان را از جفائے ایشاں باز باید داشت وہمہ را بہ نیکی بیاد باید کرد۔" [3]

③ اسی طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "الناہیہ عن طعن معاویہ" میں یہی ہدایت فرمائی ہے اور بہت عمدہ نصیحت کی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سلف صالحین، اہل حدیث اور اہل اصول (اہل فقہ) کا یہی مذہب ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اسی پر ثابت قدمی کی التجا کرتے ہیں۔

---

1. ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۷ ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
2. شرح مسلم شریف (نووی) ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ مازری تحت کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئی، طبع نور محمدی دہلی
3. مکتوبات امام ربانی ص ۸۴ دفتر اول حصہ دوم (طبع ثانی لاہور ۱۳۸۴ھ) آخر مکتوب (۸۰)

((فحسن الظن والتادب لجميعهم واجب على كل مسلم فهذا مذهب السلف الصالح واهل الحديث والاصول ونسأل الله الثبات عليه))[1]

④ اسی سلسلے میں مشہور بزرگ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ:
ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کسی انسان کو کبھی تازیانے نہیں لگوائے مگر اپنے دور میں اس شخص کو جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا، اس کو کوڑے لگوائے۔

اس واقعہ پر مندرجہ ذیل علماء کی عبارات پیش کی جاتی ہیں جس میں یہ واقعہ مذکور ہے:

((عن ابراهيم بن ميسرة قال بلغني ان عمر بن عبد العزيز ما جلد سوطا فى خلافته الا رجلا شتم معاوية عنده، فجلده ثلاثة اسواط))[2]

اور اسی طرح البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے کہ

((وقال ابن المبارك عن محمد بن مسلم عن ابراهيم بن ميسرة قال ما رأيت عمر بن عبد العزيز ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاوية فانه ضربه اسواطا))[3]

⑤ اور شمس الائمہ ابوبکر سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف اصول سرخسی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے شخص کے متعلق مندرجہ ذیل تصریح ذکر کی ہے:

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مواضع پر صحابہ کرام کی ثنا اور وصف بیان فرمائی ہے جیسا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ...... الخ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر الناس فرمایا ہے اور یہ لوگ اس عہد کے خیر الناس ہیں جس دور میں میں ہوں۔ (الحدیث) اور اسلامی شریعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت اسلام کے ناقلین ہیں) اب جو شخص ان کے حق میں طعن و تشنیع کا مرتکب ہو وہ ملحد اور بے دین ہے اور اسلام کو پس پشت ڈال دینے والا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا علاج صرف تلوار ہے۔

((ان الله تعالىٰ اثنى عليهم فى غير موضع من كتابه كما قال تعالىٰ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ" الاية ورسول الله صلى الله عليه وسلم وصفهم بانهم خير الناس

---

[1] الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص۳۳ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ
[2] الاستیعاب ص۳۸۳ ج۳ (مع الاصابہ) تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
[3] البدایہ والنہایہ، ص۱۳۹ ج۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فقال: "خیر الناس قرنی الذین انا فیھم" والشریعة انما بلغتنا بنقلھم فمن طعن فیھم فھو ملحد منابذ للاسلام، دواءه السیف ان لم یتب))[1]

⑥ مندرجہ امور کی تائید میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک اہم حوالہ اس مسئلے پر ذکر کیا جاتا ہے ناظرین کرام ملاحظہ فرمالیں۔

لکھتے ہیں کہ: چہار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم خیر الناس ہیں ان حضرات میں سے کسی ایک کی بھی برائی ذکر کرنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا بھی عیب اور نقص بیان کرنا اور اس پر طعن قائم کرنا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔ جو شخص یہ کام کرے اس کی تادیب کرنا اور اس کو سزا دینا واجب ہے۔ ایسے طعن کرنے والے شخص کو معاف نہ کیا جائے بلکہ اسے سزا میں ڈال دیا جائے، اگر وہ اس سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے اور اگر وہ توبہ کرنے سے اعراض کرے اور طعن کرنے پر جما رہے تو اس کو دوبارہ سخت سزا دی جائے اور حبس دوام میں ڈال دیا جائے، حتیٰ کہ مر جائے یا رجوع اور توبہ کرلے۔

((ثم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھؤلاء الاربعة خیر الناس لا یجوز لاحد ان یذکر شیئا من مساویھم ولا یطعن علی احد منھم بعیب ولا نقص فمن فعل ذالك فقد وجب تادیبه وعقوبته لیس له ان یعفو عنه بل یعاقبه ویستتیبه فان تاب قبل منه وان ثبت اعاد علیه العقوبة وخلده فی الحبس حتی یموت او یراجع))[2]

مندرجات بالا سے درج ذیل چیزیں ثابت ہو رہی ہیں:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم ہے اور سوء ظنی کرنے اور بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں جو شخص بدکلامی کرے اور بدزبانی سے پیش آئے ایسے شخص کا اسلام مشکوک ہے اور وہ دین میں متہم ہے اور شریعت میں اس کے دین کا کچھ اعتبار نہیں۔

③ اسی طرح حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے متعلق تنقیص شان اور طعن کرنے والا شخص بدظنی کا شکار ہے اور اس کا دل برائی اور خباثت سے آلودہ ہے۔

④ حتیٰ کہ ایسے بدگو شخص کے لیے عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ حضرت امیر

---

[1] اصول السرخسی (ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی) ص ۱۳۴ ج ۲ تحت من طعن فی الصحابہ فھو ملحد ...... الخ طبع حیدر آباد۔

[2] الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ابن تیمیہ) ص ۵۷۳ طبع اول حیدر آباد، فصل فی حکم سب اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم وسب اہل بیتہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدزبانی کرنے والے کو تازیانے لگوائے جاتے تھے تاکہ وہ آئندہ بدکلامی سے باز رہے۔

⑤ جو بھی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے حق میں نازیبا کلام کرے اور سب وشتم یا طعن وتشنیع کرے وہ سزا کے قابل ہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو حبس دوام میں ڈالا جائے تاکہ اسی حالت میں ہلاک ہو جائے۔

ایک تاریخی جائزہ

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلفائے راشدین وعشرہ مبشرہ کے بعد بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ خلافت کی صلح کے بعد ان کی خلافت کے دور میں اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور دین کو بہت فروغ نصیب ہوا اور دور دراز ممالک پر اسلام کا پرچم لہرایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح تک کے دور میں جو اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پھر پوری مستعدی کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا اور دور دور تک اسلامی سلطنت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حکومت کی حدود بخارا سے لے کر قیروان تک اور اقصائے یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیل چکی تھیں اور ان کے علاوہ حجاز، یمن، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، آرمینیہ، فارس، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت ہوئے۔[1] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار بری اور بحری فتوحات ہوئیں اور آپ کے ہاتھوں اقصائے عالم تک اسلام کا پرچم بلند ہوا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں حضرات صحابہ وتابعین کی مساعی جمیلہ سے اسلام کے احیا وابقا کا بہت بڑا کام ہوا۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد یہ دور اسلام کی ترقی کا بہترین دور ہے اور اس میں اسلام کے فروغ کی انتہائی کوششیں کی گئیں اور بحمد اللہ وہ بارآور ہوئیں اور اسلام ان ممالک پر غالب آ گیا اور فرمان خداوندی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا بہترین نقشہ سامنے آ گیا۔

کثرت اعتراضات کے وجوہ

اس دور کے بعد بنو امیہ کے خلفاء وامراء یکے بعد دیگرے آتے رہے ہیں حتیٰ کہ ۱۳۲ھ بمطابق ۷۴۹ء میں بنی عباس کے ایک شخص ابو العباس سفاح نے بنی امیہ کی خلافت اور حکومت ختم کر کے بنو عباس کی حکومت قائم کر لی۔ ظاہر بات ہے کہ بنو عباس نے بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کیا تھا اور خاندانی وقبائلی تعصبات

---

[1] کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۴۱ ج ۱ تحت ۶۰ھ

کے تحت یہ لوگ بنو امیہ کے سخت خلاف تھے جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیشرو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے، اور ایک قوم کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم کا غلبہ واقتدار آتا ہے تو سابقہ حکومت کی خوبیوں کو بھی خرابیوں کے ساتھ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کی اچھائیوں کو برائیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بہترین کارناموں کو فروتر شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کے خلاف کئی قسم کے غلط صحیح الزامات لگائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سابقہ حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے اور ان کے ساتھ بدظنی پھیلنے کے اسباب رونما ہوتے ہیں۔ گویا کہ سابق اقتدار میں یہ ایک قسم کی نظریاتی تفریق قائم ہو جاتی ہے اور پیش رو حکومت کے کار خیر کو بدنما شکل میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ دنیا میں قوموں کے معاشرے کا یہ ایک عام دستور چلا آ رہا ہے۔

نفسیاتی ضابطہ

اس فطری اور نفسیاتی ضابطے کے تحت یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ بنو عباس کے دور (دوسری صدی ہجری) میں عموماً تاریخ کی تدوین کی ابتداء ہوئی اور مورخین نے عام طور پر تاریخی وقائع مرتب کرنے میں نظریات مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھا، اور وہ تاریخی واقعات جب مرتب کیے گئے تو ان کو عموماً ایسی شکل میں پیش کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی خوبیاں خرابیاں نظر آنے لگیں اور ان کے بہترین کارنامے عموماً داغدار کر کے ذکر کیے گئے اور ان کی اسلامی اور ملّی خدمات کو غلط صورت میں دکھایا گیا اور آپ کے دور کے محاسن ومفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں معائب ونقائص کے پہلو پیدا کیے گئے اور ایسے واقعات تاریخ میں بھر دیے گئے جن سے امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کئی قسم کے مطاعن قائم کیے جا سکیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمدہ کردار واخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور ان کی کردارکشی کی پوری سعی کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کارناموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بعض مورخین نے اپنے دور کے حکام کی خوشنودی اور امراء کی رضامندی کو بھی پیش نظر رکھا اور ان کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنے کی خاطر اپنی تصانیف میں مذکورہ طرز اختیار کیا اور اس طریقے سے انھوں نے اپنے معاشی وتمدنی حالات کو بھی مستحکم کیا۔ چنانچہ اس نہج پر تاریخ نویسی کے متعلق کئی واقعات ایسے دستیاب ہوتے ہیں جو مندرجہ بالا امور پر شاہد ہیں اور اس کے موید ہیں جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کے دور حکومت میں عموماً تاریخ کی تدوین ہوئی اور عباسیوں نے خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے اور ان کے اعلیٰ مقام کو گرانے کے لیے علانیہ طور پر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کو نظر انداز کر کے ایک مورخ کا صحیح واقعات پر قلم اٹھانا کوئی سہل کام نہیں تھا۔

مذکورہ بالا حقائق ہم نے مضمون نگاری کی خاطر تخیل کے درجے میں ہی ذکر نہیں کیے اس کی تائید میں

تاریخ میں واقعات پائے جاتے ہیں۔ قارئین کے اطمینان کی خاطر ذیل میں تاریخ سے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں جو مسئلہ ہذا کے ثبوت میں ایک قوی دلیل ہیں:

① جس وقت ابوالعباس سفاح نے بنوامیہ کے آخری فرماں روا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان وغیرہ کو قتل کروا دیا تو اس موقع پر مورخین نے لکھا ہے کہ ابوالعباس سفاح کی افواج کا امیر عبداللہ بن علی دمشق شہر میں تیغ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا اس نے شہر میں قتل و غارت تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر ستر دن تک استعمال میں رکھا۔

اس چیز کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالے سے بنی امیہ کے آخری خلیفہ (مروان بن محمد بن مروان) کے مقتل کے تحت عباسیوں کے مظالم ذکر کرتے ہوئے دمشق کے احوال میں لکھا ہے کہ

((وذكر فى ترجمة محمد بن سليمان بن عبدالله النوفلى قال كنت مع عبدالله بن على اول ما دخل دمشق دخلها بالسيف واباح القتل فيها ثلاث ساعات وجعل جامعها سبعين يوما "اصطبلا" لدوابه وجماله...... الخ))

مزید برآں عباسیوں نے بنوامیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنوامیہ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک وغیرہم کی قبور کو اکھیڑ ڈالا اور ان کی بے حرمتی کی۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ

((ثم نبش قبور بنى امية...... الخ))

مورخین نے لکھا ہے کہ ان حالات میں عبداللہ بن علی مذکور نے خلفائے بنوامیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو قتل کروا دیا۔ یہ چیز البدایہ لابن کثیر میں مذکور ہے کہ

((ثم تتبع عبدالله بن على بن امية من اولاد الخلفاء وغيرهم فقتل منهم فى يوم واحد اثنين وتسعين الفا عند نهر بالرملة...... الخ))

مذکورہ بالا حالات و واقعات سے واضح ہے کہ جس دور میں اسلامی تاریخ کی تدوین کی ابتدا ہو رہی تھی اس دور میں مخالفین کی طرف سے بنوامیہ کے ساتھ عداوت اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کے قابل ذکر اشخاص و افراد کو چن چن کر ختم کر دیا تھا۔ ان حالات میں مورخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات کو کسی صحیح نہج پر کیسے تحریر کر سکتے تھے؟ اور ان کے عہد کی شاندار خدمات وہ کس طرح زیر قلم لا سکتے تھے؟

② اسی طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں مامون الرشید (عباسی خلیفہ) کے عہد کا ایک

دیگر واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

① ((وفیها (۲۱۱ھ) اظهر المامون التشیع وامر ان یقال خیر الخلق بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ وامر بالنداء ان براءت الذمته ممن ذکر معاویة بخیر)) [1]

② ((وفیها (۲۱۱ھ) امر المامون فنودی براءة الذمته ممن ذکر معاویة بخیر وان افضل الخلق بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ))

ان ہر دو عبارات کا مطلب یہ ہے کہ ۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی خلیفہ نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر الخلائق علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس امر کی منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں)

تائید از شیعہ

اس واقعہ کی تائید شیعہ کے مشہور مورخ مسعودی نے اپنی تصنیف ''مروج الذہب'' میں مامون کے حالات کے تحت بالفاظ ذیل درج کی ہے:

((وفی سنة اثنتی عشرة ومائتین نادی منادی المامون براءة الذمته من احد من الناس ذکر معاویة بخیر او قدمه (علی احد) من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)) [2]

''یعنی ۲۱۲ھ میں مامون نے منادی کرائی کہ جو شخص بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا اس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے (اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار نہیں)۔''

علامہ شبلی رحمہ اللہ کی طرف سے تائید

قریبی دور کے ایک مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''الانتقاد علیٰ تمدن الاسلامی'' میں اسلامی تاریخ کی تدوین پر ایک بہترین جائزہ ذکر کیا ہے جس سے ہمارے مضمون بالا کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

((ثم ان هناك امر اخر وهو ان المؤرخین بامرهم کانوا فی عصر بنی العباس

---

[1] دول الاسلام (ذہبی) ص ۹۴ تحت سنہ ۲۱۱ھ

العبر فی خبر من غبر (ذہبی) ص ۳۹۵ ج ۱ تحت سنہ ۲۱۱ھ مطبوعہ کویت

[2] مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص ۴۰ ج ۴ تحت نداء المامون فی معاویہ بسببہ (ذکر ایام المامون)

ومن المعلوم انه لم یکن یستطیع احد ان یذکر محاسن بنی امیة فی دولة العباسیین فاذا صدر من احد شیء من ذالك فلتة كان يقاسي قائلها انواعا من الهتك والايذاء وخامة العاقبة وكم لنا من امثال هذه فی اسفار التاريخ))

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مورخین عموماً بنی عباس کے عہد میں ہوئے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنو امیہ کے محاسن ذکر کرنے کی کسی شخص میں استطاعت نہیں تھی کیونکہ اگر کسی سے بنوامیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہو جاتی تو اس کے قائل کو کئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہتک عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے دو چار ہونا پڑتا تھا۔ دفتر تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔''

ظاہر بات ہے کہ اس نوع کے سرکاری اعلانات اور متشددانہ عملی اقدامات کے بعد تاریخ مرتب کرنے والوں نے جو تواریخ مدون کی ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں معائب، نقائص اور مطاعن ہی درج کریں گے۔ ان سے آں موصوف کے فضائل و محامد اور ملّی خدمات کے بیان کی امید رکھنا عبث ہے۔ الا ماشاء اللہ اگر کوئی مورخ ان فرامین شاہی سے متاثر نہ ہوا ہو اور وہ بہت قلیل اور شاذ کے درجہ میں ہو گا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے قارئین کو مطالعہ تاریخ کے وقت پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کوائف و حالات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تاریخی مواد میں کثرت سے اعتراضات پائے گئے اور معاندین صحابہ نے انھیں اپنے ذوق کے مطابق خوب نشر کیا اور اس مواد کو عوام میں پھیلا کر آں موصوف کی کردار کشی کی۔

تاریخ کے راویوں کا نظریاتی کردار

تاریخی واقعات کو نقل کرنے والے رواۃ میں مختلف نظریات اور رجحانات کے حامل لوگ ہوتے تھے بعض راوی خارجی اور بعض رافضی وغیرہ ذہن رکھتے تھے اور اسی طرح ناقلین واقعہ میں کئی قسم کے اپنے رجحانات پائے جاتے تھے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ روایت کو نقل کرنے میں راوی کے ذہن اور رجحانات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور واقعہ کو بیان کرنے میں معبر کی تعبیر بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔ بات کچھ ہوتی ہے اور اس بات کے نقل کرنے والے کے الفاظ اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، بالخصوص جب کہ روایت بالمعنی کی انھیں عام اجازت ہو۔ تاریخ کے ناقلین ان حالات میں حقیقت واقعہ کو نظر انداز کر کے اس میں اپنی روایات چلا دیتے ہیں اس وجہ سے بھی بہت سے اعتراضات کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور کئی مطاعن رونما ہو جاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مورخین نے اپنے غیر محتاط رویے کی وجہ سے بہت

کچھ مواد تاریخ میں ذکر کر دیا جس سے مخالفین نے مطاعن پیدا کر لیے اور یہ چیزیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کثرت اعتراضات کا باعث ہوئیں۔

بعض قواعد وضوابط

طعن اور دفع طعن کے باب میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی صحیح روایت سے طعن پیش کیا جائے جو اصول روایات کے اعتبار سے قابل قبول ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا اور جس طعن کی روایت قواعد فن کے اعتبار سے قابل رد اور نا قابل اعتماد ہو اس سے پیدا کردہ الزام قابل سماعت نہیں ہوتا اور حسب ضابطہ اس کا جواب دینا ہمارے ذمہ نہیں۔ چنانچہ اکابر علماء فرماتے ہیں کہ

((فترد کل من روایات التاریخ ما یعود منها علی شین وعیب فی بعض اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم))[1]

''یعنی وہ تاریخی روایات جن میں سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عیب اور طعن پیدا کیا جاتا ہے وہ روایات قابل رد ہیں اور قبول کے لائق نہیں۔''

مزید برآں یہ چیز علمائے کرام نے اس موقع میں تصریحاً ذکر کر دی ہے کہ جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے معارض ہوں ان کے متعلق یقین کیجیے کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے رواۃ کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو روایت حس اور مشاہدات کے خلاف پائی جائے اور کتاب وسنت کی نصوص متواترہ کے متباین ہو اور اجماع قطعی کے برخلاف پائی جائے ایسی صورتوں میں بھی وہ روایت قبول نہیں کی جاتی۔

چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) میں بعبارت ذیل یہ تصریحات ذکر کی ہیں:

((وکل حدیث رأیته یخالفه العقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم او یکون مما یدفعه الحس والمشاهدة او مباینا لنص الکتاب او السنة المتواترة او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذالك التاویل))[2]

مزید برآں کبار علمائے امت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المنار المنیف'' میں تحریر کیا ہے کہ:

---

[1] احکام القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کراچوی ص ۲۷۴ ج ۴ تحت بحث خاتمۃ الکلام فی مشاجرات الصحابہ

[2] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) تالیف علامہ سخاوی ص ۲۴۹-۲۵۰ ج ا طبع مدینہ منورہ تحت عنوان الموضوع

((ومن ذالك الاحاديث فی ذم معاوية رضی اللہ عنہ...... وكل حديث فی ذمه فهو كذب))[1]

پس مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان بیان کرنے والی روایات ناقابل اعتماد ہیں اور التفات کے ہرگز لائق نہیں۔

ایک اصول

اکابرین اہل سنت والجماعت کی عقائد اور قواعد کی کتابوں میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات معصوم ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ماسوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرین امت معصوم نہیں، ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔

((فان العصمة عن الخطاء مطلقا من خواص الانبياء ولا توجد فی الصحابة فضلا عن الاولياء))[2]

لیکن علمائے دین نے یہاں لکھا ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور اس کی تاویل ممکن ہو تو وہ تاویل کی جائے گی اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو روایت کو رد کرنا لازم ہوگا اور غلطی سے سکوت واجب ہوگا اور طعن کرنے سے بالیقین اجتناب کیا جائے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

((وان صدر عن احد من الصحابة ما لا يليق فلا يبعد عن الامكان ولما تشاجروا وقع بينهم التساب والتحارب وامور يتوحش المتامل فيها الا ان مذهبنا اهل السنة والجماعة هو بذل الجهد فی تاويلها واذا لم يمكن التاويل وجب رد الرواية و وجب السكوت وترك الطعن للقطع بان الحق سبحانه وعدهم المغفرة والحسنى))[3]

مذکورہ بالا اصول اور قواعد کے تحت جواب المطاعن میں کلام کیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدم معصومیت تسلیم کر لینے کے بعد یہ چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

اگر ان سے فروگزاشتیں ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کے سامان کر دیے ہیں اور ان سے مغفرت کر دینے اور جنت عطا فرمانے کے وعدے بھی فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے صادق ہیں اور وہ

---

[1] المنار المنیف فی الصحیح والضعیف (ابن قیم) ص ۱۱۷ فصل نمبر ۴۳ طبع حلب

[2] الرفع والتکمیل (مولانا عبدالحئی لکھنوی) ص ۱۷ تحت تذنیب نبیہ، طبع حلب

[3] الناہیہ عن طعن معاویہ، مولانا عبدالعزیز پرہاروی ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ

یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ لیکن اسلامی قواعد کی رو سے ہم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کرنا لازم ہے۔ اسی بنا پر ہماری یہ کوششیں جاری ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے مطاعن و اعتراضات کے جوابات اس سلسلے میں مرتب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

طاعنین کے اصناف

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سوء ظنی اور تنفر رکھنے والے کئی لوگ ہیں اور بدگمانی پھیلانے والے کئی طبقات ہیں:

① ان میں سے اپنے آپ کو شیعہ کہلانے والے (روافض) تو زمانہ قدیم سے ہی بدظنی کا شکار ہیں اور ان کی تمام مساعی کیا بلکہ تمام زندگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور ان کی تنقیص شان میں صرف ہوتی ہے اور یہی ان کا محبوب مشغلہ ہے اور محاسبہ آخرت کا ان کو کچھ خوف نہیں۔

② اور بعض گروہ ایسے ہیں جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت رکھتے ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا اور ان سے سوء ظن رکھنا اہل بیت النبی کی محبت کا تکملہ اور تتمہ سمجھتے ہیں۔

مگر درحقیقت یہ چیز اہل سنت والجماعت کے مسلک اعتدال کے برخلاف ہے اور یہ طریق کار مسلک اہل سنت کے لیے ضرر رساں ہے اور اس اسلوب سے فرقہ ہائے شیعہ کے نظریات کی تائید ہوتی ہے جو دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ بھی صحیح نہیں اور بالکل غلط ہے۔

③ اور بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ظاہر روایات پر نظر کرنے کی وجہ سے ان پر طعن قائم کرتے ہیں اور بوجہ ظاہریت کے روایت کی تاویل اور اس کے صحیح مفہوم اور محمل تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بھی سوء ظنی کا شکار ہیں اور اپنی کم فہمی کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

④ اور اس دور میں بعض طبقے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان اور عیب چینی کرنے میں تمام تر قوتیں صرف کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں یہ گروہ بڑے خطرناک ہیں اور اہل اسلام میں رخنہ ڈالنے والے ہیں اور گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت بخشے اور تمام صحابہ کرام اور اولادِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت نصیب فرمائے اور ان سے حسن ظن رکھنے کی ہمیں توفیق عنایت فرمائے اور سوء ظنی و بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

ان تمہیدی اور اصولی امور کے بعد ہم امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وارد کیے گئے مطاعن کے جوابات پیش کرتے ہیں۔ یہ جوابات ان ہی مطاعن سے متعلق ہیں جو ہمارے سامنے مختلف طریق

سے آئے ہیں۔ تمام مطاعن کے جوابات کا دعویٰ نہیں۔ اللہ کریم ہماری یہ کوشش منظور و مقبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کی ہدایت کا باعث بنائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی رفع کرنے کا سبب قرار دے۔

ایک معذرت

مولف ناچیز ایک بہت کم علم آدمی ہے اور اس طریق کا ادنیٰ خادم ہے۔ بندہ نے کم و بیش اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کیے ہیں ان میں اپنی معلومات کی حد تک جواب باصواب کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ کوئی حرف آخر نہیں۔ اگر ان میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو علمائے کرام اور فاضلان عظام اس کی اصلاح فرمائیں اور مزید جوابات مرتب کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کریں۔ اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دفاع کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کی حفاظت کرنا نہایت اہم دینی کام ہے جو قیامت میں اجر کثیر کا موجب ہوگا۔

نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جتنے مطاعن کے جوابات پیش کیے گئے ہیں ان میں ترتیب زمانی صحیح طور پر قائم نہیں کی جا سکی۔ کیونکہ یہ امر نہایت دشوار ہے اور عادتاً مشکل ہے۔ پس کیف ما اتفق ان کو پیش کر دیا گیا ہے۔ ناظرین کرام (اہل انصاف) سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (سورۃ الحدید)

''اللہ تعالیٰ نے (صحابہ میں سے) ہر ایک سے حسنیٰ (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (سورۃ الانبیاء)

''بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے ہماری جانب سے الحسنیٰ (جنت) کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور ہوں گے۔''

جواب المطاعن

تالیف حضرت مولانا محمد نافع (محمدی شریف ضلع جھنگ)

اس پیشکش میں جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر وارد کردہ قدیم و جدید مطاعن اور وضع کردہ اعتراضات کا مسکت جواب پیش کیا گیا ہے اور حتی الوسع مجادلانہ و مناظرانہ نوک جھونک اور عبارتی گرفت سے اجتناب کرتے ہوئے تحقیقی انداز میں معلومات پیش کی ہیں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کیا ہے۔ یہ تالیف بہ نظر انصاف ملاحظہ کرنے سے بہت سودمند ثابت ہو گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور بہت سے شبہات کے ازالہ کا باعث بنے گی...... (بعونہ تعالیٰ)

فہرست جواب المطاعن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات

روایت ''الفئة الباغیہ'' کے متعلقات

قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ'' کے مباحث صفین میں بقدر ضرورت اس روایت کے مفہوم اور محمل کے متعلقات بیان ہو چکے ہیں۔ اب اس مقام پر کچھ بقایا چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جو مقام کے اعتبار سے نہایت سودمند ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے مسجد نبوی کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا:

((ویح عمار! تقتلك الفئة الباغية))

اور بعض مقام پر صیغہ غائب کے ساتھ یہی کلام مذکور ہے یعنی تقتله الضيئة الباغية (اوکما ذکر فی الحدیث) اس کا مطلب یہ ہے کہ (عمار کو) ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

روایت ہذا کے بعض طرق میں بعض مقامات پر اس طرح کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں کہ:

اول: ((يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار))

''یعنی (عمار) ان کو جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ (لوگ) اسے آگ کی طرف بلاتے ہیں۔''

پھر اس سے آگے بعض مقامات پر الفاظ ذیل کا اضافہ بھی پایا گیا ہے:

دوم: ((لا انا لها الله شفاعتى يوم القيامة))

''یعنی یہ لوگ قیامت کے دن میری شفاعت نہیں پا سکیں گے۔''

معترض لوگ روایت ہذا اور اس کے ان اضافہ جات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت پر باغی ہونے کے طعن کے ساتھ ساتھ ان کے جہنمی ہونے اور شفاعت سے محروم ہونے کا طعن تجویز کرتے ہیں...... مطلب یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باغی ہے اور جہنم کی مستحق اور شفاعت سے محروم ہے۔

جن حضرات کی شیعہ کتب کے مباحث مطاعن پر نظر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں روایت ہذا ان کے نزدیک مدار طعن اور محور اعتراض ہے۔

جواب

مذکورہ اعتراض کے جواب میں اس موقع پر چند امور پیش کیے جاتے ہیں بشرط انصاف ان پر نظر غائر

فرمانے کے بعد اعتراض کا ازالہ ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

❶ روایت ہذا میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی کا ذکر خیر ہے جو اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے۔ جمہور محدثین نے روایت ہذا کی صحت کا قول کیا ہے۔ اور اصل روایت کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اس روایت کی عدم صحت کا قول کرتے ہیں مگر یہ چیز درست نہیں اور جمہور محدثین کا موقف یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

❷ روایت بالا کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دراصل روایت ہذا دو طرح پر منقول ہے:

اس کی ایک شکل تو وہ ہے جو عام طور پر مروی ہے اور بخاری شریف وغیرہ میں ہے یعنی بنائے مسجد نبوی کے وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ

((ویح عمار! تقتلك الفئة الباغية))

اور اس کی دوسری صورت وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر میں ذکر کی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ

((قال سعد بن عامر القرظی قال حدثتنی ام عمار (حاضنة لعمار) قالت اشتکی عمار قال لا اموت فی مرضی حدثنی حبیبی رسول الله صلی الله علیه وسلم انی لا اموت الا قتلا بین فئتین مؤمنین))[1]

''یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حضانت ونگہداشت کرنے والی خاتون کہتی ہیں کہ ایک بار عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے (ہم لوگ ان کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے) تو عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے (پریشان نہ ہوں) اس بیماری میں میری موت نہیں آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے حق میں میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ ایمانداروں کی دو جماعتوں کے درمیان میں مقتول ہوں گا اور اس صورت میں میری موت واقع ہو گی۔''

اس روایت کی روشنی میں ذیل اشیاء ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی موت قتل کی صورت میں ہو گی یعنی بستر پر موت نہیں آئے گی۔

۲۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی موت مومنین کی دو جماعتوں کے درمیان واقع ہو گی۔

۳۔ یہ دونوں جماعتیں ایماندار ہوں گی بے ایمان نہیں ہوں گی۔

۴۔ ان دو جماعتوں کا باہم تنازع یا مابہ الاختلاف کا معاملہ ایسا نہیں ہو گا کہ ان کو ایمان سے خارج کر

---

[1] تاریخ صغیر (امام بخاری) ص ۴۲ تحت من مات بعد عثمان فی خلافة علی

ڈالے اور یہ دینی حدود سے متجاوز ہو جائیں۔ بلکہ وہ مجتہد فیہ مسئلہ کے درجے میں ہو گا۔

اصل روایت کی صحت مسلم ہونے اور اس کی دوسری شکل پیش کر دینے کے بعد یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ رواۃ اور ناقلین کی طرف سے روایت کی پہلی شکل میں ادراجات اور اضافے پائے گئے ہیں، اور یہ تمام ظن راوی ہے اصل روایت کا حصہ نہیں، اور مدار طعن یہی کلمات ہیں، ان کی وجہ سے طاعنین نے طعن پیدا کر لیے ہیں۔ ان کی نشاندہی کر دینے سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور قابل اشکال نہیں رہتا۔

یہ کلمات (یدعوهم الى الجنة ویدعونه الى النار) صرف راوی عکرمہ نے نقل کیے ہیں۔ اس روایت کے نقل کرنے والے دوسرے راوی ان کلمات کو نہیں ذکر کرتے۔ یہ الفاظ صرف عکرمہ سے مروی روایات میں ہی پائے جاتے ہیں۔

بندہ کی ایک خام جستجو کے مطابق یہ روایت قریباً بیس سے زائد مصنفین[1] نے نقل کی ہے اور ان میں

---

[1] اہل علم کی تسلی کے لیے ان تصانیف کا ذکر کر دینا مفید سمجھا گیا ہے جن میں روایت ''الفئۃ الباغیۃ'' نقل کی گئی ہے لیکن ان مقامات پر "یدعوهم الى الجنة ویدعونه الى النار" اور کلمہ "لا انا لها الله شفاعتی یوم القيامة" وغیرہ میں سے کوئی ایک کلمہ بھی نہیں پایا گیا:

1. مسلم شریف ج ۲ کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ (دو بار)
2. ترمذی شریف ابواب المناقب (مناقب عمارؓ)
3. خصائص علی (امام نسائی) (متعدد بار مروی ہے)
4. مصنف عبدالرزاق ج ۱۱
5. صحیح ابن حبان ج ۸، ۹ (متعدد بار)
6. مسند ابوداؤد طیالسی تحت احادیث زید بن ثابتؓ
7. مصنف ابن ابی شیبہ جلد ج ۱۵، کتاب الجمل، باب ماذکر فی الصفین (دوبار)
8. مسند امام احمد ج ۲، ۳، ۴، ۵، ۶

ان مقامات پر صرف ایک روایت جو عکرمہ کے ذریعے سے مروی ہے اس میں (یدعوهم ...... الخ) کا اضافہ پایا گیا ہے باقی مقامات پر دستیاب نہیں ہوا۔

9. مستدرک حاکم ج ۳، ابواب فضائل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)
10. طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)
11. دلائل النبوۃ (بیہقی) ج ۶ (تین بار)
12. کتاب الاعتقاد علیٰ مذہب السلف (بیہقی) ص ۳۷۴-۳۷۵ طبع بیروت (۲ عدد روایت)
13. شرح السنہ (بغوی) ج ۱۴ باب مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما
14. مجمع الزوائد (ہیثمی) ج ۹ باب فضل عمار (بحوالہ ابی یعلی، بزار، طبرانی) (متعدد بار)

←

سے بعض تصانیف میں روایت ہذا متعدد اسانید سے مروی ہے۔ حتی المقدور جستجو کر کے یہ چیز ان کتب سے اصل ماخذ ملاحظہ کرنے کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔ اس تحقیق کو نقل در نقل پر محمول نہ کرلیا جائے۔ نیز یہ چیز بھی ملحوظ رہے کہ یہاں ہمارا کلام اس مسئلہ میں مرفوع و متصل روایات کے متعلق ہے اور جو روایات غیر مرفوع اور مرسل یا غیر متصل ہیں یہ بحث ان کے اعتبار سے نہیں کی جا رہی ہے۔

مندرجہ بالا مرویات میں سے قریباً دو تین اسانید جو عکرمہ عن ابن عباس منقول ہیں صرف ان میں یہ کلمات پائے گئے ہیں۔ بندہ کی ایک ناقص تلاش کے مطابق ان کے ماسوا کسی صحیح مرفوع و متصل روایت میں کلمات ہذا دستیاب نہیں ہو سکے جس میں عکرمہ راوی نہ ہو۔ تا حال یہی تحقیق ہے۔ والعلم عند اللہ۔ بنا بریں یہ واضح کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کلمات (یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار) عکرمہ کی طرف سے ادراج فی الروایہ ہیں اور یہ اضافہ ظن راوی کے درجے میں ہے اور صرف اس کی طرف سے یہ کلمات اضافہ کیے گئے ہیں۔ یہ مرفوع اور متصل روایت کا حصہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد عکرمہ کے متعلق چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو اس ادراج کا پس منظر واضح کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں:

① عکرمہ مولیٰ ابن عباس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام اور شاگرد ہے اور اس کا اصل نام ابو عبداللہ عکرمہ البربری المدنی مولیٰ ابن عباس ہے۔

② عکرمہ کے متعلق علمائے رجال نے توثیق بیان کی ہے اور اس کی وثاقت اور عدالت کو کامل طور پر ذکر کیا ہے (جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے) اور یہ کوئی مخفی امر نہیں ہے۔

③ اس کے باوجود علمائے رجال نے مندرجہ ذیل چیزیں بھی عکرمہ کے بارے میں نقل کی ہیں:

الف: ((قال ابو خلف الخزار عن یحیی البکاء سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول لنافع اتق الله ویحك یا نافع ولا تکذب علی کما کذب عکرمة علی ابن

←

⑮ تاریخ ابن جریر طبری ج ۶ تحت مقتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

⑯ تاریخ ابن جریر طبری ج ۱۳ تحت من مات او قتل فی سنہ ۳۷ھ

⑰ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) ج ۴ تحت عبداللہ بن ابی ہذیل (تین بار)

⑱ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) ج ۷ تحت شعبہ بن حجاج (متعدد بار)

⑲ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۲، ۵، ۱۱ (متعدد بار)

⑳ کنز العمال (متقی الہندی) ج ۶، باب صفین، فضائل عمار رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

㉑ کنز العمال، متقی الہندی ج ۷ کتاب الفضائل تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

㉒ تاریخ ابن عساکر ج ۱۲ ص ۶۳۴ (مخطوطہ قلمی) تحت تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

عباس))[1]

ب: ((عن سعید بن المسیب انه کان یقول لغلامه برد: یا برد لا تکذب علی کما یکذب عکرمة علی ابن عباس)) [2]

ج: ((علی بن عبدالله بن عباس...... انه قال عکرمة یکذب علی ابی)) [3]

د: ((قال علی بن المدینی کان عکرمة یری رای نجدة الحروری)) [4]

ھ: ((ولکنه کان یری رای الخوارج رای الصفریة)) [5]

و: ((قال وکان عکرمة یری رأی الاباضیة)) [6] (فرقة من الخوارج تنسب الی عبدالله بن اباض)

ز: ((عکرمة مولی ابن عباس من اوعیة العلم تکلموا فیه لرایة لا لحفظه اتهم برای الخوارج وثقه غیر واحد...... الخ)) [7]

ح: ((قال یحیی وبلغنا عن عکرمة انه کان لا یقول هذا (ای قول الخوارج) و هذا باطل)) [8]

مندرجہ بالا چند امور جو عکرمہ کے متعلق پیش کیے ہیں ان سے مقصد یہ ہے کہ عکرمہ ذاتی طور پر اباضیہ صفریہ اور نجدہ حروری کی رائے رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ جس طرح نظریاتی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بھی فکری اور نظری طور پر مخالف تھے۔ ان کو تاریخ میں خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان حالات کے اعتبار سے اگر عکرمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور ان کی جماعت کے

---

۱ تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۲ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۵ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما
تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۳ تہذیب التہذیب ص ۲۷۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۴ کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۷ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۵ الکامل (ابن عدی) ص ۱۹۰۵ ج ۱ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما
طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ (طبع لیڈن) تحت عکرمہ

۶ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۱۲ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۷ المغنی فی الضعفاء (ذہبی) ص ۴۳۸ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۸ التاریخ (یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ) ص ۴۱۲ ج ۲، ص ۱۰۶ ج ۳

خلاف کوئی بات اپنی طرف سے روایت میں درج کرے تو یہ ممکن ہے۔ یہ چیز ادراج شمار ہوگی، افترا نہیں۔ اور ہم اسے بھی ایک احتمال کے درجے میں ذکر کر رہے ہیں۔

④ اس مقام پر یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ مذکورہ کلمات نقل کرنے میں عکرمہ کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اسے ادراج نہ کہتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس راوی کا روایت کے متعلق متابع نہ پایا جائے وہ قابل تسلیم نہیں سمجھی جاتی اور اس پر کامل اعتماد نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ مدرج کلمات لائق اعتبار نہیں ہیں۔

علیٰ سبیل التنزل

اگر اس نقد سے قطع نظر کر لی جائے تو علمائے کرام نے ان کلمات کے محمل کے لیے متعدد توجیہات ذکر کی ہیں:

① عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اسلام کے ابتدائی دور میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی کی جاتی تھی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اسلام ترک کرنے پر مجبور اور مقہور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود آپ توحید اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس ابتدائی اور آزمائشی دور میں بعض دفعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

①((فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعبت قريش بعمار "ما لهم ولعمار؟ عمار يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار))[1]

"یعنی اس حال میں کہ قوم قریش عمار کے ساتھ ایذا رسانی کرتے ہوئے کھیل بناتے تھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لیے اور عمار کے لیے کیا ہے؟ عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور یہ لوگ اسے دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔"

② اور بعض جگہ اسی روایت کے آخر میں مزید یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں وذالك داب الاشقياء الفجار[2]

"یعنی یہ فاجر اور شقی لوگوں کا طریقہ ہے جو انھوں نے اختیار کر رکھا ہے۔"

اسی مفہوم کو صاحب فیض الباری الشیخ الکبیر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل عبارت میں بیان کیا ہے۔

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۸ ج ۷ تحت بحث صفین
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۶۲۶ ج ۱۲ تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

[2] فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۸۵۸ ج ۲ تحت فضائل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما
کنز العمال (علی متقی الہندی) ص ۵۔ ج ۷ تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کتاب الفضائل
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۶۲۶ ج ۱۲ تحت تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

③((اما قوله "يدعوهم الى الجنة" فاستيناف لحاله مع المشركين و قريش العرب و اشارة الى المصائب التى اتت عليه من جهة قريش و تعذيبهم والجاءهم اياه على ان يكفر بربه فابى الا ان يقول الله احد وفيه قلت بادہ نوشان غمت داودؒ و معروفؒ و جنیدؒ جاں فروشان درت عمارؓ و سلمانؓ و بلالؓ فهذه حكاية للقصة الماضية و منقطعة عما قبلها لا اخبار عن حال قاتليه))[1]

''یعنی يدعوهم الى الجنة والا جملہ مستانفہ ہے اور مشرکین و قریش عرب کے حال کو بیان کرنے کے لیے ہے اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے تعذیب اور جبر کی صورت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور عمار انکار کرتے ہوئے ''اللہ احد'' پکارتے تھے۔ پس یہ جملہ گزشتہ قصہ کی حکایت کے طور پر منقول ہے اور اپنے ماقبل سے منقطع ہے اور عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے حال کے ساتھ اس جملے کا تعلق نہیں۔ اور اسی کیفیت کے مناسب جناب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ فارسی شعر ذکر فرمایا ہے۔''

مختصر یہ ہے کہ یہ جملہ اگر واقع میں روایت کا جز ہے تو اس کا محمل اور محل سابقہ ابتلائی آزمائشی دور ہے اور رواۃ نے اپنے تصرفات کی بنا پر اہل اسلام کے باہم قتال کی طرف لگا دیا ہے جو مقام ''صفین'' میں پیش آیا تھا۔

④ اور اگر ان کلمات کا سابق دور کے ساتھ تعلق نہ بھی بنایا جائے تو علمائے کرام نے ان کلمات کا مفہوم ذیل صورت میں ذکر کیا ہے:

((فالجواب انهم كانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة وان لم يكونوا كذالك بحسب الواقع لكنهم معذورون للتاويل الذى ظهر لهم لكونهم مجتهدين لا لوم عليهم))[2]

اور اسی طرح شارح بخاری شریف علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے بھی یہی توجیہ ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

((قلت انهم كانوا ظانين انهم يدعونه الى الجنة وان كان فى الواقع دعاء الى

---

[1] فیض الباری (الشیخ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری) ص ۵۲ ج ۲ تحت الحدیث (طبع مجلس علمی، ڈابھیل)

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاری (ابن حجر) ص ۴۳۰ ج ۱، کتاب الصلوۃ باب التعاون فی بناء المسجد
فیض الباری حاشیہ بخاری شریف ص ۵۲ ج ۲ باب التعاون فی بناء المسجد
لامع الدراری علی جامع البخاری ص ۱۷۴ ج ۱ طبع اول (ہند)

النار وهم مجتهدون يجب عليهم متابعة ظنونهم))[1]

''ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مقاتلہ کرنے والے اپنے زعم میں جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اگرچہ واقع کے اعتبار کے غلطی پر تھے لیکن وہ اپنی تاویل فکر کی بنا پر مجتہد معذور کے درجے میں تھے۔ ان پر اپنے ظن و گمان کی متابعت لازم تھی فلہٰذا یہ لوگ قابل ملامت و مذمت نہیں۔''

۳ دیگر توجیہ

روایت مذکورہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت پر بغاوت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر جماعت تھے فلہٰذا ان پر بھی اطلاق بغاوت ہوتا ہے۔

اس چیز کے متعلق اہل علم حضرات دیگر توجیہات کے علاوہ ایک یہ توجیہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ان ایام میں جو حالات پیدا ہو گئے اور اس دور کے جو تقاضے سامنے آئے وہ بہت ہی نازک مراحل تھے، ان کی صحیح کیفیات کا اندازہ بعد والے لوگ نہیں لگا سکتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلیفہ برحق کے خلاف جو اقدام کیا تھا وہ بہ تقاضائے حالات ایک امر مجبوری تھا۔ اس کی مثال اس مسئلے کی شکل میں سمجھ لی جائے کہ نمازی کے لیے نماز کو بلاوجہ توڑ دینا ناجائز اور ممنوع ہے لیکن اگر دیکھے کہ نابینا شخص ہے اور آگے کنواں ہے یا بچے کا چھت پر سے گر جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ، تو ایسے وقت میں ان کو بچانے کے لیے نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہے۔

اسی طرح بغاوت کے مسئلے میں یہ یہی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس وقت بغاوت ایسی ہی ضروری تھی جیسا کہ مذکورہ بالا مسئلے میں نقض صلوٰۃ ہے۔ فلہٰذا انھوں نے ان تقاضوں کے تحت خلیفہ وقت سے اختلاف اپنے اجتہاد فکر کی بنا پر کیا تھا۔ تاہم علماء نے اس خلاف کے متعلق درج ذیل قول تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں مباحث صفین کے تحت ذکر کیا ہے کہ

((ان اهل السنة اجمعوا على ان من خرج على على كرم الله وجهه خارج على الامام الحق الا ان هذا البغي الاجتهادي معفو عنه))[2]

''یعنی اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونا بنا بر اجتہاد ہے اور وہ ان کے حق میں معاف ہے۔''

---

[1] شرح کرمانی علی البخاری ص ۱۰۷-۱۰۸ ج ۴ کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد

[2] الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۸ تحت الجواب التاسع، طبع ملتان

دوسرا جملہ

روایت مذکورہ میں بعض مقامات پر یہ کلمات (لا انا لها الله شفاعتی یوم القیامة) پائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق کبار علماء نے صاف فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ بالکل بے اصل اور موضوع ہیں اور دروغ محض ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں:

① ((واما قوله "لا انا لها الله شفاعتی" فکذب مزید فی الحدیث لم یروه احد من اهل العلم باسناد معروف))[1]

②((ومن زاد فی هذا الحدیث بعد تقتلك الفئة الباغیة لا انا لها الله شفاعتی یوم القیامة فقد افتری فی هذه الزیادة علی رسول الله ﷺ فانه لم یقلها اذ لم تنقل من طریق تقبل والله اعلم))[2]

③ ((وما زاده الروافض فی هذا الحدیث بعد قوله "الباغیة" "لا انا لها الله شفاعتی یوم القیامة" فهو کذب و بحت علی رسول الله ﷺ فانه قد ثبت الاحادیث عنه صلوات الله علیه وسلامه بتسمیة الفریقین مسلمین))[3]

''مطلب یہ ہے کہ روایت مذکورہ بالا میں اس نوع کے کلمات بعض مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اضافہ کر دیے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف غلط انتساب کیا ہے کیونکہ نصوص میں باہم قتال کرنے والے دونوں فریقوں کو آنجناب ﷺ نے ''مسلمان اور مومن'' فرمایا ہے اور یہ اہل اسلام کے دونوں فریق ہیں (اگر چہ ایک فریق حقیقت میں حق پر ہے اور دوسرا فریق اپنے زعم میں حق پر ہے)۔''

اہل اسلام کے لیے نبی اقدس ﷺ کی شفاعت علیٰ حسب الاذن سب کے لیے ہوسکتی ہے فلہٰذا قیامت کے دن مسلمان کے لیے شفاعت نبوی کی نفی کرنا درست نہیں۔

اختتام بحث ہذا میں

① اولاً یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ مسئلہ ہذا کے یہ تمام مراحل روایت کی شکل اول پر مبنی تھے (جس میں "الفئة الباغیة" کے الفاظ پائے جاتے ہیں) اور اس روایت کی دوسری شکل جو حاضنہ عمار سے منقول و مروی ہے (انی لا اموت الا قتلا بین فیئتین مومنین) جس طرح کہ ابتدائے بحث میں بیان کر دیا گیا

[1] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۹۴ ج ۳ تحت بحث ہذا

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت فصل فی بناء المسجد......الخ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۱ ج ۷ تحت بحث قتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما......الخ (طبع اول مصر)

ہے۔ اس روایت کی روشنی میں معاملہ بالکل واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت سمیت صفت ایمان سے متصف ہیں اور باغی و طاغی نہیں۔

روایت کی ایک صورت اختیار کر کے اس پر کئی نتائج اپنی طرف سے متفرع کرنا اور اس فرمان نبوی کے دیگر پہلو کو نظر انداز کر دینا دین و انصاف کے تقاضوں کے برخلاف ہے۔ نیز اختلاف رائے کے ایک وقتی دور کے گزر جانے کے بعد ان پر یہ الزامات قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

(۲) ثانیاً یہاں یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ان مشاجرات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ۴۰ھ میں صلح و مصالحت[1] ہوگئی تھی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کی بھی ربیع الآخریٰ یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ہوگئی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی۔ اس "صلح" اور "بیعت" کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام اہل اسلام کے لیے خلیفہ برحق تجویز ہو گئے اور صحیح امام المسلمین اور امیر المومنین ٹھہرے۔ اس ابتلائی دور کے گزر جانے کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہیں، نہ طاغی ہیں، نہ فاسق ہیں نہ جائر ہیں اور نہ ظالم ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیر بحث روایت کا تعلق ایک خاص دور کے ساتھ ہے اس کے ختم ہو جانے کے بعد پھر ان مسائل کو کھڑا کرنا اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے اور محاسبہ آخرت سے بے فکری کا مظاہرہ ہے۔ اس چیز کو قبل ازیں "سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ" (مباحث صفین) میں تحت روایت ہذا ذکر کر دیا ہے اور یہاں یہ چیز اہم اضافہ جات کے ساتھ بطور یاددہانی کے دہرائی گئی ہے۔

---

[1] تاریخ طبری ص۸۱ ج۶ تحت سنہ ۴۰ھ

الکامل (ابن اثیر جزری) ص۱۹۳ ج۳ تحت سنہ ۴۰ھ

البدایہ (ابن کثیر) ص۳۲۲ ج۷ تحت سنہ ۴۰ھ

طلقاء کی بحث

معترض لوگ طلقاء کی بحث کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا ''طلقاء'' حقارت اور نفرت کا کلمہ ہے اور جن لوگوں کے حق میں یہ کلمہ استعمال کیا گیا وہ قابل نفرت اور حقارت تھے۔ اور طاعنین ان حضرات کو طلیق ابن طلیق کہہ کر مذمت کے عنوانات سے نوازتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو اس طعن کا خاص مورد گردانتے ہیں۔

جواب

اس بحث کے لیے ذیل میں ہم چند امور بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرما کر قارئین کرام اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے یہ چیز معلوم کرنا ضروری ہے کہ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کس موقع پر اور کس صورت میں ارشاد فرمائے؟ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کون لوگ تھے؟ چند مخصوص افراد تھے یا عام جماعت تھی؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "انتمَ الطلقاء" کو کلمہ حقارت و نفرت سمجھتے تھے؟ اور کیا طلقاء منصب خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

کلمہ "انتم الطلقاء" کا مورد

کلمہ "انتم الطلقاء" ارشاد فرمانے کا موقع اس طرح پیش آیا کہ رمضان المبارک ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باب کعبہ کے پاس قیام فرما ہوئے اور وہاں مختلف احکامات صادر فرمائے۔ ان فرامین میں سے ایک فرمان درج ذیل ہے:

''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا تکبر و غرور اور اپنے آباء واجداد کے ساتھ فخر و تفاخر دور فرما دیا ہے۔ تمام لوگ آدمؑ سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی...... پھر فرمایا اے گروہ قریش! تمھارا کیا خیال ہے میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے کہا: آپ بہتر معاملہ کریں گے کیونکہ آپ مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور شریف کی اولاد ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ((اذھبوا انتم

طلقاء))[۱] یعنی تم سب کو معافی دی گئی، رخصت ہو جاؤ۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ:

((ثم قال یا معشر قریش! ما ترون انی فاعل فیکم؟ قالوا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم قال اذھبوا فانتم الطلقاء))[۲]

''یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قریش کی جماعت! تمھارا کیا خیال ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ خیر و سلامتی سے پیش آئیں گے۔ آپ مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ رخصت ہو جاؤ، تمھیں معافی دی گئی ہے۔''

پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ (عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ تھے)۔ پس ان کو بلایا گیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کلید کعبہ عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((الیوم یوم بر و وفاء))[۳]

''یعنی آج احسان و وفا کا دن ہے (بدلہ لینے اور سزا قائم کرنے کا دن نہیں ہے)۔''

ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مقام پر اسی مضمون کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((ثم منّ علی قریش بعد ان ملکھم یومئذ وقال اذھبوا فانتم طلقاء واسلموا))[۴]

''یعنی سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز قریش پر قابو پانے کے بعد احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم کو معافی دی گئی ہے رخصت ہو جاؤ اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

طلقاء کے مخاطبین

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ خطبہ مذکورہ کے وقت قریش مکہ کے متعدد قبائل پیش خدمت تھے۔ ان تمام حاضرین سے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد مخاطب نہیں تھے اور خواص افراد کے لیے کوئی خصوصی خطاب نہ تھا بلکہ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے قبائل[۵]

---

۱ سیرت ابن ہشام ص ۴۱۲ ج ۲ تحت طواف الرسول بالبیت

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۱ ج ۴ تحت احوال فتح مکہ، طبع مصر

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۱ ج ۴ تحت احوال فتح مکہ

۴ تاریخ ابن خلدون ص ۵ ج ۳ قسم اول تحت دولۃ بنی امیہ طبع بیروت

۵ علمائے کرام نے اس مقام پر یہ صراحت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن جو قبائل مسلمان ہوئے تھے وہ دو ہزار کے قریب قریب ←

حاضر تھے مثلاً بنی تیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم اور بنی عبدالشمس (بنو امیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل موجود تھے۔

ان تمام حاضرین کے حق میں فرمان نبوت صادر ہوا تھا کہ اذھبوا انتم الطلقاء اور آنجناب ﷺ نے اس وقت اپنے خطبے میں یا معشر قریش کے الفاظ متعدد بار استعمال فرمائے تھے چنانچہ یہی الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ آنجناب ﷺ کا مخصوص افراد یا مخصوص قبیلہ سے خطاب کرنا مقصود نہ تھا۔ فلہٰذا بنو امیہ کے مخصوص چند افراد مثلاً ابوسفیان، امیر معاویہ، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وغیرہ رضی اللہ عنہم کو طلقاء طلقاء کہہ کر عوام میں نفرت پھیلانا درست نہیں۔

نیز ''الطلقاء'' کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں، یہ کلمات کوئی مذمت یا حقارت وتحقیر کے لیے نہیں کہ جن سے عوام میں تنفر ونفرت پیدا کی جائے۔ مزید برآں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں باہمی حقارت اور تنفر قائم نہیں تھا اور نہ یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔

طلقاء کے لیے مناصب

اب اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے احباب اس مسئلے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ طلقاء جس طرح منصب خلافت کے لیے اہل نہیں اسی طرح کسی دیگر منصب کے بھی اہل نہیں۔

← افراد تھے۔ ان میں سے بعض حضرات اسلام لانے کے بعد اخیار المسلمین میں شمار کیے گئے مثلاً حارث بن ہشام، سہل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (ہاشمی)، عتاب بن اسید اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ۔ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام مقبول ومنظور ہوا۔[1]

مزید برآں اس مقام پر یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر محترمہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بھی اسی موقع پر مشرف باسلام ہوئیں اور بقول خود طلقاء کے خطاب میں شامل تھیں۔[2] اور دیگر ہاشمی حضرات کے ساتھ معافی پانے والے افراد کے زمرے میں داخل تھیں۔ کیونکہ کلمہ ''انتم الطلقاء'' میں دیگر قبائل کے ساتھ بنی ہاشم کے وہ افراد بھی وہ جو قبل ازیں اسلام نہ لا سکے تھے شامل وشریک تھے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا مختصر حال ہم نے سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں عنوان ''خواہران'' (بہن) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

---

۱ منہاج السنۃ ص۲۰۲ ج۲ تحت قول الرافضی ان رسول اللہ ﷺ طعن معاویہ طلیق ابن طلیق

۲ تاریخ الخمیس ص۱۶۳ ج۱ تحت اولاد ابی طالب، ص۱۷۱ ج۲ تحت ذکر من خطب علیہ السلام من النساء...... الخ

گویا معترضین کے نزدیک اسلامی معاشرے میں طلقاء کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں اور نہ وہ کسی منصب دیے جانے کے اہل ہیں اور ان کو اہل اسلام ہمیشہ حقارت ونفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اسلام میں اور مسلمانوں میں ان کو کوئی اعزاز حاصل نہیں۔

طاعنین کے ان نظریات کے جواب میں مختصراً ہم مندرجہ ذیل چیزیں پیش کرتے ہیں، بنظر انصاف انھیں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں سے ان حضرات کا مقام ومرتبہ خود بخود واضح ہو جائے گا، کسی سوال وجواب کی حاجت نہ رہے گی:

① عہد نبوی میں فتح مکہ کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اَسید رضی اللہ عنہ (جو طلقاء میں سے ہیں) کو مکہ مکرمہ کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔

((وعتاب بن اسید رضی اللہ عنہ الذی ولاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ لما فتحھا))[1]

② ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جو طلقاء میں سے تھے اور بنی امیہ کے روساء میں سے تھے ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اہم مناصب عنایت فرمائے مثلاً:

① قبیلہ بنی ثقیف میں ایک لات نامی بت کو گرا کر پاش پاش کرنے کے لیے ان کو روانہ فرمایا۔

((وبعثہ (مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد اسلام اھل الطائف ھو و ابوسفیان بن حرب فھدما اللات))[2]

② جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے علاقے پر ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو عامل اور حاکم بنا کر ارسال فرمایا

((واستعملہ (ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی نجران))[3]

③ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر کبیر ہیں ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی فراس کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔

① ((واستعملہ (یزید بن ابی سفیان) النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صدقات بنی فراس وکانوا اخوالہ))[4]

---

[1] منہاج السنۃ النبویہ ص۲۰۲ ج۲ تحت قال الرافضی مع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن معاویہ الطلیق بن الطلیق

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۳۰ تا ۳۳ ج۵ تحت قدوم وفد ثقیف

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۴۹ ج۸ تحت سنہ ۵۰ھ تحت احوال مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

[3] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص۱۲۲ تحت ولد حرب بن امیہ

[4] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص۶۲ ج۱ تحت عمال نبوی

ابوجعفر بغدادی رحمہ اللہ نے کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو تیما کے علاقے کا امیر مقرر فرمایا۔

② ((یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (امرہ) علی تیماء))[1]

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو طلقاء میں سے ہیں ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر کاتبان وحی مثلاً زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتابت وحی کے منصب پر فائز فرمایا۔

① ((وکان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ من الزم الناس لذالك ثم تلاه معاویة بعد الفتح فکانا ملازمین للکتابة بین یدیه صلی اللہ علیہ وسلم فی الوحی وغیر ذالك لا عمل لهما غیر ذالك))[2]

''یعنی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (فتح مکہ کے بعد) اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کتابت کے لیے حاضر باش خادم تھے، چاہے وحی کی کتابت ہو یا غیر وحی کی کتابت ہو۔ ان کے ذمہ دیگر کام نہیں تھا۔''

② اور عہد نبوی میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ اراضی دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ (یمن کے علاقے میں حضرموت کے مقام پر سے یہ قطعہ زمین عنایت فرمایا گیا تھا)۔

((واقطعه ارضا وارسل معه معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وقال اعطها ایاه))[3]

یہ چند ایک مناصب وعہدہ جات (برائے طلقاء) جو عہد نبوت میں عطا فرمائے گئے تھے بطور نمونہ ذکر کیے گئے ہیں اور حضرات شیخین کے عہد میں بھی طلقاء کو متعدد مناصب عطا کیے گئے لیکن اس مسئلے کی تفصیلات میں ہم نہیں گئے۔ رفع اعتراض کے لیے اسی قدر کافی خیال کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ طلقاء حضرات عہد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حقارت و ذلت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھے جاتے تھے بلکہ اسلام واہل اسلام کی نظروں میں صاحب وقار اور باعزت افراد تھے۔ اسی بنا پر طلقاء کو یہ مناصب عطا

---

1. الاصابہ مع الاستیعاب ص ۶۱۹ ج ۳ تحت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
 کتاب المحبر، ص ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
2. جوامع السیرۃ (ابن حزم اندلسی) ص ۲۷ تحت کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سیرۃ حلبیہ ص ۳۶۴ ج ۳ باب ذکر المشاہیر من کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم
3. الاصابہ ص ۹۶ ج ۳ مع الاستیعاب تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
 تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵ ج ۴ تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
 مشکوٰۃ شریف ص ۲۹۵ باب احیاء الموات والشرب، الفصل الثانی، طبع نور محمدی، دہلی

فرمائے گئے۔ نیز بنی امیہ اور غیر بنی امیہ کا امتیاز بھی اس مسئلے میں روا نہیں رکھا گیا۔ اموی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈا ہے کہ یہ لوگ نگاہ نبوت میں کوئی مقام نہیں رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا واقعات ہی ان کے جواب کے لیے کافی شواہد ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیلات اگر ملاحظہ کرنی مقصود ہوں تو ہماری کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' (ص ۳۱۶ تا ۳۲۴) کی طرف رجوع کریں اور ہمارے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں بھی اس مضمون کی وضاحت مل سکے گی۔ بقدر ضرورت مناصب کی تشریحات وہاں درج کر دی ہیں۔

کیا طلقاء خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر اعتراض قائم کرنے والے احباب ایک یہ اعتراض بھی بڑی آب و تاب سے ذکر کرتے ہیں کہ بعض اکابرین (عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ) نے ان کے حق میں فرمایا کہ:

((وهو من الطلقاء الذين لا تجوز لهم الخلافة))

''یعنی امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) طلقاء میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز اور صحیح نہیں۔''

اور عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کا یہ کلام درج ذیل واقعہ میں مذکور ہے:

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما دونوں بطور قاصد کے تشریف لے گئے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو حمص کے مقام پر ان دونوں حضرات کی عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں سے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی اور کہا: تعجب کی بات ہے کہ تمھارے لیے یہ کس طرح جائز ہے کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ وہ خلافت کے معاملہ میں شوریٰ بنائیں، حالانکہ تم جانتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور اہل حجاز و عراق نے بیعت کر لی ہے۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر رضامند ہو گئے ہیں وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کو ناپسند کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی ہے وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جنھوں نے بیعت نہیں کی۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے شوریٰ کے معاملے میں کیا دخل ہے؟ حالانکہ وہ تو ''طلقاء'' میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز نہیں۔ وہ اور ان کے باپ احزاب کے سرداروں میں سے تھے۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے جب یہ کلام ان دونوں حضرات نے سنا تو انھیں اپنے فعل (پیغام رسانی) پر ندامت ہوئی اور انھوں نے اس معاملہ سے رجوع کر لیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بقول مذکور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہ تھے۔

جواب

اس مقام پر بعض چیزیں پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں ان کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد مذکورہ بالا شبہ کا جواب پورا ہو جائے گا مزید کسی بحث کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام مطلع رہیں کہ سوال میں جو واقعہ عبدالرحمٰن بن غنم اور ابوہریرہ و ابو درداء رضی اللہ عنہم کے مابین عتاب اور سرزنش مذکور ہے وہ فی الحقیقت درست نہیں اور غلط ہے۔ اس کے متعلق اکابر علماء نے کلام کر دیا ہے جو ہم ذیل میں ناظرین کرام کے لیے پیش کرتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جن کا نام عویمر ابن عامر ہے ان کے متعلق اکابر تذکرہ نویسوں نے اصح الاقوال (یعنی صحیح ترین قول) کی بنا پر تصریح کر دی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً دو سال قبل ان کی وفات ہو چکی تھی۔ جب کہ یہ عتاب کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو جانے کے کافی بعد کا ہے۔ فلہٰذا عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے ابوہریرہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کے جس مکالمے کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت صحیح نہیں۔

۱. پہلی بات یہ ہے کہ صاحب ''الاستیعاب'' یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ خود اپنی کتاب میں ابو درداء یعنی عویمر ابن عامر کے ترجمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے اور اہل اخبار میں سے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ صفین کے بعد ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں فوت ہوئے لیکن......

((والاکثر والاشهر والاصح عند اهل الحديث انه توفى فى خلافة عثمان بعد ان ولاه معاوية قضاء دمشق))[1]

---

[1] الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۱۱۷، ج ۳ تحت عویمر بن عامر بن قیس (ابی درداء رضی اللہ عنہ)
الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۶۰-۶۱ ج ۴ تحت ابی درداء رضی اللہ عنہ، طبع مصر مع الاصابہ

یہاں ایک مختصر سی چیز اہل علم کے فائدہ کے لیے درج کرنی مناسب خیال کی گئی ہے جو کتاب ''الاستیعاب'' کے مقام و مرتبہ پر ایک علمی تنقید ہے اور اکابر علماء نے اسے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

ومن اجلها واكثرها فوائد كتاب الاستيعاب، ابن عبدالبر لولا ما شانه به من ايراده كثيرا مما شجر بين الصحابه وحكاياته عن الاخباريين لا المحدثين۔ وغالب على الاخباريين الاكثار والتخليط فيما يروونه[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب الاستیعاب اس فن کی کتابوں میں سے بڑی اہم اور کثیر الفوائد کتاب ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کی کثیر چیزوں کے متعلق محدثین کے ماسوا اخباری لوگوں کی روایات میں مواد ←

---

[1] علوم الحدیث، ابن صلاح (مقدمہ ابن صلاح) ص ۲۶۲-۲۶۳ تحت النوع ۳۹ (معرفۃ الصحابہ)

''یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک اکثر زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو چکے تھے اور اس دور (عہد عثمان) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کی قضا کا والی بنایا تھا۔''

❷ نیز ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر ابودرداء رضی اللہ عنہ کی کنیت کی بحث کے تحت آپ کی وفات کے متعلق متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد یہ الفاظ درج کیے ہیں:

((والصحیح انه مات فی خلافة عثمان رضی اللہ عنہ وانما ولی القضاء لمعاوية فی خلافة عثمان......))

''یعنی صحیح قول یہ ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے اور خلافت عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قضا کے والی رہے تھے۔''

تھوڑا سا آگے چل کر پھر یہی عبارت ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تحریر کی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

((والصحیح انه مات فی خلافة عثمان))

اور اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((وتوفی فی خلافة عثمان قبل قتل عثمان رضی اللہ عنہ بسنتین))

یہاں سے واضح ہو گیا کہ خود ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی تحقیق کے موافق ابودرداء رضی اللہ عنہ کی وفات یقیناً خلافت عثمانی میں ہو چکی تھی۔ گویا مصنف کے اپنے قول کے ذریعے سے معاتبت اور عتاب کے واقعہ کی تردید ہو گئی۔ فلہٰذا اس واقعہ سے استدلال کرنا درست نہیں۔

اور جن حضرات نے الاستیعاب سے عتاب والا واقعہ نقل کیا ہے اگر وہ اسی کتاب کے دیگر مواقع پر نظر فرما لیتے تو ان پر اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی حقیقت واضح ہو جاتی مگر انھوں نے توجہ نہیں کی۔ یہ ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

❸ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اس عتاب اور معاتبت کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کر دی ہے:

((قلت الذی ذکرہ ابو عمر (ابن عبدالبر) من معاتبة عبدالرحمن ابا الدرداء وابا هريرة رضی اللہ عنہما عندی فیه نظر فان ابا الدرداء رضی اللہ عنہ تقدمت وفاته عن الوقت الذی بویع فیه علی فی اصح الاقوال))[1]

← کی کثرت اور (ردی مواد کی) تخلیط ہوتی ہے۔''
چنانچہ عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کے تحت عتاب کا مذکورہ واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور واقعات کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

[1] اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۱۹ ج ۳ تحت عبدالرحمٰن بن غنم الاشعریؓ۔

''یعنی ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ابودرداء اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر عتاب کا واقعہ جو ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک قابل غور اور لائق تأمل ہے کیونکہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی ہے اس سے قبل ابودرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ہو چکی تھیں اصح الاقوال بات یہی ہے۔''

۴۔ اور بیشتر اکابر علمائے رجال نے یہی تحقیق ذکر کی ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے قریباً دو سال قبل دمشق میں فوت ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

① کتاب الجمع بین رجال الصحیحین (ابن قیسرانی) نصف الاول ص ۴۰۵ طبع دکن، تحت عویمر بن عامر (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

② الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۶ ج ۳ تحت عویمر بن عامر مع الاستیعاب

③ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۷۶ ج ۸ تحت عویمر (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

مندرجات بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کے عتاب والا واقعہ بے اصل ہے اور واقعات کے برخلاف ہے کیونکہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے مسائل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلافات بعد میں پیش آئے۔ فلہٰذا اس ''معاتبت اور عتاب'' کی کوئی حقیقت نہیں۔

علیٰ سبیل التسلیم

اگر بالفرض عتاب کا مذکورہ واقعہ ابودردا رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تسلیم کر لیا جائے اور عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ان ہر دو اصحاب کے ساتھ کلام کیا تھا تب بھی اس روایت میں راویوں کی طرف سے آمیخت کر دی گئی ہے یعنی روایت میں ادراج ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کلمات (وھو من الطلقاء الذین لا تجوز لھم الخلافۃ) واقعات کے برخلاف پائے گئے ہیں اور جو چیز واقعات کے برخلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے اکابر ساتھیوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے بیعت خلافت کر دی۔

ان تمام حضرات میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی اس وقت یہ مسئلہ نہیں پیش کیا کہ طلقاء کے ساتھ بیعت خلافت ناجائز ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے ہیں فلہٰذا بیعت خلافت کا انعقاد صحیح نہیں۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ مذکورہ بالا کلمات (وھو من الطلقاء الذین لا توز لھم الخلافۃ) بعد میں کسی بزرگ نے روایت میں الحاق کر دیے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے اور یہ اس منصب کے اہل ہیں۔

مولفۃ القلوب ہونے کی تشریح

جس وقت فتح مکہ ہوئی ہے اس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات کے ساتھ ''تالیف قلب'' کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے بہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔

صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی۔ یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے بلکہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرز عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے، ان کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لیے اس کا بڑا نفع ہوا اور یہ طرز عمل ان کے لیے تقویت کا باعث ہوا اور ان کا تذبذب دور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔

اس سلسلے میں مولفۃ القلوب کی فہرست اہل علم پیش کرتے ہیں جن میں حضرت معاویہ اور ان کے والد ابوسفیان اور یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم شمار کیے گئے ہیں۔

اس مقام پر ایک بات تو یہ قابل لحاظ ہے کہ مولفۃ القلوب ہونا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خصوصی عنایات کے شرف سے مشرف ہونا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ''مولفۃ القلوب'' میں سے نہیں تھے بلکہ ان کے متعلق کبار علماء نے تحریر کیا ہے:

((اما معاوية فبعيد ان يكون منهم فكيف يكون منهم؟ وقد ائتمنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وحی الله وقراءته وخلطه بنفسه واما حاله فی ايام ابی بكر فاشهر من هذا واظهر))[1]

---

[1] احکام القرآن (قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ مالکی ابن العربی) ص ۳۹۵ ج ۲ تحت مولفۃ القلوب
الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۱۸۱ ج ۸ سورۂ توبہ تحت آیت انما الصدقات للفقراء...... الخ

''یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں سے ہوں حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی قراءت پر امین قرار دیا اور ان کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا۔ اور خلافت صدیقی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے۔ (یعنی یہ حالات اس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام وایمان پختہ تھا اور وہ دینی امور میں معتمد علیہ تھے ان کے لیے تالیف خاطر کی حاجت نہ تھی واللہ اعلم)''

ایک الزام

مولفۃ القلوب میں جس طرح بنو امیہ کے چند مشہور افراد مثلاً ابوسفیان، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم ذکر کیے جاتے ہیں اسی طرح دیگر قبائل میں سے بھی کئی مشاہیر مولفۃ القلوب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً قبیلہ بنی اسد سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے برادر زادے حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ بھی مولفۃ القلوب میں مذکور ہیں۔ فلہٰذا اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں شمار ہوں تو ان پر اعتراض قائم کرنا اور ان کو حقیر قرار دینے کی خاص کیا وجہ ہے؟

مختصر یہ ہے کہ صرف اموی حضرات کو اس مسئلے میں ہدف طعن بنایا جاتا ہے اور ہاشمیوں سمیت دیگر قبائل کے لوگوں کو تالیف قلب کے طعن سے مطعون نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ غور فرمالیں۔ یہ قبائلی تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

سب وشتم کرنے کا طعن پھر اس کا جواب

بعض روایات میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مذکور ہے کہ

((فقال ما منعك ان تسب ابا تراب...... الخ))

بقول معترض مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''سب'' کرنے سے تم کو کیا چیز مانع ہے؟

معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب کرتے تھے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر آمادہ کرتے تھے۔

جواب

مسئلہ ''سب وشتم'' کے متعلق قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص ۲۱۱ تا ۲۲۳ درج کر دیا ہے اور بعد ازاں بقدر ضرورت ''سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں مسائل صفین میں ''چند اہم مباحث'' کے عنوان کے تحت بھی یہ مسئلہ ذکر ہو چکا ہے اور اس مسئلہ کا الزامی جواب بھی ہو چکا ہے۔ تاہم روایت بالا کے متعلقات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے یہ بحث بقدر ضرورت پوری ہو جائے گی۔ (بعونہ تعالیٰ)

اس مقام پر چند اہم تشریحات ذکر کر دینا مناسب ہے جو ازالہ طعن میں فائدہ مند ہوں گی:

① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ مذکور ہے اس میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ شریف میں حج کے موقع پر پیش آیا۔ اور بعض روایات میں مکالمہ ہذا کے مقام کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ کس مقام پر پیش آیا؟

بہر کیف حضرت سعد اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی ملاقات ہوئی اور دوران گفتگو میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا۔ اس مسئلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ناقدانہ کلام کیا اور ان کے خلاف رائے کا تقاضا کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے برخلاف تھی اور ان کو یہ ناگوار گزری تو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہم نوائی نہیں کی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعدد فضائل کا ذکر کیا جو اس روایت میں مذکور ہیں اور اپنی جگہ پر صحیح ہیں مثلاً:

① ((لاعطین الرایة......)) (یوم خیبر)

② ((اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ)) (غزوۂ تبوک)

③ ((اللهم هؤلاء اهلی......)) (دعوت مباہلہ یا دیگر مقام میں) وغیرہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف میں اظہار رائے نہیں کر سکتا کہ ان کے موقف کو غلط اور آپ کے نظریہ کو درست کہنے لگوں۔

② واقعہ ہذا متعدد مصنّفین نے ذکر کیا ہے پھر اس میں رواۃ کی طرف سے تعبیروں کا اختلاف الفاظ موجود ہے۔ بعض روایات میں تو ما منعك ان تسب ابا تراب کے الفاظ منقول ہیں، اور بعض مقامات پر اس طرح مذکور ہے کہ فذکروا علیا فنال منه معاویة، اور بعض روایات میں ہے کہ فذکروا علیا فقال سعد له ثلاث خصال، اور بعض دیگر روایات میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا فضائل مذکور ہیں لیکن وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی کلمہ نقد و جرح مذکور نہیں۔ جب کہ ان تمام روایات میں ایک ہی واقعہ منقول ہے۔

یہ رواۃ کی طرف سے اصل واقعہ کی تعبیرات کا فرق توجہ کے قابل ہے۔ کیونکہ معترض انسان اسی کو ایک مناقشہ کی شکل میں پیش کر سکتا ہے۔

اب مسئلے کی وضاحت کے لیے روایت ہذا کے مفہوم کو کبار علماء اور محدثین نے جس طرح ذکر کیا ہے، اس چیز کو ہم پہلے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد مزید چیزیں جو لائق بیان ہوں گی وہ ذکر کر دی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

③ ا۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا روایت کی تشریح میں یہ ذکر کیا ہے کہ مذکورہ بالا جملہ (ما منعك ان تسب ابا تراب) میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سب علی رضی اللہ عنہ کرنے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں سب کرنے سے مانع امر کا سبب دریافت کیا گیا ہے۔ گویا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کر رہے ہیں کہ آپ اس بات سے تورع اور خوف کی بنا پر اجتناب کر رہے ہیں یا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر ہے؟ اگر تورع کی بنا پر آپ اجتناب کر رہے ہیں تو آپ مصیب ہیں، اور اگر کوئی اور بات ہے تو اس کا جواب دوسرا ہوگا۔

۲۔ نیز ایک دوسرا محمل اس طریقہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جملہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو علی (رضی اللہ عنہ) کی رائے اور ان کے اجتہاد کو خطا قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہے؟ اور ہماری رائے کی خوبی اور

درستی کو ظاہر کرنے سے کون سی چیز آپ کو روکتی ہے۔ مفہوم بالا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

① ((فقول معاوية هذا ليس فيه تصريح بانه امر سعدا بسبه انما سأله عن السبب المانع له من السب كانه يقول هل امتنعت منه تورعا او خوفا؟ او غير ذالك؟ فان كان تورعا واجلالا له عن السب فانت مصيب وان كان غير ذالك فله جواب اخر))[1]

② ((لانه ليس بصريح فى انه امره بسبه انما سأله عن المانع وقد سئل عنه من لا يجيز السب))[2]

۳۔ ((ومنه ما منعك ان تسب ابا تراب، هذا لا يستلزم امر معاوية بالسب بل سوال عن سبب امتناعه عنه، انه تورع او اجلال او غير ذالك))[3]

۴۔ ((اما بانه ليس فيه الامر بل سوال من السبب المانع عنه وتكنيه رضى الله عنه بابى تراب ليس طعنا فانه كان يحب ان يكنى به))[4]

④ اور لفظ ''سب'' ہمیشہ گالی گلوچ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ زبان عرب میں متعدد معانی کا حامل ہے مثلاً:

۱۔ بعض دفعہ لفظ ''سب'' کا استعمال ''عار دلانے'' کے معنی میں پایا جاتا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ

((فقال انى ساببت رجلا فعيرته بامه فقال لى النبى صلى الله عليه وسلم يا ابا ذر! اعيرته بامه))[5]

اس مقام پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو اس کی ماں کے متعلق کہہ دیا کہ تیری ماں سیاہ رنگ کی ہے یا تو سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے۔ تو اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اسے ماں کے متعلق عار دلائی ہے۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے لفظ "ساببت" استعمال کیا جس سے مراد یہاں ''عار دلانا'' ہے۔

۲۔ اسی طرح لفظ ''سب'' کا استعمال دیگر معانی میں بھی اہل عرب استعمال کرتے ہیں مثلاً عیب جوئی

---

1. شرح مسلم شریف، نووی ص ۲۷۸ ج ۲ تحت الحدیث، باب فضائل علی رضی اللہ عنہ طبع دہلی
2. اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم) امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی تحت الحدیث طبع اول
3. مجمع البحار (شیخ محمد طاہر الفتنی الہندی الپرہاروی) ص ۸۳ ج ۲ تحت لفظ ''سب''، طبع نول کشور لکھنؤ
4. الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص ۳۷ تحت جواب طعن ہذا، طبع ملتان
5. بخاری شریف ص ۹ ج ۱، باب المعاصی من امر الجاہلیہ، کتاب الایمان طبع دہلی۔

کرنا، نکتہ چینی کرنا اور دوسرے کی رائے کا تخطیہ کرنا اور غلط قرار دینا اور اپنی رائے کو درست کہنا وغیرہ۔ روایت ہذا میں مذکورہ تعبیر اگر درست تسلیم کر لی جائے تو یہاں بھی رائے کا تخطیہ کے معنی میں مستعمل ہے۔

یہ چیز کبار علماء نے بیان فرمائی ہے چنانچہ اس پر ذیل میں حوالہ جات ملاحظہ فرما کر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

① ((ان معناه ما منعك ان تخطيه في رأيه واجتهاده وتظهر للناس حسن رأينا واجتهادنا وانه اخطا)) [1]

② ((ان يحمل السب على التغير في المذهب والرأى فيكون المعنى ما منعك من ان تبين للناس خطاه وان ما نحن عليه اسد و اصوب و مثل هذا يسمى سبا في العرف)) [2]

③ ((المعنى ما منعك ان تخطئه في اجتهاد وتظهر للناس حسن اجتهادنا)) [3]

④ ((بان المراد بالسب اظهار خطاء اجتهاده وصواب اجتهادنا)) [4]

مختصر یہ ہے کہ کبار علماء نے اس روایت کا محمل اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ لفظ ''سب'' یہاں بمعنی گالی گلوچ نہیں بلکہ دوسرے کی رائے کو خطا قرار دینے کے معنی میں مستعمل ہے اور اسی کو عرف میں ''سب'' بھی کہتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا لوگوں کے نظریات میں اختلاف رائے کا پایا جانا مسلمات میں سے ہے۔ ان ہر دو فریق کے موقف میں نظریاتی اختلاف موجود تھا۔ وہی بعض مواقع اور مجالس میں اختلافی شکل میں پایا جاتا ہے اور ہر ایک فریق اپنی رائے کو صواب قرار دیتا ہے اور فریق مقابل کی رائے کو خطا پر محمول کرتا اور غلط قرار دیتا ہے۔

نیز اس مقام پر علماء فرماتے ہیں کہ باہمی سب وشتم اور قبیح اقوال کا ارتکاب جہال بنی امیہ (جو صحابہ کے زمرہ میں نہیں ہیں) اور سفلہ قسم کے لوگ کرتے ہوں تو اور بات ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ان چیزوں سے بعید اور بالاتر ہے۔ ان کا صحابی ہونا، ان کی دیانت اور ان کے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے یہ چیز ان کے شایان شان نہیں۔

---

[1] شرح مسلم شریف (نووی) ص ۲۷۸ ج ۲ تحت الحدیث باب فضائل علی رضی اللہ عنہ (طبع دہلی)

[2] اکمال اکمال المعلم شرح مسلم (امام ابی عبداللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی الابی المالکی) طبع اول تحت الحدیث

[3] مجمع البحار (شیخ محمد طاہر الفتنی الہندی) ص ۸۳ ج ۲ تحت ''سب''

[4] الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص ۳۷ تحت الجواب الرابع (طبع ملتان)

چنانچہ صاحب اکمال اکمال المعلم شارح مسلم شریف نے اسی چیز کی تصریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ

((والتصریح بالسب وقبیح التمول انما کان یفعله جهال بنی امیة و سفلتهم...... واما معاویة فحاشاه من ذالك لما كان عليه من الصحبة والدين ذا الفضل و كرم الاخلاق))[1]

⑥ نیز یہ چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ روایت بالا کی بحث کے آخر میں علمائے کرام نے یہ فہمائش کی ہے کہ سب وشتم کے باب میں یہی روایت صحیح تھی جس کے جوابات درجہ بدرجہ علماء نے ذکر کیے ہیں۔ عموماً اس کے ماسوا روایات کے درمیان فریقین میں جو مناقشہ اور سب وشتم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں وہ درست نہیں، ان میں دروغ گوئی اور مبالغہ آرائی کو بڑا دخل ہے اس لیے ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور ایسی بات کرنے والے کے کلام کو غصہ سے رد کر دیا جائے اور اسے تسلیم نہ کیا جائے۔

((وما يذكر عنه من ذلك فكذب))[2]

((وكل ما يروى سوى هذا فيما جرى بين الطائفتين وبين الرجلين فلا تصنعوا اليه اذنا ولا تلتفتوا اليه واسمعوا المتكلم بذالك تكبيتا))[3]

⑦ روایت بالا کے متعلقات کے آخر میں دفع وہم کے طور پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مکالمہ پیش آیا تھا اس کی بنا پر طرفین میں کسی قسم کا انقباض واقع نہیں ہوا تھا اور ان کے درمیان کوئی عناد نہ تھا اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کبیدہ خاطر تھے اور نہ ان کے درمیان روابط کشیدہ تھے۔ وہ ایک وقتی مسئلہ تھا جو ان کے درمیان بعض اوقات پیش آیا اور معاملہ ختم ہو گیا کیونکہ ہر دو حضرات کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں تھا۔ اس چیز پر قرائن موجود ہیں۔ چنانچہ علماء نے اس کے بعد کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں ان میں سے بعض ناظرین کی خدمت میں اطمینان کی خاطر درج کیے جاتے ہیں:

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بحوالہ عبدالرزاق لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں انھوں نے رمضان شریف کا تمام مہینہ قیام فرمایا۔ ان ایام میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ قصر نماز ادا کرتے تھے اور فطر صوم بھی کرتے تھے، اور بعض رواۃ نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور حضرت سعد

---

[1] اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف (امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی المالکی) تحت الحدیث

[2] اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف (امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی الابی المالکی) تحت الحدیث

[3] شرح ترمذی (ابن العربی) ص ۲۳۱ ج ۱۳ تحت مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ

رضی اللہ عنہ نے جن چیزوں کے تقاضے کیے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام پورے کر دیے۔ اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ دونوں حضرت کے درمیان تعلقات قائم تھے۔

((وقال عبدالرزاق عن ابن جریج حدثنی زکریا بن عمرو ان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وفد علی معاویۃ فاقام عندہ شھر رمضان یقصر الصلوۃ ویفطر وقال غیرہ فبایعہ وما سألہ سعد شیئا الا اعطاہ ایاہ))[1]

(۲) نیز ایک دیگر وثاقت و دیانت کی چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

((عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال ما رأیت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ))[2]

''یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت انصاف کرنے والے اور حقوق کو احسن طریقہ سے ادا کرنے والے تھے اس معاملے میں ان سے بہتر میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔''

یہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ذہن صاف رکھتے تھے اور کوئی مخالفانہ جذبات نہیں رکھتے تھے اور نہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اعراض و انقباض تھا بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے حق و انصاف کی شہادت دیتے تھے۔

یہ روایت قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ۱۵۴-۱۵۵ پر تحت عنوان ''عدل و انصاف پر شہادت'' درج ہو چکی ہے۔

مسئلہ ہذا کا دیگر پہلو

گزشتہ سطور میں سب وشتم کے متعلق جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا ایک پہلو تھا۔ اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو فرمان نبوی کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے:

وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اموات کے متعلق یہ تعلیم تلقین فرمائی ہے کہ فوت شدگان کو سب وشتم مت کیا کرو اس لیے کہ ان لوگوں نے جو عمل کیے تھے ان کی طرف وہ پہنچ چکے ہیں اور مکافات عمل پا چکے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں یہ فرمان نبوی بالفاظ ذیل موجود ہے:

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۲ ج ۸ تحت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تحت سنہ ۵۵ھ طبع مصر

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ذکر معاویہ طبع اول مصر

تاریخ ابن عساکر ص ۷۲۴ ج ۱۶ (مخطوطہ) تحت ترجمہ معاویہ

((عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا)) (رواه البخاری)[1]

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کو ارشاد مبارک ہے کہ اپنے متوفین کے محاسن ذکر کیا کرو اور ان کی برائیوں (کے بیان) سے زبان کو روک رکھو۔

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اذكروا محاسن موتاكم وكفوا عن مساويهم)) (رواہ ابوداود والترمذی)[2]

اس نوع کے متعدد فرمودات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امت کے لیے واضح طور پر موجود ہیں۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ان فرمودات کے خلاف نہیں پایا گیا بلکہ ان پر عمل درآمد کرنا ان کا مقصد زندگی رہا ہے۔

اس مقام پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض واقعات ثابت ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فوت شدگان رشتہ داروں کے متعلق بدگوئی اور برائی ذکر کرنے سے منع فرمایا:

① چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنی جان کے خوف سے فرار ہو گئے ان کی زوجہ ام حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر (عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ) کے متعلق امان طلب کی تو آنجنابؐ نے امان مرحمت فرمائی اس کے بعد وہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس لائیں۔

جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے عکرمہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو اس وقت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بطور نصیحت فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل کفر چھوڑ کر ایمان لانے کی خاطر حاضر خدمت ہو رہا ہے تو اس کے والد (ابوجہل) کے متعلق کوئی سب وشتم نہ کرے، کیونکہ میّت کو سب وشتم کرنے سے زندہ آدمی کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے لیکن میت کو نہیں پہنچتی۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل مذکور ہے:

((فلما دنا من مكة قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابه ياتيكم عكرمة بن ابى جهل مؤمنا مهاجرا فلا تسبوا اباه۔ فان سب الميت يؤذى الحى ولا يبلغ الميت)) [3]

---

[1] مشکوۃ شریف طبع دہلی ص ۱۴۵ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا (فصل اول)

[2] رواہ ابوداود والترمذی بحوالہ مشکوۃ شریف طبع دہلی ۱۴۷ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا، فصل ثانی۔

[3] مستدرک حاکم ص ۲۴۱ ج ۳ تحت مناقب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

کنز العمال ص ۵۷ ج ۷ تحت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ طبع اول دکن

(۲) انھی عکرمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ میں ایک مقام پر گزر رہے تھے کسی شخص نے ان کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ "اللہ کے دشمن ابو جہل کا یہ بیٹا ہے"۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ پریشان ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی بطور شکوہ گزارش کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ پر ایک مستقل خطبہ دیتے ہوئے اہل اسلام کو ارشاد فرمایا کہ لوگ معدن (کان) کی طرح ہیں۔ جاہلیت کے دور میں بھی جو لوگ خیار اور پسندیدہ افراد تھے جب دین میں خوب سمجھ پیدا کر لیں تو وہ لوگ اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں۔ کسی زندہ مسلمان شخص کو اس کے کافر رشتہ دار کی وجہ سے ایذا رسانی نہ کی جائے۔

چنانچہ مستدرک حاکم میں واقعہ ہذا اس طرح درج ہے کہ:

((وقال رسول الله ﷺ شكا اليه عكرمة انه اذا مر بالمدينة قيل له "هذا ابن عدو الله ابى جهل" فقام رسول الله ﷺ خطيبا فقال: ان الناس معادن خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا فقهوا لا تؤذوا مسلما بكافر۔ صحيح الاسناد ولم يخرجاه))[1]

اور کنز العمال میں ہے کہ

((فقال رسول الله ﷺ لا تؤذوا الاحياء بسبب الاموات))[2]

ان واقعات کے پیش نظر یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اموات کو قبیح (برے) الفاظ سے ذکر کرنے سے زندہ اہل اسلام کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے مسلمان اجتناب کریں۔

یہ تمہیدی امور پیش کرنے کے بعد اصل مسئلے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ یہ مسائل اور یہ واقعات کوئی مخفی امور نہیں تھے اور نہ فرد واحد کے لیے خصوصی احکام تھے۔ یہ تو تمام امت مسلمہ کے حق میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مسائل سے بخوبی متعارف اور واقف تھے اور ان سے ان فرمودات نبوت کے خلاف کرنے کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے ولاۃ و حکام مذکورہ بالا فرمودات نبوی کی موجودگی میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں سب و شتم یا لعن طعن کیسے کر سکتے ہیں؟ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اعزہ و اقارب کی دل آزاری اور ایذا رسانی کا باعث کیسے بن سکتے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تو دور نبوی کے قریب تر دور ہے اس میں مذکورہ ہدایات نبوت کو یکسر کیسے فراموش کر دیا گیا؟ (اور اس مسئلے میں اسلامی تعلیمات کو کس طرح پس پشت ڈال دیا گیا؟) حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

---

[1] مستدرک حاکم ص ۲۴۳ ج ۳ تحت ذکر مناقب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

[2] کنز العمال ص ۵۷ ج ۷ تحت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ طبع اول دکن

حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بطور نصیحت موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سر مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا:

((فقال یا معاویة! ان ولیت امرا فاتق الله عزوجل واعدل))[1]

"یعنی اے معاویہ! اگر تمھیں مسلمانوں کے امور کا والی بنایا جائے تو معاملات میں اللہ عزوجل سے خوف کرنا اور عدل و انصاف سے پیش آنا۔"

سنت نبوی کی رعایت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مرحلہ پر اطاعت اور فرمانبرداری کو مقدم رکھتے تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رعایت کرنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔

اس سلسلے میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن میں انھوں نے فرمان نبوت کو پیش نظر رکھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک خاص مدت تک جنگ نہ کرنے کا عہد و پیمان ہوا تھا۔ مدت عہد ختم ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تیاری کے ساتھ رفقاء سمیت بلاد روم کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تاکہ اختتام مدت عہد پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک صحابی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تیزی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور فرماتے تھے الله اکبر الله اکبر وفاء لا غدر (عہد پورا کرنا چاہیے بدعہدی جائز نہیں)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جن کے درمیان کوئی باہمی معاہدہ ہو تو اس کی مدت اختتام سے قبل عہد کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

((فلا یحلن عهدا ولا یشدنه حتی یمضی امده))

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی معلوم کرنے کے بعد اپنے اقدام کرنے سے اپنے رفقاء سمیت فوراً واپس آ گئے تاکہ اختتام مدت عہد کا انتظار کیا جائے۔ قال فرجع معاویة بالناس۔[2]

ان امور کی روشنی میں اموات کے حق میں سب و شتم کرنا وہ کیسے روا رکھے ہوئے تھے؟ یہ چیز ان کی دیانت، عدالت اور اطاعت نبوی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اکابر علمائے امت اس بات کی شہادت دیتے ہیں

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۸۶ ج ۵ تحت امراۃ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۰ ج ۸ تحت خلافۃ حسن بن علی رضی اللہ عنہما

[2] مشکوۃ شریف ص ۳۴۷ باب الایمان فصل ثانی، طبع دہلی

کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں امام عادل تھے اور حقوق اللہ وحقوق المسلمین کے ادا کرنے والے تھے۔

① امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ بحوالہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و قد صح انه كان اماما عادلا فى حقوق الله وحقوق المسلمين كما فى الصواعق))[1]

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سب وشتم کرنے کے انتسابات بالکل بے جا ہیں اور روایات کی صداقت مخدوش ہے۔

② دوسری گزارش یہ ہے کہ شیعہ کے اکابر مورخین نے بھی یہ چیز برملا تسلیم کی ہے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام دور خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی۔ ان حضرات اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے کسی شرط کو ضائع نہیں کیا اور نہ کسی احسان اور بھلائی کو تبدیل کیا۔

چنانچہ شیعہ مورخ ابوحنیفہ دینوری نے اخبار الطّوال میں یہ چیز بعبارت ذیل درج کی ہے:

((قالوا ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء فى انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))[2]

③ تیسری یہ چیز ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اکابر مورخین کے ایسے بیانات موجود ہیں جن میں یہ بات واضح طور پر پائی جاتی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین بہتر روابط تھے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدر کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کم وبیش بیس سال ہم پر والی اور حاکم رہے اور انھوں نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی اور ہمارے لیے اذیت وتکلیف کا باعث نہیں ہوئے، نہ منبر پر اور نہ فرش زمین پر۔ انھوں نے اپنی اور ہماری عزت رکھی اور ہمارے ساتھ صلہ رحمی کا عمدہ معاملہ کیا اور ہماری ضروریات پوری کرتے رہے۔

((عن ابن عباس رضي الله عنهما قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنة فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانته منه لعرضه واعرضنا ولقد كان يحسن صلتنا ويقضى حوائجنا))[3]

---

[1] مکتوبات امام ربانی ص ۶۸-۶۹ تحت مکتوب نمبر ۲۵۱ بنام مولانا محمد اشرف، دفتر اول حصہ چہارم طبع نور کمپنی لاہور

[2] الاخبار الطّوال (ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۵، طبع قاہرہ تحت بحث بین معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ عنہما

[3] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مخطوطہ ابن عساکر (قلمی عکس شدہ) ص ۷۳۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

مندرجات بالا کے پیش نظر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد شریف اور اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بدسلوکی یا ایذا رسانی نہیں کی جاتی تھی اور کوئی برا معاملہ ان کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا اور معاشرتی روابط ان حضرات کے درمیان درست تھے۔ فلہٰذا سب وشتم کی روایات قابل تسلیم نہیں ہیں اور اس چیز پر عقلی قرائن ہم قبل ازیں ''کتاب اقربا نوازی'' کے ص ۲۱۸-۲۱۹ پر ثانیاً کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں اطمینان حاصل ہوگا۔ اور بحث ہذا کے آخر میں باعتبار درایت کے کلام کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

متعلق ''سب''، بعض دیگر روایات اور اس کا جواب

معترض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معائب ومثالب کے سلسلے میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل روایت بھی ہے:

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے بعد میں ایک مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مجلس میں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اہل کوفہ میں سے ایک شخص جسے قیس بن علقمہ کہتے تھے اس مجلس میں آیا اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بدگوئی کرنے لگا۔ اس پر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے سامنے صحابہ کو سب کیا جاتا ہے اور آپ اس کو برا نہیں جانتے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔

معترضین اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف سب وشتم کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

جواب

واقعہ ہذا سے متعلق جو روایات ذکر کی جاتی ہیں ان کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں درج ہیں جن سے اعتراض کی خفت واضح ہو جائے گی اور جواب پورا ہو سکے گا۔ تمام مندرجات پر ایک بار نظر انصاف فرمالیں:

① حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس واقعہ سے متعلق ہماری معلومات کی حد تک جتنی روایات ہمارے سامنے آئی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر تک موجود نہیں، اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو اس مجلس میں موجود تھے اور نہ ان کے ایما پر یہ فعل سرزد ہوا۔

② اور یہ ایک فطری امر ہے کہ بعض حضرات نہایت تیز طبع ہوتے ہیں ایک حبہ بھر بات مزاج کے خلاف برداشت نہیں کرتے، اور بعض اشخاص متحمل و بردبار طبیعت کے حامل ہوتے ہیں کہ خلاف مزاج

چیزوں کو سننا بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو غالباً یہاں بھی یہی صورت رونما ہوئی کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن علقمہ کی ناروا گفتگو پر تحمل سے کام لیا، اس لیے کہ علمائے تراجم نے کہا ہے کہ کان المغیرۃ فیه حلم واناۃ (یعنی ان کی طبیعت نہایت متحمل و بردبار تھی) اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ یہ کلام سن کر فوراً برافروختہ ہو گئے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کرنے لگے۔ تاہم یہ احتمال موجود ہے کہ اس موقع پر نقد و رد کے اعتبار سے مزید گفتگو ہوئی ہو (جس کو ناقلین واقعہ نے ذکر نہیں کیا) کہ اس سے واقعہ کی اصل نوعیت اور حقیقت حال کا سراغ مل سکتا۔

③ نیز قیس بن علقمہ کوفی جو غالباً خوارج کے نظریات کا حامل تھا اس کا یہ ذاتی نظریہ تھا جو اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی کی شکل میں ظاہر کیا۔ اور ہم بھی اس نظریے اور اس طرز عمل کو سو فیصد برا جانتے ہیں۔

اس دور میں بعض لوگ اپنے اپنے نظریاتی اختلافات کی بنا پر اپنے مخالف فریق کے لوگوں سے پرخاش رکھتے تھے اور موقع بہ موقع اس قسم کے غلط نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ انفرادی نظریات پر کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔

ان حالات میں اکابر صحابہ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر طعن و تشنیع کرنے کا جواز نہیں پایا جاتا۔

❹ اس مقام پر طعن قائم کرنے والے بزرگوں نے ایک اور روایت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ انھوں نے ابوعبداللہ جدلی سے فرمایا کہ تمھارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا سب کیا جاتا ہے تو اس نے کہا: سبحان اللہ معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا کہ کیا تمھارے ہاں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب نہیں کیا جاتا؟ اور کہنے لگیں

((قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من سب علیا فقد سبنی......الخ))

''یعنی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے علی بن ابی طالب کو سب کیا اس نے مجھے برا کہا۔''

اور بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم علی (ابن ابی طالب) سے محبت فرماتے تھے (اور تم لوگ ان کو سب کرتے ہو)۔

روایت ہذا کے ذریعے سے معترض احباب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرنے کے مسئلے کو مکمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت متعدد صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

جواب

اس روایت کے متعلق بعض ضروری چیزیں قابل ذکر ہیں ان پر نظر انصاف فرما لینے کے بعد روایت ہذا کے مزید جواب کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام پر واضح ہے کہ اعتراض قائم کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ قابل اعتراض روایت اپنے مقام پر صحیح ہو اور فریق مقابل کے سامنے قواعد کے لحاظ سے قابل قبول ہو۔ اور جو روایت اس فن کے قواعد کے لحاظ سے درست نہ ہوگی وہ طعن کے مقام پر قابل حجت نہیں ہوسکتی۔

مندرجہ بالا روایت جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کو نقل کرنے والا ابوعبداللہ جدلی ہے۔ معترض احباب نے جن باسند کتابوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان مقامات پر ہماری معلومات کی حد تک بنیادی راوی ابوعبداللہ جدلی ہے اور باقی مصنفین کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ ان ہی باسند کتابوں سے ناقل ہیں۔ فلہٰذا ان کے الگ جواب کی حاجت نہیں جب کہ اصل روایت کا جواب پیش کر دیا جائے۔

ابوعبداللہ جدلی

اسماء الرجال کے اکابر علماء نے ابوعبداللہ جدلی کے متعلق مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں۔ اہل علم کی تسلی کے لیے ان کی مختصراً عبارات نقل کی جاتی ہیں:

① طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((ویستضعف فی حدیثه وکان شدید التشیع......))[1]

②((ابو عبدالله الجدلی شیعی...... بغیض......)) [2]

③ ((شیعی ثقل......)) [3]

④((یستضعف فی حدیثه و کان شدید التشیع ویزعمون انه کان علی شرطة المختار......)) [4]

''مندرجہ بالا حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ ابوعبداللہ جدلی حدیث کے بیان میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے اور وہ سخت اور شدید قسم کا شیعہ تھا۔ ابوعبداللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنے والا شیعہ تھا، نیز وہ مختار ثقفی کی جماعت کا سربراہ تھا۔''

---

1. طبقات ابن سعد ص ۱۵۹ ج ۶ تحت ابی عبداللہ الجدلی، طبع لیڈن
2. میزان الاعتدال ص ۵۴۴ ج ۴ تحت ابی عبداللہ الجدلی، نمبر ۱۰۳۵۷
3. المغنی (ذہبی) ص ۷۹۴ ج ۲ تحت نمبر ۷۵۷۳
4. تہذیب التہذیب ابن حجر ص ۱۴۸-۱۴۹ ج ۱۲ تحت باب الکنی ابوعبداللہ الجدلی

اہل علم کے نزدیک یہ مسئلہ واضح ہے کہ اہل بدعت کی روایت جو ان کے مسلک کی موید اور ان کے مذہب کی تائید میں جاتی ہو وہ مقام طعن میں قبول نہیں کی جاتی اور اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ مذکورہ بالا جرح وتنقید اور پیش کردہ ضابطہ کی روشنی میں ابوعبداللہ جدلی کی یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔

شیعہ رواۃ اپنے نظریات کے دائرہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے حق میں حد درجے کا غلو رکھتے ہیں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان میں کوئی کمی نہیں کرتے اور ان کے خلاف روایات نشر کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مندرجہ بالا روایت ان کے مزعومات کے مطابق تصنیف شدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں انھوں نے یہ ظاہر کرنے کی سعی کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برا کہنا (معاذ اللہ) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرنے کے برابر ہے۔ (استغفر اللہ العظیم)

عقد الفرید کی ایک روایت پر کلام

نیز معترض لوگوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ "انھوں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو خط لکھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر برسر منبر لعنت کرتے ہو۔ وہ اس طرح کہ تم علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) اور ان کے محبین پر لعنت کرتے ہو...... معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اس کلام کی طرف توجہ نہ دی۔"

اعتراض کرنے والے دوستوں نے یہ روایت عقد الفرید لابن عبدربہ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس طعن کو خوب بنا سجا کر پیش کیا ہے۔

جس طرح کہ پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت پر باعتبار قواعد کے کلام کر دیا ہے اسی طرح یہاں بھی یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ روایت ہذا کو بقول معترض احمد بن عبدربہ نے عقد الفرید میں ذکر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ابن عبدربہ کی روایات قابل اعتماد ہیں؟ اور کیا ان روایات پر اعتبار کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرنا جائز ہے؟ اور ابن عبدربہ کیسا بزرگ ہے اور کن نظریات کا حامل ہے؟ اس چیز کے لیے ہم کبار علماء کا کلام پیش کرتے ہیں جن میں اس طعن کا جواب مکمل موجود ہے۔

چنانچہ البدایہ والنہایہ میں احمد بن عبدربہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ

((یدل کثیر من کلامه علی تشیع فیه ومیل علی حط بنی امیة وهذا عجیب منه لانه احد موالیهم وکان الاولی به ان یکون ممن یوالیهم لا ممن یعادیهم))[1]

"یعنی احمد بن عبدربہ کا بیشتر کلام اس کے شیعہ ہونے پر دال ہے اور بنوامیہ کو گرانے یعنی ان کی تحقیر وتذلیل کرنے پر اس کا میلان ورجحان ہے۔ اور یہ چیز اس کے حق میں عجیب ہے کیونکہ وہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۳-۱۹۴ ج ۱۱ تحت سنہ ۳۲۸ھ صاحب کتاب العقد الفرید

بنوامیہ کے موالی (غلاموں) میں سے ایک شخص تھا۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ بنوامیہ کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا، لیکن وہ بنوامیہ کے ساتھ پوری عداوت اور دشمنی رکھتا ہے۔''

اسی طرح علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر احمد بن عبدربہ کے متعلق لکھا ہے کہ

((لان صاحب العقد کان فیه تشیع شنیع ومغالاة فی اهل البیت وربما لا یفهم احد من کلامه ما فیه من التشیع))[1]

''کیونکہ صاحب عقد الفرید (احمد بن عبدربہ) میں قبیح تشیع اور اہل بیت کے حق میں بے جا غلو پایا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے کلام سے کوئی شخص اس کے تشیع کو نہیں سمجھ سکتا۔''

مختصر یہ ہے کہ احمد بن عبدربہ کے کلام پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اہل بیت کے حق میں بے جا غلو اور صحابہ بنوامیہ کے سخت خلاف جذبات رکھتا تھا۔ فلہٰذا اس شخص کے دیگر حوالہ جات کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اور اس کی مرویات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف منقول ہیں ان کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

معترض کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ روایت ہٰذا کے متعلق علماء نے صحت کا قول کیا ہے اس لیے اس روایت کی قبولیت میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کلام کیا ہے وہ مذکورہ ضابطہ کے تحت ذکر کیا ہے جو علماء میں مقبول ہے، اور راوی کے شدید قسم کے تشیع پر بھی حوالہ جات پیش کر دیے ہیں۔ ایسے سخت قسم کے غالی شیعوں کی روایت مقام طعن پر قابل اعتماد و قابل استدلال نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس سلسلے میں اس فن کے علماء کا طریقہ کار یہ ہے کہ کئی مقامات پر راوی کے شیعہ اور رافضی ہونے کی وجہ سے روایت کو رد کیا جاتا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اس مسئلے پر بطور مثال کے ایک حوالہ کتاب تنزیہ الشریعہ لابن العراق سے پیش کیا جاتا ہے:

((من لم یقل علی رضی اللہ عنہ خیر الناس، فقد کفر (خط) من حدیث علی وفیه محمد بن کثیر الکوفی، وهو المتهم به لانه کان شیعیا))[2]

یہاں روایت کو راوی کے تشیع کی بنا پر علمائے فن نے قبول نہیں کیا۔ یہ حوالہ بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے ورنہ بے شمار مقامات پر اسی ضابطہ پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور جن علماء نے مندرجہ روایت کی صحت کا قول کیا ہے ان میں سے بعض حضرات نے اپنی رجال اور تراجم کی کتاب میں اس راوی (ابوعبداللہ جدلی) کے حق میں غالی شیعہ ہونے کے نقد و جرح کے الفاظ بھی

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۱۰ تحت خالد بن عبداللہ بن یزید

۲۔ تنزیہ الشریعہ (ابن عراق کنانی) جز اول ص ۳۵۳ تحت باب مناقب الخلفاء الاربعہ الفصل الاول روایت نمبر ۳۸۔

درج کیے ہیں اور ساتھ صحت روایت کا قول کر دیا...... یا للعجب!

ہم نے اس معاملے میں علماء کے قواعد اور ضوابط اور اقوال پیش نظر رکھ کر مسئلے کے دو پہلو واضح کر دیے ہیں اور تحقیق کی طرف توجہ دلا دی ہے۔ اب کبار علمائے فن کا کام ہے کہ اس مسئلے میں توفیق یا ترجیح قائم کریں۔ عوام کی حیثیت سے یہ چیز بالاتر ہے۔

۳ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے سیاسی حالات کے پیش نظر بعض لوگ دو طبقوں میں تقسیم تھے اور اپنے اپنے نظریات کے مطابق دونوں فریق اپنے مخالف فریق کے خلاف نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی نفرت و عداوت کا اظہار سب و شتم کی صورت میں ہوتا تھا۔

۱۔ چنانچہ سب و شتم کا یہ معاملہ یکطرفہ نہیں تھا بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ کے حامی لوگ اپنے مخالف فریق (حامیان عثمان) کے خلاف بدگوئی کیا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے واضح ہے:

((ولبنی الارقم مسجد بالکوفة فلما قدم الکوفة علی رضی اللہ عنہ جعل اصحابه یتناولون عثمان۔ فقال بنو الارقم: لانقیم ببلد یشتم فیه عثمان۔ فخرجوا الی الجزیرة فنزلوا الرهاء وشهدوا مع معاویة صفین))[1]

''یعنی کوفہ میں قبیلہ بنی ارقم کے لیے ایک مسجد تھی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو آپ کے ہم نوا لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگوئی کرتے تھے۔ قبیلہ بنو ارقم کے لوگ کہنے لگے ہم ایسے شہر میں مقیم نہیں رہ سکتے جس شہر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کیا جاتا ہو۔ چنانچہ وہ لوگ کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے اور الجزیرہ کے ایک مقام ''الرہا'' میں مقیم ہو گئے۔ بعد میں وہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شامل ہوئے۔''

یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ سب و شتم کا سلسلہ صرف ایک فریق ہی کی طرف سے نہیں تھا بلکہ دونوں فریق کی جانب سے بعض لوگ اس قسم کی ناروا حرکات کرتے تھے جو دوسرے فریق کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی تھیں۔

۲۔ نیز سابق واقعہ کی طرح ایک اور واقعہ بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

کوفہ میں جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ۵۰ھ میں انتقال ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ زیاد کو کوفہ کا والی و حاکم مقرر کیا۔ حجر بن عدی ان احکام کی سخت مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر درج ہیں) چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حامیوں کی جماعتیں در جماعتیں حجر کے پاس جمع ہونے لگیں۔

---

[1] کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۲۹۵ تحت عدی بن عمیرہ بن فروہ تحت عنوان من شهد صفین مع معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((ویسبون معاویة ویتبرون منه))

''یعنی خلیفہ اسلام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتیں اور ان سے تبرا و بیزاری کا اعلان کرتی تھیں۔''[1]

مطلب یہ ہے کہ فریقین میں ایک نظریاتی تخالف اور فکری تقابل کا مسئلہ تھا جو اس دور میں بعض دفعہ جانبین کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اسی طرح کئی دیگر روایات بھی معترض لوگوں نے اس باب میں فراہم کی ہوئی ہیں لیکن یہ تمام اخبار احاد ہیں یا بعض تاریخی ملغوبات ہیں قابل اعتناء نہیں اور ان کے پیش نظر کسی صحابی کو مطعون کرنا درست نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام کتاب و سنت کی روشنی میں بہت رفیع ہے۔ فلہٰذا اس قسم کی روایات کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقار کو مجروح اور ان کے دامن دیانت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بالفرض اس چیز کو بعض روایات کے اعتبار سے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا محمل وہی ہے جو کبار علمائے کرام نے اپنی تحقیق کی شکل میں ذکر کیا ہے۔ (اسے ہم صفحات گزشتہ میں نقل کر چکے ہیں)

یعنی یہ روایات، اختلاف رائے کرنے اور دوسرے فریق کی رائے کا تخطیہ کرنے یا ان کے طریق کار اور معاملات پر نقد و تنقید کرنے کے معانی پر محمول ہیں۔ اور کسی قسم کا معروف سب وشتم (گالی گلوچ) مقصود نہیں۔

مسئلہ ہذا درایت کی روشنی میں

سب وشتم کے مسئلے کے متعلق روایت کے اعتبار سے اور معانی و محامل کے لحاظ سے چند چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اب درایت کے اعتبار سے بعض چیزیں اس مسئلے کے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے متعلق سب وشتم کیے جانے کا جو پروپیگنڈا روایات میں پایا جاتا ہے وہ کس حد تک درست ہے؟ اور اس عہد کے واقعات کے ساتھ اس کی کس درجہ تک مطابقت پائی جاتی ہے؟ اور مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں سب وشتم کا یہ مسئلہ کہاں تک صحیح ہے؟ اہل فکر حضرات اس پر نظر غائر فرمائیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض اشیاء قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۲۱۸-۲۱۹ وغیرہ میں درج ہو چکی ہیں لیکن یہاں بعض حوالہ جات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہادنت و مصالحت کر لی تھی تو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں خلافت کا معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال رجب ۶۰ھ تک یہ انیس سال

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

چند ماہ کا عرصہ دراز ہے۔ اس عرصہ میں دونوں فریق کے باہمی تعلقات اور روابط درست تھے اور معاملات میں ان کی سیاسی کشیدگی فرو ہوگئی تھی۔ چنانچہ واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ہاشمی حضرات کو حکومت کے معاملات میں عدالت کے مناصب بھی دیے گئے اور اکابر ہاشمی حضرات اس دور میں منصب قضا پر فائز رہے۔

مدینہ منورہ میں اول ہاشمی قاضی

(۱) علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم ۴۲ھ میں جب پہلی بار مدینہ منورہ کا والی تھا تو اس وقت منصب قضا کے لیے ایک قاضی کی ضرورت پیش آئی چنانچہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی بزرگ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس دور کے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میں اسلام کے پہلے قاضی عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی رحمہ اللہ ہیں۔

① ((ھذا اول قاضی رأیته فی الاسلام))[۱] (قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

② ((وھو اول قاض بالمدینة من التابعین))[۲]

غزوات میں ہاشمی غازی

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ ان کے تعلقات اور معاملات بہتر طریقے سے استوار تھے۔ مورخین اور اہل تراجم نے اس نوع کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں جو ان کے عمدہ روابط پر شاہد ہیں۔

مثلاً اس فن کے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے رضاعی برادر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ جن کا شمار صغار صحابہ میں کیا جاتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاد کی خاطر خراسان کے علاقے میں تشریف لے گئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر جب غزوہ سمرقند پیش آیا تو اس غزوہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرزند سعید بن عثمان رحمہ اللہ کماندار تھے۔ ان کی ماتحتی میں غزوہ میں شریک ہوئے اور کارہائے نمایاں سرانجام دے کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

((قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان وعلیھا سعید بن عثمان بن عفان...... قال الزبیر (بن بکار) سار قثم (بن عباس) فی ایام معاویة مع سعید بن عثمان الی سمرقند فاستشھد بھا))[۳]

---

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل

۲ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۵ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل

۳ طبقات ابن سعد ص ۱۰۱ ج ۷ قسم ثانی، تحت ذکر قثم بن عباس بن عبدالمطلب، طبع لیڈن۔

کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۲۷ تحت اولاد عباس بن عبدالمطلب

اسد الغابہ ص ۱۹۷ ج ۴ تذکرہ قثم بن عباس رضی اللہ عنہ — سیر اعلام النبلا (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ علماء نے بھی قثم بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما کے غزوہ سمرقند میں شریک جہاد ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہید ہونے کو بالوضاحت تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ابن میثم بحرانی لکھتے ہیں کہ

((واستشهد بسمرقند فی زمن معاوية)) [1]

''یعنی (قثم بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما) (حضرت) امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے عہد خلافت میں غزوہ سمرقند میں شریک جہاد ہو کر شہید ہوئے۔''

اور عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال میں اسی مسئلے کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فسار قثم الی سمرقند فمات بها شهيدا)) [2]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور انتقال کے بعد سمرقند کے علاقے میں غزوہ کے لیے حضرت قثم رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور وہاں غزوہ میں شہید ہو گئے۔''

یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاشمی حضرات اس دور کے غزوات میں بخوشی شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کرتے تھے۔

(۳) اور حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غزوات اور جنگی مہمات میں شریک و شامل ہو کر جہاد میں حصہ لیا اور امیر وقت کے ساتھ آپ کا عملی تعاون رہا۔ اس میں کسی مجبوری یا مقہوری کو کوئی دخل نہیں تھا۔ چنانچہ مورخین نے اسے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۱۔ ((ووفد على معاوية وتوجه غازيا الى القسطنطينية فی الجيش الذی كان اميره يزيد بن معاوية)) [3]

۲۔ ((ولما توفی الحسن كان الحسين يفد الى معاوية فی كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان فی الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فی سنة احدى و خمسين)) [4]

(۴) اور یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے کہ عام الصلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سیدنا حسن

۱۔ شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی شیعی) ص ۲۷ ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ علیہ السلام الی قثم بن عباس وہو عاملہ علیٰ مکہ (طبع جدید تہران)

۲۔ تنقیح المقال ص ۲۸ ج ۲، ابواب القاف تحت قثم بن عباس

۳۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر (شیخ عبدالقادر بن بدران آفندی) ص ۳۱۱ ج ۴ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

۴۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تذکرہ خروج الحسین رضی اللہ عنہ الی العراق وکیفیت مقتلہ

اور سیدنا حسین اور دیگر ہاشمی حضرات مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان حضرات کی مالی معاونت کی جاتی تھی اور بطور وظائف کے ان کو مالی عطیات پیش کیے جاتے تھے اور یہ حضرات بخوشی انھیں قبول اور وصول کیا کرتے تھے۔ مالی وظائف کا یہ مسئلہ شیعہ سنی دونوں مورخین کی کتابوں میں موجود ہے۔ تفصیلات میں جائے بغیر ہم ناظرین کے سامنے اسے اجمالی شکل میں پیش کرتے ہیں:

① ((فاعطاه اربعمائة الف درهم وروى المبرد ان الحسن كان يفد كل سنة على معاوية فيصله بمائة الف درهم))[1]

② ((كان له (الحسن بن على) على معاوية فى كل عام جائزة وكان يفد اليه فربما اجازه باربعمائة الف درهم وراتبه فى سنة مائة الف))[2]

③ ''حسین وے را گفت بنشیں کہ مارا رزقی در راہ است تا بیارند۔ پسے بر نیامد کہ پنج صرہ از دینار بیاوردند از معاویہ۔ اندر ہر صرہ ہزار دینار بود و گفتند کہ معاویہ از تو عذر می خواہد۔''[3]

④ ((فلما اسقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكرام زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا ويعطيهما عطاء جزيلا وقد اطلق لهما فى يوم واحد مائتى الف يعنى فى بعض الايام))[4]

مذکورہ بالا حوالہ جات کا بالاختصار مفہوم درج ذیل ہے:

[۱] (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم عطیہ پیش کیا اور مبرد نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو ایک لاکھ درہم پیش کرتے تھے۔

[۲] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہر سال وظیفہ دیا جاتا تھا اور آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے بعض اوقات چار لاکھ درہم بھی ان کو دیا گیا اور ایک لاکھ درہم تو لازماً ہر سال دیا جاتا تھا۔

---

۱ تہذیب تاریخ ابن عساکر ص۲۰۰ ج۴ تذکرہ حسن ابن علیؓ

۲ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۹ ج ا تحت تذکرہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

البدایہ ص ۳۷ ج ۸ تذکرہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ، ص ۴۱-۴۲ ج ۸ تذکرہ حسن بن علیؓ؛ ص ۱۳۷ ج ۸ تذکرہ امیر معاویہؓ

۳ کشف المحجوب (شیخ علی بن عثمان غزنوی ہجویری ثم لاہوری المتوفی ۴۵۶ھ) ص ۹۲-۹۳ باب ۸ تحت فی ذکر ائمتھم من اہل البیت، طبع سمرقند

۴ البدایہ، ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ طبع اول مصر، تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ من مکہ الی العراق

[۳] (حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک سائل نے سوال کیا تو) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جایئے، امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہمارا وظیفہ پہنچنے والا ہے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں پہنچیں جو ایک ایک ہزار دینار کی حامل تھیں۔ پہنچانے والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قلت مقدار کی معذرت کی۔

[۴] جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کا بہت احترام کرتے تھے اور ان دونوں بزرگوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مرحباً اہلاً وسہلاً (خوش آمدید) کے باعزت الفاظ سے استقبال کرتے اور ان دونوں حضرات کو عطیات کثیرہ سے نوازتے تھے، اور بعض اوقات تو ایک ایک دن میں ان دونوں کو دو دو لاکھ درہم بھی پیش کیے جاتے تھے۔

مزید برآں اس مسئلے کی تائیدات اور شواہد کے متعلق ہم تفصیل میں نہیں جا سکتے، تاہم ناظرین کرام کے لیے ذیل میں ہم شیعہ اور سنی کتب سے صرف حوالہ جات ذکر کر دیتے ہیں تا کہ قارئین ان مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی فرمالیں:

سنی کتب سے

① مستدرک حاکم ص ۵۶۷ ج ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر طیار
② لطائف المعارف (ابو منصور عبدالملک بن محمد ثعالبی) ص ۲۱-۲۲ طبع مصر۔

شیعہ کتب سے

① شرح نہج البلاغہ، ابن ابی حدید ص ۷۰۵-۷۰۶ ج ۳ طبع قدیم بیروت تحت بحث فی المقارنہ بین جود ملوک بنی امیہ وملوک بنی ہاشم
② الفخری ص ۶۴ آخری فصل اول طبع مصر
③ جلاء العیون (ملا باقر مجلسی) طبع قدیم ص ۲۷۰، تحت باب در بیان نصوص امامت و معجزات امام حسن
④ امالی (شیخ طوسی) ص ۳۳۴ ج ۲ طبع نجف اشرف
⑤ فروع کافی ص ۲۶۲ ج ۲ طبع لکھنؤ تحت کتاب العقیقہ باب الاسماء والکنی
⑥ ناسخ التواریخ ص ۴۰، ج ۱۱ کتاب دوم طبع قدیم ایران، تحت مکالمہ مروان و آنحضرت (امام زین العابدین)
⑦ ناسخ التواریخ ص ۳۸۰ ج ۹ طراز المذہب مظفری، (طبع قدیم ایران) در بیان احتجاج عبداللہ بن جعفر با معاویہ و حکایت او با معاویہ و یزید

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ یہ چیز حسن روابط پر مستقل قرینہ ہے۔

② اور اس دور کے اہم معاملات مثلاً منصب قضا وغیرہ قبول کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاون رہتے تھے۔

③ عہد خلافت معاویہ کے جنگی معاملات میں پوری طرح تعاون کرتے تھے اور اس دور کے غزوات جہاد میں شریک و شامل ہو کر باقاعدہ غنائم سے حصہ حاصل کرتے اور مراتب شہادت کی سعادت پاتے تھے۔

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ اکابر ہاشمی حضرات بشمول حسنین شریفین رضی اللہ عنہما بیت المال سے باقاعدگی کے ساتھ وقتی عطیات اور سالانہ وظائف حاصل کرتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اس بات پر قوی قرائن ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے حق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب و شتم نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو منبروں پر برملا برا بھلا نہیں کہا جاتا تھا۔

بالفرض اگر سب و شتم کا پروپیگنڈا درست ہے اور واقعی منبروں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سب و شتم کی بوچھاڑ ہوتی تھی (جیسا کہ معترض احباب ذکر کرتے ہیں) تو پھر یہ اکابر حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مندرجہ بالا تعلقات و روابط کس طرح قائم کیے ہوئے تھے اور دینی امور میں ان کے ساتھ کس طرح تعاون رکھے ہوئے تھے؟

ناظرین کرام! اندریں حالات معترض کی جانب سے پیش کردہ سب و شتم کی روایات یا مذکورہ بالا واقعات (جو قرائن میں پیش کیے گئے ہیں) ان میں سے کوئی ایک بات ہی درست ہو سکتی ہے۔ دونوں چیزوں کا بیک وقت صحیح ہونا مشکل امر ہے۔ غور فرمائیں۔

وجہ یہ ہے کہ یہ ایک فطری امر اور نفسیاتی چیز ہے کہ جس شخص کے اکابر اور آباء کو سب و شتم کیا جائے یا ان کے حق میں علیٰ روس الاشہاد بدگوئی کی جائے تو ایک باغیرت انسان اپنی حمیت کی بنا پر ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق بھی قائم نہیں رکھ سکتا اور

① نہ ان لوگوں کی جانب سے مناصب و اعزاز حاصل کر سکتا ہے۔

② نہ ان کے ساتھ مل کر جہاد و غزوات میں شامل ہو سکتا ہے۔

③ اور نہ ان کے ساتھ میل و ملاقات پسند کر سکتا ہے۔

④ نہ ان سے مالی عطیات و ہدایا و وظائف حاصل کر سکتا ہے۔

⑤ حتیٰ کہ ایسی جماعت اور ایسے افراد و اشخاص کے ساتھ باہم سلام و کلام تک کا روادار نہیں ہوتا۔

یہ امور معاشرہ کے مشاہدات میں سے ہیں۔ فلہٰذا معروضات بالا کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ معترض دوستوں کا اس مسئلے میں پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات و مشاہدات بھی اس چیز کی نفی کرتے ہیں اور اس کے برعکس ہیں۔ فلہٰذا یہ قابل قبول نہیں۔ مسئلہ ہذا میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ورنہ درایت کے لحاظ سے اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ پس اس بات میں جمہور علمائے امت نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور اس کو ہم نے سابقاً متعدد بار تحریر کر دیا ہے، رجوع فرما کر تسلی کر لیں۔

قول "لا اشبع الله بطنه" سے پرخوری کا اعتراض پھر اس کا حل

بعض روایات میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں (ازراہ شرم و حیا) دروازے کے پیچھے چھپنے لگا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا اور گردن سے پکڑا اور ازراہ تلطف خفیف سی ضرب لگائی اور اس کے بعد فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان کو بلا لاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں چلا گیا۔ اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، مجھے اس سے کام ہے۔ میں (دوبارہ) گیا اور وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ ابھی کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لا اشبع الله بطنه" یعنی اللہ تعالیٰ اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔

اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے والے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرخوری کی بددعا فرمائی تھی اور وہ کھانے سے سیر نہیں ہوتے تھے (یہ اخلاقی اعتبار سے ایک قبیح خصلت ہے)۔

ازالہ اشکال

اعتراض کو حل کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے طعن مذکورہ بالا زائل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

اولاً...... اصل واقعہ ہذا دیگر روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قال اذهب فادع لی معاوية وكان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم فانه على حاجة))[1]

---

1. مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج ا تحت مسندات ابن عباسؓ
مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج ا تحت مسندات ابن عباسؓ، طبع مصر

''یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو میرے لیے بلا لاؤ۔ معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور منشی تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں دوڑ کر گیا اور امیر معاویہ کو جا کر میں نے کہا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلاتے ہیں، جناب کو ضرورت ہے، آپ حاضر خدمت ہوں۔''

اس روایت میں اصل واقعہ کی نشاندہی اچھی طرح ہوگئی کہ

① ایک تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بار بار روانہ کرنا اصل واقعہ میں شامل نہیں، ایک دفعہ ہی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔

② کلمہ ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کا فرمان بھی اصل واقعہ میں مذکور نہیں بلکہ بعد میں رواۃ کی طرف سے اضافہ شدہ جملہ ہے۔

روایت ہذا کے ذریعے سے ان ہر دو چیزوں کی سراغ رسانی ہوئی اور معلوم ہوا کہ اصل واقعہ اسی قدر ہے کہ جتنا کہ مسند احمد کی روایت میں مذکور ہے۔ لیکن بعض راویوں نے اس کو بڑھا کر طعن کی شکل میں ذکر کر دیا اور تعبیر راوی نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

ثانیاً...... زیر بحث روایت میں مذکورہ تصرفات جس راوی کی طرف سے پائے گئے ہیں ان کا نام ''عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابوحمزہ'' ہے۔ اس راوی پر علمائے رجال نے نقد اور کلام کیا ہے:

① ((قال ابوزرعة لين وقال العقيلي لا يتابع على حديثه...... هو ضعيف))[1]

② ((قال ابوزرعة لين و ذكر له عقيلي حديثا استنكره))[2]

③ ((عن ابن عباس رضي الله عنهما لا يتابع على حديثه ولا يعرف الا به))[3]

''حاصل یہ ہے کہ ابوزرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کمزور ہے۔ عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث پر متابعت نہیں پائی گئی...... یہ ضعیف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو اس نے روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس چیز کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:

((وليس له عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم غير هذا الحديث...... هذا

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۳۹ ج ۳ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

[2] المغنی (ذہبی) ص ۴۷۹ ج ۲ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

[3] کتاب الضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۹۹ ج ۳ طبع جدید، تحت عمران بن ابی عطاء ابوحمزہ قصاب

القصاب فله فی مسلم هذا الحدیث وحده ولا ذکر له فی البخاری))[1]

ثالثاً...... جستجو کرنے سے مزید یہ تصریح بھی دستیاب ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر پرخوری کا طعن اولاً قائم کرنے والے اور اس کارخیر کے نشر کرنے والے بھی یہی بزرگ ہیں اور یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور راوی کا متفرد قول قابل اعتنا نہیں ہوتا۔

چنانچہ بلاذری رحمہ اللہ نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

((قال ابوحمزة فکان معاویة بعد ذالك لا یشبع))[2]

مسئلہ صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ اصل طعن ثبت کرنے والے یہی بزرگ ہیں۔ اسی بنا پر علمائے کبار نے فرمایا کہ اس مسئلے میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ یہ شخص ضعیف ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرنے میں متفرد ہے اور مسلم نے اس کی دیگر حدیث نہیں لی اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ذکر نہیں کیا۔[3]

بصورت دیگر اگر بالفرض روایت پر نقد اور تنقید سے قطع نظر کرلیا جائے اور اس جملہ کو برحال رکھا جائے تاہم اس جملہ کو بددعا پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کے لیے دیگر محامل ہو سکتے ہیں۔ اس کی خاطر معروضات ذیل پر نظر فرمائیں:

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ الکبیر میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((کان معاویة ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا معاویة! ما یلینی منك؟ قال بطنی۔ قال اللهم املأہ علما وحلما))[4]

"یعنی ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ارشاد فرمایا کہ تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ کے نزدیک ہے۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اسے علم اور حلم (بردباری) سے پر فرمادے۔"

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بطن کے لیے علم و حلم کی دعائے خیر فرمائی گئی ہے۔ یہ مذکورہ بالا روایت کے بالمقابل ہے کیونکہ اسی بطن کو اس روایت میں بددعا دی جا رہی ہے اور روایت ہذا میں اسی بطن کو

---

[1] شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ تحت باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبہ...... (طبع دہلی)

[2] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۶ ج ۴ ق ۱، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع یروشلم۔

[3] شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ باب من لعنہ النبی اوسبہ او دعا علیہ

[4] التاریخ الکبیر (بخاری) ص ۱۸ ج ۴ ق ۲ باب وحشی (وحشی حبشی) مولیٰ جبیر بن مطعم۔

علم وحلم سے پر کرنے کی دعا فرمائی ہے۔ روایات کا تقابل خود اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقتاً بددعا مقصود نہیں۔

۲۔ نیز کسی مسلمان کو بددعا دینا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارک کے خلاف ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم عموماً دعا ہی دیا کرتے تھے۔

۳۔ بلاقصور اور بغیر کسی غلطی کے بددعا کرنا شان نبوت کے خلاف ہے۔ اور خصوصاً فعل مباح پر بددعا کرنا تو عجیب تر بات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کھانے میں دیر لگانا نہ شرعاً برا ہے اور نہ اخلاقاً ناروا ہے۔ ایک فعل مباح پر ایسے زجر کے کلمات فرمانا عام دستور مبارک کے خلاف ہے۔

۴۔ کبار محدثین نے اس نوع کے کلمات کے محامل ذکر کرتے ہوئے ان کو زبان زد محاورات اور غیر ارادی کلمات کے درجے میں شمار کیا ہے۔ اہل لسان کے نزدیک ایسے کلمات بغیر قصد کے متکلم سے صادر ہوتے ہیں اور ان سے لغوی معانی مقصود نہیں ہوتے، مثلاً:

ثقلتك امك۔ عقرى وحلقى۔ تربت يداك۔ على رغم انفك وغیرہ وغیرہ۔ ان کلمات میں بددعا مقصود نہیں ہوتی۔ اسی نوع کے کلمات میں لا اشبع الله بطنه کو داخل کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((هذا دعاء لا يراد وقوعه بل عادة العرب التكلم بمثله على سبيل التلطف...... ثم هذا و امثال ذالك مثل تربت يداه وثقلته امه مما يقع فى كلامهم لدلالة على تهويل الخبر وان ما سمعه لا يوافقه لا للقصد الى وقوع مدلوله الاصلى والدلالة على التماسه))[1]

شرح مسلم نووی[2] اور تطہیر الجنان[3] لابن حجر مکی میں یہی مضمون منقول ہے۔

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوۃ میں "ثقلتك امك" کے تحت یہ چیز ذکر کی ہے۔

((اى فقدتك امك وهو دعاء عليه بالموت على ظاهره ولا يراد وقوعه بل هو تأديب و تنبيه من الغفلة وتعجيب وتعظيم للامر))[4]

"یعنی بظاہر تو یہ کلمات "موت کی بددعا" ہیں لیکن متکلم کے نزدیک اس کا وقوع مراد نہیں ہوتا بلکہ

۱۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۲ ج ۵ باب خطبۃ یوم النحر، الفصل الاول طبع ملتان

۲۔ شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبہ...... الخ، طبع دہلی

۳۔ تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) مع الصواعق المحرقۃ ص ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور...... الخ

۴۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ، علی بن سلطان محمد قاری ص ۱۰۶ ج ۱، تحت لفظ "ثقلتک امک" کتاب الایمان الفصل الثانی۔

اس قسم کی تادیب اور غفلت سے تنبیہ ہوتی ہے اور معاملہ کو قابل تعجب اور بڑا جتلانا مقصود ہوتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کے کلمات بھی بطور تنبیہ یا تعجب وغیرہ کے ہیں، ان سے بددعا مراد نہیں۔

۵۔ نیز محدثین کرام اس روایت کی ایک عمدہ توجیہ ذکر کرتے ہیں اور وہ دیگر صحیح روایات کی روشنی میں بالکل درست ہے وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہوں اور لوگوں کے ساتھ بعض دفعہ راضی ہوتا ہوں اور بعض اوقات ناراض ہو جاتا ہوں اور سخت کلمات بھی صادر ہو جاتے ہیں، تو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرط کر رکھی ہے کہ

((فایما احد دعوت علیه من امتی بدعوة لیس لها باهل ان تجعلها له طهورا وزکاة وقربة تقربه بها منه یوم القیامة))[1]

''یعنی فرمایا کہ میری امت میں سے جس کے خلاف میں ایسے کلمات کہہ دوں جن کا وہ مستحق نہیں ہے تو اے اللہ! (ایسی صورت میں) ان کلمات کو اس شخص کے حق میں پاک اور صاف کر دینے والے بنا دے اور قیامت کے دن ان کی نزدیکی اور تقرب کا باعث بنا دے۔''

پس فرمان ہذا کے اعتبار سے اگر آنجناب ﷺ نے بالفرض بددعا کے طور پر یہ مذکورہ جملہ (لا اشبع اللہ بطنہ) ارشاد فرمایا ہو تو پھر بھی وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تطہیر ہوا اور قیامت میں تقرب کا سبب بنے گا۔

بہرکیف محدثین کرام نے اس مقام پر واضح الفاظ میں تصریح کر دی ہے کہ

((ان هذا الحدیث من مناقب معاویة الجلیلة لانه بان بما قررته انه دعاء لمعاویة رضی اللہ عنہ لا علیه وبه صرح الامام النووی))[2]

''یعنی یہ مذکورہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں گراں قدر مناقب میں سے ہے۔ کیونکہ

---

۱ مسلم شریف ص ۳۲۴ ج ۲ باب من لعنه النبی ﷺ او سبه او دعاء علیه......الخ
مسند ابی یعلی الموصلی ص ۸۹ ج ۲ تحت مسندات ابی سعید خدری
شرح مسلم، نووی ص ۳۲۵ ج ۲ تحت الحدیث
اکمال اکمال المعلم شرح مسلم ص ۴۷ ج ۷ باب دعاہ ﷺ لمن دعا علیه......الخ
تطہیر الجنان، ابن حجر مکی ص ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور طعن علیه......الخ
الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۵ تحت جواب طعن ثانی۔ طبع ملتان۔

۲ تطہیر الجنان واللسان مع الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۹ تحت الفصل الثالث۔

(جیسا کہ ہم نے اس کی تشریح لکھی ہے) یہ ان کے حق میں دعائے خیر ہے نہ کہ بددعا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔''

اور یہ دیگر شارحین مسلم شریف نے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

⑥ ناظرین کرام! توجہ فرمائیں کہ اصل واقعہ جو روایت میں مذکور ہے اس سے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''اعتماد نبوی'' اور ''امانت داری'' عمدہ طریقہ سے ثابت ہوتی ہے اور یہ ان کی کمال خوش نصیبی ہے کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کتابت و انشاء کی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے تھے اور اسی سلسلے میں اس موقع پر بھی بلائے گئے۔ لیکن مخالفین نے الٹا اس واقعہ کو اعتراض کی شکل دے دی اور اس سے ''پرخوری'' کا طعن تجویز کر لیا۔ (فیا للعجب) سچ ہے کہ

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است

بسر بن ارطاۃ کے مظالم کے متعلقات

اعتراض قائم کرنے والے احباب بسر بن ارطاۃ کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے اس موقع پر درج ذیل واقعہ لکھتے ہیں:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ حجاز ویمن پر آپ کے چچا زاد برادر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حاکم تھے۔ اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو اس علاقے کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ جب بسر بن ارطاۃ اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے بہت مظالم کیے اور کئی لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور کوفہ چلے گئے تو بسر بن ارطاۃ نے ان کے دو صغیر السن فرزندوں عبد الرحمٰن اور قثم کو قتل کر ڈالا جن کا کوئی قصور نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کے مظالم پر کوئی کارروائی نہیں کی اور اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس طرح انھوں نے اپنے حکام وولاۃ کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور قانون کی بالاتری کا خاتمہ کیے ہوئے تھے۔

شبہ کا ازالہ

مندرجہ بالا اعتراضات کو صاف کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں پر نظر فرمائیں، امید ہے کہ ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

جس دور میں یہ واقعات مذکورہ بالا پیش آئے ہیں وہ ایک ابتلائی دور تھا اور اس میں ہر ایک فریق دوسرے سے مسابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں تھا۔ ہر فریق ایک دوسرے کے علاقے پر اپنے ہم نوا لوگوں کی حمایت پر زور دے رہے تھے۔ ان حالات میں بعض دفعہ زیادتیوں اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر ہے اور ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کارروائیوں کا صادر ہونا کچھ بعید نہیں۔

نیز یہ چیز بھی ہے کہ بسر بن ارطاۃ وغیرہ کے مظالم جو معترض دوستوں نے ذکر کیے ہیں اسی نوع کے واقعات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت کی طرف سے بھی بعض اوقات پائے گئے ہیں اور ان لوگوں کے تجاوزات اور زیادتیوں پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی گرفت اور مواخذے کا ذکر ہماری معلومات کی حد تک نہیں پایا جاتا۔ مورخین نے اس نوع کے چند ایک واقعات نقل کیے ہیں، ان پر نظر فرمالیں:

① مثلاً مورخین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو بنی فزارہ کے ایک شخص کے قتل کے متعلق ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی معاون اشتر نے لوگوں کو اہل شام کے خلاف قتال پر آمادہ کرنا چاہا تو بنی فزارہ کے ایک شخص اربد نے اس معاملے میں مخالفت کی۔ اس پر اشتر اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہا کہ فزاری کو پکڑو، جانے نہ پائے۔ اربد بھاگ کھڑا ہوا اور بازار کے ایک مکان میں جا داخل ہوا۔ اشتر کے آدمیوں نے اسے وہاں جالیا اور لاتوں مکوں اور تلوار کی میانوں سے خوب مارا، حتیٰ کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ اسے ہمدانیوں نے قتل کیا اور کچھ دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بلوہ میں قتل ہوا ہے اور اس کا قاتل مشتبہ ہے، متعین نہیں۔ چنانچہ اس کی دیت مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کی جائے۔

مشہور شیعی مورخ نصر بن مزاحم کہتا ہے کہ:

((فقام الاشتر فقال من لهذا ايها الناس! وهرب الفزارى واشتد الناس على اثره فلحق بمكان من السوق تباع فيه البرازين فوطوه بارجلهم وضربو بايديهم ونعال سيوفهم حتى قتل فاتى على فقيل يا امير المومنين! قتل الرجل قال ومن قتله؟ قالوا قتله همدان و فيهم شوبة من الناس فقال قتيل عمية لا يدرى من قتله ديته من بيت مال المسلمين))[1]

② اسی طرح مورخین لکھتے ہیں کہ بصرہ کے علاقے سے جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کوفہ کی طرف تشریف لے گئے تو زیاد کو اپنا قائم مقام چھوڑا۔ اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو حضرمی ایک مکتوب اہل بصرہ کے لیے لائے جس میں ان کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے تعاون کا جو اقرار تھا اس کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ عبداللہ بن عمرو حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب لے کر بصرہ میں بنی تمیم کے ہاں آ کر ٹھہرے اور انھوں نے انھیں پناہ دی۔ اس دوران میں زیاد کے ساتھ بنی تمیم کا تنازع اور معارضہ ہوا جس میں بنی تمیم کا ایک شخص مارا گیا۔ زیاد نے ان حالات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔

((فبعث عند ذالك على جارية بن قدامة التميمى فى خمسين رجلا الى قومه بنى تميم...... وقصده جارية فحصره فى دار هو وجماعة معه...... فحرقهم بالنار......))[2]

---

[1] وقعة الصفين (نصر بن مزاحم المنقری الشیعی الرافضی) ص ۱۰۵-۱۰۶ طبع مصر (تحت مقتل اربد الفزاری خطبة الاشتر)

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۶ ج ۷ تحت واقعہ ہذا، سنہ ۳۸ھ

''یعنی علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو اس کی قوم کی طرف پچاس آدمیوں کے ہمراہ بھیجا تاکہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو حضرمی کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ مگر بنی تمیم اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور ابن حضرمی کی حمایت پر قائم رہے۔ اس وقت جاریہ بن قدامہ نے حضرمی اور ان کے ساتھیوں کا ایک گھر میں محاصرہ کر لیا (بعض کہتے ہیں کہ وہ چالیس افراد تھے اور بعض کے نزدیک ان کی تعداد ستر تھی) اور ان تمام کو آگ میں جلا دیا۔''

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو بالفاظ ذیل کیا ہے:

((فاحرق عليه الدار فاحترق فيها خلق))[1]

''یعنی جس گھر میں عبداللہ بن عمرو حضرمی اور ان کے ساتھی تھے اس کو جاریہ بن قدامہ نے جلا ڈالا اور ایک مخلوق اس میں جل کر راکھ ہو گئی۔''

(۳) فتنہ اور ابتلائی دور کا ایک اور مشہور واقعہ مورخین اس طرح ذکر کرتے ہیں (جس طرح کہ سوال میں معترض نے ذکر کیا) کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو علاقہ حجاز کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ جب یہ یمن پہنچا تو عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی یمن سے معارضہ ہوا۔ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقابلے کی تاب نہ لا کر کوفہ چلے گئے۔ بعد میں بسر بن ارطاۃ نے کئی مظالم کیے حتیٰ کہ بقول مورخین اس نے عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو صغیر السن فرزندوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کر ڈالا۔ بسر کے مقابلے اور جوابی کارروائی کے لیے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو روانہ کیا۔

طبری لکھتے ہیں:

((فسار جارية حتى اتى نجران فحرق بها واخذ ناسا من شيعة عثمان فقتلهم وهرب بسر واصحابه منه واتبعهم حتى بلغ مكة))[2]

''یعنی جب جاریہ بن قدامہ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلا ڈالا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ جاریہ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا۔''

اور ذہبی رحمہ اللہ نے اس چیز کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فبعث جارية هذا فجعل لا يجد احدا خلع عليا الا قتله وحرقه بالنار حتى

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۴ ج ۲ تحت ترجمہ جاریہ بن قدامہ

[2] تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۰-۸۱ ج ۶ تحت توجیہ معاویہ بسر بن ارطاۃ سنہ ۴۰ھ
البدایہ ص ۳۲۲ جلد ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

انتھی الی الیمن فسمی محرقا))[1]

"یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جاریہ بن قدامہ کو روانہ فرمایا۔ جاریہ یمن پہنچا۔ جس شخص کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف معلوم کرتا اس کو قتل کر دیتا تھا اور آگ میں جلا دیتا تھا۔ اس بنا پر لوگ جاریہ کو محرق کہنے لگے (یعنی جلا ڈالنے والا)۔"

جاریہ بن قدامہ کے اس قتل عام اور مظالم کو قدیم شیعہ مورخین یعقوبی و مسعودی وغیرہ نے بھی اپنے انداز میں ذکر کیا ہے:

((وقتل من اصحابه خلقا واتبعهم بقتل واسر حتى بلغ مكة))[2]

"یعنی بسر کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت کو جاریہ نے قتل کیا اور قید کیا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا حتیٰ کہ مکہ پہنچا۔"

مدینہ میں فساد

جاریہ بن قدامہ حسب معمول قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ شریف پہنچا۔ یہاں ان ایام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت کے متعلق سن چکے تھے اس لیے جب جاریہ بن قدامہ وہاں پہنچا تو آپ مدینہ شریف سے فرار ہو گئے۔ جب جاریہ کو آپ کے فرار کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا: اگر میں ابوسنور (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) پر قابو پا لیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

جاریہ نے اہل مدینہ سے کہا کہ جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کے لیے بیعت کرو۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے حکم پر بیعت کی پھر یہ مدینہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے اور حسب معمول نمازیں پڑھانے لگے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ

((ثم سار حتى اتى المدينة وابوهريرة يصلى بهم فهرب منه فقال جارية والله لو اخذت ابا سنور لضربت عنقه ثم قال لاهل المدينة بايعوا لحسن بن على فبايعوه واقام يومه ثم خرج منصرفا الى الكوفة وعاد ابوهريرة فصلى بهم))[3]

---

1. تاریخ اسلام (ذہبی) ص۲۱۴ ج۲ (سنہ ۵۰ھ) تحت تراجم اہل ہذہ الطبقہ ترجمہ جاریہ بن قدامہ
2. تاریخ یعقوبی شیعی ص۱۹۹ ج۲ تحت حالات بسر بن ارطاۃ
   مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص۳۱ ج۳ تحت ذکر ایام معاویہ بن ابی سفیان
3. تاریخ ابن جریر طبری ص۸۱ ج۲ تحت توجیہ معاویہ بسر بن ارطاۃ سنہ ۴۰ھ
   البدایہ (ابن کثیر) ص۳۲۲ ج۷ تحت سنہ ۴۰ھ

نتائج وفوائد

گزشتہ واقعات کی روشنی میں مندرجہ ذیل چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① بنی فزارہ کے ایک شخص اربد کا قتل اشتر نخعی کے لوگوں کو برانگیختہ کرنے پر وقوع پذیر ہوا۔ حالانکہ وہ گردن زدنی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ پھر اس کی دیت کا مسئلہ آیا تو قتل پر ابھارنے والوں اور قتل کرنے والوں سے دیت نہیں دلوائی گئی بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی گئی۔ لیکن اسی نوع کا معاملہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پایا جاتا ہے اور معاملہ مشتبہ ہونے کی بنا پر دیت مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی جاتی ہے تو معترضین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیت المال سے دیت ادا کرنے کا طعن قائم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے۔ دراصل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی طعن قائم نہیں کیا جانا چاہیے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس مقام پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس موقع کے واقعات کو ان حضرات کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب ہے۔

② عبداللہ بن عمرو حضرمی کے واقعے میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ بنی تمیم کا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہد کا مسئلہ تھا جو بظاہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا لیکن وہ اس کا خلاف نہیں کرنا چاہتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرستادہ شخص جاریہ بن قدامہ نے کم وبیش چالیس یا ستر آدمیوں کا محاصرہ کر کے جلا ڈالا اور بقول بعض مورخین ایک بڑی مخلوق کو نذر آتش کر دیا۔ مختصر یہ ہے کہ بنی تمیم کا نظریاتی اختلاف تھا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ اسلام میں اس جرم کی سزا کیا احراق وتحریق ہے؟

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ایک بڑا سنگین واقعہ ہے۔ اس میں بھی مورخین کے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ اس شخص (جاریہ بن قدامہ) سے باز پرس کی نہ کوئی سزا دی اور نہ اسے معزول ہی کیا۔

اسی طرح کا مسئلہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آجائے تو معترض احباب طعن و تشنیع کرتے کرتے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ آخر اس یکطرفہ طریق کار کی وجہ کیا ہے؟

③ تیسرا واقعہ بسر بن ارطاۃ کے مقابلے کے لیے جاریہ بن قدامہ کا علاقہ یمن میں پہنچنا اور لوگوں کو جلا ڈالنا اور شیعان عثمان کو پکڑ کر قتل کر ڈالنا یہ اپنی جگہ اگرچہ جوابی کارروائی ہے مگر شیعان عثمان کو بے دریغ جلانا اور قتل کر ڈالنا جاریہ بن قدامہ کے مظالم اور تجاوزات سے ہیں جن پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی محاسبہ یا گرفت اور کوئی سزا یا سرزنش ہمارے مطالعہ کی حد تک مورخین نے ذکر نہیں کی۔

مدینہ شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جاریہ بن قدامہ کا یہ کہنا کہ اگر میں اس پر قابو پالیتا تو گردن اڑا دیتا، یہ گردن اڑا دینا آپ کے کون سے جرم کی شرعی سزا ہے؟

بسر بن ارطاۃ کے مظالم ذکر کرنے والے حضرات کو جاریہ بن قدامہ کے اس قسم کے تجاوزات اور مظالم کیا نظر نہیں آتے؟ اور اشتر نخعی کے تجاوزات اور اس کی چیرہ دستیاں معترض احباب کو فراموش ہو جاتی ہیں جو مورخین نے ذکر کی ہیں؟ اگر یہ لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہیں تو ان کو دونوں طرف نظر ڈالنی چاہیے اور طعن کے معاملے میں ان کو توازن قائم رکھنا چاہیے۔ ہمارا مشورہ تو معترض احباب کے لیے یہ ہے کہ دونوں جانب اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

انتباہ

ماقبل میں ناظرین نے تاریخی روایات کی روشنی میں چند واقعات ملاحظہ کر لیے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات دونوں فریق کے خلاف اعتراضات قائم کرنے کے لیے تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مقام پر ہمارا موقف اور مسلک یہ ہے کہ ہم ایسے تاریخی واقعات کو جو کسی طرح بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت عظمت اور علو مرتبت کے منافی ہوں اور ان سے عیب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں سمجھتے خواہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اس نوع کی تاریخی روایات سے بالاتر ہے اور ان سے صحابہ کے دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ

معترض احباب نے مذکورہ واقعہ کو بڑی اہمیت دی ہے جس میں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صغیر السن فرزندوں (عبدالرحمٰن اور قثم) کو قتل کر دینا مذکور ہے۔ اس کے متعلق ہم یہاں چند چیزیں ذکر کرنا چاہتے ہیں جس سے اس واقعہ کا بے اصل ہونا واضح ہو جائے گا:

① پہلی چیز یہ ہے کہ اکابر مورخین نے اس مقام پر بسر کے حالات کو تو ذکر کیا ہے مگر بچوں کا یہ قتل بالکل ذکر نہیں کیا:

(الف) تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۴۰ھ تحت واقعہ ہذا

(ب) طبقات ابن سعد ج ۷ قسم ثانی تحت بسر بن ارطاۃ

(ج) نسب قریش (مصعب زبیری) تحت حالات عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(د) الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۳۰-۴۳۱ ج ۲ تحت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

مندرجہ بالا اکابر مورخین و محدثین نے بسر کا واقعہ ہذا اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عامل یمن ہونا وغیرہ تحریر کیا ہے مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی فرزندوں کے قتل کا واقعہ ذکر نہیں کیا حالانکہ ایسے دردناک واقعہ کا ذکر کرنا نہایت اہم اور ضروری تھا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس واقعہ کو نقل کرنے والوں میں اونچا بزرگ ابن جریر طبری ہے جس نے ۴۰ھ کے تحت بچوں کے قتل کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور طبری نے روایت ہذا کی جو سند ذکر کی ہے (عن زیاد بن عبداللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویة) اس میں واضح انقطاع پایا جاتا ہے۔ مذکورہ رواۃ میں سے عوانہ (ابن الحکم) کی وفات بقول بعض مورخین ۱۴۷ھ اور بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ۱۵۸ھ میں ہے جبکہ واقعہ ہذا بقول طبری ۴۰ھ میں پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ عوانہ اس کے بعد ایک سو سات سال اور زندہ رہا۔ اگر یہ نہیں تو پھر عوانہ مذکور اس واقعہ کے حاضرین میں سے یا اس کے براہ راست ناقلین میں سے نہیں ہے۔ فلہٰذا ایسی منقطع روایت سے واقعہ کا اثبات اور پھر اس سے اعتراض کا تیار کرنا درست نہیں۔ اس انقطاع کے دوران میں معلوم نہیں کس قسم کے لوگ واقعہ کو نقل کرنے والے ہیں۔ بنا بریں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) پھر اس کے بعد قابل ذکر چیز یہ ہے کہ ابن جریر طبری اور اس سے ناقلین نے اس واقعہ کو بڑی آب و تاب سے ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے کبار علماء نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

((ھذا الخبر مشھور عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحته عندی نظر ...... واللہ تعالی اعلم))[1]

''یعنی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ (فرزندوں) کے قتل کی خبر اگرچہ علمائے مغازی و سیر کے ہاں شہرت یافتہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح ہونا مشتبہ اور قابل تامل ہے۔''

وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے ناقلین میں ابن جریر طبری ہے (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) اور ابن انباری، مبرد، ابن کلبی اور ابن وردی اور مدائنی وغیرہم اس قسم کے واقعات کو نقل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کے بے اصل قصہ جات کو بہت بنا سجا کر نقل کیا کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اس نوع کی روایات پر اخباری لوگ ہی اعتماد کر سکتے ہیں۔ محدثین اور اہل دین ان کی اس نوع کی مرویات پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ قابل وثوق سمجھتے ہیں۔

(۱) اور یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس وقت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اسی سال ۴۰ھ میں مصالحت ہوئی تھی اس وقت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کے ناحق قتل کے متعلق ان کے قصاص اور دیت وغیرہ کا مسئلہ کیوں پیش نظر نہیں رکھا گیا؟ اور اس کے تصفیہ کے بغیر صلح کیسے تسلیم کر لی گئی؟ حالانکہ یہ اس دور کا بڑا اہم اور سنگین معاملہ تھا۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ اس مصالحت کا ذکر ہم قبل ازیں اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۶۶

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ تحت واقعات ہذا

پر کر چکے ہیں اور حوالہ جات بھی وہاں لکھ دیے ہیں۔ مورخین ابن جریر، ابن اثیر، ابن کثیر وغیرہ ان تمام لوگوں نے یہ مصالحت درج کی ہے۔

(۲) نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی اور اس کے بعد حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باقاعدہ صلح ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں ہوگئی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کا پورا معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بڑی اہم شرائط پیش کی گئیں۔ اس وقت بھی ان چچا زاد صغیر السن بچوں کے ناحق قتل پر دیت اور طلب قصاص وغیرہ کا کوئی مطالبہ پیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تا حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مقامات پر حاکم اور والی تھے بلکہ بقول ابن اثیر جزری رحمہ اللہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس صلح میں خود حاضر تھے۔

((وانما کان الذی شھد صلح الحسن عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما))[۱]

یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا اور ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ اس پر گفتگو کے بغیر صلح کا معاملہ کس طرح طے کر لیا گیا؟ فافہم

ایک لطیفہ

اس مقام پر شیعہ کے علمائے رجال متقدمین و متاخرین نے عبیداللہ بن عباس کے متعلق ایک ایسا واقعہ ذکر کیا ہے جو کسی طرح بھی لطیفہ سے کم نہیں۔

شیعہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے چچا زاد برادر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک پرچم دے کر بطور امیر جیش ایک مقام کی طرف روانہ فرمایا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ فلاں مقام پر پہنچے ہیں تو آپ نے ایک لاکھ درہم عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ارسال کیے۔ اس کے بعد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہی علم ساتھ لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ لاحق ہو گئے۔ اس حالت میں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا لشکر بغیر قائد و امیر کے رہ گیا۔

((فبعث الیہ معاویۃ بمائۃ الف درھم فمر بالرایتہ ولحق بمعاویۃ وبقی العسکر بلا قائد ولا رئیس))[۲]

ہم اس بات کی طرف نہیں جاتے کہ شیعہ علماء نے کس انداز سے اکابر ہاشمی حضرات کی کردار کشی کی ہے

---

۱ الکامل، ابن اثیر جزری ص ۱۹۴ ج ۳ تحت ذکر فراق ابن عباس البصرہ

۲ رجال کشی ص ۷۴ تحت عبیداللہ بن عباس طبع قدیم ممبئی

رجال مامقانی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت عبیداللہ بن عباس، طبع اول تہران۔

اور ان کے مقام اخلاق کو کس طرح گرایا ہے۔ یہ مسئلہ ان کے سپرد ہے۔ ہم اس واقعہ سے یہ تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کا ناحق قتل ہو چکا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارندوں نے ہی کیا تھا تو پھر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسے مل گئے؟ کیا ان کی دیانت اور اخلاق کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی اور عزیز فرزندوں کے ناحق قتل کی کچھ اہمیت نہ تھی؟

④ مزید قابل غور یہ بات بھی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے بعد اکابر ہاشمی حضرات مع عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسب دستور عمدہ تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے۔ ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی طرف سے ہدایا وعطایا وصول کرتے تھے۔

یہ چیزیں بھی واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے اصل ہے اور تاریخی افسانہ کے درجے میں ہے۔ ناظرین کرام مطلع ہوں کہ اکابر ہاشمی حضرات کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۸۷ سے ص ۲۰۹ تک ذکر کر دیا ہے، تسلی کے لیے رجوع فرما سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعات بھی اس بات کا قرینہ ہیں کہ اگر کوئی اس قسم کا سفاکانہ و ظالمانہ قتل خصوصاً معصوم بچوں کا قتل ہو چکا تھا تو اس کو کیسے فراموش کر دیا گیا؟ اور اپنے مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے مندرجہ نوعیت کے تعلقات کس طرح استوار کر لیے گئے؟ ناظرین کرام غور فرمائیں۔

⑤ نیز علمائے انساب نے ایک رشتہ ذکر کیا ہے جو عبیداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے خاندان میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی لبابہ کا رشتہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عباس کے ساتھ تھا پھر ان سے اولاد ہوئی۔ لیکن جب وہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے تو اس کے بعد لبابہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر زادے ولید بن عتبہ ابی سفیان سے شادی کر لی۔ وہ اس وقت مدینہ اور مکہ کے والی تھے۔ اور پھر ان سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

((واما لبابة بنت عبيدالله (بن عباس) فانها كانت عند عباس بن على بن ابى طالب فولدت له فقتل عنها مع حسين بن على، فتزوجها الوليد بن عتبة بن ابى سفيان وهو يومئذ وال على المدينة ومكة، فولدت له القاسم بن الوليد بن عتبة بن ابى سفيان))[1]

---

[1] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۲ تحت اولاد عبیداللہ بن عباس، و ص ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان، طبع مصر
کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص ۴۴۱
(شیعہ) حواشی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ جمال الدین) ص ۴۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب طبع نجف اشرف

یہ رشتہ داری بھی اس چیز کا قرینہ ہے کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاکم بسر نے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کے قتل کا ظلم کیا تھا تو پھر یہ رشتہ داری کیسے قائم ہوئی؟ لبابہ نے اپنے بھائیوں کے قاتل خاندان کے ساتھ رشتہ داری کس طرح قبول کر لی؟ اور خود عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیسے آمادہ ہو گئے؟ یہ چیز قابل غور ہے۔ نیز یہ نسبی تعلق ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۲۸-۱۲۹ پر بھی ذکر کر دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے بنیاد ہے۔

(۲)

ماقبل میں چند ایک قرائن ''کم سن فرزندوں کے قتل'' کے واقعہ کے بے اصل ہونے پر ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک بیان ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر بطور تبصرہ کے ہے اور ان کی صفائی کے متعلق ہے۔ اس سے بھی یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے برادر زادوں کے قتل کا قصہ بے اصل اور بے سروپا ہے۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ

((ان ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنة فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانة منه لعرضه واعراضنا، ولقد كان يحسن صلتنا ويقضي حوائجنا))[1]

''یعنی (عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ امیر معاویہ کی خوبی اور خیر کثیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ قریباً بیس سال ہمارے والی اور حاکم رہے۔ اپنی اور ہماری عزت کے تحفظ کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، خواہ وہ منبر پر تھے یا فرش پر، ہمیں کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انھوں نے ہمارے ساتھ صلہ رحمی اچھی طرح قائم رکھی اور ہماری ضروریات کو پورا کرتے رہے۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بیان سے جس طرح آپ کے کم سن برادر زادوں کے قتل کا تاریخی افسانہ بے سروپا معلوم ہوتا ہے اسی طرح منبروں پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف سب وشتم کی روایات کا بے اصل اور غلط ہونا بھی واضح ہو رہا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اگر یہ واقعات صحیح ہوتے اور ان میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایسے صفائی کے بیانات کیسے دے سکتے تھے؟

آخر میں گزارش ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے قتل مذکور کے حق میں جو کلمات "فی صحته عندی نظر" فرمائے ہیں (جیسا کہ اوپر ہم نے درج کر دیا ہے) وہ بجا طور پر صحیح اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۸ قسم اول جزء رابع تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (طبع یروشلم)

حاصل کلام یہ ہے کہ معترض حضرات نے عہد معاویہ میں ''قانون کی بالاتری کا خاتمہ'' کے تحت کم سن بچوں کے قتل کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس پر اعتراض کی بنیاد قائم کی ہے وہ واقعہ ہی بے اصل ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ فلہٰذا اعتراض ساقط ہے۔ ان بزرگوں نے تاریخی بے سرو پا روایات کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ (انما للامرء ما نوی)

لونڈیاں بنانے کا اعتراض

بسر بن ارطاۃ کی کارگزاریوں کی بنا پر اس مقام پر معترض دوست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اور طعن قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال اور سپہ سالار شرعی احکام کے پابند نہیں تھے اور ان کو ظلم و زیادتی کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ چنانچہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک سپہ سالار بسر بن ارطاۃ نے اہل ہمدان پر حملہ کر کے یہ ظلم عظیم کیا کہ وہاں آزاد مسلمان عورتیں قید کی گئیں، انھیں لونڈیاں اور باندیاں بنا لیا گیا، حالانکہ شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ یہ شرعی احکام کی خلاف ورزی ہے۔

جواب

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ بسر بن ارطاۃ کے متعلق قبل ازیں چند چیزیں ذکر ہو چکی ہیں۔ ہم اس کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ اس سے کسی ظلم و زیادتی کا صدور نہیں ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے انتظامی معاملات میں کئی غلطیاں صادر ہوئی ہوں۔

اس گزارش کے بعد ہم مندرجہ بالا اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور پیش کرتے ہیں ان سے اعتراض کی خفت اور سبکی نمایاں ہو جائے گی:

① معترض حضرات نے اس واقعہ پر کتاب الاستیعاب لابن عبدالبر کا حوالہ دیا ہے۔ الاستیعاب لابن عبدالبر کی تاریخی مرویات کے متعلق قبل ازیں ہم ''طلقاء کی بحث'' میں مقدمہ ابن صلاح کا حوالہ درج کر چکے ہیں اور اس سے استیعاب کی تاریخی مرویات کا عدم وثوق کا درجہ معلوم ہو چکا ہے۔ اب مزید برآں اسی نوع کا کلام استیعاب کی تاریخی مرویات کے متعلق اکابر علماء سے نقل کرتے ہیں:

اصول حدیث کی کتاب تقریب النووی میں امام نووی رحمہ اللہ نے اور اس کی شرح تدریب الراوی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے درج ذیل الفاظ میں تنقید ذکر کی ہے:

((ومن احسنها واكثرها فوائد الاستيعاب لابن عبد البر لولا ما شانه بذكر ما شجر بين الصحابة وحكاية عن الاخباريين))

اور شارح مذکور نے مذکورہ بالا عبارت پر مزید درج ذیل الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((والغالب علیهم الاکثار والتخلیط فیما یروونه))[1]

''یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب ''الاستیعاب'' (معرفت صحابہ میں) بڑی عمدہ اور کثیر الفوائد تالیف ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات کی کثیر چیزوں کے متعلق (محدثین کے ماسوا) اخباری لوگوں کی حکایات ذکر کر کے مصنف نے اپنی کتاب کو داغدار بنا دیا ہے۔ اخباری لوگوں کی روایات میں مواد کی کثرت اور تخلیط پائی جاتی ہے۔''

اس فن کے اکابر حضرات کے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استیعاب کے تاریخی قصوں کا کوئی وزن نہیں ہے اور نہ یہ قابل وثوق ہیں فلہٰذا ان کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن پیدا کرنا اور اعتراض کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا یہ واقعہ اس مقام پر التاریخ لابن جریر طبری، الکامل لابن اثیر جزری اور البدایہ لابن کثیر وغیرہ میں مفقود ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک ان میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں مل سکا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کے ہاں بھی لونڈیوں والا یہ واقعہ کوئی متفق علیہ امر نہیں ہے بلکہ بعض تواریخ میں ہے جسے لوگوں نے آگے نقل کر دیا اور صاحب استیعاب نے اس کو ذکر کیا۔ پھر استیعاب کی یہ روایات بھی بعض تو منقطع میں اور بعض کے راوی مجروح پائے جاتے ہیں۔ پس یہاں سے محل طعن والی مرویات کی خفت و سبکی واضح ہو رہی ہے۔

(۲) نیز گزارش یہ ہے کہ بسر بن ارطاۃ کے مظالم کے متعلق تاریخی روایات میں بے شمار چیزیں مورخین نے ذکر کی ہیں اور ان کے صدق و کذب کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مواد کس قدر صحیح ہے اور کیا کچھ غلط اور بے اصل ہے۔

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے دراصل یہ دور حضرت معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں فریقین کے لیے ابتلا کا دور تھا۔ اس دور میں کئی قسم کے مسابقات اور تجاوزات کے واقعات پیش آئے اور کئی چیزیں مدافعانہ طور پر پیش آتی رہیں جن کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر کے تجزیہ کرنا کسی صورت میں سہل نہیں۔ چنانچہ کبار علماء اس مقام پر فرماتے ہیں کہ

((وقد ذکرت الحادثة فی التواریخ فلا حاجة الی الا طالة))[2]

''یعنی یہ واقعہ (لونڈیاں بنانے کا) تواریخ میں مذکور ہے اس کی طوالت کی طرف جانے کی حاجت

---

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی (سیوطی) ص ۳۹۵، طبع مصر تحت النوع التاسع والثلاثون (۳۹)۔

[2] اسد الغابہ ص ۱۸۰ ج ا تحت بسر بن ارطاۃ۔

نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ یہ تاریخی طول طوال قصے ہیں جو قابل اعتماد اور لائق توجہ نہیں۔ علماء کے نزدیک یہ دور فتن اور ابتلاء کا دور شمار کیا جاتا ہے اسی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے محتاط علماء نے نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((وله اخباره شهيرة في الفتن لا ينبغي التشاغل بها))[1]

''یعنی بسر بن ارطاۃ کے متعلق اس فتن کے دور میں کئی تاریخی روایات مشہور ہیں ان کے ساتھ مشغول ہونا مناسب نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا فلہٰذا ان کو درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہیے، ان سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوگا۔

نیز یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتلائی دور کے متعلق ہے۔ ان چیزوں کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی یا نہ ہوئی اور پھر انھوں نے اس کا کوئی تدارک اور ازالہ کیا یا نہ کیا، تاریخ اس سلسلے میں ہماری معلومات کی حد تک خاموش ہے۔ اور شرعی قواعد کے خلاف کوئی واقعہ اس قسم کا ہوا ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہ کی ہو، یہ ان کی دیانت سے بہت بعید ہے۔

اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دور میں موجود تھے ان سے بھی آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنائے جانے پر کوئی نقد اور اعتراض تواریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا اور شرعی قواعد کی خلاف ورزی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاموش رہنا بعید از قیاس اور عادت جاریہ کے برخلاف ہے۔ اگر حقیقت میں اس نوع کا خلاف شرع کوئی امر پایا جاتا تو اس پر نکیر ضرور کی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ مورخین نے ایک تاریخی قصے کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ فلہٰذا ایسے بے اصل اخباری قصوں کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بالواسطہ طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو داغدار کرنا کسی طرح درست نہیں۔

---

[1] الاصابہ (مع الاستیعاب) ص ۵۲ ج ا تحت بسر بن ارطاۃ

ملوکیت کے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے بعد خلافت، خلافت نہیں رہی بلکہ اس نے ملوکیت کی صورت اختیار کر لی۔ یا دوسرے لفظوں میں بعد والے خلفاء نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا۔ شبہ ہذا کے دلائل میں معترضین نے کئی چیزوں کو اپنے زعم کے اعتبار سے بطور شواہد کے پیش کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض احادیث کی روایات کو اپنے دعویٰ کی تائید اور اعتراض کی توثیق میں ذکر کیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ایک سیاہ دور کی شکل میں ذکر کیا ہے اور بری بادشاہت اور قبیح ملوکیت سے تعبیر کیا ہے۔ معترض احباب کے یہ مغالطات ہیں ان کے ازالہ کے لیے چند اشیاء پیش خدمت ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ازالہ

معترضین اپنے اعتراض کی تائید میں جو روایت پیش کرتے ہیں اس کا پہلے مفہوم اور محمل ذکر کرنا مناسب خیال کیا جاتا ہے تاکہ ان کی طرف سے جو وزنی دلیل ہے اس کی خفت اور استدلال اور استشہاد کی کمزوری واضح طور پر معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد دیگر امور حسب ضرورت پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ

وہ روایت جس سے معترضین اپنا استشہاد قائم کرتے ہیں وہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی۔

((وعن سفينة رضي الله عنه قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الخلافة ثلاثون سنة ثم تکون ملکا...... الخ)) (رواہ احمد والترمذی وابوداود)[1]

اس روایت کے پیش نظر ان لوگوں نے یہ شبہ قائم کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت نہیں بلکہ ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ پھر اس کو کئی طرح کے مفاسد اور خرابیوں کا دور قرار دیا ہے اور اسے بری

[1] مشکوۃ شریف ص ۴۶۳ کتاب الفتن، الفصل الثانی، طبع نور محمدی دہلی۔

بادشاہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے چند امور تحریر کیے جاتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرمانے سے معترضین کے شبہات کا ارتفاع ہو سکے گا۔

(ا) حدیث سفینہ پر بحث

پہلی بات یہ ہے کہ اس روایت کے متعلق چند توضیحات پیش کی جاتی ہیں:

① بعض علماء نے روایت ہذا (جو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) کی صحت کا انکار کیا ہے اور وسیع النظر علماء کو وہ مقامات معلوم ہیں جن میں صحت روایت کا انکار مذکور ہے۔ اور عدم صحت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس روایت کے برخلاف دیگر صحیح روایات موجود ہیں اور یہ ان روایات صحیحہ کے متعارض ہے۔ اس بنا پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ والی روایت ان کے نزدیک درست نہیں اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ موقف صحیح نہیں بلکہ جمہور محدثین نے ان روایات میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی درست ہے۔ عنقریب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

② اور ہوسکتا ہے کہ جن علماء نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی صحت کا انکار کیا ہے وہ اس وجہ سے ہو کہ روایت ہذا میں بعض مقامات پر مندرجہ ذیل نوع کے اضافے پائے جاتے ہیں مثلاً

① ((عن سعید بن جمهان قال قلت لسفینة ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم۔ قال کذب بنو الزرقاء بل هم ملوك من اشد الملوك واول الملوك معاویة))[1]

② ((قال سعید فقلت له ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم۔ قال کذبوا بنو الزرقاء بل هم ملوك من شر الملوك))[2]

اور بھی اسی نوع کے شدید کلمات ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا کلمات کا مفہوم یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنو امیہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے تو انھوں نے کہا کہ یہ زرقاء (قبیلہ ہذا کی جدہ (دادی) تھی) کی اولاد جھوٹ کہتی ہے بلکہ یہ لوگ شریر اور سخت بادشاہ ہیں اور پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔

③ قارئین کرام کے لیے یہاں یہ تشریح پیش کی جاتی ہے کہ اصل روایت مذکور میں مندرجہ نوع کے یہ کلمات راوی (سعید بن جمہان) کی طرف سے درج کردہ اور مدخولہ ہیں جسے محدثین ادراج راوی کہتے ہیں۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۲ ج ۱۴ کتاب الاوائل طبع کراچی

[2] ترمذی شریف ص ۳۲۳-۳۲۴ ابواب الفتن باب ما جاء فی الخلافۃ طبع لکھنؤ
ابوداود شریف کتاب السنۃ ص ۲۹۰ ج ۲ باب فی الخلفاء، طبع دہلی

سعید بن جمہان

اور سعید بن جمہان کی علمائے رجال نے وثاقت ذکر کی ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے نقد اور جرح کے کلمات بھی درج کیے ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

① ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ سعید بن جمہان کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ شیخ یکتب حدیثه و لا یحتج به۔[1]

② شیخ خزرجی اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول سعید بن جمہان کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ لا یحتج به۔[2]

③ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ و فی حدثه عجائب۔[3]

④ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ روی عن سفینة احادیث لا یرویها غیره۔[4]

⑤ اور ابن عدی رحمہ اللہ نے کامل میں یہی قول ذکر کیا ہے کہ وقد روی عنه عن سفینة احادیث لا یرویها غیره۔[5]

⑥ قال الساجی لا یتابع علی حدیثه۔[6]

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

- سعید بن جمہان کی شخصیت قابل احتجاج نہیں۔
- اور اس کی روایات میں عجائب ہوتے ہیں۔
- اور سعید بن جمہان حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات لاتا ہے جنھیں کسی دوسرے راوی نے ذکر نہیں کیا۔
- اور اس کی مرویات کا متابع نہیں پا گیا۔ (یعنی ان چیزوں کے نقل کرنے میں متفرد ہے)

ان امور کے پیش نظر سعید بن جمہان کی جانب سے روایت ہذا میں مذکورہ مدخولہ کلمات لائق احتجاج اور قابل قبول نہیں۔

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل (رازی) ص ۱۰ ج ۲ ق ۱، تحت سعید بن جمہان

[2] المغنی فی الضعفاء ص ۲۵۶ ج ۱ تحت سعید بن جمہان

[3] خلاصہ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال (خزرجی) ص ۱۱۶ طبع قدیم مصر

[4] تہذیب التہذیب ص ۱۴ ج ۴ تحت سعید بن جمہان بحوالہ امام بخاری

[5] الکامل (ابن عدی) ص ۱۲۳۷ ج ۳ تحت سعید بن جمہان

[6] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۴ ج ۴ تحت سعید بن جمہان

مختصر یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایت درست اور صحیح ہے لیکن اس میں اضافہ شدہ کلمات علمائے فن کے قواعد کے اعتبار سے قابل اعتناء اور لائق اعتماد نہیں۔ بنا بریں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جو امارت اور حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوئی اسے خلافت کے مفہوم سے خارج کر کے بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) بالمقابل دیگر روایات

اس کے بعد اس مقام پر یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع روایت (جس میں ہے کہ الخلافة ثلاثون سنة ثم تكون ملكا یعنی میری امت میں خلافت تیس سال تک ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی) کے بالمقابل دیگر بہت سی قابل اعتماد روایات موجود ہیں جن میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف متعدد خلفاء کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے لیکن وہاں ملوک اور بادشاہوں کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ان روایات میں سے چند ایک احادیث نقل کی جاتی ہیں تا کہ مسئلہ ہذا کی دیگر جانب پر غور کیا جا سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

① ((عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسيكون خلفاء فيكثرون)) (متفق علیہ)[1]

②((عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائيل كانت تسوسهم انبياءهم، كلما ذهب نبی خلفه نبی وانه ليس كائنا فيكم نبی بعدی۔ قالوا فما يكون يا رسول الله! قال يكون خلفاء وتكثر......))[2]

③ ((عن سماك بن حرب رضی اللہ عنہ قال سمعت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ يقول سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا يزال الاسلام عزيزا الى اثنا عشر خليفة ثم قال

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۳۲۰ کتاب الامارۃ والقضاء، فصل اول طبع نور محمدی دہلی (بحوالہ بخاری و مسلم)
شرح السنہ (امام بغوی) ص ۵٦ ج ۱۰ باب من يخرج على الامام والوفاء...... الخ، طبع بیروت
بخاری شریف ص ۴۹۱ ج ۱ کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل طبع دہلی
مسلم شریف ص ۱۲٦ ج ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول، طبع دہلی

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۸ ج ۱۵ کتاب الفتن روایت نمبر ۱۹۱۰۷ طبع کراچی

كلمة لم افهمها فقلت لابی ما قال؟ فقال كلهم من قريش))[۱]

④ ((عن الشعبی عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال انطلقت الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ومعی ابی فسمعته يقول لا يزال هذا الدين عزيزا منيعا الی اثنی عشر خليفة...... فقلت لابی ما قال؟ قال كلهم من قريش))

(مسلم شریف ص ۱۱۹ جلد ثانی کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش طبع نور محمد دہلی)

⑤ ((عن ابی جحيفة قال كنت مع عمی عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو يخطب فقال لا يزال امر امتی صالحا حتی يمضی اثنا عشرة خليفة وخفض بها صوته...... قال كلهم من قريش)) (رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر والبزار ورجال الطبرانی رجال الصحیح)[۲]

⑥ ((عن مسروق قال كنا مع عبدالله (بن مسعود) جلوسا فی المسجد يقرانا فاتاه رجل فقال يا ابن مسعود! هل حدثكم نبيكم كم يكون من بعده خليفة؟ قال نعم! كعدة نقباء بنی اسرائيل)) [۳]

مندرجہ بالا روایات کا مفہوم یہ ہے کہ

- آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا۔ اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔
- نیز ارشاد فرمایا کہ دین اسلام بارہ خلفاء (کے دور) تک عزیز اور غالب رہے گا اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔
- بعض دفعہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کا معاملہ درست رہے گا، حتیٰ کہ بارہ خلفاء گزریں گے اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔
- مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے اور وہ ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دے رہے تھے کہ اس وقت ایک شخص نے آ کر کہا کہ اے ابن مسعود! کیا تمھیں تمھارے نبی نے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں، بیان فرمایا ہے کہ خلفاء کی تعداد بنی اسرائیل کے نقباء کے برابر ہوگی۔ (اور بنی اسرائیل میں بارہ عدد نقیب تھے)۔

۱۔ مسلم شریف ص ۱۱۹ ج ۲ کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، طبع نور محمدی دہلی
مسند احمد ص ۸۶ ج ۵ تحت مسندات جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ (متعدد بار)
دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۵۲۰ ج ۶ تحت باب ما جاء فی اخبارہ باثنی عشر امیر...... الخ

۲۔ مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۹۰ ج ۵ باب الخلفاء الاثنی عشر

۳۔ مسند احمد ص ۳۹۸، ۴۰۶ ج ۱ تحت مسندات ابن مسعودؓ۔

تطبیق بین الروایات

یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ ان تمام مرویات میں صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ آنجناب ﷺ کے بعد بیشتر خلفاء ہوں گے اور ان کے دور میں دین اسلام کا غلبہ رہے گا اور تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔ ان امراء و حکام کو ''خلیفہ'' و ''خلفاء'' کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔ بعض مقامات پر بارہ عدد خلفاء کا ذکر ہے اور بعض مرویات میں اس سے زیادہ بھی ہے۔ لیکن یہ مضمون روایت سابقہ (ثلاثین سنة ثم ملكا) کے بظاہر متضاد و متخالف ہے۔

اس بنا پر علمائے کبار نے ان کے درمیان تطبیق و توفیق کی راہ اختیار کی ہے، ظاہری تعارض کی وجہ سے تدافع قائم نہیں کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روایات میں تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ متعدد علمائے کرام نے مندرجہ ذیل تحقیق ذکر کی ہے:

① فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((انه اراد فى حديث سفينة "خلافة النبوة" ولم يقيده فى حديث جابر بن سمرة بذالك))[1]

② شرح ابی داود میں مذکور ہے کہ

((المراد بخلافة النبوة هى الخلافة الكاملة وهى منحصرة فى الخمس فلا يعارض الحديث لا يزال هذا الدين قائما حتى يملك اثنا عشر خليفة لان المراد به مطلق الخلافة، والله اعلم))[2]

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث سفینہ میں خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے اور اسی کو خلافت کاملہ سے محدثین تعبیر کرتے ہیں اور یہ خلافت کاملہ پانچ خلفاء (خلفائے اربعہ اور خلافت امام حسن رضی اللہ عنہم) تک جاری رہی۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت میں جو بارہ عدد خلفائے یا اس سے زیادہ کا ذکر ہے اس سے مراد مطلق خلافت ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے کم درجے کی ہے۔ اگر بعض مقام میں "ملکاً" وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں تو وہ امارت، خلافت ہی ہے خلافت عامہ کے خلاف نہیں ہے۔

اس تطبیق کے پیش نظر حضرت سفینہ اور حضرت جابر بن سمرہ وغیرہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں تعارض رفع ہو گیا اور ان کے درمیان توافق قائم ہو گیا۔

---

1. فتح الباری شرح بخاری (ابن حجر) ص ۱۸۰ ج ۱۳ آخر باب الاستخلاف (کتاب الاحکام)
2. عون المعبود حاشیہ سنن ابی داود ص ۳۴۲ ج ۴ تحت باب فی الخلفاء، طبع بیروت

صاحب نبراس کی تحقیق

صاحب نبراس نے اس مقام پر یہ چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب ﷺ کا فرمان لا یزال الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثلاثین سنة (تیس سال) پر خلافت منقطع نہیں ہوئی (بلکہ خلافت علیٰ فرق المراتب قائم رہی)۔

پھر مصنف نے یہاں ایک سوال اور جواب قائم کیا ہے جو اس مقام کے مناسب ہے اور مسئلہ ہذا کی تشریح کے لیے مفید ہے۔

سوال یہ ہے کہ تیس سالہ دور خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ملک (بادشاہ) ہوئے (اور خلافت کے منصب سے عاری ہوئے) یہ چیز ان کے حق میں ایک قسم کی قدح اور منقصت ہے حالانکہ اہل سنت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدح کو جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کی مدح کے قائل ہیں۔

اس شبہ کے جواب میں مصنف نے مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ اہل خیر کے لیے مختلف درجات اور مراتب ہیں۔ ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے فائق ہے پھر ہر مرتبہ اپنے مافوق کے اعتبار سے محل نقص معلوم ہوتا ہے۔ اسی ضابطہ کے موافق ایک مقولہ مشہور ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں معلوم ہوتی ہیں)

اور سرور کونین ﷺ کا ارشاد ہے کہ انی لاستغفر اللہ فی الیوم اکثر من سبعین مرة (یعنی میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں)

اکابر علماء اس فرمان کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آنجناب ﷺ مراتب و مدارج میں دواماً ترقی کرتے تھے اور جب مرتبہ علیا پر فائز ہوتے تو سابقہ مقام و مرتبہ کے متعلق استغفار فرماتے تھے۔

جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو مسئلہ ہذا میں بھی یہی صورت کارفرما ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنی سیرت، اخلاق، نظم و ضبط وغیرہ کے اعتبار سے سیرت نبوی کے زیادہ قریب تھے اور خلافت کے ایک "مرتبہ علیا" پر فائز تھے۔ تنگی معیشت میں صبر کوشی اختیار کرتے تھے اور طبائع بشریہ کے تقاضوں میں جدوجہد مشقت اٹھاتے اور مباح چیزوں میں بھی توسع اور وسعت و فراخی پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ منکرات شرعیہ کے مرتکب نہیں ہوئے تاہم مباح امور میں انھوں نے اس ملک کے تمدن کے اعتبار سے توسع سے کام لیا اور امور خلافت کے تمام کرنے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے کم درجہ میں تھے اور قلیل تغیر کے حامل تھے۔

اس کے باوجود مندرجات بالا کی روشنی میں آپ پر خلفائے راشدین کے ساتھ (ہر مسئلہ میں)

مساوات نہ پائے جانے کی بنا پر طعن قائم نہیں کیا جا سکتا اور مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

پھر فاضل مصنف (مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ) نے اپنی دوسری تالیف ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' میں اسی مسئلے کو ایک دیگر عبارت میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے اربعہ سے علم و ورع اور عدل کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں اور ان کے مابین مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تفاوت ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام میں اور اللہ کے ملائکہ میں اور امت کے اولیاء میں فرق مراتب مسلم ہے...... پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت، اجماع صحابہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی بنا پر برحق اور درست ہے۔ تاہم آپ کی خلافت اپنے پیش رو اور سابق خلفاء کی خلافت سے کم درجے کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مباح امور میں توسع اختیار کیا ہے جب کہ ان چیزوں سے خلفائے اربعہ نے تحرز اور اجتناب کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مباحات میں توسع اختیار کرنا اس بنا پر ہو کہ اس دور کے لوگوں کی ہمتوں میں قصور آ گیا تھا (اور ایمانی قوت میں خامی پائی گئی) جب کہ یہ چیز دور سابق میں نہیں پائی گئی۔ خلفائے اربعہ کا عبادات اور معاملات میں فائق ہونا ظاہر اور مسلم ہے، اس میں کسی قسم کا خفا نہیں۔

الناہیہ کی اصل عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

((ونحن نعترف بان معاوية رضي الله عنه وان كان عالما ورعا عدلا دون الخلفاء الاربعة فى العلم والورع والعدل كما ترى من التفاوت بين الاولياء بل الملائكة والانبياء فامارته وان كانت صحيحة باجماع الصحابة وتسليم الحسن الا انها ليست على منهاج خلافة من قبله فانه توسع فى المباحات وتحرز عنها الخلفاء الاربعة))

((وحسنات الابرار سيئات المقربين ولعل توسعه فيهما لقصورهم سائر ابناء الزمان وان لم يوجد فيه ذالك كما علمت واما رجحان الخلفاء الاربعة فى العبادات والمعاملات فظاهر مما لا سترة فيه))[1]

حاصل کلام

① یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اور اکابرین امت کی تصریحات کی بنا پر منصب خلافت پر فائز ہیں اور اپنے دور میں اہل اسلام کے خلیفہ برحق ہیں، ان کی صحت خلافت عادلہ میں

[1] الناہیہ عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پرہاروی) ص ۴۰-۴۱ تحت الجواب ۱۳

کوئی اشتباہ نہیں اور بعض روایات کی بنا پر اس دور کو امارت و ملک کہا گیا ہے تو وہ خلافت عامہ کے مفہوم کے متعارض نہیں۔

② فرق مراتب کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سابق خلفاء سے کم درجے میں ہیں لیکن یہ چیز کوئی قبیح و قابل مذمت اور لائق نفرت نہیں۔

③ اسی طرح قرآنی آیات پر نظر کرنے سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ ملک کا عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ اس کو احسان اور بیان نعمت کے طور پر اللہ کریم نے اپنے خاص بندوں کے حق میں ذکر کیا ہے، مثلاً:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا

''یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ بنا کر بھیجا۔''

۲۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

''یعنی جالوت کو داود نے قتل کر دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی۔''

۳۔ بنی اسرائیل پر جو انعامات خداوندی تھے ان کو جتلاتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ

''اے میری قوم! اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم میں انبیاء کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔''

ان آیات سے بصراحت مفہوم ہوتا ہے کہ ملک ہونا، ملوک بنایا جانا قبیح چیز نہیں بلکہ اچھی چیز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر بعض مرویات کے اعتبار سے ملک (بادشاہ) ہیں اور ان کو ملوکیت حاصل ہے تو آیات و روایات کے تقاضوں کے مطابق صحیح ہے، اس سے ان کی خلافت اور خلیفہ ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ خلافت اور امارت (ملوکیت) باہم متعارض و متضاد چیزیں نہیں کہ ایک شخصیت میں جمع نہ ہو سکیں۔ البتہ ملک ہونا یا ملوک بنایا جانا اس وقت قبیح سمجھا جاتا ہے جب دینی اقدار سے اعراض کر لیا جائے اور ضوابط اسلامی سے روگردانی اختیار کی جائے۔ اگر یہ صورت نہیں تو پھر کوئی قباحت نہیں۔ (اس چیز کو آئندہ سطور میں مختصر وضاحت کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں)

④ ان مسلمات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو سیاہ دور قرار دینا، بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرنا اور اشر الملوک و اشد السلاطین کے عنوانات سے بیان کرنا ہرگز درست

نہیں۔ وہ اپنے دور کے خلیفہ بھی ہیں اور بہترین امیر و ملک بھی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اشد الملوک اور اشر الملوک وغیرہ کے اطلاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نہیں پائے گئے بلکہ بعض راویوں کی جانب سے اضافہ شدہ کلمات ہیں اور واقعات کے ساتھ بھی ان کا توافق نہیں پایا جاتا۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت نے جب صلح کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی تو انھوں نے برے اور شریر لوگوں کے ساتھ تو تعاون نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اس منصب کے اہل حضرات سے مصالحت کا معاملہ کیا تھا اور دینی ذمہ داریاں ان کی تحویل میں دے دی تھیں اور خود کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مدت العمر حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور تمام ہاشمی اکابر و جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد خلاف و اختلاف نہیں کھڑا کیا بلکہ تعاون قائم رکھا۔

یہ چیز اس بات کا اہم قرینہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشد الملوک و اشر الملوک اور بری شخصیت نہیں تھے بلکہ وہ اس منصب کے اہل تھے اور صالح خلیفہ تھے اور ان کی خلافت عادلہ تھی وہ اپنے دور کے امیر المومنین تھے۔

بحث ہذا کے متعلق ایک تاریخی تجزیہ مورخین کی نظر میں

قبل ازیں روایات و آیات کی روشنی میں چند چیزیں درج کی ہیں اب اس کے بعد تاریخی ادوار کے اعتبار سے ایک تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مسئلے کی تاریخی حیثیت سامنے آ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مملکت کی نوعیت اس کے آئین کے اعتبار سے وجود میں آتی ہے اور اسی دستور پر اس کی نوعیت موقوف ہوتی ہے۔ یعنی افراد کے ذاتی افعال اور ذاتی کردار اس کی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً جمہوریت مخصوص اصول کا نام ہے۔ جب تک کہ حکومت کا آئین ان اصولوں کے تابع ہے اس وقت تک مملکت کو جمہوری ہی کہا جائے گا، خواہ اس مملکت کا صدر اپنی مقبولیت کی بنا پر اپنی رائے کی تنفیذ میں آزاد ہو جائے، بشرطیکہ آئین باقی رہے اور اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے۔

اسی اصول کی روشنی میں مسئلہ ہذا بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی خلافت بنی امیہ اور خلافت بنی عباس علیٰ فرق المراتب یہ سب خلافتیں ہی ہیں، ان کا دستور اور آئین اسلامی تھا اور ان میں اسلامی قانون ہی رائج رہا۔ (اگرچہ بعض ادوار میں اس قانون کی ترویج میں کمزوری پائی جاتی رہی) تاہم کتاب وسنت کو ہی آخری مرجع تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان تمام خلافتوں کو ملوکیتیں قرار دینا ایک ادعا ہے جو بغیر دلیل کے ہے اور معترض کی کج روی پر مبنی ہے۔

دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ تاریخی ادوار کے اعتبار سے دیلمی، تاتاری، مغل وغیرہ بادشاہ مختلف مما لک

پر جب حکمران ہوئے تو اس وقت سے خلافت سے ہٹ کر ملوکیت مسلمانوں میں در آمد ہوئی۔ دیلمی اور آل بویہ تو شیعہ اور رافضی تھے، انھوں نے دیدہ دانستہ اسلامی آئین وضوابط کو بدل ڈالا۔ تاتاری، مغل وغیرہ ذاتی طور پر تو مسلمان ہو گئے اور ان کی سلطنتیں قائم تھیں لیکن انھوں نے اسلامی آئین کی ترویج نہیں کی بلکہ انھوں نے اپنی سابق حکومتوں کے دستور جو چلے آ رہے تھے ان ہی کو قائم رکھا۔ ان طریقوں سے خلافت متروک ہو کر ملوکیت رونما ہوئی اور ایک مدت کے بعد شہنشاہیت کی یہ صورتیں سامنے آئیں۔

معترضین حضرات نے خلافت راشدہ کے دور کے متصلاً بعد ملوکیت و بادشاہت کا جو نقشہ خاص تدبیر سے قائم کیا ہے یہ ان کی کارکردگی تاریخی واقعات کے خلاف ہے اور اسلامی روایات کے ساتھ بھی اس چیز کی موافقت نہیں پائی جاتی جیسا کہ گزشتہ سطور میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسلامی روایات اور تاریخی ادوار کے نشیب و فراز دونوں چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کے حق میں بلا کم و کاست ذکر کر دی ہیں۔ اہل فہم و فکر احباب بہ سہولت نتائج پر پہنچ سکیں گے اور ملوکیت کے متعلق غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوں گے۔

ایک اشتباہ پھر اس کا حل (برائے کراہت بعض قبائل)

بعض روایات میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض قبائل (بنی امیہ، بنی حنیف اور بنی ثقیف) کو مبغوض اور مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

((عن ابی برزة الاسلمی رضی اللہ عنہ قال کان ابغض الاحیاء الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بنو امیة، بنو حنیفة و ثقیف))

اور بعض روایات میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا درآں حالے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین قبائل (بنو ثقیف، بنو حنیفہ اور بنو امیہ) کو مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے۔

((مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یکره ثلاثة احیاء ثقیف و بنی حنیفة و بنی امیة))

اس نوع کی روایات کی روشنی میں معترض دوست یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو امیہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت مبغوض تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کو مکروہ جانتے تھے۔ اور کئی قسم کے دیگر اعتراضات ان روایات کی بنا پر مرتب کیے جاتے ہیں اور قبیلہ بنی امیہ سے نفرت اور تنفر قائم کرنے کے لیے ان روایات کو ذریعہ اور زینہ بنایا جاتا ہے۔

ازالہ اشتباہ

اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص۲۹۲ سے ص۲۹۹ تک ہم نے کلام کر دیا ہے لیکن پھر یہاں بھی اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے چند امور بیان ہوں گے۔ سابقہ بحث کے علاوہ مزید چیزیں بھی یہاں اضافہ کی گئی ہیں۔

پہلے تو ان روایات کے متن کے متعلق چند چیزیں درج کی جاتی ہیں، اس کے بعد درایت کے اعتبار سے ان پر کلام کیا جائے گا۔

متن کے اعتبار سے

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق یہ بات قابل وضاحت ہے کہ مذکورہ متن حاکم نیساپوری کے

ذریعے سے منقول ہے اور جب اسی روایت کو مسند احمد میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایات کے تحت دیکھا گیا تو یہ روایت وہاں منقول ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں ''بنو امیہ'' کے الفاظ نہیں پائے جاتے بلکہ صرف بنو حنیفہ اور بنو ثقیف کا ذکر ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اس کے متن میں ''بنو امیہ'' کے الفاظ ہی مفقود ہیں اور بعض راویوں کی طرف سے یہ الفاظ داخل کر دیے گئے ہیں۔ اور رواۃ کی طرف سے متن میں ادراج کا پایا جانا کوئی مستبعد امر نہیں جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔

مختصر یہ ہے کہ متن روایت میں رواۃ کی طرف سے ''بنو امیہ'' کے الفاظ اضافہ شدہ ہیں فلہٰذا ان الفاظ کی بنا پر معترض کا بنو امیہ پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے اور ''بناء فاسد علی الفاسد'' کا نمونہ ہے۔

دیگر یہ چیز بھی یہاں قابل توجہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے قبیلہ بنی ثقیف کے حق میں دعائیں بھی منقول ہیں چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کی تیراندازی سے اہل اسلام تنگ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ثقیف پر بددعا فرمائیں، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کے بجائے فرمایا: اللھم اھد ثقیفا[1]۔ یعنی اے اللہ! بنی ثقیف کو ہدایت نصیب فرما۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ ھذا حدیث حسن صحیح غریب۔

اس فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی روایت علی الاطلاق اپنے مفہوم پر قائم نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی ثقیف کی ہدایت کے طالب ہیں۔ اگر ان کا مبغوض ہونا علی الاطلاق رکھا جائے جیسا کہ معترض کا خیال ہے تو اس روایت کے ساتھ مفہوم میں بظاہر تعارض قائم ہوگا، اور محدثین کے قاعدہ کے مطابق تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔

اور دوسری روایت جو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

مسند امام احمد میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مسندات دیکھے گئے ہیں ان میں یہ روایت مفقود ہے۔ یہ روایت ترمذی شریف میں باسند پائی گئی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ یعنی یہ حدیث غریب ہے، اور اس ایک اسناد کے سوا اور کسی طریقے سے یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے متواتر و مشہور نہیں اور غریب ہے کسی دیگر طریقہ سے اس کی تائید نہیں دستیاب ہوئی۔

---

[1] مسند امام احمد ص ۴۲۰ ج ۴ تحت مسندات ابی برزہ اسلمی (طبع اول مصر) تحت ابواب المناقب بعنوان فی ثقیف وفی بنی حنیفة

درایت کے اعتبار سے

اگر بقول معترض قبیلہ ''بنو امیہ'' سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مبغوض اور مکروہ تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کو قابل نفرت خیال فرماتے تھے تو مندرجہ ذیل نسبی اور غیر نسبی تعلقات بنو امیہ کے ساتھ کس طرح قائم ہوئے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو امیہ سے تنفر کے باوجود درج ذیل روابط کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔

نسبی تعلقات

ذیل میں چند ایک رشتہ داریاں ذکر کی جاتی ہیں:

- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح مسلمات میں سے ہے۔
- حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (اموی) سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور انھیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زادے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان بن عفان (اموی) سے ہوا۔
- سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ بنت حسین رحمہا اللہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان اموی کے ساتھ ہوا۔
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ بنت حسین ابن علی رحمہا اللہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان (اموی) کے ساتھ ہوا۔

یہ تمام رشتہ داریاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاندان کی قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ قائم تھیں اور یہ نسبی روابط ان دونوں قبائل میں موجود تھے۔ کوئی معترض اور معاند بھی ان کا انکار نہیں کرسکتا۔ فلہٰذا یہ روابط اس بات کا قوی قرینہ ہیں اور مضبوط شواہد ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو امیہ کو مبغوض اور مکروہ نہیں جانتے تھے اور مندرجہ روایت میں جو ''بنو امیہ'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں یہ رواۃ کے تصرفات میں سے ہیں۔

تنبیہ

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ نسبی تعلقات (بنی ہاشم و بنی امیہ) ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ حصہ سوم کے باب اول میں اور بعدہٗ کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں تذکرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ص ۱۲۶ سے لے کر ۱۳۰ تک اور ''مروان بن حکم'' کے تذکرہ میں ص ۲۹۴-۲۹۵ پر مفصلاً ذکر کیے ہیں اور کتابی حوالہ جات ان کے وہاں نقل کردیے ہیں۔

غیر نسبی تعلقات

اسی طرح بنی امیہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کئی اہم مناصب تفویض فرمائے۔ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

عہد نبوت میں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اموی حضرات کو بڑے بڑے اعزاز بخشے گئے اور اسلام کے اہم کاموں میں ان کو شامل اور دخیل رکھا گیا، مثلاً:

- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کو کاتب وحی بنایا گیا اور کئی مواضع اور مواقع میں ان کو امیر مقرر کیا گیا۔
- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (اموی) کو کاتبان وحی اور غیر وحی میں شامل کیا گیا اور عہد نبوی میں کئی امور کا والی بنایا گیا۔
- اسی طرح ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (اموی) کو کئی اعزاز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائے اور نجران کے علاقے پر عامل مقرر فرمایا۔
- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو صدیقی اور فاروقی دور میں فتوح شام کے لیے افواج پر والی اور امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔
- اسی طرح عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ (اموی) کو فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر والی اور حاکم مقرر فرمایا گیا۔
- نیز خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں بنی مذحج کے صدقات پر اور صنعا و یمن پر عامل و حاکم بنایا گیا۔
- ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں بحرین کا حاکم مقرر فرمایا گیا۔
- عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں تیماء و خیبر و قریٰ و عرینہ پر حاکم بنایا گیا۔

نیز اسی طرح قبیلہ بنی ثقیف کے بعض افراد کو خلافت فاروقی میں بعض اہم مناصب عطا فرمائے گئے۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارض عمان اور بحرین کا والی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اور اسی طرح بحرین کی طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بھائی حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا تھا۔

((وفی هذه السنة (۱۵ھ) ولی عمر رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاص ارض عمان والبحرین فسار الی عمان ووجه اخاه الحكم بن ابی العاص الی البحرين))[1]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۱-۶۲ ج ۱ تسمیۃ عمالہ صلی اللہ علیہ وسلم

منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۷۵، ۱۷۶ ج ۳

المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۲، ۳۸۳

یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے اور یہ دونوں بھائی بنوثقیف سے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی ثقیف کے افراد کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلامی خدمات کے لیے اہم مناصب عطا فرمائے اور ان کو دینی امور میں شمولیت کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف علی الاطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض و مکروہ نہیں تھا۔ بلکہ اگر روایت بالا صحیح ہے تو اس سے قبیلہ کے بعض افراد مراد ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں جو قبیلہ مکروہ، مبغوض اور قابل نفرت ہو اس کے افراد کو یہ عزت و تکریم کے مواقع کس طرح مہیا کیے گئے؟ اور عہد نبوی و صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے اہم مناصب کی ذمہ داریاں انھیں کیسے سپرد کی گئیں؟ غور و خوض کا مقام ہے۔

ایک قاعدہ

اس فن کے علماء کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو روایت واقعات کے برخلاف پائی جائے اور حقائق واقعیہ اس کی تکذیب کرتے ہوں تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ قاعدہ ہذا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل درج کیا ہے۔ یعنی روایت کے بے اصل ہونے کے قواعد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

((ومنها قرينة فى المروى كمخالفة لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التاويل، ويلتحق به ما يدفعه الحسن والمشاهدة او العادة وكمافاته لدلالة الكتاب القطعية او السنة المتواترة او الاجماع القطعية))[1]

اور یہاں بعض علماء نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ

((ما احسن قول القائل: اذا رأيت الحديث يباين المعقول او يخالف المنقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع))[2]

علیٰ سبیل التنزل

اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ مندرجہ بالا روایات درست ہیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو مکروہ جانا اور ناپسند فرمایا تو اس کا مطلب اور مفہوم یہ نہیں ہے کہ ان قبائل کا ہر فرد اور ہر شخص مکروہ اور ناپسند ہے بلکہ بعض شخصیات کی وجہ سے شاید ان کو مکروہ اور ناپسند قرار دیا گیا۔

اسی طرح کسی شہر یا مقام کو بعض اوقات ناپسند فرمایا گیا تو وہاں بھی اس کے ہر فرد بشر اور ہر چیز کو مکروہ جاننا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے فرمان صادر ہوتا ہے۔

---

۱ تنزیہ الشریعہ (ابن عراق) ص ۶ تحت مقدمۃ الکتاب
تدریب الراوی (سیوطی) ص ۱۸۹ تحت نوع ۲۱

۲ تدریب الراوی ص ۱۸۰ تحت نوع (۲۱)

قصاص دم عثمانؓ کے متعلق شبہ پھر اس کا ازالہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ قصاص دم عثمانؓ کے مطالبہ کا حق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقرب اولاد کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرعی قاعدے کا خلاف کرتے ہوئے قصاص کا مطالبہ خود کر دیا۔ گویا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا۔

ازالہ

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں اس سے اشتباہ رفع ہو جائے گا:

① پہلے یہ چیز یہاں ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق کس قدر قریب تھا، اس کے بعد دیگر اشیاء ذکر ہوں گی۔

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا نسب اس طرح ہے کہ عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور معاویہؓ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ یعنی حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی تیسری پشت ایک ہے اور جد اعلیٰ دونوں کے مشترک دادا ہیں۔

نیز واضح ہو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دختر جس کا نام رملہ بنت معاویہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند عمرو بن عثمان کے نکاح میں تھیں۔ یعنی عمرو بن عثمان رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ اور رشتہ داری کا یہ تعلق علمائے تاریخ وانساب نے بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ میں "تراجم النساء" کی جلد میں ذکر کیا ہے:

((رملة بنت معاوية بن ابی سفيان صخر بن حرب بن امية بن عبد الشمس الاموية زوج عمرو بن عثمان بن عفان و كانت دارها بدمشق فی عقبة السمك فی طرف زقاق الرمان)) [1]

---

[1] تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء تحت رملہ بنت معاویہ، طبع دمشق

(۲) دوسری یہ چیز بڑی اہم ہے کہ قصاص کے مطالبہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے نہیں کھڑا کیا تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرف سے یہ مسئلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا، اور یہ چیز مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ جب جناب ابومسلم خولانی رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس مسئلے پر گفتگو کرنے کے لیے پہنچے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت مسئلے کی وضاحت کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الی))[1]

''یعنی میں مقتول خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ والیوں کی طرف سے میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اس بنا پر مقتول خلیفہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔''

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ ازروئے ضابطہ درست ہے اور صحیح اقدام ہے۔

اور شیعہ کے کبار علماء نے بھی مطالبہ ہذا کے مسئلے کو بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص کا جب یہ مطالبہ اٹھایا تھا تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان اور دیگر فرزند بھی ساتھ تھے۔

چنانچہ شیعہ کے ایک مشہور راوی سلیم بن قیس ہلالی شیعی ذکر کرتے ہیں کہ

((ان معاوية يطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان حتى استمالوا اهل الشام واجتمعت كلمتهم))[2]

''مطلب یہ ہے کہ دم عثمان کے قصاص کے مطالبے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور دیگر فرزندان عثمان شامل تھے۔''

مقصد یہ ہے کہ مطالبہ ہذا کے معاملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد اور تنہا نہیں تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد ان کے ساتھ تھی۔ تو معلوم ہوا کہ شرعی قواعد اور ضوابط کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام درست تھا اور اس میں ضابطہ اسلامی کی رو سے کوئی سقم نہیں تھا۔

عام معاشرہ کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ قبیلہ میں سے جو شخص مسائل کو سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو اور معاملات کو احسن طریقے سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو قبیلہ کے لوگ اپنے انفرادی یا اجتماعی معاملات

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

[2] کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری ص ۱۵۳، مطبوعہ نجف اشرف تحت بث معاویہ قراء الشام وقصاتہم۔

اس کی تحویل میں دے دیتے ہیں اوران معاملات کی تمام تر ذمہ داری اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

اس معاشرتی طرز عمل اور طریق کار کے تحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے قصاص کا مطالبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کو اپنی ذمہ داری کی بنا پر اٹھایا، اور فریق مقابل کے سامنے (یہ مطالبہ) پیش کیا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں طاعنین کا یہ اعتراض کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاص دم عثمانؓ کے مطالبے کا حق حاصل نہیں تھا اور انھوں نے ایک شرعی قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے بالکل بے جا ہے۔

نیز اس اعتراض کا جواب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کے مباحث صفین کے تحت قبل ازیں درج کر دیا گیا ہے۔

بعض روایات میں ایک شنیع اطلاق

اس سلسلے میں ذیل میں ایک روایت درج کی جاتی ہے اس کے بعد اس کا جواب پیش کیا جائے گا:

((فان قال قائل فقد روی عن ابن عباس خلاف هذا فذكر ما حدثنا محمد بن عبدالله بن ميمون البغدادی قال ثنا الوليد بن مسلم عن الاوزاعی عن عطاء قال قال رجل ابن عباس هل لك فی معاوية اوتر بواحدة وهو يريد ان يعيب معاوية فقال ابن عباس اصاب معاوية قيل له قد روی عن ابن عباس فی فعل معاوية هذا ما يدل علی انكاره اياه عليه))

((وذالك ان ابا غسان مالك بن يحيی الهمدانی حدثنا قال ثنا عبدالوهاب عن عطاء قال انا عمران بن حدير عن عكرمة انه قال كنت مع ابن عباس عند معاوية نتحدث حتی ذهب هزيع (هزيع من الليل ای طائفة من الليل) من الليل فقام معاوية فركع ركعة واحدة فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما من اين تری اخذها الحمار))

((حدثنا ابوبكرة قال ثنا عثمان بن عمر قال ثنا عمران فذكر باسناده مثله الا انه لم يقل الحمار۔

وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس رضی اللہ عنہما "اصاب معاوية" علی التقية له ای اصاب فی شیء اخر لانه كان فی ذمته ولا يجوز عليه عندنا ان يكون ما خالف فعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الذی قد علمه عنده صوابا وقد روی عن ابن عباس فی الوتر انه ثلاث))

شاذ روایت ہذا کا جواب

بطور معذرت عرض ہے کہ یہ بحث اہل علم کے مناسب ہے، عام ناظرین محسوس نہ فرمائیں۔ اسی بنا پر عبارات کے تراجم عموماً پیش نہیں کیے۔

مولف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت نماز وتر ادا کرنے پر ابتداءً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی تصویب و تائید ذکر کی ہے جو بالفاظ ذیل درج ہے:

((فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: اصاب معاویة))

اس کے بعد مولف نے قول مذکور کی تزییف کرنے کے لیے تمام کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

① ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا کلام منقول ہے یعنی فقال ابن عباس من این تری اخذها الحمار

اگرچہ اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ ''الحمار'' مفقود ہے، گویا یہ لفظ اس جملے کا جز نہ تھا۔ اس کلام کو مولف نے مذکورہ بالا جملے کو رد کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اس بات کی موجودگی میں "اصاب معاویہ" کا قول کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

② دوسری چیز یہ ہے کہ "اصاب معاویہ" کا قول علیٰ سبیل ''التقیہ'' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا۔ اس وجہ سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے دور خلافت میں تھے (یعنی ان کا خلاف نہیں کر سکتے تھے)۔

درجہ جواب

یہ دونوں اعتراض اپنے مقام پر درست نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابقہ قول "اصاب معاویہ" بالکل درست ہے اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ''تقیہ'' کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔ وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے اور یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علمی وقار اور وثاقت دینی کے متضاد ہے۔

قرائن وشواہد

اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کیے جاتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل (اوتر برکعة واحدة) کی تصویب کی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی تغلیط و تردید نہیں کی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت اور درشت الفاظ کہتے۔ آئندہ مندرجات پر نظر فرمائیں، تسلی ہو جائے گی:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت سے کی تھی۔ (یہ چیز مسلمات میں سے ہے، اس پر کسی حوالہ کی حاجت نہیں ہے)۔

② ((ان كريبا مولى ابن عباس اخبره انه راى ابن عباس يصلى فى

المقصورة مع معاوية))[1]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مقصورہ میں نمازیں مل کر ادا کرتے تھے۔"

یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عدد رکعت کی بحث ہوئی اور اس ضمن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

۱۔ ((دعه فانه قد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)) [2]

۲۔ ((لیس احد منا اعلم من معاویة)) [3]

۳۔ ((قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اصاب (معاویة) انه فقیه)) [4]

"یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں، ان کے لیے اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے۔"

④ ((عن عطاء (بن ابی رباح) اتی رجل (کریب مولی ابن عباس) الی ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال هل لك فی معاویة یوتر برکعة؟ یرید ان یعیبه فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما اصاب معاویة)) [5]

⑤ ((واخرج (المروزی) من طریق علی بن عبدالله بن عباس قال بت مع

۱۔ کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۳۹-۱۴۰ بحوالہ مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۴ ج ۲ باب الصلوٰۃ فی المقصورہ، تصنیف محمد نافع عفاء اللہ عنہ

۲۔ بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

۳۔ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر
تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۲۶ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۶۳ ۷ ج ۱۱ تحت ترجمہ عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۴۔ کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۳۸ بحوالہ بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ
جامع الاصول (ابن اثیر) ص ۳۵ ج ۷ ابواب المناقب تحت فی عدد الوتر
مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲-۱۱۳، الفصل الثالث باب الوتر
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۴ ج ۳ تحت باب الوتر الفصل الثالث۔

۵۔ مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر (محمد بن نصر المروزی) ص ۲۰۳ تحت باب وتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برکعۃ

ابی عند معاویة فرأیته اوتر برکعة فذکرت ذالك لابی فقال یبنی ھو اعلم))[1]

تنبیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توثیق ہذا یہ تمام البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص۱۲۲-۱۲۳ تحت احوال معاویہ مذکور ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے عمدہ بحث درج کی ہے (یعنی تائید میں ہے نقد کے طور پر نہیں ہے)۔

⑥((وفی رواته قال ابن ابی ملیكة اوتر معاویة بعد العشاء برکعة وعنده مولی ابن عباس فاتی ابن عباس رضی اللہ عنہما فاخبره فقال دعه فانه قد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)) (رواہ البخاری)[2]

⑤ مسند امام احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت (قصر شعر بمشقص) کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے کہا کہ یہ روایت تو صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

((ما کان معاویة علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متھما))[3]

تنبیہ

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال ابن عباسؓ ہیں جنھیں محدثین اور مورخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اس مقام پر نقل کیا ہے۔ ان کے مقابل میں مولف کی روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتنا نہ ہوں گی۔ نیز ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ج ۱۶ ص ۱۷۱ پر ترجمہ معاویہ کے تحت اس مقام پر اپنے اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد اقوال درج کیے ہیں جن میں سے کسی ایک مقام پر بھی ''الحمار'' کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''وثاقت'' کے کلمات ذکر کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں، بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قواعد کا لحاظ

① مولف کی روایت جس میں بقول مولف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت کے مطابق ''الحمار'' سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں ملتا۔ اور جس روایت کا کوئی متابع نہ

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۸۳ ج ۷ تحت ابواب المناقب (ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ)

[2] مشکوۃ شریف ۱۱۳ باب الوتر الفصل الثالث (بحوالہ بخاری)

تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۷۲۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۴۹ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہؓ

[3] مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۵۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہؓ

مل سکے وہ اہل فن کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کے نقل کرنے میں عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔

② دوسری بات یہ ہے کہ ''الحمار'' والی روایت باقی ان تمام روایات معروفہ مذکورہ بالا کے برخلاف پائی گئی ہے جو بالکل صحیح ہیں اور محدثین کے نزدیک معروف ومقبول ہیں (جیسا کہ ہم اس کی چند ایک مثالیں معتبر مآخذ سے نقل کر چکے ہیں)۔ اس صورت میں ''الحمار'' والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ فلہٰذا معروف روایات کو لیا جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

③ دیگر قاعدہ یہ ہے کہ

((واذا اختلف کلام امام فیؤخذ ما یوافق الادلة الظاهرة ویعرض عن ما خالفها))[1]

اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر دلائل کے موافق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہوگا۔

مندرجات بالا کے ذریعے سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نقل اور قواعد دونوں کے اعتبار سے ''الحمار'' والی روایت حسب مراد معترض درست نہیں ہے۔ مولف کی علمی عظمت بے شک بڑی ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ ان سے بدرجہا رفیع اور بالاتر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقل نہیں تسلیم کرتی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''الحمار'' سے تعبیر کیا ہو۔ مسئلہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مستبعد امر نہیں لیکن اس کے لیے بھی اخلاقی حدود ہوتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجتہادی اختلاف موجود ہے، اور یہ کوئی قبیح چیز نہیں۔ ایک رکعت وتر کے متعلق بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قائل ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ صحیح روایات میں ایک رکعت وتر کا منقول ہونا بھی مرفوعاً موجود ہے، مثلاً:

① ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الوتر رکعة من آخر اللیل)) (رواہ مسلم)[2]

② ((عن ایوب قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل)) (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجہ)[3]

---

1. الزواجر (ابن حجر مکی) ص ۲۸ تحت الکبیرۃ الاولی، بحث ایمان وکفر فرعون
فتاویٰ شامی (ابن عابدین) ص ۳۱۷ ج ۳ باب المرتد تحت قولہ توبہ الیاس مقبولۃ
2. مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب الوتر، الفصل الاول 3. مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲ باب الوتر، الفصل الثانی

مزید لطف یہ ہے کہ بعض روایات میں موجود ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت وتر کے قائل تھے۔ ان مندرجہ حالات میں وہ دوسرے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے قبیح اور شنیع الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں؟

ضروری تنبیہ (روایت کی سند پر کلام)

علمائے کبار نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) کی کمال توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف غلط چیز کا انتساب کر دیتا تھا۔ عبداللہ بن عمر، علی بن عبداللہ بن عباس، سعید بن میسّب اور عطاء بن ابی رباح (شاگرد ابن عباس رضی اللہ عنہ) وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم نے تصریح کر دی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ لگاتا تھا۔[1] اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں اگر ازدیاد کر دیے ہوں تو کیا اعتبار ہے؟

عکرمہ پر نقد

عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ) پر نقد کے لیے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں:

① الکامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۹۰۵-۱۹۰۶۔ یہاں جرح و مدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بعض دفعہ جھوٹ لگاتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔

② تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ج ۱۱ ص ۷۸۵ تحت ترجمہ عکرمہ مذکور

③ عقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو:

((عن عبدالله بن الحارث قال دخلت على على بن عبدالله بن عباس فاذا عكرمة فى وثاق عند باب الحسن فقلت له الا تتقى الله؟ قال فان هذا الخبيث يكذب على ابى)) [2]

④ یعقوب بن عبداللہ بسوی کی عبارت

((ثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن سعيد بن المسيب انه كان يقول لبرد مولاه يا برد! لا تكذب على كما كذب عكرمة على ابن عباس)) [3]

---

1. تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ) البربری ابوعبداللہ المدنی
2. الضعفاء الکبیر ص ۳۷۴ ج ۳ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ
   تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۶۷-۲۶۸ تحت عکرمہ مذکور
   المعارف (ابن قتیبہ) ص ۴۵۶ طبع چہارم قاہرہ تحت عکرمہ مذکور
3. کتاب المعرفۃ والتاریخ (ابو یوسف بسوی) ص ۵ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ
   تہذیب التہذیب ص ۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ

⑤ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

((قال ابو خلف الخزار عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول لنافع اتق الله ويحك يا نافع! ولا تكذب على كما كذب عكرمة على ابن عباس))[1]

⑥ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر شاگرد عطاء رحمہ اللہ کا قول

((قلت لعطاء ان عكرمة يقول قال ابن عباس سبق الكتاب المسح على الخفين۔ فقال كذب عكرمة انى رأيت ابن عباس يمسح عليهما))[2]

⑦ طبقات ابن سعد میں درج ہے کہ

((وعجب الناس من اجتماعهما فى الموت واختلاف رأيهما عكرمة يظن انه يرى رأى الخوارج يكفر بالنظرة وكثير شيعى يؤمن بالرجعة))[3]

(یہاں ایک عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور دوسرا کثیر عزۃ الشاعر ہے)

''مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد نماز ظہر ایک ہی مقام پر ان کا جنازہ پڑھا گیا اور اختلاف نظریات ان کا اس طرح تھا......یعنی عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعی ذہن رکھتا تھا۔''

قدیم مورخ اور محدث یحییٰ بن معین نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے:

((قال يحيى: وبلغنا عن عكرمة انه كان لا يقول هذا (اى قول الخوارج) وهذا باطل))[4]

''یعنی ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عکرمہ رائے خوارج کا قول نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہ چیز باطل ہے۔ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔''

((قال (مصعب بن عبدالله الزبيرى) كان عكرمة يرى رأى الخوارج فطلبه

← المعارف (ابن قتیبہ) ص ۴۳۸ طبع چہارم قاہرہ تحت ذکر سعید بن مسیب رحمہ اللہ
تاریخ ابن عساکر کامل (مخطوطہ) ص ۸۳ ج ۱۱ تحت عکرمہ مولی ابن عباس

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۶۷ ج ۷ تحت عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما

[2] الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۷۶ ج ۱ طبع مصر تحت باب المسح علی الخفین۔

[3] طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ تحت عکرمہ مولی ابن عباس آخر ترجمہ
تاریخ ابن عساکر کامل (مخطوطہ) ص ۹۱ ج ۱۱ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ

[4] تاریخ یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) ص ۴۱۲ ج ۲ طبع مکہ مکرمہ
تاریخ یحییٰ بن معین ص ۱۰۶ ج ۳ روایت نمبر ۴۳۷ طبع مکہ مکرمہ

بعض ولاة المدينة فتغيب عند داود بن الحصين حتى مات عنده قالوا وكان عكرمة كثير الحديث والعلم بحرا من البحور وليس يحتج بحديثه ويتكلم الناس فيه)) اھ

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ بزرگ خارجی ہے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔ خارجی جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بھی خلاف ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ ہذا صاف ہو گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''الحمار'' نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمہ اپنی طرف سے کہہ گیا ہے اور اس طرح کے فتیح الفاظ سے اس نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔ عکرمہ کا حدیث پیغمبر میں ثقہ ہونا اور بات ہے اور آحاد امت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بنا پر اس قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے توثیق عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ

((كذبه مجاهد وابن سيرين ومالك...... قال احد كان يروى راى الخوارج الصفرية۔ وقال ابن المدائينى كان عكرمة يرى رأى نجدة الحرورى وقد وثقه جماعة واحتجوا به)) [۲]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا

مولف کتاب کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا سراسر ناانصافی ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مشہور و معروف کبار علمائے صحابہ میں سے ہیں۔ دین کے بارے میں صحابہ کے افعال و اقوال کسی مصلحت بنی پر محمول نہیں کیے جا سکتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تعلقات کتابوں میں مذکور ہیں۔ دیگر کبار ہاشمیوں کی طرح ان کی بھی آمد و رفت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں برابر ہوتی تھی اور آپ ان سے وظائف بھی وصول کرتے تھے۔ مسائل شرعیہ میں باہمی گفتگو جاری رہتی تھی اور علمی مذاکرات بھی ہوتے رہتے تھے اور اپنی رائے کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اس صورت حال میں اس بات کو کیسے تقیہ پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

---

۱ طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ آخر تذکرہ عکرمہ، طبع لیڈن
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۴۵۷ طبع چہارم قاہرہ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

۲ کتاب المعرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم بما لا یوجب السرد (ذہبی) ص ۱۴۸، ۲۴۲ تحت عکرمہ طبع بیروت۔

ان چیزوں کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقات کے تحت بقدر ضروریات باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز ص ۱۵۷ پر مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کہا:

((واللہ لتستقیمن یا معاویۃ اولنقومنك فیقول بما ذا؟ فیقول بالخشب فیقول اذا نستقیم))[1]

''یعنی اللہ کی قسم (اے معاویہ) خود بخود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کریں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کس چیز کے ساتھ؟ اس نے کہا: لاٹھی کے ساتھ۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔''

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی خدمت میں حق گوئی برابر جاری تھی اور حق بات کہنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی اور وہ ہر تنقید کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے۔ فلہٰذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے بنا بریں تقیہ اس طرح فرمایا ہوگا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس رائے میں صاحب کتاب سے فروگزاشت ہوئی ہے یا پھر رواۃ کی طرف سے تصرف ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اللہ کریم معاف فرمائے۔

حاصل کلام

① روایت مذکورہ کا مختصراً جواب یہ ہے کہ اپنے خارجی نظریات کے تحت ''الحمار'' کے الفاظ نقل کرنے میں عکرمہ متفرد ہے اور یہ اس کی ایک شاذ روایت ہے۔

② نیز اس قول میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مسئلے کو نقل کرنے والے ابن ابی ملیکہ، کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند علی بن عبداللہ بن عباس اور ایوب وغیرہ متعدد لوگ ہیں، اور یہ تمام حضرات وتر کا واقعہ ہذا نقل کرتے ہیں لیکن یہ شنیع الفاظ (جو عکرمہ نے یہاں نقل کیے ہیں) وہ کسی نے نہیں بیان کیے۔ فلہٰذا عکرمہ کے یہ الفاظ شاذ روایت کے درجے میں ہیں اور قابل قبول نہیں بلکہ لائق اجتناب ہیں۔ الثقة اذا شذ لا یقبل ما شذ فیه۔[2]

---

[1] کتاب المجتنیٰ (ابن درید) ص ۴۱ تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۳ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۳۶ طبع دہلی تحت ۴۱ھ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸ ج ۶ باب العدۃ

مختصر یہ ہے کہ روایت بالا کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب چینی کرنا روانہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور کسی راوی کی اس قسم کی شنیع تعبیر سے ان کا وقار مجروح نہیں ہو سکتا۔

آخر کلام

اگر کوئی شخص (جو فن ہذا کے قواعد سے ناواقف ہے) یہ اشتباہ پیدا کرنا چاہے کہ پھر تو عکرمہ کی تمام مرویات سے اعتماد اٹھ گیا اور اس کی وثاقت کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا حالانکہ صحاح کی کتابوں میں اس کی مرویات موجود ہیں اور عند العلماء مقبول ہیں۔

تو اس اشتباہ کو رفع کرنے کے لیے وضاحت درج کی جاتی ہے کہ ایسے مواقع پر قاعدہ یہ ہے کہ جو روایت کتاب و سنت کے مضمون کے خلاف اور معروف روایات کے متضاد اور قواعد مسلمہ اور واقعات صحیحہ کے برعکس پائی جائے وہ اگرچہ ثقہ راوی سے منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا اور اس کے ساتھ احتجاج کرنا درست نہیں ہوتا۔ وہ درجہ شاذ میں شمار کی جاتی ہے۔

پس یہاں بھی یہی قاعدہ ملحوظ رکھا جائے گا کہ عکرمہ کی وہ روایات جو مذکورہ بالا قواعد کے برخلاف ہوں گی وہ متروک ہیں اور جو روایات اس فن کے قواعد کے خلاف نہیں وہ قابل قبول ہیں اور لائق احتجاج ہیں۔ پس اس طریقہ سے اشتباہ مذکور مرتفع ہو گیا۔

بندہ نے اپنی ناقص رائے کے پیش نظر ''الحمار'' والی روایت کا جواب پیش کیا ہے۔ اگر علمائے کبار اس سے بہتر جواب بیان فرمائیں تو سبحان اللہ، وہ بہترین ہو گا۔

ظلم اور زیادتی کا طعن

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسروں کی جائیداد غصب کرنے اور غیر کے حق میں تجاوز کرنے کا اعتراض قائم کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں کہ:

((محمد بن جعفر عن شعبة عن سعد بن ابراهيم انه سمع رجلا من بنى مخزوم عن عمه۔ ان معاوية اراد ان يأخذ ارضا لعبد الله بن عمرو يقال لهما الوهط فامر مواليه فلبسوا التهم وارادو القتال قال فاتيته فقلت ما ذا فقال انى سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من مسلم يظلم بمظلمة فيقاتل فيقتل الا قتل شهيدا))

''یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے لیے اراضی کی ایک جائیداد طائف میں تھی جس کو الوہط کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اپنی تحویل میں لینے اور اپنے کارندوں کے ذریعے سے اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ان حالات میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اس مسئلے میں مدافعت اور معارضہ کی تیاری کر لی اور اپنے خدام کو فرمایا کہ ہتھیار پہن لو اور قتال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تو روایت کرنے والا کہتا ہے کہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے اور ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان پر کوئی ظلم اور زیادتی ہونے لگے اس پر وہ قتال کرے اور اس صورت میں وہ قتل ہو جائے تو شہید ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مخالف فریق ہم پر زیادتی کر رہا ہے اور دفاع میں ہمارا مارا جانا شہادت ہے۔''

الجواب

اس اعتراض کا جواب پیش کرنے کے لیے پہلے تو اس روایت کی سند و متن کے متعلق گفتگو کی جائے گی، اس کے بعد ایک دوسرے طریقے سے کلام ہوگا یعنی معاملات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار و اخلاق سامنے رکھنے سے مسئلہ صاف ہو سکے گا۔

سند کے اعتبار سے

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ روایت بنو مخزوم کے ایک شخص سے مروی ہے اور وہ اپنے چچا سے نقل کرتا ہے۔ یہ چچا بھتیجا دونوں مجہول الذات والصفات ہیں۔ فلہٰذا راوی کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت قابل اعتنا نہیں۔

متن کے اعتبار سے

روایت کے متن میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اس موقع پر کوئی قتال واقع نہیں ہوا۔ یہاں صرف یہ مذکور ہے کہ جانبین نے اپنے اپنے فعل کا ارادہ کیا۔ اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کی اراضی غصب کر لی اور پھر دوسرے فریق نے اس پر قتال کیا۔ یہاں دونوں فریق کے ارادوں کا ذکر ہے۔ یہ کوئی قابل طعن بات نہیں ہے۔ آپس میں معاملات کی صورت میں کشیدگی اور تنازع کا پیش آنا معاشرے کے لوازمات میں سے ہے اس چیز پر کوئی اعتراض قائم کرنا صحیح نہیں۔

ایک نظیر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا واقعہ ہم بطور نظیر پیش کرتے ہیں کہ آپ معاملات میں دوسرے کے حق میں زیادتی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ پوری انصاف پسندی سے کام لیتے تھے۔ مورخین نے آپ کی حق و انصاف پسندی کا درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں کچھ اراضی تھی اور اس پر آپ کا غلام نضیر وکیل اور نگران تھا۔ اس اراضی سے ملحق حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن کی بھی اراضی تھی۔ نضیر نے عبدالرحمٰن کی اراضی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اراضی کے ساتھ منضم کر لیا اور کہا کہ یہ رقبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور عبدالرحمٰن نے کہا کہ میرے والد زید جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قطعہ اراضی ہمارے لیے متعین کر دیا تھا۔

ان دنوں مروان بن حکم حاکم مدینہ تھے۔ جب یہ معاملہ ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے مصالحت کی کوشش کی مگر صلح نہ ہو سکی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن زید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں شام چلے گئے۔ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے اور واقعہ بیان کیا کہ آپ کے وکیل مذکور نے اس طرح زمین میں تجاوز کر کے قبضہ کر لیا ہے، یہ زمین تو ہمیں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دی ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے زمین بالکل ترک کر دی اور بنجر بنا دی اور غیر آباد کر دی۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اذن سے پھر آبادکاری کی ہے، اس میں کھجور کے پودے لگائے ہیں وغیرہ وغیرہ، کافی اخراجات کیے ہیں۔ اب تم دعویٰ کرتے ہو۔

غرض تنازع قائم رہا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ اس وقت کے قاضی فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات (عبدالرحمٰن بن زید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) قاضی فضالہ بن عبید انصاری کے پاس پہنچے۔ فریق اول عبدالرحمٰن کے پہلے بیان ہوئے، اس کے بعد امیر المومنین کے بیانات سنے گئے تو قاضی موصوف نے فیصلہ دیا کہ ((ان القول قول عبدالرحمن والحق معه فقضى به فقال معاوية نقبل ما قلت)) یعنی عبدالرحمٰن کا بیان معتبر اور قابل تسلیم ہے اور حق اسی کے ساتھ ہے پس قاضی نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ آپ نے فیصلہ کیا ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں لیکن جو مصارف ہم نے اس کی آبادکاری کے لیے کیے ہیں اور پودے وغیرہ لگائے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ قاضی فضالہ انصاری نے فرمایا کہ درختوں اور آبادکاری کے مصارف اگر عبدالرحمٰن ادا کر دیں تو زمین کے ساتھ درختوں کے بھی مالک ہیں، اور یہ صورت اختیار نہ کریں تو زمین کی قیمت کی ضمان لے کر (یعنی زمین کی قیمت وصول کر کے) اپنا تنازع ختم کر دیں۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو آبادکاری ہو چکی ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین انھوں نے لے لی ہے وہ بھی ہم ان کو صلہ رحمی کے طور پر دیتے ہیں۔ اور یہی چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وکیل نضیر کی طرف لکھ دی اور ان کا قرض ادا کر دیا اور ان کو شرف عطا میں شامل کر لیا اور فرمایا کہ اے بھتیجے! آپ اس کے حق دار ہیں، اور مزید کچھ مال دیا۔

((فتكلم عبدالرحمن بقوله الاول وتكلم معاوية بقوله الاول فرأى فضالة ان القول قول عبدالرحمن والحق معه فقضى به فقال معاوية نقبل ما قلت ارأيت ما غرست فيها قال يقول ذالك لك فان شاء ضمنك قيمة الارض فقال عبدالرحمن قد انصفت فقال معاوية فالغراس له وما مد اليه يده من ارضي فهو له صلة لرحمه، وكتب له بذالك الى وكيله وقضى دينه والحقه في شرف العطاء قال انت مستحق لذالك يا ابن اخي الفاروق والشهيد واعطاه، مالا))[1]

مختصر یہ ہے کہ

① واقعہ ہذا سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے، حق بات تسلیم کرتے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز کرنے والے نہیں تھے فلہٰذا ان کے خلاف مندرجہ بالا اعتراض بے جا ہے۔

② نیز یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی، حق بات کا فیصلہ آزاد رائے سے کرتے تھے اور عدالت احکام شرعی کی پابند تھی، خلیفہ کا ان کا پر کوئی دباؤ نہ تھا بلکہ خلیفہ وقت بوقت

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۱-۱۱۲ ج ۴ ق اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع یروشلم

ضرورت عدالت میں خود پیش ہوتا اور امیر المومنین کے خلاف قاضی فیصلہ دیتا تو وہ بخوشی تسلیم کرتا تھا۔ ''عدلیہ کی آزادی کے خاتمہ'' کا پروپیگنڈا سراسر واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ ناظرین کرام نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ کیا۔

بعض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ظلم و زیادتی کا دور ثابت کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ واقعہ ہذا اس بات کی شہادت ہے کہ قاضیوں کی عدالت اپنے فیصلے دینے میں آزاد تھی حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔

قتل نفس اور اکل مال بالباطل (یعنی باطل طریقے سے مال کھانا) کا طعن پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ایک بار فرمان نبوی بیان فرمایا تو اس کے جواب میں عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں ''قتل نفس'' اور ''اکل مال بالباطل'' کا حکم دیتے ہیں:

((فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بايع اماما فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه ان استطاع فان جاء اٰخر بنازعه فاضرب عنق الاخر...... (پھر عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ کا قول ہے کہ) هذا ابن عمك معاوية يأمرنا ان نأكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا......)

جواب

اولاً: یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس روایت کے رواۃ میں ایک راوی زید بن وہب جہنی کوفی ہے جس کے متعلق علماء نے وثاقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ فی حديثة خلل كثير[1]

ثانیاً: یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اس روایت کا محمل وہ دور ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاص دم عثمانؓ کے سلسلے میں باہم تنازعات قائم تھے۔ نیز روایت ہذا کو دیگر کبار محدثین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن متن روایت میں قابل اعتراض الفاظ (يامرنا ان ناكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا) مفقود اور غیر مذکور ہیں۔[2] یہاں سے روایت میں رواۃ کا تصرف اور کمی بیشی عیاں ہوتی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۲۷ ج ۳ تحت زید بن وہب الجہنی
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۷۶۸-۷۶۹ ج ۲ تحت زید بن وہب الجہنی

[2] سنن ابن ماجہ ص ۲۹۲-۲۹۳ آخر باب السواد الاعظم من ابواب الفتن
سنن نسائی ص ۱۶۴-۱۶۵ ج ۲ کتاب البیعۃ تحت ذکر ما علیٰ من بایع الامام......الخ

معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتراض کلمات راوی کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں اور اس نے ان کلمات کو اپنے ظن و گمان کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذکر کیا ہے۔

اسی مضمون کو شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((المقصود بهذا الكلام ان هذا القائل لما سمع كلام عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه وذكره الحديث فى تحريم منازعة الخليفة الاول وان الثانى يقتل فاعتقد هذا القائل هذا الوصف فى معاوية لمنازعة عليا وكانت قد سبقت بيعة على فرأى هذا ان نفقة معاوية على اجناده واتباعه فى حرب على ومنازعة ومقاتلة اياه من اكل المال بالباطل ومن قتل النفس لانه قتال بغير حق فلا يستحق احد مالا فى مقاتلة))[1]

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جب راوی عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی کہ خلیفہ اول منتخب ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ منازعت حرام ہے اور خلافت کے دوسرے دعویدار کے ساتھ مقاتلہ کرنا چاہیے تو اس راوی نے (اس دور کے حالات کے پیش نظر) یہ گمان کیا کہ یہ وصف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے خلاف منازعت کیے ہوئے ہیں۔ گویا کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) ان کے جنود اور لشکروں پر مال خرچ کرنا باطل طریقہ ہے اور قتال کرنا قتل نفس کی دعوت ہے۔"

تو اپنے گمان کو راوی (عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ) نے ان کلمات سے تعبیر کیا اور کہا کہ هذا ابن عمك معاوية يامرنا ان ناكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدعی خلافت نہ تھے اور مسئلہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع کنندہ نہیں تھے بلکہ ان کا نزاع اور اختلاف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ میں تھا، خلافت و امارت میں نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ چیز اپنی جگہ پر منقح ہو چکی ہے۔ سیرت علوی کے یہ مقامات ملاحظہ کریں۔

فلہٰذا اس حدیث کی مخالفت نہ پائی گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف نہ ہوئے۔

گویا یہ کلام راوی کے اپنے گمان کے اعتبار سے ٹھہرا جو واقعہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

درایتاً

درایت کے اعتبار سے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر معترض کا اعتراض (اکل اموال بالباطل و قتل نفس)

[1] شرح مسلم (نووی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۲ تحت روایت ہذا (ابن عمک معاویہ ...... الخ)

صحیح ہے تو قابل توجہ یہ چیز ہے کہ اس دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا تھے انھوں نے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں انھوں نے شرکت کیسے اختیار کی؟ مالی و جانی تعاون کس طرح کرتے رہے؟

پس یہ امور اس بات کے قرائن اور شواہد ہیں کہ معترض کا گمان اپنی جگہ پر صحیح نہیں اور روایت مذکورہ بالا کا مفہوم وہی درست اور صحیح ہے جو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے۔

محمد بن ابی بکر کا قتل

معترض احباب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مظالم جہاں ذکر کرتے ہیں ان میں محمد بن ابی بکر کو قتل کر دینے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلانے کے وحشیانہ سلوک کا اعتراض بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کے ملاحظہ کر لینے سے صحیح صورت حال واضح ہو سکے گی:

① یہاں یہ چیز پہلے ذکر کر دینا ضروری ہے کہ واقعہ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر فیصل حضرات جب کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اسی دوران میں مصر میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔

② محمد بن ابی بکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سابق فرزند تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت جوان ہوئے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تو حملہ آوروں کی شورش میں یہ برابر کے شریک رہے اور قاتلین عثمانؓ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ محمد بن ابی بکر کا ان شورشوں میں شریک رہنا اور بغاوت کرنے والوں کی حمایت کرنا ان کا ایک ''ذاتی معاملہ'' تھا اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اور وہ اس معاملہ میں حامی نہیں تھے جیسا کہ شہادت عثمانؓ کے واقعہ میں بیان کیا گیا (جو کتاب رحماء بینہم حصہ عثمانی باب پنجم میں مذکور ہے)۔

محمد بن ابی بکر کا یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور میں خلاف رائے رکھتے تھے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ہم نوا نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن ابی بکر کے مخالفانہ و معاندانہ رویہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا درست نہیں سمجھتی تھیں اور ان کو ان حرکات سے منع کرتیں لیکن یہ اپنے رویہ سے باز نہیں رہتے تھے۔

③ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں میں واقعہ صفین کے بعد ایک فریق کے

دوسرے فریق کے ساتھ معارضات جاری تھے اور مختلف علاقوں میں ہر دو فریق کے مقابلے اور مسابقتیں ہو رہی تھیں اور یہ شورشیں قتل و قتال تک پہنچتی تھیں، ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ وہاں انھیں مشکلات کا سامنا ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو ان کی معاونت کے لیے بھیجا مگر وہ راستے ہی میں قلزم کے مقام پر فوت ہو گیا۔

اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی مقرر کیا اور وہ اپنے حامیوں سمیت مصر پہنچ گئے۔ علاقہ مصر میں لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے کافی متاثر تھے خصوصاً خربتا کے لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے رکھتے تھے اور مظلومیت عثمانؓ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ان کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فریق مخالف کے لیے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کا پہلے معارضہ کنانہ بن بشر وغیرہ کے ساتھ پیش آیا۔ باہم قتال ہوا اور کنانہ بن بشر مقتول ہوا۔ اس کے بعد ان کا معارضہ محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں سے ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور قتل ہوئے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق مورخین نے اس مقام پر متعدد صورتیں ذکر کی ہیں۔ واقعہ کی تفصیلات البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۳-۳۱۴ تحت واقعہ ہذا اور اصابہ لابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۴۱۵ تحت حرف المیم (محمد بن ابی بکر) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں بالاختصار ذکر کرتے ہیں:

① ایک صورت تو یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ان کا مقابلہ ہوا اور اس معارضہ کے دوران میں قتل ہو گئے۔

② دوسری صورت یہ ذکر کی جاتی ہے کہ معارضہ کے بعد ان کو گرفتار کر کے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا وہاں ان کی باہمی سخت کلامی ہوئی اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔

محمد بن ابی بکر کے قتل کی وجہ فریق مخالف کی زبانی اسی طرح مذکور ہے کہ معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ کی ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو عبدالرحمٰن نے بطور طعن کہا:

((یا معاویة (ابن خدیج) قد اخذت اجرك من معاوية بن ابی سفیان لما قتلت محمد بن ابی بکر لیولیك مصر فقد ولاکها فقال ما قتلت محمدا لولایة وانما قتلة لقتله عثمان))[1]

---

[1] البیان المغرب فی اخبار المغرب ص ۱۳ ج ۱ (ابن عذاری المراکشی) تحت اخبار معاویہ بن خدیج الکندی (طبع بیروت)

''یعنی اے ابن خدیج! تو نے معاویہ بن ابی سفیان سے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے قتل کا اجر حاصل کرلیا اور تجھے مصر کا والی بنا دیا گیا، تو ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ولایت مصر کے لیے محمد بن ابی بکر کو نہیں قتل کیا تھا بلکہ میں نے تو اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ قاتلین عثمانؓ میں شریک تھا۔''

مختصر یہ ہے کہ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کا مقتول ہونا فریق مخالف کی طرف سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشوں میں شریک تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان کا پورا پورا حصہ تھا۔

③ مورخین نے محمد بن ابی بکر کے قتل کی ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے کہ جب دونوں جماعتوں کا باہم قتال ہوا تو محمد بن ابی بکر شکست کھا کر بھاگ گئے اور ایک مقام میں مختفی ہو گئے۔ پھر وہاں سے ان کو تلاش کر کے قتل کر دیا گیا۔

یہاں مورخ طبری نے ابومخنف سے یہ روایت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا پھر اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں داخل کر کے جلا دیا گیا۔

((فقدمه فقتله ثم القاه فی جیفة حمار ثم احرقه بالنار))[1]

اسی روایت کے آخر میں طبری نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر قنوت پڑھنی شروع کر دی یعنی نمازوں کے آخر میں بددعا فرماتی تھیں۔

یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ ''گدھے کی کھال میں ڈال کر جلانے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بددعائیں کرنے'' کی یہ روایت ابومخنف لوط بن یحیٰی رافضی بزرگ سے مروی ہے، نیز اسناد میں ابومخنف ایک واسطہ کے ذریعے سے عن شیخ من اہل المدینہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ شیخ اپنی جگہ پر مجہول الذات والصفات ہے۔ فلہٰذا ایسی مجروح روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کیا جا سکے۔

نیز واضح رہے کہ طبری سے بعد والے مورخین اس روایت کو طبری سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے یہاں قتل کے وجوہ اور مختلف صورتیں ذکر کرنے کے علاوہ روایت کی باعتبار سند کے حقیقت حال درج کر دی ہے فلہٰذا مذکورہ بالا اعتراض کا بے جا ہونا واضح ہو گیا اور وحشیانہ سلوک کی حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہاں بناء الفاسد علی الفاسد کا معاملہ ہے فلہٰذا وحشیانہ سلوک کی داستان غیر صحیح ہے۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۶۰ ج ۶ تحت واقعہ ہذا سنہ ۳۸ھ

نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق قنوت بعد از نماز شروع کر دینے کا اعتراض بھی صحیح نہیں۔ ایک تو یہ روایت سنداً مقدوح و مجروح ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات تازیست صحیح رہے، انھوں نے روابط منقطع نہیں کیے۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ واقعات اس طرح نہیں جس طرح معترضین بنا سجا کر پیش کرتے ہیں۔

قبل ازیں ہم نے محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق موقع کی مناسبت سے کچھ حالات سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ''بعض انتظامی امور'' کے عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں اور وہیں اشترنخعی کا ذکر بھی بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

حجر بن عدی وغیرہ کا قتل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ مطاعن میں سے اس دور کے بعض لوگوں کو قتل کرنے کا طعن اعتراض کرنے والوں کی طرف سے بڑے آب و تاب کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تمہیدی چیزوں میں یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو مسئلہ شرعی ہے اس کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور لوگوں کی زبانیں حق بات کہنے سے روک دی گئی تھیں، ان پر قفل چڑھا دیے گئے تھے۔ جو حق بات کہتا تھا اس کو بدترین سزا دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں حجر بن عدی کا قتل سرفہرست ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو حق بات کہنے پر ۵۱ھ میں بلاوجہ جواز قتل کر دیا گیا۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر انصاف سے غور کر لینے کے بعد طعن مرتفع ہو سکے گا۔

پہلے ہم حجر بن عدی کی شخصیت کے متعلق کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد باقی متعلقہ امور ذکر کیے جائیں گے۔

حجر بن عدی

حجر بن عدی بن جبل بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندہ کے روساء میں سے تھے۔ ان کو حجر الخیر اور حجر بن الادبر بھی کہتے تھے۔ بعض مورخین اور علماء نے حجر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے اور دیگر علماء مثلاً امام بخاری، ابن ابی حاتم، خلیفہ ابن خیاط اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[1]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((قال ابو احمد العسکری اکثر المحدثین لا یصححون له صحبة))[2]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۳ ج ۱ تحت حجر بن عدی

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

"یعنی ابو احمد عسکری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر محدثین حجر بن عدی کے صحابی ہونے کو صحیح قرار نہیں دیتے۔"

آپ جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تھے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جمل و صفین کی حروب میں بھی شامل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے خاص حامیوں میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے نظریاتی طور پر سخت خلاف تھے۔ کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا۔ حکومت کے خلاف ان کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے جو لوگ متاثر تھے ان میں حجر بن عدی نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور فتنہ انگیز پارٹی کے اثرات سے کافی متاثر بلکہ مغلوب تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عذراء کے مقام پر شعبان ۵۱ھ میں قتل کیے گئے۔[1]

خلیفہ کی مخالفت

جب حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کا دور خلافت گزر گیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو حجر بن عدی کے نظریات میں خاصا تصلّب واقع ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب خطبہ دیتے تو یہ لوگ ان کے خلاف تشدد اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے لیکن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوت برداشت اور حلم کی بنا پر درگزر فرماتے اور مناسب فہمائش کرتے کہ امیر وقت کے ساتھ معارضہ کرنا درست نہیں مگر حجر بن عدی اپنے تشدد سے باز نہیں آتے تھے۔[2]

مسئلہ عطا پر نقد

بعض دفعہ لوگوں کو وظائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور جب بعض لوگوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی پر سختی کرنے کے لیے کہا کہ یہ مسلمانوں کے اتفاق کی لٹھ توڑنا چاہتے ہیں اور امیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور ان سے درگزر فرمایا۔

بیت المال کے اموال پر معارضہ

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ مال یہاں دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ مال بھیجنے لگے تو حجر بن عدی معارضہ کرتے ہوئے ان سواریوں کی لگام پکڑ کر مال روکنے پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ یہاں حق والوں کا حق ادا کیا جائے۔ اس موقع پر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حسب معمول سختی نہیں کی اور عفو و درگزر سے

---

[1] مستدرک حاکم ص ۴۶۹ ج ۳

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت حالات سنہ ۵۱ھ

کام لیا۔[1]

بعدہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں وفات پا گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا والی مقرر فرما دیا۔ حجر بن عدی اپنی سابقہ روش کے مطابق زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ کے خطبات پر بھی تنقید اور معارضہ کرنے لگے اور حکومت کے نظم کے معاملات میں دخیل ہونے لگے۔

والی کوفہ پر کنکر پھینکنا

ایک روز زیاد بن ابیہ کوفہ میں خطبہ دینے لگا، اس مقام پر حجر بن عدی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھے اور ہتھیار لگا کر آئے تھے۔ زیاد نے خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد دیگر چیزوں کے علاوہ امیر المومنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ اس مسئلے پر حجر بن عدی کو اختلاف تھا اس نے زیاد پر کنکر پھینکے اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہے۔

((وجعل زیاد فی خطبة ان من حق امیر المؤمنین یعنی کذا و کذا فاخذ حجر کفا حصباء فحصبه وقال کذبت علیك لعنة الله)) [2]

حجر بن عدی اور اس کے رفقاء کا رویہ

ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ابن جریر طبری کے حوالے سے اس جمعیت کی شورشوں اور فتنہ پردازیوں کو متعدد بار ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر اس چیز کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((انهم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیه مقالة الجور وینتقدون علی الامراء و یسارعون فی الانکار علیهم، ویبالغون فی ذالك ویتولون شیعة علی ویتشددون فی الدین)) [3]

''مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض کرتے تھے اور ان کے حق میں جور وظلم منسوب کرتے تھے۔ وہ امراء و حکام کی سخت عیب جوئی کرتے تھے اور ان پر انکار کرنے میں جلد بازی کرتے تھے اور اس معاملے میں غلو کرتے تھے، شیعان علی کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور دین کے معاملات میں تشدد اختیار کیے ہوئے تھے۔''

گویا اس جماعت کے طریق کار کو بطور نمونہ ذکر کیا ہے ان کے کارناموں کی مزید تشریح آیندہ سطور میں آرہی ہے۔ اسی سلسلے میں معارضہ کے واقعات کو زیاد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

[3] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

بصورت مکتوب لکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ حجر بن عدی اور شورش میں شامل اس کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے یہاں دمشق بھیج دیا جائے۔

چنانچہ زیاد نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے چند آدمی بھیجے تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ مگر زیاد کے آدمی انھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور زیاد نے انھیں دس دن اپنے پاس حراست میں رکھا۔ پھر اس کے بعد ان کو خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا جو گواہی دیتے تھے کہ:

① حجر بن عدی نے خلیفہ وقت پر سب وشتم کیا ہے۔

② امیر وقت کے ساتھ محاربہ قائم کیے ہوئے ہیں۔

③ یہ کہتے ہیں کہ امارت اور خلافت آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں۔

((انه سب الخليفة وانه حارب الامير وانه يقول ان هذا لامر لا يصلح الا فی آل علی بن ابی طالب))[1]

ان واقعات کے لیے جو شہادت زیر تحریر لائی گئی تھی ابن جریر طبری نے اس کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے

((ان حجرا جمع اليه الجموع واظهر شتم الخليفة ودعا الى حرب اميرالمومنين وزعم ان هذا الامر لا يصلح الا فی آل ابی طالب و وثب المصر واخرج عامل اميرالمومنين واظهر عذار أبی تراب والترحم عليه والبراءة من عدوه واهل حربه وان هؤلاء النفر الذين معه هم رءوس اصحابه وعلى مثل رأيه وامره))[2]

''مطلب یہ ہے کہ ان اکابر لوگوں نے شہادت دی کہ حجر بن عدی نے اپنے گرد ایک جمعیتِ جمع کر رکھی ہے، خلیفہ وقت کو سب وشتم کرتے ہیں، امیر المومنین کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے امارت و خلافت درست نہیں، اور شورش کھڑی کر کے امیر المومنین کے حاکم و عامل کو شہر سے نکال دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معذوری ظاہر کر کے ان پر ترحم کرتے ہیں اور ان کے مخالفین سے براءت اور بیزاری کرتے ہیں، اور یہ جو ان کے ساتھی ہیں یہ ان کی جماعت کے سربرآوردہ لوگ ہیں، حجر بن عدی اور ان کی جماعت کی ایک رائے ہے اور ایک ہی نظریہ کے حامل ہیں۔''

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

[2] تاریخ طبری ص ۱۵۰ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ حالات واقعہ ہذا

اور اس شہادت کو ابن خلدون رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فشهدوا كلهم ان حجرا اجتمع الجموع واظهر شتم معاوية ودعا الى حربه وزعم ان الامر لا يصلح الا فى الطالبيين))[1]

مختصر یہ ہے کہ حجر بن عدی اور ان کی سبائی پارٹی اس وقت کے نظام حکومت اور انتظامی خلافت کو الٹ کر کوئی دوسرا اقتدار قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے اور لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ گویا اسلام کی متفقہ قوت میں پھر انتشار ڈالنا ضروری سمجھتے تھے۔

ارسال شہادات اور اس کے نتائج

ان حالات کے تحت زیاد نے اس معاملے کے متعلق ان شہادتوں کو مرتب کر کے مرکزی حکومت کو ارسال کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ چنانچہ گزشتہ واقعات پر شہادت دینے والے ستر افراد میں درج ذیل شاہدین شامل تھے (جن میں بعض صحابہ کرام اور بعض تابعین ہیں)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ، وائل بن حجر، عمرو بن سعد بن ابی وقاص، اسحاق و اسمٰعیل و موسیٰ فرزندان طلحہ بن عبیداللہ، منذر بن زبیر، کثیر بن شہاب اور ثابت بن ربعی وغیرہم۔

یہ شہادتیں مرتب کر کے زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ نے خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں سمیت ارسال کیں اور ساتھ ہی مذکورہ ستر شاہدین میں سے کچھ افراد کو بھی خلیفہ کے سامنے براہِ راست شہادت پیش کرنے کے لیے دمشق بھیجا۔ ان میں سے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب مشہور ہیں۔

چنانچہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت مذکورہ شاہدین کے ہمراہ پیش ہوئے اور مرتب شدہ شہادتیں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ آپ نے مرتب شدہ شہادتیں ملاحظہ کرنے اور شاہدین سے براہِ راست شہادت لینے کے بعد جرم ثابت ہونے پر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو عذرا کے مقام (جو دمشق کا ایک قریہ ہے) پر لے جا کر قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔

فلہٰذا خلیفہ وقت کے احکام کے مطابق حجر بن عدی، شریک بن شداد، صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبیعہ، محرز بن شہاب منکری اور کدام بن حبان، ان چھ افراد کو عذرا کے مقام پر لے جا کر قتل کر دیا گیا۔[2]

حجر بن عدی کے بعض دیگر ساتھیوں کا معاملہ قتل کی سزا تک نہیں پہنچا تھا اور بعض مزید عوارض بھی پیش نظر ہوں گے لہٰذا ان کو سزا نہیں دی گئی اور آزاد کر دیا گیا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۲۶ ج ۳ ق اول (تحت واقعات ہذا) طبع بیروت۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۲ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۵۱ھ

ازالہ شبہات

واقعہ ہذا میں معترضین نے بہت کچھ شبہات پیدا کر دیے ہیں جن میں سے ضروری شبہات کا ازالہ کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں۔ طعن کرنے والے احباب حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو بلا جواز شرعی ظلماً قتل کیا جانا شمار کرتے ہیں اور ان کے قول کے مطابق یہ مقتولین اس وقت حق گوئی کرتے تھے اور والیوں کے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ بقول معترضین یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف باغی نہ تھے اور بغاوت کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

ازالہ

حقیقت واقعہ اور ان لوگوں کے مقاصد کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے تاریخوں میں مفصل مواد موجود ہے جس میں مورخین نے ان کے خلیفہ وقت کے خلاف نظریات کو برملا طور پر ذکر کر دیا ہے۔ گزشتہ حوالہ جات میں ابن جریر، ابن کثیر، ابن خلدون کی عبارات بلفظہٖ نقل کر دی گئی ہیں جو ان لوگوں کے نظریات کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

اسی طریق سے بے شمار مورخین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کا اس وقت ایک خلیفہ اسلام پر اتفاق ہو گیا تھا اور ہاشمی حضرات سمیت اکابرین وقت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کے اختلاف و افتراق کو ختم کر دیا تھا۔ اس طریقہ سے اسلام کی ایک نئی شیرازہ بندی ہو گئی تھی، اسلامی حکومت کا نظام ایک مرکز کے تحت قائم ہو گیا تھا۔ اب ان حالات میں مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت اور مرکزی طاقت کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک گونہ سبائی پارٹی کی طرف سے تحریک تھی جو کسی طرح جائز نہیں تھی اور اس میں افتراق پیدا کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہ تھا۔

اسلام میں اطاعت امیر واجب ہے اور اس کا خلاف کرنا شرعاً منع ہے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں امت میں اتفاق قائم رکھنے اور افتراق سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے حتیٰ کہ بعض جگہ افتراق جماعت پر وعیدیں مذکور ہیں۔ چنانچہ چند ایک ارشادات نبوی یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

① ((عن اسامة بن زيد رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فرق بين امتى وهم جميع فاضربوا رأسه كائنا من كان))[1]

''یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: درآں حالے کہ امت مجتمع ہے پھر ان کے درمیان کوئی تفریق کھڑی کرتا ہے تو اس کا سر اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۱ ج ۱۵ کتاب الفتن طبع کراچی

نیز دوسری روایت میں فرمایا کہ:

۲ ((عن عرفجة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول انه سيكون هنات هنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهى جميع فاضربوه بالسيف كائنا ما كان))[1]

"عرفجہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کئی شر و فساد ہوں گے۔ پس جو شخص اس امت کے اجتماع میں تفریق ڈالے اسے تہ تیغ کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

اس نوع کے بہت سے فرامین نبوی احادیث میں موجود ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا فرامین نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں یہ اقدام کرنا ضروری سمجھا۔

شیعہ کی طرف سے اس مسئلے کی تائید

شیعہ کے قدیم ترین مورخ ابو حنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی (المتوفی ۲۸۲ھ) نے مسئلہ ہذا کے متعلق چند تصریحات ذکر کی ہیں جو اس مرحلے کے واقعات کو صاف کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ حجر بن عدی و عمرو بن حمق وغیرہ مقتولین کے حامی ہیں اور ان کو بہتر سمجھنے والے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں، فلہٰذا ان لوگوں کے بیانات ان واقعات میں ضرور قابل توجہ ہیں۔

بنا بریں ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ان چیزوں کو ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو منصف طبائع کے لیے حقیقت واقعہ معلوم کرنے میں مفید ہوں گی اور اختلاف کھڑا کرنے والی جماعت کا پس منظر معلوم کرنے میں معاون ہوں گی:

۱ ایک تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات۔

۲ دوسرے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اقوال۔

۳ اور تیسرے نمبر پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہیں۔

اب علی الترتیب ان مندرجات پر بغور نظر فرمائیں:

(۱) ابو الائمہ کے فرمودات

۱ شیعہ مورخ احمد بن داود ابو حنیفہ دینوری شیعی اپنی مشہور تصنیف اخبار الطّوال میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص طرفداروں میں سے حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ (حضرت) امیر معاویہ اور اہل شام کو برملا سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ جب یہ چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۳۲۰ باب الامارۃ بحوالہ مسلم شریف
مسلم شریف ص ۱۲۸ ج ۲ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین ...... الخ

تو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنا فرستادہ بھیج کر یہ فرمان جاری کیا کہ سب وشتم اور لعن طعن سے آپ لوگ باز آ جائیں۔ اس پیغام کے بعد وہ دونوں حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ بات بالکل درست ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آنجناب ان کو سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے ہمیں کیوں منع کرتے ہیں؟ تو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمھارے سب وشتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں لیکن تم لوگوں کو دعا کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم دونوں فریق کو خوں ریزی سے بچا لے اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح فرما دے اور ان کو بھٹک جانے سے ہدایت فرما۔ حتیٰ کہ جو حق سے ناواقف ہے وہ حق بات کو پہچان لے اور نزاع کھڑا کرنے والا سخت جھگڑے سے باز آ جائے۔

((وبلغ عليا ان حجر بن عدى وعمرو بن الحمق يظهران شتم معاوية ولعن اهل الشام، فارسل اليهما ان كفا عما يبلغنى عنكما فاتياه فقالا "يا أمير المومنين" السنا على الحق، وهم على الباطل؟ قال بلى ورب الكعبة المسندنة قالوا: فلم تمنعنا من شتمهم ولعنهم؟ قال كرهت لكم ان تكونوا شتامين لعانين ولكن قولوا اللهم احقن دماءنا ودماءهم واصلح ذات بيننا وبينهم واهدهم من ضلالتهم حتى يعرف الحق من جهله ويرعوى عن الغى من لجج به))[1]

(۲) اسی طرح شیعہ کا دیگر قدیم مورخ جو خالص رافضی ہے اور دینوری سے بھی سابق دور کا آدمی ہے یعنی نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فرمان کو اپنی سند کے ساتھ اپنی تصنیف ''وقعۃ الصفین'' میں مفصل طور پر درج کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں دینوری و منقری کی روایات کا مضمون ومفہوم ایک ہی ہے اس لیے منقری کی روایت کی عبارت کو ترک کر کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ تمام عبارات دینے میں بہت تطویل ہو جاتی ہے۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نہج البلاغہ میں بھی مذکور ہے،[2] چند الفاظ کا جزوی فرق پایا جاتا ہے باقی مضمون ایک ہی ہے۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان قبل ازیں ہماری کتاب مسئلہ

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۵ طبع مصر (تحت واقعات صفین)
وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری) ص ۱۱۵ طبع مصر تحت نصیحۃ علی لحجر بن عدی وعمرو بن حمق۔

[2] نہج البلاغہ ج ا ص ۴۲۰ تحت من کلام لہ علیہ السلام فی النھی عن سب اہل الشام

اقربا نوازی ص ۱۸۵-۱۸۶ میں درج ہو چکا ہے۔ البتہ منقری کا حوالہ یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے جسے قدیم شیعی مورخین دینوری و منقری وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ

① جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے کے روا دار نہیں تھے اور باوجود سیاسی اختلافات کے اس طریق کار کو مکروہ و مبغوض جانتے تھے۔ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ جب ان چیزوں کا ارتکاب کرتے تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ان کو اس طریق کار سے برملا منع فرماتے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ بلکہ ان کو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تعلیم و تلقین ہوتی تھی کہ فریق مقابل کے حق میں صلح و مصالحت کے لیے دعائیں مانگیں اور حق بات کے قبول کرنے کے لیے ہدایت کی اللہ جل شانہ سے استدعا کریں۔

② نیز ان لوگوں کی سرشت میں تشدد اور تفرق کے جذبات یہاں سے ظاہر ہوتے ہیں اور خصوصاً حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کے متشددانہ رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابتدا ہی سے ان مسائل میں سخت ترین روش اختیار کیے ہوئے تھے جو خود حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے منشا و مقصد کے خلاف تھی اور ان کی تعلیم و تلقین کے برعکس تھی۔

(۲) سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ارشادات

اب ذیل میں ہم سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی کا ایک مکالمہ شیعہ مورخین کی زبان سے مختصراً نقل کرتے ہیں:

① جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں مصالحت کر لی اور ''منصب خلافت'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور ان سے اس امر پر بیعت کر لی تو اس وقت حجر بن عدی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو اس فعل پر شرم و ندامت دلائی اور ملامت کرنے لگے اور تقاضا کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس معاملہ میں جنگ و قتال کرنا چاہیے اور مزید کہنے لگے کہ یہ معاملہ آپ نے ایسا کر دیا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے پہلے موت آ جاتی تو بہتر ہوتا۔ اے حسن! آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف ڈال دیا ہے اور ہم حق کو چھوڑ کر باطل میں داخل ہو گئے ہیں جس سے ہم بھاگنا چاہتے تھے۔ آپ کی وجہ سے ہمیں وہ خست اور دناءت نصیب ہے جو ہمارے لائق نہیں تھی۔

((وکان اول من لقی الحسن بن علی فندمه علی ما صنع ودعاه الی ردا الحرب حجر بن عدی۔ فقال له یابن رسول الله لوددت انی مت قبل ما

رأيت اخرجتنا من العدل الى الجور فتركنا الحق الذى كنا عليه ودخلنا فى الباطل الذى كنا نهرب منه واعطينا الدنية من انفسنا وقبلنا الخسيسة التى لم تلق بنا))[1]

اس مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ حجر بن عدی اس صلح کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرتے تھے اور وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس فعل پر ملامت کرتے تھے اور ندامت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے، حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کرلیا ہے۔ حجر بن عدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کے مقابلے میں جنگ وقتال کھڑا کرنے کی دعوت دیتے اور اس پر آمادہ کرتے تھے۔

(۲) اس کے بعد یہ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کا کلام نہایت شاق گزرا اور سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کی بڑی خواہش صلح میں دیکھی ہے اور وہ جنگ کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لیے میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کو مکروہ بات پر برانگیختہ کروں۔ ان حالات میں اپنے ساتھیوں کے قتل وقتال سے بچاؤ کی خاطر میں نے صلح کر لی ہے اور میں نے جنگ وجدال کو ایک وقت تک موقوف کر دیا ہے۔

((فاشتد على الحسن رضي الله عنه كلام حجر، فقال له انى رأيت هوى عظم الناس فى الصلح وكرهوا الحرب، فلم احب ان احملهم على ما يكرهون، فصالحت بقيا على شيعتنا خاصة من القتل، فرأيت دفع هذه الحروب الى يوم ما فان الله كل يوم هو فى شأن))[2]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کے متشددانہ ومتحاربانہ نظریات ناگوار تھے اور ان کی اپنی رائے اس معاملہ میں دوسری تھی یعنی وہ فساد وانتشار کے بجائے قوم میں صلح جوئی اور مصالحت کو پسند فرماتے تھے۔

(۳) سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمودات

شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا مکالمہ اور گفتگو کے بعد حجر بن عدی، عبیدہ بن عمرو کے ہمراہ اپنے مخالفانہ نظریات کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ تم نے عزت دے کر ذلت خرید لی ہے اور تم نے کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کر لیا ہے۔ آج آپ اہل زمانہ کی نافرمانی کر کے ہماری بات تسلیم کیجیے اور اپنے بھائی حسن کو بھی چھوڑیے اور جو کچھ انھوں نے صلح کر رکھی ہے اسے جانے دیجیے۔ میں اہل

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر

[2] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

کوفہ وغیرہ میں سے آپ کے شیعوں اور خیر خواہوں کو جمع کر کے آپ کی خدمت میں لاتا ہوں، مجھے آپ اس معاملہ پر والی بنائیے تاکہ ہم ابن ہند (معاویہ) کے ساتھ تلواروں سے جنگ وقتال کریں۔

((قال فخرج من عنده ودخل على الحسين رضی اللہ عنہ مع عبيدة بن عمرو فقالا ابا عبدالله شريتم الذل بالعز وقبلتم القليل وتركتم الكثير اطعنا اليوم اعصينا الدهر دع الحسن وما رأى من هذا الصلح واجمع اليك شيعتك من اهل الكوفة وغيرها وولنى وصاحبى هذه المقدمة فلا يشعر ابن هند الا ونحن نقارعه بالسيوف))[1]

اس کے جواب میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو کی اس تلخ گفتگو اور قتال پر آمادہ کرنے والے کلام کے جواب میں فرمایا: ہم امیر معاویہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اور اس پر بیعت کر چکے ہیں، اب اس بیعت کے توڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

((فقال الحسين انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا))[2]

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اہل اسلام میں مصالحت ہو چکی ہے، اب اس معاہدہ صلح کی عہد شکنی کر کے پھر قتال بین المسلمین زندہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا، اب ہم سے معاہدہ کا خلاف نہیں ہوسکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ (ظلماً قتل) پر پہلے مشہور مورخین طبری، ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے بیانات ہم نے پیش کیے ہیں ان میں اس گروہ کے نظریات اور جارحانہ اقدامات واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ اس جماعت کے سرگروہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق تھے۔ ان لوگوں کی تمام مساعی افتراقی نوعیت کی تھیں اور حرب وقتال کھڑا کرنے میں پیش پیش تھے۔

پھر اس کے بعد ہم نے شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات درج کیے ہیں جن سے اصل مسئلے کی تائید مطلوب ہے۔ اور شیعہ کے مندرجات سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن اکابر علوی حضرات کا یہ خانگی مسئلہ تھا (حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما) ان کے فرمودات ونظریات حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کی جارحانہ رائے کے بالکل برعکس پائے جاتے تھے۔

ان تمام امور پر نظر کر لینے کے بعد یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ان لوگوں کے قتل کا اقدام کیا ہے وہ حسب قواعد شرعی پوری شہادتیں حاصل کرنے اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد کیا

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

[2] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۰۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر۔

ہے، یہ خلاف شرع نہیں کیا اور نہ ظلماً ہی قتل کیا ہے بلکہ اس کے لیے شرعی جواز کے اسباب وعوامل موجود تھے۔ یہ لوگ خلیفہ وقت کی نظروں میں فساد فی الارض کی سعی کر رہے تھے اور اہل اسلام کے مرکزی وفاق اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ چیزیں بغاوت کے حدود میں آتی ہیں جن کے فرو کرنے میں خلیفۃ المسلمین بااختیار ہے۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ

مورخین نے لکھا ہے کہ مرج عذرا کے مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے چند ساتھیوں کو وجوہ قتل ثابت ہونے پر قتل کروا دیا تھا۔ حجر بن عدی کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن تھے جو اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے۔ یہ دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے سخت خلاف تھے اور ان کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف بغاوت کی شورش برپا کیے ہوئے تھے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس بغاوت کی بنا پر ان دونوں بھائیوں کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی مصعب بن زبیر نے قتل کر دیا تھا۔

((حجر بن عدی...... فقتله معاوية بمرج عذراء مع عدة وكان له ابنان متشيعان يعالى لها عبدالله و عبدالرحمن قتلهما مصعب بن زبير صبرا))

مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے خلافت بغاوت کرنے والوں کو ان کی شورش کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ حجر بن عدی کا قتل جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا تھا وہ ان دونوں بھائیوں کے قتل کے مشابہ ہے۔ اسلامی مملکت کی حفاظت کی خاطر اس نوع کے قتل تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو خلیفہ وقت کے خلاف متشددانہ مساعی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل کی سزا کا حکم صادر کیا گیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ شفقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کی سزا معاف کرنے کے لیے قاصد بھیجا۔ لیکن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان لے کر قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچا تو حجر بن عدی اور اس کے کچھ ساتھی پہلے ہی قتل ہو چکے تھے لہٰذا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی رعایت نہ کی جاسکی۔ البدایہ میں ہے کہ

((وجاء رسول عائشة بعد ما فرغ من شأنهم))[1]

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات واقعہ ہذا)
تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بحث معاویہ العمال الی الامصار طبع بیروت

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا ذکر آیا۔

اس مقام پر مورخین نے متعدد روایات اس گفتگو کے متعلق ذکر کی ہیں:

① بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کے سلسلے میں بطور شکوہ گفتگو کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

((لست انا قتلتهم انما قتلهم من شهد عليهم))[1]

''یعنی میں نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہے انھوں نے قتل کیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے قتل کا باعث اصل میں وہ شہادتیں ہیں جو ان کے خلاف حسب قاعدہ قائم ہوئیں اور ان کی بنا پر یہ نتیجہ مترتب ہوا۔

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ

((قالت له اقتلت حجرا فقال وجدت فى قتله صلاح الناس وخفت من فسادهم))[2]

''یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کیا آپ نے حجر کو قتل کر دیا؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے قتل میں لوگوں کی بھلائی اور بہتری تھی، میں نے ان لوگوں کے شر و فساد سے خوف کھایا (اس وجہ سے یہ اقدام کیا گیا)۔''

③ اسی طرح ایک دیگر روایت اس طرح ہے کہ

((فلما حج معاوية (رضی اللہ عنہ) قالت له عائشة رضی اللہ عنہا: اين غاب عنك حلمك حين قتلت حجرا؟ فقال حين غاب عنى مثلك من قومى))[3]

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۶ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ
سیرت حلبیہ ص ۱۹۱ ج ۳ تحت سریۃ الرجیع (حالات خبیبؓ کے آخر میں)

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۷۶ ج ۲ تحت حجر بن عدی، طبع اول مصر
دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۱ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۵ ج ۸ تحت واقعہ ہذا، سنہ ۵۱ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۵۱ھ
تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بعث معاویہ العمال الی الامصار

"یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجر کے قتل کے موقع پر اے معاویہ! آپ کا حلم و بردباری کہاں غائب ہوگئی؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ قوم میں سے جب جناب جیسی (خیر خواہ) شخصیت میرے پاس موجود نہ تھی تو اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا۔"

(۴) نیز اس مقام پر یہ چیز بھی اہل روایات ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجر بن عدی وغیرہ کے قتل سے متعلق گفتگو ہوئی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اہل عذراء کے قتل کا ذکر کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے امت کی اصلاح ان لوگوں کے قتل میں دیکھی اور ان کی بقا میں امت کا فساد معلوم کیا، اس بنا پر یہ معاملہ پیش آیا۔

تنبیہ

مذکورہ بالا روایت کے بعض مقامات پر مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ پایا جاتا ہے:

((فقالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سيقتل بعذراء ناس بغضب الله لهم واهل السماء))[۱]

"یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے عنقریب عذرا کے مقام پر بعض لوگ قتل کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان والے ان کی وجہ سے غضبناک ہوں گے۔"

ناظرین کرام اس اضافہ کے متعلق یاد رکھیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ هذا اسناد ضعيف منقطع۔[۲] یعنی یہ روایت راویوں کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ یہ اضافہ کئی مقامات پر دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام متنبہ رہیں کہ اصل روایت میں راویوں نے یہ جملہ الحاق کر کے اضافہ کر دیا ہے تا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید تقبیح پائی جائے اور تنفر قائم رہ سکے۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض مندرجہ روایت کو علیٰ سبیل التنزل درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے فعل پر برملا معذرت کر دی تھی اور آں موصوفہ نے ان کی اس معذرت کو قبول فرما لیا تھا۔

((وفی روایة...... فلم یزل یعتذر حتی عذرته۔ وفی روایة فلما اعتذر الیها

---

۱ المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۲۰-۳۲۱ ج ۳ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (بحث ہذا)

عذرته))[1]

یہاں سے واضح ہے کہ اس طریقہ سے ان دونوں حضرات کا باہمی رنج و ملال ختم ہو گیا تھا اور یہ باہم کشیدہ خاطر نہیں رہے تھے۔

درایت کے اعتبار سے

کلام مذکور باعتبار روایت کے ذکر ہوا ہے۔ ذیل میں باعتبار درایت یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر اہل عذرا کے قتل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل سماء ناراض ہیں (جیسا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بالا میں مذکور ہے) تو پھر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہل عذراء کے قاتلین (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام) کے ساتھ روابط اور مراسم کیسے جاری رکھے؟ جب کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مغضوب تھے اور ظالم تھے اور حق سے تجاوز کرنے والے تھے۔

حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے تعلقات کے متعلق مستقل عنوان قائم کیے گئے ہیں اس کے تحت وہ مراسم مذکور ہیں۔ ہم بھی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس عنوان کو اسی تصنیف میں اپنے موقع پر ذکر کریں گے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال کے بعد بھی ان سے تعلقات منقطع نہیں کیے اور بدستور سابق روابط قائم رکھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے وظائف وغیرہ جاری رہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تازیست یہ وظائف وصول فرماتی رہیں۔ مزید تفصیلات اپنے موقع پر درج ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطور شکوہ کلام فرمایا اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا لیکن اس قتل کو شرعاً ناجائز اور ظلم قرار نہیں دیا۔ یعنی ان کی خواہش تھی کہ حلم و بردباری کا برتاؤ کرتے ہوئے اہل عذرا کو معاف کر دیا جائے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انھوں نے امت میں ایک بہت بڑے قتال کھڑے ہونے سے قوم کو بچانا ضروری سمجھا اور فساد کی بیخ کنی کرنے کو لازم جانا، اس بنا پر درگزر نہیں کیا۔

ایک شبہ کا ازالہ برائے قول حسن بصری تابعی رحمہ اللہ

اس مقام پر طعن کرنے والے احباب کی طرف سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چند چیزوں کی بنا پر عیب لگایا ہے، ان میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ وقتله حجرا ویلا له من

[1] البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ ھ (بحث ہذا)

حجر واصحاب حجر مرتین۔[1]

تو اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ذیل میں بعض چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان پر توجہ فرمائیں:

① گزارش یہ ہے کہ یہ روایت جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا راوی ابومخنف (لوط بن یحییٰ) ہے اور لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور رافضی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ درجے کے مخالفین ومعاندین میں سے ہے۔ فافہم

چنانچہ ابومخنف نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منسوب اس قول کو خود تصنیف کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اربع خصال'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان خصال میں سے ایک حجر بن عدی کا قتل ہے۔ فلہٰذا حسن بصری رحمہ اللہ سے منسوب روایت جس میں چار خصال کا بطور طعن ذکر کیا گیا ہے یہ قابل قبول نہیں۔

ابومخنف لوط بن یحییٰ کے متعلق کتب رجال میزان الاعتدال (ذہبی) ولسان المیزان (ابن حجر) وغیرہ میں نقد و جرح موجود ہے ملاحظہ فرمائیں) اور کتاب مسئلہ اقربا نوازی وغیرہ میں ہم نے قبل ازیں یہ جرح درج کر دی ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو قتال وحروب واقع ہوئے ہیں ان کے حق میں خود حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف سے امت کو نصائح موجود ہیں کہ ''ان حضرات کے ساتھ ہماری عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کف لسان کریں اور عیب جوئی ونکتہ چینی سے زبان کو روک کر رکھیں۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی یہ نصیحت بالفاظ ذیل مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد ﷺ وغبنا، وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا))[2]

''یعنی جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین قتال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب ان واقعات میں خود حاضر اور شاہد تھے جب کہ ہم غائب تھے۔ انھیں ان واقعات کا براہ راست علم تھا اور ہم اصل حالات سے ناواقف ہیں۔ جن چیزوں پر ان کا اجماع ہوا ہم نے ان کی اتباع کی، اور جن امور میں ان کا اختلاف ہوا ہم ان میں متوقف ہیں (یعنی کف لسان کیے ہوئے ہیں)۔''

③ نیز اسی طرح ایک دیگر چیز حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذہن نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی دینی عظمت کے قائل تھے۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۷ ج ۶ طبع قدیم تحت سنہ ۵۱ھ

[2] تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت آیات سورۃ الحجرات

وہ اس طرح ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معاویہ اور ان کی جماعت دوزخ میں جائے گی۔ یہ بات سن کر حسن بصری رحمہ اللہ نہایت برافروختہ ہو کر کہنے لگے کہ ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہو، ان کو کس شخص نے بتلا دیا کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ یعنی اس چیز کا علم انھیں کیسے ہو گیا اور کس طرح یہ فیصلہ انھوں نے کر لیا؟

((حدثنا قتادة عن الحسن قالت قلت یا ابا سعید! ان ناسا یشھدون علی معاویة وذویه انھم فی النار فقال لعنھم الله وما یدریھم انھم فی النار))[1]

حسن بصری رحمہ اللہ کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف رجحانات نہیں رکھتے تھے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کے روادار نہیں تھے۔ پس مذکورہ روایت جس میں اربعہ خصال کا طعن مذکور ہے وہ روایت حضرت حسن رحمہ اللہ کے دیگر واقعات اور بیانات کے خلاف پائی جاتی ہے، اس لیے اس کو صحیح نہیں سمجھا جا سکتا، حقیقت میں وہ ان کی طرف منسوب کی گئی ہے اور ان کا کلام نہیں ہے بلکہ بعض معاندین صحابہ نے ان کی طرف انتساب کر دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قول پر روایتاً اور درایتاً کلام کر دیا گیا ہے انصاف کے ساتھ اس پر غور فرماویں اور جو حق بات ہو اس کو قبول کریں۔

---

[1] مخطوطہ تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

عمرو بن حمق کا قتل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ طعن مشہور ہے کہ جس طرح انھوں نے دیگر لوگوں کو قتل کرایا اسی طرح عمرو بن حمق خزاعی کو بھی بلا جواز شرعی قتل کرا دیا تھا۔ ان کا سر کاٹ کر گشت کرایا گیا اور پھر اسے لا کر ان کی زوجہ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ کسی کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طریق کار شرعاً صحیح نہیں ہے اور یہ جاہلیت کے دور کے طریقے ہیں۔

ازالہ

اس طعن کے ازالہ سے متعلق چند چیزیں قابل ذکر ہیں جنھیں معلوم کر لینے کے بعد مسئلہ کی صحیح صورت حال سامنے آ سکتی ہے۔

① عمرو بن حمق خزاعی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صحابی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

② مورخین نے یہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اس عمر میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اس پہلو سے ان کا شمار مخالفین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے۔

③ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے۔ ہم نے حجر بن عدی سے متعلق واقعات میں بھی ان کا ذکر مختصراً دے دیا ہے۔

④ زیاد بن ابیہ کے دور میں زیاد کے ساتھ ان کی مخالفتیں بڑے واضح طور پر مورخین نے ذکر کی ہیں۔ خلیفہ اسلام کے خلاف ان کی یہ شورشیں ہی ان کے مواخذے کا باعث بنیں۔ ابومخنف کی روایت اصابہ میں طبری سے بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے:

((وذكر طبری عن ابی مخنف انه كان من اعوان حجر بن عدی فلما قبض زياد على حجر بن عدی وارسله مع اصحابه الى الشام هرب عمرو بن

حمق))[۱]

''یعنی طبری نے ابو مخنف کے ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن حمق حجر بن عدی کے معاونین میں سے تھے۔ جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر کے اس کے ساتھیوں سمیت ان کو شام کی طرف بھیجا تو عمرو بن حمق فرار ہوگئے (اور موصل کے علاقے کی طرف نکل گئے)۔''

④ عمرو بن حمق کے متعلق علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی تھی:

((وکان فی من سار الی عثمان واعان علی قتله))[۲]

اور بعض لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ

((ومع هذا کان احد الاربعة الذین دخلوا علی عثمان...... وکان من جملة من اعان حجر بن عدی))[۳]

''یعنی عمرو بن حمق ان چار افراد میں سے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے داخل ہوئے اور ان کے قتل پر اعانت کی۔''

مندرجہ بالا اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حمق اس شورش میں شریک تھے اور ان لوگوں کو ان کا تعاون حاصل تھا لیکن وہ قتل عثمانؓ میں شریک نہیں ہوئے۔ جیسا کہ محمد بن ابی بکر شورش اٹھانے والوں کے ساتھ تھے لیکن قتل عثمانؓ میں شریک نہ تھے۔

⑤ پھر اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ حجر بن عدی جب گرفتار کیے گئے تو ان کے ساتھیوں میں سے یہ عمرو بن حمق فرار ہو کر موصل کی طرف چلے گئے تھے۔ زیاد نے موصل کے عامل (عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی) کی طرف لکھا کہ عمرو بن حمق کو تلاش کر کے گرفتار کیا جائے۔ اس مقام پر اہل تاریخ کے دو قول پائے جاتے ہیں۔

اس باب میں بعض لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو صحیح نہیں ہے کہ امیر موصل نے ان کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق احکامات حاصل کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ

---

۱ اصابہ (ابن حجر) ص ۵۲۶ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۸ تحت عمرو بن حمق
تاریخ ابن خلدون ص ۲۴ ج ۳ تحت احوال زیاد و حجر بن عدی، طبع بیروت

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۶ تحت عمرو بن حمق

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ ھ

انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نو نیزے لگائے تھے اس لیے انھیں بھی نو نیزے لگائے جائیں، اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ چنانچہ حاکم موصل نے اس حکم کی تعمیل میں عمرو بن حمق کو نیزے لگوائے مگر آپ دوسرے نیزے کے لگتے ہی فوت ہوگئے۔

((فکتب فیه الی معاویة فکتب الیه معاویة انه زعم انه طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص ونحن لا نعتدی علیه فاطعنه کذالك ففعل به ذالك فمات فی الثانیة))[1]

دیگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہوکر علاقہ موصل کے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ وہاں انھیں ایک بڑے سانپ نے ڈس لیا اور وہ وہاں اسی سے فوت ہوگئے۔''

یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قلت هذا اصح مما مر))[2]

''یعنی یہ بات کہ عمرو بن حمق کی موت سانپ کے ڈسنے سے ہوئی وہ قتل نہیں کیے گئے، زیادہ صحیح ہے۔''

اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب الثقات میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے کہ

((هرب الی الموصل فدخل غارا فنهشته حیة فقتله وبعث الی الغار فی طلبه فوجدوه میتا))[3]

اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں علامہ ذہبی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

((فهرب الی الموصل فبعث معاویة الی نائبها فوجدوه قد اختفی فی غار فنهشة حیة فمات))

ان الفاظ کے بعد البدایہ میں ہے کہ

((فقطع رأسه فبعث به الی معاویة))[4]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں ان کی وفات کے لیے دو صورتیں منقول ہیں: یا تو موصل کے والی کے حکم سے سابقہ عوامل و اسباب (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شرکت اور حجر بن عدی کی شورشوں

---

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۴۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ ھ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ج ۲ ص ۲۳۵ تحت عمرو بن حمق

۳ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۲۷۵ ج ۳ تحت عمرو بن حمق

۴ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ ھ

میں شمول) کی بنا پر قتل کیے گئے، یا ان کو غار میں مختفی (پوشیدہ) ہونے کی صورت میں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہوگئی۔ پھر ان کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔

⑥ ان کی وفات کی تاریخ بھی مورخین نے دو طرح ذکر کی ہے: بعض کے نزدیک ان کی وفات ۵۰ھ میں ہے، اور بعض ان کی وفات ۵۱ھ میں ذکر کرتے ہیں۔

ایک تشریح

سطور بالا میں عمرو بن حمق کی وفات کی جو صورتیں مورخین نے ذکر کی ہیں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک صورت مورخین نے یہ لکھی ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک سانپ نے انھیں ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

بعض مقامات پر مزید لکھا ہے کہ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر حاکم موصل کے حکم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔ معترضین اور طعن کنندگان نے عمرو بن حمق کے سر کو گشت کرانے کی بڑی تشہیر کی ہے اور اسے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے ایک طعن پیدا کیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر جب زیاد نے حاکم موصل کو عمرو بن حمق کو گرفتار کرنے کے لیے لکھا تو حاکم موصل نے چند افراد ان کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے جنھوں نے انھیں غار میں مردہ پایا۔ ان افراد نے حاکم موصل کی تسلی اور حکم کی تعمیل کے بین ثبوت کے لیے ان کا سر کاٹ کر پیش کیا، پھر حاکم موصل نے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ سر شام بھیج دیا۔

((وذالك انه لدغ فمات فخشيت الرسل ان تتهم به فقطعوا رأسه فحملوه))[1]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

((قلت هذا أصح مما مر))

''اس کا حاصل یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہونے کی روایت ان کے قتل کیے جانے کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔''

پھر یہ بھی ہے کہ ان کے کارندوں نے اپنی کارگزاری کو ظاہر کرنے کے لیے جو قطع راس کیا اور اسے حکام بالا کی طرف روانہ کیا، یہ ان کارندوں کا اپنا عمل اور اپنی تدبیر ہے اور یہ بات بہ نسبت دوسرے امور کے زیادہ صحیح ہے۔

---

[1] المعرفہ والتاریخ (یعقوب ابن سفیان بسوی) ص ۸۱۳ ج ۲

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق

مختصر یہ ہے کہ عمرو بن حمق کا قتل اور پھر ان کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طعن جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا ہے صحیح نہیں، یہ صرف ان کارندوں کا ذاتی عمل تھا، جسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔اس کی حقیقت یہی کچھ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قطع راس کا کوئی حکم نہیں دیا۔قطع راس کا فعل دیگر ولاۃ اور حکام نے اپنی کارگزاری کا ثبوت پیش کرنے کے لیے از خود کیا تھا۔ کٹے ہوئے سر کا گشت کرانا، پھر اسے ان کی زوجہ کی گود میں لا ڈالنا وغیرہ وغیرہ رواۃ کی طرف سے اس واقعہ میں اضافہ جات ہیں جو داستان کو وحشت ناک اور رقت انگیز بنانے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر عمرو بن حمق قتل ہوئے تو ان کے قتل کے اسباب وعوامل (بغاوت کے) موجود تھے اور اگر سانپ کے کاٹنے سے ان کی موت واقع ہوئی ہے تو سر کاٹنے کا حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہی نہیں تھا، یہ تو حکام کا ذاتی فعل تھا جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً ان کی سرزنش کی ہوگی جو عام مورخین نے ذکر نہیں کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ لا یلزم من عدم ذکر الشی عدم الشی۔فلہٰذا اس تنبیہ کا غیر مذکور ہونا اس کے انکار کی دلیل نہیں۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ و حکام سے اس موقع پر کوئی گرفت نہیں کی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت کو بعض حالات کے تحت ایسے جرائم کو معاف کرنے کا حق نہیں؟ اس نوع کے واقعات کا وقوع تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی مورخین نے ذکر کیا ہے جس میں ان کے حکام کی زیادتیوں اور تجاوزات پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی گرفت اور سرزنش کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

مثلاً جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک دستہ فوج دے کر بسر بن ارطاۃ سے معارضہ کے لیے نجران بھیجا تو اس نے وہاں نجران والوں کو سخت سزائیں دیں حتیٰ کہ ان کے قریہ کو جلا ڈالا اور حامیان عثمان کو قتل کر دیا:

((فسار جارية (بن قدامة) حتى بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شيعة عثمان وهرب بسر وأصحابه فاتبعهم حتى بلغ مكة))[1]

اس طرح کے واقعات جانبین کے متعلق تاریخوں میں دستیاب ہوتے ہیں تاہم ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) پر ہماری طرف سے اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ بطور حاکم انھیں

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

مواخذہ کرنے اور درگزر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی کارکن جاریہ بن قدامہ کی چند ایک زیادتیوں کے اجمالی حالات قبل ازیں ہم نے اپنی تالیف (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں بعنوان ''بعض انتظامی امور'' کے ذکر کردیے ہیں وہاں رجوع فرمالیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بھی ان ناروا و ناجائز کارروائیوں کے متعلق کوئی سزا یا کوئی سرزنش اہل تاریخ نہیں نقل کرتے۔ واللہ اعلم کیا حالات پیش آئے؟ کیا صورت احوال تھی؟ ناقلین نے واقعات کو کس رنگ میں نقل کیا؟ مختصر یہ ہے کہ تاریخی ''ملغوبات'' کے ذریعہ سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراضات وارد کرنا ہمارے لیے کسی طرح درست نہیں۔ ایسے مراحل میں ہمیں فرمان نبوی فراموش نہیں کرنا چاہیے:

((اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا))

قطع ایدی (یعنی ہاتھ کاٹنے) کا طعن اور اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن میں ایک خاص طعن یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ پر زیاد بن ابیہ کو حاکم اور والی مقرر کیا تو زیاد نے اہل اسلام پر بے دریغ ظلم کیا اور ان کے لیے کئی مشکلات اور مصائب پیدا کر دیے چنانچہ طبری نے ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ مسجد کوفہ میں زیاد نے ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے تو زیاد نے جوابی کارروائی کے طور پر مسجد کے دروازے بند کروا دیے اور جن لوگوں (بعض کہتے ہیں کہ وہ تیس آدمی تھے اور بعض کے قول کے مطابق وہ اسّی آدمی تھے) نے کنکر پھینکے تھے، ان کو گرفتار کروالیا اور پھر سزا کے طور پر ان کے موقع پر ہی ہاتھ کٹوا دیے۔

((وأمرهم فأخذوا ابواب المسجد ثم قال ثم أمر بكرسى فوضع على باب المسجد فدعاهم اربعة اربعة يحلفون بالله ما منا من حصبك فمن حلف خلاه من لم يحلف حبسه وعزله حتى صار الى ثلاثين ويقال بل كانوا ثمانين فقطع أيديهم على المكان))[1]

اتنے بڑے ظالمانہ واقعہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حاکم زیاد پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور کم از کم اس کو معزول تک نہیں کیا۔ یہ ظلم بالائے ظلم ہے۔

جواب

برائے جواب مندرجہ ذیل امور پر نظر فرمائیں، امید ہے اطمینان کا باعث ہو سکے گا:

① ابن جریر طبری نے ہاتھ کاٹنے کا واقعہ ۵۰ھ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔ طبری کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ یہ ایک غیر ناقد مورخ ہے اور رطب و یابس، ضعیف وقوی، صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات کو بغیر نقد کے جمع کر دیتا ہے۔ گویا کہ نقد وتنقید کا کام اس نے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

نیز جس واقعہ کے متعلق دیگر مورخین اور قدیم مورخین کی طرف سے تائید یا موافقت نہیں پائی جاتی اس

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۳۱ ج ۶ تحت سنہ ۵۰ھ (ذکر ما کان فیہا من الاحداث)

میں صرف طبری کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اور یہاں اس واقعہ میں اسی طرح کی صورت حال پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم آیندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

(۲) اس مقام پر طبری کا شیخ عمر درج ہے اور اس کا شیخ علی مذکور ہے اور علی کا شیخ مسلمہ بن محارب ہے و واقعہ کا ناقل ہے۔ عمر سے معلوم نہیں کہ کون شخص مراد ہے؟ اسی طرح علی سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟ پھر علی اور مسلمہ کے درمیان لفظ ''عن'' ہے جس میں انقطاع کی گنجائش ہے۔

ایک طالب تحقیق اگر کوشش کر کے سیاق وسباق پر نظر ڈالے تو عمر سے عمر بن شبہ بنا سکتا ہے مگر عمر بن شبہ نامی متعدد اشخاص ہیں، یہاں پھر تعیین درکار ہے کہ یہاں عمر بن شبہ نامی کون شخص مراد ہے؟

اسی طرح علی کے متعلق جستجو کر کے قاری سیاق وسباق کے اعتبار سے علی بن محمد کہہ سکے گا۔ یہاں پھر علی بن محمد بے شمار رواۃ کے اسماء ہیں پھر اس کی تعیین کہ یہاں کون علی بن محمد مراد ہے، یہ بھی ایک مستقل مرحلہ ہے جو ناظرین کے لیے خاصے اشکال واشتباہ کا موجب ہے۔

اس کے بعد علی نے واقعہ ہذا کو مسلمہ بن محارب سے لفظ ''عن'' کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں انقطاع کا احتمال ہے۔ جس کو رفع کرنا اور اتصال ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کوئی ماہر فن ہی اس کی عقدہ کشائی کر سکے گا۔

اس واقعہ کو ایسی سند کے ساتھ مورخ طبری نے نقل کیا ہے جس کو صاف کرنا قاری کے لیے اچھا خاصا پریشان کن مرحلہ ہے دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ اگر ان رواۃ کی اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا کوئی متابع اور شاہد ان کے اپنے دور میں دستیاب نہیں ہوتا جو توثیق کا موجب بن سکے۔ فلہٰذا یہ اسناد اپنے واقعہ سمیت قابل قبول ہونے سے زیادہ قابل اشکال اور لائق اشتباہ ہے۔

(۳) اسناد کی تحقیق سے اگر صرف نظر کر لی جائے تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ قطع ایدی کا مذکورہ واقعہ اولاً طبری نے ذکر کیا ہے اور پھر طبری سے نقل کرنے والے مورخین مثلاً ابن اثیر جزری وغیرہ نے طبری سے ہی نقل کیا ہے۔ ہماری ناقص جستجو کے مطابق دیگر قدیم مورخین اس مقام پر زیاد بن ابیہ کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہ کے مناقشات ذکر کرتے ہیں لیکن زیاد کی طرف سے قطع ایدی کے واقعے کو نقل نہیں کرتے۔[1] حالانکہ اس

---

[1] مندرجہ ذیل قدیم مورخین اور متاخرین نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے واقعہ کو نہیں نقل کیا مثلاً:

(۱) خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۰ھ نے اپنی تاریخ میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۲) یعقوب بن سفیان بسوی رحمہ اللہ المتوفی ۲۷۰-۲۷۱ھ نے المعرفہ والتاریخ میں (۵۰ھ کے تحت)

(۳) علامہ ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ نے تاریخ اسلام میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۴) ابن خلدون رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۹ھ نے اپنی تاریخ میں (اس موقع کے واقعات کے تحت)

(۵) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴-۷۷۵ھ نے البدایہ والنہایہ میں (اس مقام کے واقعات کے تحت)

حاصل یہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ ان مورخین نے نہیں بیان کیا حالانکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت سنگین صورت کا حامل ہے۔

واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے مورخین کو قطع ایدی کے اس واقعہ کو ذکر کرنا ایک ضروری امر تھا تا کہ زیاد کی زیادتیاں اور ظلم لوگوں پر واضح ہو سکیں۔

اسی طرح شیعہ کے قدماء مورخین مثلاً ابو حنیفہ دینوری نے اخبار الطّوال میں احوال زیاد کے تحت، یعقوبی نے اپنی تصنیف تاریخ یعقوبی جلد ثانی کے تحت، مسعودی نے مروج الذہب جلد ثالث ایام معاویہ کے تحت وغیرہ نے بھی اس مقام پر زیاد کے واقعات کے تحت ''قطع ایدی'' کا واقعہ درج نہیں کیا حالانکہ یہ لوگ طعن کی چیزوں کو ذکر کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرتے بلکہ طعن کو بنا سجا کر ثابت کرنا تو ان کا فرض منصبی ہے۔ فلہٰذا یہ بھی اس چیز پر قوی قرینہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تاریخ طبری میں متفردانہ حیثیت رکھتا ہے اور طبری اس قسم کے کئی واقعات درج کرنے میں مشہور ہے۔

④ دیگر بات یہ ہے کہ اسّی یا کم از کم تیس آدمیوں کے ہاتھوں کا کٹوا دیا جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو ایک ملک میں خاموشی سے برداشت کر لیا جاتا اور خاص کر کوفہ اور اس کے ملحقہ قبائل اس پر کوئی شورش نہ کھڑی کر دیتے اور اس کے برخلاف آواز تک نہ اٹھاتے۔ یہ چیز بھی واقعہ کے بے اصل ہونے کا قرینہ ہے۔

⑤ یہ واقعہ بقول ابن جریر ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس دور تک بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ موجود تھے مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، قیس بن سعد بن عبادہ، سعد بن ابی وقاص، حکیم بن حزام، ابو ایوب انصاری، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ام المومنین عائشہ صدیقہ، حسین بن علی، اسامہ بن زید، معقل بن یسار مزنی، عقیل بن ابی طالب، فضالہ بن عبید انصاری، سمرہ بن جندب وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

تو ان حضرات میں سے کسی صاحب نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور واقعہ پر نکیر نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بعض لوگوں مثلاً حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اکابرین کی طرف سے اعتراض کیا جانا تاریخ میں دستیاب ہوتا ہے۔ فلہٰذا اس دور کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین کی طرف سے واقعہ مذکورہ پر نقد و نکیر کا نہ ذکر کیا جانا بھی ایک مستقل قرینہ ہے کہ قطع ایدی (یعنی ہاتھوں کو کاٹنے کا واقعہ) بے اصل ہے اور اس وقت ایسا کوئی سنگین معاملہ رونما نہیں ہوا۔

⑥ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا یہ واقعہ اگر وقوع پذیر ہوا ہے تو عام عادت کے مطابق اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھی پہنچی ہوگی۔ اور نہیں تو مظلومین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دادرسی کے لیے لازماً درخواست کی ہوگی۔ اور ایک خلیفہ عادل[1] اور شرعی احکام کے متبع امیر المومنین سے ہرگز یہ توقع نہیں

---

[1] سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۶۲۴، ۶۳۴ ج ا، تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور اعمش رحمہ اللہ کا بیان (تالیف مصنف کتاب ہذا)

مسئلہ اقربا نوازی، تالیف مصنف کتاب ہذا، ص ۱۵۴، ۱۵۵ تحت عنوان حضرت سعد و اعمش کی شہادت

کی جاسکتی کہ وہ ایسے ظالمانہ فعل کے پائے جانے پر خاموش رہیں اور معزولی کی سزا یا کم از کم سرزنش کا کوئی حکم صادر نہ فرمائیں حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں تو ان کے متعلق باز پرس یا معزولی ہوتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل واقعات موجود ہیں:

① بصرہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم تھے۔ وہاں اہل بصرہ کی طرف سے فساد کھڑا ہوا اور اس علاقے کی فضا مخالفین کی طرف سے فاسد بننے لگی۔ اس سلسلے میں ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنی نرمی طبع کی وجہ سے کوئی موثر کارروائی نہ کر سکے اور شر و فساد کو دبانے میں ناکام رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ حارث بن عبداللہ ازدی کو والی مقرر فرمایا۔[1]

② نیز اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن غیلان والی بصرہ کی طرف سے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (جس کی تشریح اپنی جگہ پر ذکر ہوگی ان شاء اللہ) تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مظلوم کو بیت المال سے دیت ادا کر دی اور عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو والی مقرر فرمایا۔[2] مگر ہاتھ کاٹنے کے اس واقعہ کے تحت صورت حال یہ ہے کہ ہماری معلومات کی حد تک اس دور کے اکابر مورخین زیاد کے اس ظلم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مواخذے کا ذکر تک نہیں لائے۔ فلہٰذا یہ چیز بھی واقعہ ہذا کے بے اصل ہونے کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔

(۷) نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ زیاد کی طبعی صلاحیت اور جبلی فراست اور تدبیر سیاست کے بھی یہ واقعہ برعکس پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کبار علمائے فن کی طرف سے اس کے حق میں بحث استلحاق زیاد کے تحت تبصرے و تجزیے درج کر دیے ہیں کہ یہ شخص حسن سیاست اور حسن تدبیر میں ضرب المثل تھا اور وافر دانش کا حامل تھا۔ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تو ایک جذباتی قسم کے آدمی اور مغلوب الغضب فطرت والے انسان کا فعل ہوسکتا ہے جسے انجام و نتائج کی کچھ فکر نہ ہو۔ لیکن عواقب و ثمرات پر نظر رکھنے والے مدبر شخص سے ایسے فعل کا سرزد ہونا تدبیر سیاست کے خلاف ہے۔

خارجیوں کے حق میں سخت گیری

البتہ تاریخ کی کتابوں میں زیاد بن ابیہ کے رجحانات کے بارے میں اتنی چیز ملتی ہے کہ وہ ''خوارج''

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۷۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۴ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

کے حق میں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ جیسا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ

((ان زيادا اشتد فى أمر الحرورية بعد قريب وزحاف فقتلهم وامر سمرة (بن جندب) بذالك وكان يستخلفه على البصرة إذا خرج الى الكوفة فقتل سمرة منهم بشرا كثيرا))[1]

''یعنی قریب وزحاف کے بعد حروریہ (خوارج) کے معاملے میں زیاد بہت سخت گیر تھا۔ اس نے خوارج کو قتل کیا اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا حکم تھا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی کثیر خوارج کو قتل کیا۔''

یہ بات واضح ہے کہ حروریہ اور خوارج جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان غنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں بھی شدید ترین عناد اور کینہ رکھتے تھے۔ چنانچہ زیاد بن ابیہ کے متعلق تشدد وسخت گیری کی جو کارروائیاں لوگ ذکر کرتے ہیں وہ عام طور پر حروریہ اور خوارج کے فرقوں کے متعلق ہیں۔ ان لوگوں کی جماعتی قوت توڑنے کے لیے زیاد نے اپنے حلقہ اثر میں سرتوڑ کوشش جاری رکھی۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی کارگزاری انتظامی معاملات میں مصلحت پر مبنی تھی۔ جس طرح وہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے والوں سے سختی سے پیش آتا تھا اسی طرح وہ خوارج کے ساتھ بھی سخت گیری کا معاملہ کرتا تھا۔ لیکن ہاتھ کاٹنے کا واقعہ زیاد کی تدبیر حکمرانی کے برعکس ہے۔ ایسے امور سے رعایا حکام سے متنفر ہوتی ہے۔

ان امور پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درست نہیں۔

⑧ اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جو اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زیاد بن ابیہ سے ہاتھ کاٹنے کا وقوع بعید از قیاس ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زیاد نے بصرہ کی سابقہ مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کی پختہ عمارت تعمیر کرائی، ساگوان کی لکڑی سے مسجد کی چھت کو مسقّف کیا اور دارالامارۃ کو سابقہ جگہ سے منتقل کر کے مسجد سے ملحق اس طرح تعمیر کرایا کہ حاکم وقت مسجد کے محراب میں قبلہ کی طرف سے آسانی کے ساتھ امامت کے لیے داخل ہو سکے۔ اور اس تبدیلی مکان کی وجہ یہ بیان کی کہ:

((قال لا ينبغى لإمام ان يتخطى الناس فحول دارالإمارة من الدهناء الى قبلة

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۳۳ ج ۶ تحت سنہ ۵۰ھ

المسجد فکان الإمام یخرج من الدار فی الباب الذی فی حائطة القبلة))[1]

''یعنی امام اور حاکم وقت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر سے قدم پھلانگ کر گزرے۔ پس دارالامارۃ کو سابقہ مقام سے منتقل کر کے مسجد کے قبلہ کی طرف قائم کیا تا کہ امام اپنے مکان سے خارج ہو کر مسجد کی محراب میں آسانی سے داخل ہو سکے۔''

یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ایک شرعی مسئلہ ''نهی عن تخطی رقاب الناس'' کی رعایت کرتے ہوئے دارالامارۃ کو منتقل کر دیا اور ایذاء المسلمین سے اجتناب کی تدبیر اختیار کی۔

ایک ایسا شخص جو ''تخطی رکاب الناس'' سے اجتناب کرتا ہے وہ اتنے کثیر مسلمانوں کی بلا وجہ ایذا رسانی کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟

مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی ہاتھ کاٹنے کے واقعہ کے بے اصل ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

واقعہ ''قطع ایدی'' کے متعلقہ چند اشیاء ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی ہیں اور ساتھ ہی واقعے کے بے اصل ہونے پر چند قرائن ذکر کر دیے ہیں تا کہ قارئین کو اس پر غور کرنے اور صحیح صورت حال سے آگاہی کا موقع میسر آئے اور وہ خود ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا قرائن کی روشنی میں یہ واقعہ بے اصل نظر آتا ہے نیز اس کے حق میں شواہد و متابع نہیں پائے جاتے جو اس کی صحت کے لیے موید ثابت ہوں۔ واقعہ کو صرف طبری کا مذکور اسناد کے ساتھ درج کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے اور اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا صحیح نہیں ہے۔ جن لوگوں نے طبری کی روایت پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کیا ہے انھوں نے نہایت ناانصافی کی ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۵۵ تحت تمصیر البصرۃ۔

قطع ید کا ایک دوسرا طعن

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ طعن بھی قائم کیا جاتا ہے کہ ان کے حکام شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ و حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور ان سے خلاف شرع فعل سرزد ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ دلیل میں مندرجہ ذیل روایت طعن کرنے والے بطور حوالہ پیش کرتے ہیں:

((خطب عبدالله بن عمرو بن غيلان على منبر البصرة فحصبه رجل من بني ضبة...... فأمر به فقطعت يده))[1]

''یعنی عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک دفعہ بصرہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کنکر دے مارا۔ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔''

جب بنی ضبہ نے یہ معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور استغاثہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر تم چاہو تو دیت ادا کی جاسکتی ہے۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں:

اس طعن کا دارومدار روایت مذکور بالا پر ہے۔ فلہٰذا اس روایت پر پہلے باعتبار سند کے کلام پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد متن روایت کے اعتبار سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی۔

روایت کے اسناد

اصل یہ روایت تاریخ طبری میں ہے اور دیگر مورخین طبری سے ناقل ہیں اور روایت کی سند اس طرح ہے:

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

((حدثنی عمر قال حدثنا ولید بن هشام وعلی بن محمد و اختلفا فی بعض الحدیث قالا خطب عبدالله بن عمرو بن غیلان...... الخ))

روایت ہذا کے اسناد میں عمر سے مراد غالباً عمر بن شبہ ہے عمر بن شبہ کو ولید بن ہشام اور علی بن محمد نے بیان کیا، پھر ان دونوں میں متن روایت کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے۔ پھر یہ دونوں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے خطبہ دیا۔

مطلب یہ ہے کہ ولید اور علی بن محمد نے یہ تمام واقعہ نقل کیا اور ہماری جستجو کے مطابق علی بن محمد سے مراد ابوالحسن علی بن محمد المدائنی ہے جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور اس کی وفات ۲۱۵ھ، ۲۲۴ھ، ۲۲۵ھ علیٰ اختلاف الاقوال اہل تراجم نے ذکر کی ہے۔ جب کہ واقعہ مذکور حسب قول مورخ طبری ۵۵ھ میں پیش آیا تھا۔

فلہٰذا راوی (مدائنی) کی ولادت اور واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کم از کم اسّی سال کا ایک طویل عرصہ ہے۔ اسی طرح ولید بن ہشام، ابوالحسن علی بن محمد کا ہم عصر و ہم زمان ہے اور ۵۵ھ کے اس واقعہ کو نقل کرنے میں علی بن محمد کے ساتھ شریک ہے۔ واقعہ مذکورہ اور ان راویوں کے درمیان عرصہ دراز کا فاصلہ پایا جاتا ہے اس بنا پر یہ روایت اہل علم کی اصطلاح میں منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے جس میں کم از کم دو یا تین راوی پائے جا سکتے ہیں جو سند ہذا میں غیر مذکور ہیں۔ واللہ اعلم وہ کس قسم کے اور کس حیثیت کے افراد تھے اور نظریاتی طور پر وہ کس طبقہ سے وابستہ تھے؟ ایسے انقطاع والی روایت قابل اعتماد واعتبار نہیں اور نہ اس نوع کی روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا درست ہے۔

مفہوم روایت

پھر سند کی بحث سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو متن روایت کی روشنی میں واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو بن غیلان منبر بصرہ پر خطبہ دے رہے تھے۔ قبیلہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کسی بات پر عبداللہ کو کنکر مار دیا تو عبداللہ بن عمرو نے بقول مورخین اس شخص کے قطع ید کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کے بعد بنو ضبہ قبیلہ کے لوگ اس سلسلے میں حاکم مذکور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آدمی نے جنایت اور قصور کیا لیکن آپ نے اس پر سخت سزا دے دی یعنی ہاتھ کٹوا دیا۔ ہم اس بات سے بے خوف نہیں ہیں کہ اس معاملے کی اطلاع امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے گی پھر ان کی جانب سے سزا کا حکم عموماً یا خصوصاً جس صورت میں آئے آ سکتا ہے۔ ان حالات میں اگر امیر وقت مناسب خیال فرمائیں تو ہمیں ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ ایک مشتبہ صورت میں ہاتھ کاٹنے کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا معاملہ واضح نہیں تھا۔

اس نوع کی تحریر عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ دی۔ بنو ضبہ نے

تحریر حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لی۔ سال یا چھ ماہ کے بعد وہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا معاملہ استغاثہ کی صورت میں حاکم بصرہ کے خلاف پیش کیا اور کہا کہ ہمارے ایک شخص کا ہاتھ حاکم عبداللہ نے ظلماً کاٹ دیا ہے اور یہ اس کی اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر ملاحظہ فرمائی اور واقعہ معلوم کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: موجودہ صورت میں عمال سے قصاص کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اپنے ساتھی کے لیے دیت اگر تم چاہو تو ہم ادا کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ہاتھ کی دیت (یعنی عوضانہ) حاصل کرنے کو اختیار کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی (اور اس غلطی کی پاداش میں) اپنے حاکم عبداللہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔

((فاتته بنو ضبة فقالوا ان صاحبنا جنى ما جنى على نفسه وقد بلغ الأمير فى عقوبة ونحن لا نأمن ان يبلغ خبره امير المؤمنين فياتى من قبله عقوبة تخص او تعم فان رأى الامير ان يكتب ان كتابا يخرج به احدنا الى امير المؤمنين يخبره انه قطعه على شبهة وامر لم يضح فكتب لهم بعد ذالك الى معاوية فقالوا يا امير المؤمنين انه قطع صاحبنا ظلما وهذا كتابه اليك وقرأ الكتاب فقال اما القود من عمالى فلا يصح ولا سبيل اليه ولكن ان شئتم وديت صاحبكم قالوا فده فوداه من بيت المال وعزل عبدالله))[1]

مطلب یہ ہے کہ پیش آمدہ صورت ایک مشتبہ صورت تھی اور غیر واضح تھی جسے عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اپنے خط میں تحریری طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ استغاثہ والوں کو قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کا عوضانہ (بطور دیت کے) بیت المال سے دلوایا ہے اور اپنے ماتحت حاکم کو اس غلطی کی بنا پر منصب سے معزولی کی سزا دے دی۔ یہ ایک جائز فیصلہ ہے، اس میں دونوں فریق کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ الزام کہ انھوں نے اپنے والیوں اور حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور خود ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کیے ہوئے تھے، بالکل بے جا اور بے وزن ہے اور قلبی عناد پر مبنی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طعن پیدا کرنے والی اصل روایت اہل فن کے نزدیک جس درجے کی ہے وہ

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ طبع اول مصر
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

ناظرین نے ملاحظہ کر لی ہے کہ واضح الانقطاع ہے۔ اس نوع کی روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا، پھر اس کو صحیح تسلیم کرنا فن کے قواعد کے برعکس ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کینہ ور آدمی ہی اسے باور کر سکتا ہے۔

نیز تاریخی روایات میں جو مواد فراہم کیا جاتا ہے اس کے لیے بڑے مراحل ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ کچھ ہوتا ہے نقل کرنے والے اسے کچھ سے کچھ بنا کر نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ نقل در نقل باعتبار روایت بالمعنی کے چلتی رہتی ہے اور اس کی تعبیریں بدلتی رہتی ہیں۔ آخر کار مولف کتاب اسے اپنی عبارت کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔ ان تمام تغیرات کو پیش نظر رکھ کر واقعات کو جانچنا چاہیے اور مقام صحابہ اور ان کے کردار کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جو چیز ان کی شان دیانت کے موافق ہو اسے قبول کرنا چاہیے اور جو چیزیں ان کی دیانت و امانت کے برعکس ہوں ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا طعن اور مقدام بن معدی کرب والی روایت کا جواب

قارئین کرام پر واضح رہے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا بذریعہ زہر خورانی واقع ہونا بعض مورخین اور مولفین نے ذکر کیا ہے لیکن تمام محدث اور تمام مورخ اس کے وقوع کے قائل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسلم الکل اور متفق علیہ امر نہیں ہے۔ مثلاً تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ بغداد (خطیب) وغیرہ میں زہر خورانی کے واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں پایا گیا۔ پھر جو حضرات اس زہر خورانی کے واقعہ کو ذکر کرنے والے ہیں ان میں بعض ایسے حضرات ہیں (مثلاً حاکم فی المستدرک اور ابن حجر فی الاصابہ) جنھوں نے امام موصوف کو زہر دیا جانا تو ذکر کیا ہے مگر زہر دینے والے کا نام ندارد، نہ ان کی بیوی کی طرف نسبت کی ہے نہ کسی دوسرے شخص کی جانب اس چیز کو منسوب کیا ہے۔

اور بعض مورخ ایسے ہیں جنھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت براہ راست حضرت موصوف کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی کی طرف کی ہے اور کسی شخص کو ساتھ نہیں ملایا (مثلاً ابن اثیر جزری نے التاریخ الکامل میں)، البتہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ زہر خورانی کی نسبت حضرت کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کی طرف کرنے کے بعد "قالت طائفہ" کے الفاظ سے یا ذکر او یقال (یعنی ایک گروہ کہتا ہے یا کہا جاتا ہے) کے لفظوں سے اس بات کو اپنے ہاں درج کرتے ہیں (مثلاً ابن عبدالبر فی الاستیعاب وغیرہ) کہ یہ معاملہ اس عورت نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ کی بنا پر کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نہیں بلکہ یزید بن معاویہ کے کہنے پر اس نے کیا ہے۔

اس معاملے میں انصاف کے ساتھ غور وخوض کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں، ناظرین حضرات توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اس سے یہ طعن صاف ہو جائے گا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مطعون کرنے کا جواب مکمل ملے گا۔

جواب

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حالت دگرگوں ہوگئی تو ان کے بھائی (حضرت حسین

رضی اللہ عنہ) نے دریافت کیا کہ جناب کو کس نے زہر دیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کیوں دریافت کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے دفن سے قبل ہی اللہ کی قسم اس کو قتل کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برادر عزیز! اس بات کو ترک کر دیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہوگا۔ الغرض اس کا نام بیان کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

مطلب یہ ہوا کہ اگر زہر خورانی کا واقعہ درست بھی ہے تو بھی واقعہ میں موجود حضرات اور عینی شاہدوں کو زہر دلانے والے کا علم بالکل نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کسی پر یہ الزام قائم نہ کر سکے اور سزا دینے کی کوئی صورت سامنے نہ آ سکی۔

اس قریب تر دور گزر جانے کے بعد رواۃ پر یہ کس طرح منکشف ہوا کہ زہر دلانے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں؟ اور شام میں یہ سازش تیار کی گئی اور وہاں سے مدینہ میں لا کر اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔ طعن تیار کرنے والوں کے ہاں اس چیز پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ خالص بدگمانی ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا درست نہیں (ان بعض الظن اثم) پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدظنی کرنا تو بالکل جائز نہیں۔

اس مقام پر ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان کی طرف نظر غائر فرمائیں:

① ایک گزارش تو یہ ہے کہ جن مصنفین نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس معاملہ میں کیا ہے انھوں نے بغیر دلیل اور بغیر حجت کے ہی ذکر کر ڈالا ہے اس واقعہ کی خاطر کوئی باسند صحیح روایت انھوں نے ذکر نہیں کی۔ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے مصنفین ایک واقعہ کو (جو ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں گزرا ہے) بلا سند صحیح اور بلا دلیل قوی ذکر کر دیں، اس کو بغیر تحقیق و تفتیش کے تسلیم کر لینا قواعد مسلمہ اور درایت صحیحہ کے برعکس ہے۔

② دوسری عرض یہ ہے کہ زہر خورانی کے معاملے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ دخل نہیں ہے یہ چیز ان کی جانب تاریخی روایات غیر صحیحہ کی بنا پر بعض غالی رواۃ نے نسبت کر دی ہے پھر اس دور کے بعد والے ناقلین نے چشم پوشی کرتے ہوئے نقل در نقل کو اپنی تصنیفات میں جاری رکھا ہے۔ امیر شام موصوف کی اس معاملے میں براءت آج ہم پندرھویں صدی میں بیٹھ کر نہیں پیش کر رہے بلکہ آج سے صدیوں قبل محققین علماء نے اس تراشیدہ الزام کی خوب تردید فرما دی ہے، چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔

ابن تیمیہ حرانی (المتوفی ۷۲۸ھ)، علامہ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ)، ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) اور حافظ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ اکابر علماء کی اس بارے میں جو تصریحات ملتی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت حالات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ۔

ا۔ منہاج السنۃ میں علامہ ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ نے مذکورہ مسئلہ پر بحث کی ہے اس میں سے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں:

((واما قوله ان معاوية سم الحسن فهذا مما ذكره بعض الناس ولم يثبت ذالك ببينة شرعية او إقرار معتبر ولا نقل يجزم به وهذا مما لا يمكن العلم به فالقول به قول بلا علم))[1]

''مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہر دیے جانے کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کیا ہے۔ یہ چیز دلیل شرعیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ کسی اقرار معتبر سے اور نہ کسی نقل یقینی سے ثابت ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جس کے ساتھ یقین کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ پس ایسی بات کو تسلیم کر لینا تو ایک چیز کے ساتھ بلا دلیل یقین کرنا ہوگا اور یہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔''

۲۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ

((وعندی ان هذا ليس بصحيح وعدم صحة عن ابيه معاوية بطريق الاولى والاخرى))[2]

''یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ (یزید کا امام حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو زہر خورانی کے متعلق کہلا بھیجنا) میرے نزدیک تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔''

۳۔ اور مورخ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ ابن خلدون جلد دوم میں بالتصریح لکھا ہے کہ:

((وما ينقل ان معاوية رس اليه السم مع زوجته جعدة بنت اشعث بن قيس فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذالك))[3]

''یعنی یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے پوشیدہ طور پر جعدہ بنت اشعث کے واسطہ سے زہر دلوایا تھا، یہ شیعہ لوگوں کی روایات ہیں۔ اللہ کی پناہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس داغ سے صاف ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیانت دارانہ اخلاق سے یہ بات بہت بعید ہے۔''

---

[1] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۲۵ ج ۲

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

[3] تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۳۹ ج ۲ طبع بیروت تحت بیعۃ الحسن وتسلیمہ الامر لمعاویہ

۴۔ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ اسلام جز ثانی میں اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ

((وقالت طائفة كان ذالك بتدسيس معاوية اليها وبذل لها على ذالك وكان لها ضرائر۔ قلت هذا شيء لا يصح فمن الذى اطلع عليه))[1]

''یعنی ایک طائفہ نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دینے کی سازش کی اور حیلہ کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر زر صرف کیا اور حسن کے لیے سوکنیں تھیں (ان کے ذریعے سے یہ معاملہ کیا)۔ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ اس معاملے پر کون مطلع ہو سکا؟''

مختصر یہ ہے کہ ان تمام مشہور علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور اس کی تردید کر دی ہے۔

③ شیعہ مورخ کا ایک بیان

اس سلسلے میں شیعہ کے اکابر مورخین کا مزید ایک ضروری بیان ہم ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ طعن کی حقیقت خوب واضح ہو جائے گی۔

ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی (صاحب اخبار الطّوال) نے اپنی تصنیف ہذا میں ذکر کیا ہے کہ

((ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء فى انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))[2]

''یعنی حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں نے اپنی ذات کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور مکروہ چیز نہیں دیکھی۔ جو شرائط معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا ایفا کیا، ان کو ضائع نہیں کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو احسان اور بہتر سلوک ان کے حق میں جاری کیا ان کو تبدیل نہیں کیا۔''

شیعہ اکابر کے ان واضح بیانات نے مسئلے کو صاف کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدت العمر کوئی بدسلوکی اور برائی نہیں کی۔ تو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کا قصہ کیسے صحیح ہوا؟

یاد رہے کہ یہ دینوری ۲۸۲ھ کا متوفی ہے، بہت قدیم پختہ شیعہ مورخ ہے۔ اس کے بیانات شہادت دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ زہر دلانے کی بدخواہی اور بدسلوکی قطعاً اختیار نہیں کی۔ یہ سب بعض اخباری شیعوں کے افسانے ہیں۔ دینوری کا مذکورہ حوالہ قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۹ ج ۲ تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع مصر۔

[2] اخبار الطوال (ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۵ بحث معاویہ و عمرو بن عاص طبع قاہرہ مصر۔

نوازی ص۱۹۴ پر درج شدہ ہے یہاں مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے دہرایا گیا ہے۔

④ نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت درایت کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (جو ۴۹ھ میں واقع ہوئی تھی) کے بعد ملک شام میں متعدد غزوات پیش آئے۔ ان غزوات میں بہت سے ہاشمی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات شامل ہوتے رہے۔ خصوصاً امام حسن رضی اللہ عنہ کے سگے برادر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما ان غزوات میں شامل ہوئے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ

((ولما توفی الحسن كان الحسين يفد الى معاوية فی كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان فی الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فی سنة احدى و خمسين))[1]

''یعنی جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تو اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر سال تشریف لے جاتے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اکرام کرتے اور انھیں عطایا دیتے تھے۔ چنانچہ ۵۱ھ میں غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اس جیش میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شریک ہوئے جب کہ یزید بن معاویہ امیر جیش تھا۔'' ۔

یہ غزوات جن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر ہاشمی حضرات شامل ہوئے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ ہاشمی حضرات کا ان غزوات میں شریک و شامل ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زہر خورانی کا طعن مذکور جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

قبیلہ کے اکابر اور اقارب کو جن لوگوں نے قتل کیا ہو، ان لوگوں کے ہمراہ غزوات میں شرکت نہیں کی جا سکتی اور ان لوگوں سے عطایا اور وظائف وصول نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں ان حضرات کی عزت نفس اور فطری غیرت کے برخلاف ہیں۔

⑤ یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کثرت ازدواج میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ اس چیز کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قال علی يا اهل العراق او يا اهل الكوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجل مطلاق...... قال علی ما زال الحسن تزوج ويطلق حتى حسبت ان يكون

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۳ تذکرہ خروج الحسین الی العراق وکیفیۃ مقتلہ
تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص ۳۱۱ ج ۴ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

عداوۃ فی القبائل))[1]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے عراق والو! کوفہ والو! حسن کو تزویج مت کردو کیونکہ یہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن بیاہ کرتے ہیں اور پھر طلاق دے دیتے ہیں حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز قبائل میں عداوت کا باعث بن جائے گی۔''

اور مختلف مزاج خواتین اور متنوع طباع ازواج سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سابقہ پڑا اور عموماً عورت کم فہم اور کج فطرت ہوتی ہے اس کی ناعاقبت اندیشی اور احسان فراموشی محتاج بیان نہیں۔ عورت جب کسی معاملے میں خاوند کے ساتھ ضد پر اتر آتی ہے تو وہ عواقب ونتائج کو برطرف کر کے سب کچھ کر گزرتی ہے (الا ماشاء اللہ)۔

پھر خصوصاً ایسے مواقع جہاں ضرائر (سوکنوں) کے درمیان حسد وبغض کی آگ بھڑک اٹھی ہو یہ خار و خلش بعض اوقات پورے قبیلے اور خاندان کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں بھی قرین عقل و دانش یہی بات ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ اگر فی الواقع درست ہے تو بلاشبہ امام مرحوم کے لیے ان سوکنوں کے آپس میں تحاسد وتباغض اور کینہ وعداوت نے یہ مصیبت عظمیٰ پیدا کر ڈالی جس کی وجہ سے حضرت موصوف جانبر نہ ہو سکے۔ اس معاملے کو کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرنا قیاس وقرائن کے بالکل خلاف ہے۔ اور یہ ایک واقعہ کے قوی قرائن اور اسباب کو پس پشت ڈال کر خیالات واہیہ اور محتملات رکیکہ کو پیش نظر رکھنا انصاف پسند اور عقل مند حضرات کے نزدیک صحیح نہیں۔

نیز یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ ان اکابر ہاشمی حضرات کے خانگی انتظام میں اتنا تساہل پایا جائے اور اتنی بے ضابطگی ہو کہ ان کے اہل خانہ کی خواتین کے ساتھ کسی مخالف و معاند کی طرف سے رابطہ قائم ہو اور وہ ایسے خطرناک ومہلک معاملے تک رسائی پیدا کر لے، یہ چیز بہت مشکل ہے اور ان حضرات کے دیانتدارانہ طرز معاشرت کے برعکس ہے اور ان کے بے داغ کردار کو داغدار بنانے کے مترادف ہے۔ فلہٰذا اہل خانہ کے سوا کسی غیر آدمی کی طرف زہر خورانی کی نسبت کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔

⑤ گزارشات بالا کے اختتام پر ایک اور چیز عرض کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مشہور قول کے موافق سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی۔ جب ان کا جنازہ تیار ہوا تو جنازہ کی نماز اس وقت کے مدینہ کے والی سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو نماز

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۴ ج ۵ باب من کرہ الطلاق من غیر ریبۃ طبع دکن۔

جنازہ پڑھانے کے لیے مقدم کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ طریقہ (حاکم کا نماز جنازہ پڑھانا) مسنون نہ ہوتا تو میں تمھیں مقدم نہ کرتا۔

((کان امیرا علی المدینة فقدمه الحسین للصلوة علیه وقال لولا انها السنة لما قد منك))[1]

جنازہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ اگر زہر خورانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی تو پھر ان ہاشمی حضرات نے اموی حاکم سے امام مرحوم کے جنازہ پڑھوانے کی کس طرح پیش کش کر دی؟ بلکہ ان کو تو جنازے میں شامل بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا قصہ ایک مدت دراز کے بعد راویوں نے تصنیف کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر دیا ہے اور یہ نسبت بالکل غلط ہے (جیسا کہ اوپر کی گزارشات میں ذکر کیا گیا)

حاصل یہ ہے کہ اس وقت کے ہاشمی اکابر کے اقوال و اعمال سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے نزدیک اس فعل شنیع کے ارتکاب کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گزارشات بالا پر نظر کرنے سے ایک صاحب بصیرت آدمی واقعہ ہذا کی صحت وسقم کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ البتہ زیغ عن الحق کا کوئی علاج نہیں ہے۔

---

1. اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۱۵ ج ۲ تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہما
مقاتل الطالبین (ابو الفرج اصفہانی شیعی) ص ۵۱ جز اول آخر تذکرہ امام حسن۔ طبع بیروت
المعرفہ والتاریخ (یعقوب بن سفیان بسوی) ص ۲۱۶ ج ۱ تحت ۲۴۱ ھ

وفات حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت اور اس کا جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور دیگر شرکائے مجلس موجود تھے اس وقت حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آ چکی تھی چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر شرکائے مجلس کو دی تو مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کہا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تم اسے مصیبت خیال کرتے ہو کہ کلمہ استرجاع کہا ہے؟ مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو مصیبت کیوں نہ تصور کروں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: هذا منى و حسين من على۔ وہاں قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص بیٹھا تھا اس نے کہا: جمرة اطفاءها الله۔ مقدام رضی اللہ عنہ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور کہا کہ میں تمھیں غضبناک کروں گا اور ایسی باتیں سناؤں گا جنھیں تم مکروہ جانتے ہو (یہ روایت کا ابتدائی حصہ ہے)۔

اور روایت ہذا کے آخری حصہ میں بھی قابل اعتراض چیزیں مذکور ہیں (جیسا کہ ذکر آ رہا ہے)۔ اس تمام روایت سے معترض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف متعدد طعن تیار کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصیبت شمار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، گویا کہ ان کے نزدیک وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مصیبت نہیں تھی بلکہ اچھی چیز اور مطلوب تھی۔

② روایت ہذا میں مقدام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ "هذا منى و حسين من على" یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتنی گراں قدر ہستی تھے کہ ان کے حق میں یہ ارشاد نبوی موجود ہے۔

③ نیز ایک اسدی شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اطفاء جمرۃ (انگارہ بجھ جانے سے) تعبیر کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔

④ ان حالات میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انھوں نے ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا۔

یہ چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر خوشی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک مصیبت ختم ہوگئی اور فتنہ فرو ہو گیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب میں ملوث تھے جس طرح کہ مقدام رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

جواب

یہ روایت جو مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے راویوں نے ذکر کی ہے اور یہاں سے چند قابل اعتراض چیزیں مرتب کی ہیں اس کے متعلق ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس کی اجمالاً ترتیب درج ذیل ہے:

پہلے روایت ہذا کی سند پر کلام ہوگا، اس کے بعد وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت شمار کرنے پر تعجب کے مسئلے پر گفتگو ہوگی، پھر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے اس پر اختصاراً بحث ہوگی، اور آخر میں اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب کے جواب کی وضاحت درج ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

سند پر کلام

پہلی چیز یہ ہے کہ صحت اعتراض کے لیے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ روایت جس سے اعتراض قائم کیا گیا ہے وہ فی الواقع صحیح سند سے ثابت ہو۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت نہیں تو اسے اعتراض کی بنیاد بنانا بے محل اور بے جا ہے اور اس کا جواب پیش کرنا ضروری نہیں رہتا۔ ذیل میں سند پر کلام کیا جاتا ہے:

اس روایت کے راویوں میں ایک شخص بقیہ بن ولید ہے اس کی توثیق بھی ذکر کی گئی ہے لیکن اس پر متعدد علمائے رجال نے جرح وتنقید کر دی ہے جو درج ذیل ہے۔ الجرح مقدم علی تعدیل ہوتی ہے فلہٰذا اس کے بعد اس کی یہ روایت قابل استدلال نہیں اور اس کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔

بقیہ بن ولید کے متعلق علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ:

((فاذا قال عنه فليس بحجة...... قال ابو حاتم...... لا يحتج به قال ابو مسهر احاديث بقية ليست نقية فكن منها على تقية...... قال ابن خزيمة لا احتج ببقية))[1]

مذکورہ بالا کوائف سے مزید یہ بات ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((قال البيهقي في الخلافيات اجمعوا على ان بقية ليس بحجة))[2]

یعنی جب بقیہ بن ولید اپنے شیخ سے روایت کو عن سے ذکر کرے تو وہ حجت نہیں۔ (جیسا کہ روایت

۱۔ میزان الاعتدال (ذہبی) ج ا تحت بقیہ بن ولید

۲۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۷۸ ج ا تحت بقیہ بن ولید

الکامل (ابن عدی) ص ۵۰۴ ج ۲ تحت بقیہ بن ولید

پیش کردہ میں بقیہ عن بجیر مذکور ہے)۔

- ابو حاتم کہتے ہیں کہ بقیہ قابل حجت نہیں۔
- ابو مسہر کہتے ہیں کہ بقیہ کی روایات صاف نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔
- ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں بقیہ کی روایات کے ساتھ حجت نہیں پکڑتا۔
- اور بیہقی نے خلافیات میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں۔

اور اس روایت پر نقد قبل ازیں کبار علماء (حافظ منذری و خطابی وغیرہ) فرما چکے ہیں چنانچہ اس کے تحت مختصر سنن ابی داود (منذری) میں ذکر کیا ہے کہ وفی اسنادہ بقیہ بن الولید وفیه مقال[1] لہٰذا روایت بالا اعتراض کے مقام پر لائق استدلال نہیں اور اس کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا صحیح نہیں۔

وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر پر گفتگو

نیز یہ چیز قابل غور ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پانے پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے انا للہ کہا تو وہاں ایک شخص (یا بقول معترض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تم اس کو مصیبت شمار کرتے ہو؟ یہ کلام نہایت عجیب ہے جب کہ شریعت اسلامی میں جب کوئی مصیبت پہنچے تو کلمہ استرجاع کہنے کی ہدایت موجود ہے۔ فرمان خداوندی ہے: اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں چراغ گل کیا گیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ استرجاع فرمایا۔ اہل خانہ نے عرض کیا کہ کیا یہ کوئی مصیبت ہے جس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ استرجاع ارشاد فرمایا ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے دل پر جو چیز بھی ناگوار گزرے وہ مصیبت ہے۔ (او کما ذکر فی الحدیث)

ایک دیگر ارشاد نبوی ہے کہ جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ کلمہ استرجاع پڑھے فلیسترجع فانه من المصائب کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے (او کما ذکر فی الحدیث)۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت قرار دینے یا نہ قرار دینے کی گفتگو بہت قابل تعجب ہے۔ کیا یہ حضرات موت فوت کے احکام شرعی سے نابلد تھے؟ یا ان امور سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد کرنے سے قاصر تھے؟

ان چیزوں کے علاوہ یہ مسئلہ توجہ کے قابل ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں اس واقعہ کا جو رنگ پایا جاتا ہے وہ دوسرا ہے اور کئی عجائبات کا حامل ہے۔ لیکن حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا یہی واقعہ دیگر روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی

---

[1] مختصر سنن ابی داود (منذری) ص ۷۰-۱۷ ج ۲ تحت حدیث مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ۔

موجودگی میں پیش آیا وہ دوسری طرح ہے۔ یعنی وہاں کوئی منکر کلمات یا ناروا گفتگو نہیں ہے بلکہ عام دستور کے مطابق تعزیت کی خبر ذکر کی گئی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تعزیت کا جواب احسن طریق سے ارشاد فرمایا جیسا کہ ان اکابر کی شان دیانت اور اوصاف شرافت کے موافق ہے۔ چنانچہ اس امر پر ذیل میں حوالہ جات پیش خدمت ہیں، ان پر نظر غائر فرمائیں۔ دقت نظر اور صحت فکر سے کام لے کر اس کا تجزیہ کریں کہ صحیح واقعہ کس طرح ہے؟

① ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر واقعہ ہذا کے متعلق ذکر کیا ہے کہ

((فلما جاء الكتاب بموت الحسن بن علی اتفق كون ابن عباس عند معاوية و عزاه فيه باحسن تعزية ورد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا))[1]

''یعنی جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کی خبر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچی تو اتفاق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس خبر پر عمدہ طریقہ سے تعزیت کی اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہتر کلام کے ساتھ تعزیت کا جواب دیا۔''

اس واقعہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعزیت کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جس طرح پیش آیا وہ ان کے اخلاق حمیدہ کے موافق ہے اور یہی ان حضرات کی شان دیانت کے مطابق ہے اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں منکر اور ناپسندیدہ الفاظ کے ساتھ جو گفتگو پائی جاتی ہے وہ درست نہیں اور راویوں کے تصرفات سے خالی نہیں۔

② نیز اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تعزیت کے کلمات ذکر کرنے کے بعد مزید کلام کرتے ہوئے کہا:

((قال معاوية يا عجبًا للحسن بن علی! شرب شربة عسل يمانية بماء رومة فقضى نحبه ثم قال لابن عباس لا يسوك الله ولا يحزنك فی الحسن بن علی فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزننی الله ولا يسؤنی ما أبقى الله امير المؤمنين قال فاعطاه الف الف درهم وعروضا واشياء وقال خذها فأقسمها فی أهلك))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۸ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (قلمی) ص ۷۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات بھی قابل تعجب ہے کہ انھوں نے شہد کا شربت نوش فرمایا جو شہد یمانی کے ساتھ آب چاہ رومہ[1] کو ملا کر تیار کیا گیا تھا اور اس سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات پر اللہ تعالیٰ آپ کو مصیبت اور برائی سے محفوظ رکھے اور غم سے بچائے۔ جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو باقی اور سلامت رکھیں کہ آپ کے ہوتے ہمیں کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دس لاکھ درہم نقد اور مزید سامان اور مختلف اشیاء دیں اور کہا کہ یہ آپ قبول کر لیجیے اور اپنے اہل وعیال میں تقسیم کر دیجیے۔''

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر جب پہنچی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی تعزیت کی جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے اور پھر ایک دوسرے وقت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا۔ یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں حاضر ہو کر بڑے بہتر طریقے سے عمدہ کلمات کے ساتھ تعزیت پیش کی اس فعل پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی قدردانی کی اور شکریہ ادا کیا۔

((وبعث معاوية ابنه يزيد فجلس يدي ابن عباس وعزاه بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس))[2]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو افسوس ناک خبر ہی قرار دیا اور حسب دستور شرعی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں خود بھی تعزیت کی اور اپنے فرزند یزید کو بھی تعزیت و اظہار افسوس کے لیے روانہ کیا۔

یہ اس واقعہ کی ایک شکل ہے۔ اور اس موقع کی دوسری صورت حال وہ ہے جو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی روایت میں مجروح و مقدوح راوی نے نقل کی ہے (اور طعن کرنے والوں نے اسے بڑا اچھالا ہے) امید ہے کہ انصاف پسند حضرات ان دونوں صورتوں میں سے اس چیز کو درست قرار دیں گے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے اور ان کی دیانت و شرافت کے مطابق ہے۔

متن روایت کی نکارت

اس کے بعد یہ چیز بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے جو روایت (هذا منى و حسين من

---

[1] بیر رومہ مدینہ شریف میں ایک کنواں تھا جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید کر اہل مدینہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

علی) منقول ہے اس کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ اس میں لفظاً و معناً نکارت پائی جاتی ہے یعنی یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر درج ذیل کلام کیا ہے کہ:

((وقال بقية عن بجير بن سعيد عن خالد بن معدان عن المقدام بن معدی كرب قال سمعت رسول الله ﷺ: "الحسن منى والحسين من على" فيه نكارة لفظا و معنا))[1]

روایت ہذا کے ایک راوی بقیہ بن ولید کے متعلق سابقاً ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف اور مجروح ہے اور استدلال و استناد کے لائق نہیں فلہٰذا اس بنا پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس موقع کی عام روایات میں جو حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے حق میں موجود ہیں ان میں دونوں حضرات کا جناب نبی اقدس ﷺ کی دختر طاہرہ کے نسب مبارک سے ہونے کی تصریحات صحیحہ مروی ہیں پھر یہاں یہ فرق کرنا کہ حسن مجھ سے ہیں اور حسین علی سے ہیں یہ امتیاز عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے لیے جو فضائل صحیح روایات میں دستیاب ہوتے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان میں یہ تفریق اور یہ امتیاز مفقود ہے۔ اس مقام پر ایک دیگر چیز بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ سے یعلی بن مرہ عامری مرفوعاً ذکر کرتے ہیں کہ آنجناب ﷺ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے ان کی تقبیل فرمائی (یعنی ان کو چوما) اور ارشاد فرمایا:

((حسين منى وانا من حسين، اللهم احب من احب حسينا، حسين سبط من الأسباط))[2]

"مطلب یہ ہے کہ حسین مجھ سے ہیں (میری اولاد سے ہیں) اور میں حسین سے ہوں (میرا اور حسین کا نسبی تعلق ہے۔ میں نانا ہوں) اے اللہ! جو حسین سے محبت رکھے تو اس کے ساتھ محبت فرما اور حسین نواسوں میں سے نواسے ہیں۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۶ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ ذکر وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما
الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ج ۲۳ تحت الباب الرابع وفات امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما (روایت نمبر ۳۶۵)

[2] کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ۷۷۲ روایت ۱۳۶۱ تحت فضائل حسنین شریفین رضی اللہ عنہما
الاحسان بترتیب الصحیح (ابن حبان) ص ۵۹ ج ۱۰ تحت ذکر اثبات محبۃ اللہ لمحبی الحسین بن علی رضی اللہ عنہما
مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۱ بحوالہ ترمذی (تحت مناقب اہل بیت)

یہ روایت متعدد محدثین نے باسند ذکر کی ہے مثلاً امام احمد اور امام ترمذی اور ابن حبان وغیرہ رحمہم اللہ۔ اسی طرح حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں ایک ذخیرہ روایات دستیاب ہوتا ہے ان میں سے صحیح مواد پر نظر کرنے سے علی العموم زیر بحث روایت مذکورہ (هذا منی و حسین من علی) کی تائید نہیں پائی جاتی۔

فلہٰذا ہماری جستجو کی حد تک اس روایت کا دوسرا متابع اور شاہد نہیں پایا گیا تو قواعد کی رو سے یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی بنا پر منکر ہوئی (جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصریح ماقبل میں ذکر کر دی گئی ہے کہ اس میں نکارت پائی جاتی ہے اور منکر روایت قابل قبول نہیں ہوتی)۔

اطفاء جمرۃ

روایت ہذا میں ایک شخص اسدی کا قول حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے (جمرة اطفاءها الله) یہ اسدی کون شخص ہے؟ واللہ اعلم کس مزاج کا آدمی ہے؟ بظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے خلاف ذہن رکھتا ہے اور اس کے ان کلمات سے اس کی عداوت قلبی ظاہر ہے۔ اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو اس کا یہ قول ناروا اور قبیح ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض قائم کرنا کہ انھوں نے اسدی کے اس قول پر مواخذہ نہیں کیا، یہ محض احتمال کے درجے میں ہے۔ خدا جانے اس وقت کیا صورت احوال تھی اور کیا کچھ وہاں پوری گفتگو ہوئی؟ اور کس قدر ناقلین نے نقل کی اور کس قدر ترک کر دی؟

نیز ہر فرد کے شخصی رجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر شخص واقعات میں ایک دوسری رائے رکھتا ہے جس پر دیگر شخصیات کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر گرفت اور مواخذہ کیا ہو اور ناقلین رواۃ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ اور عدم ذکر الشی سے ذکر عدم الشی لازم نہیں آتا۔ اس کے آخر میں اس امر کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو محدثین نے دیگر مقام پر بھی ذکر کیا ہے لیکن وہاں نہ اسدی مذکور ہے اور نہ یہ کلمہ (جمرة اطفاءها الله) منقول ہے۔ یہاں سے راویوں کے تصرفات کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی راوی نے یہ جملہ مذکورہ اعتراض والی روایت میں اضافہ فرما دیا ہو کہ اعتراض کی بحث گرم رہے اور سلسلہ طعن جاری رہے۔ فافہم۔

ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن

معترض دوست روایت مذکورہ کے آخری حصے سے یہ اعتراض تجویز کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ پہنچے (اور کچھ دوسرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے)۔ گفتگو کے دوران میں مقدام رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ چیز ذکر کی کہ سونے اور حریر (ریشم) کے پہننے اور جلود سباع کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یا نہیں؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ان

چیزوں کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی منع فرمایا ہے اس کے بعد مقدام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ

((فو الله لقد رأيت هذا كله في بيتك يا معاوية))

''یعنی اللہ کی قسم! یہ تمام چیزیں میں نے آپ کے گھر میں دیکھی ہیں۔''

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ میں تمھارے اعتراض سے نہیں بچ سکوں گا۔

معترض اس روایت سے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا ہر سہ اشیاء کا استعمال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کرتے تھے جن کے استعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ گویا شرعی احکام کے خلاف ان کا طرز عمل تھا اور منہیات کے مرتکب تھے۔

اس چیز کے جواب کے لیے معروضات ذیل پیش خدمت ہیں ان کی طرف توجہ فرمائیں:

① روایت ہذا کی سند پر سابقاً کلام کر دیا ہے کہ یہ مجروح ہے اگر سند پر جرح کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تب بھی دوسری یہ بات قابل غور ہے کہ یہی روایت اسی سند کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں نقل کی ہے لیکن اس میں وہ تمام الفاظ جو بنائے اعتراض ہیں (قال فو الله لقد رأيت هذا كله في بيتك يا معاوية فقال معاوية قد علمت انی لن انجو منك يا مقدام) نہیں پائے جاتے۔

یہاں سے رواۃ کی طرف سے روایت میں تصرف پائے جانے کی نشاندہی ہوتی ہے اور راوی کی جانب سے روایت میں اضافہ کا سراغ ملتا ہے۔

② نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حمص کے مقام پر خطبہ دیا اور خطبے میں آپ نے ذکر کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور منع فرمایا ہے میں ان کو تمھارے ہاں پاتا ہوں اور ان کے ارتکاب سے تمھیں منع کرتا ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

((النوح والشعر والتصاوير والتبرج وجلود السباع والذهب والحرير))[1]

مذکورہ ممنوعہ اشیاء کی منع کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دیگر کئی مقامات پر بھی نقل کی گئی ہے۔

③ مثلاً محدث نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن نسائی (کتاب اللباس باب تحریم الذهب علی الرجال) میں اپنی سند کے ساتھ ابو شیخ ہنائی کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی متعدد روایات ذکر کی ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز (مکہ و مدینہ) میں خطبات دیے، ان خطبات میں یہ مسئلہ ذکر کیا

---

[1] مسند احمد بن حنبل ص ۱۰۱ ج ۴ تحت مسندات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

مسند احمد بن حنبل ص ۹۲ ج ۴ تحت مسندات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۷۷ ج ۳ باب ما نهی عن المراکب

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ تحت کتاب العقیقہ طبع کراچی

کہ اے مہاجرین وانصار! تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور ریشم کے لباس سے منع فرمایا ہے؟ حاضرین نے کہا کہ بے شک اسی طرح ہے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا سونے کے پہننے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ بے شک منع فرمایا ہے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے اس کلام کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انا اشھد یعنی میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات بالکل اسی طرح ہے۔

((اخبرنا ابوشیخ الهنائی قال سمعت معاویة وحوله ناس من المهاجرین والانصار وقال لهم اتعلمون ان رسول الله ﷺ نهی عن لبس الحریر قالوا اللهم نعم قال ونهی عن لبس الذهب الا مقطعا قالوا نعم))[1]

تو یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اشیاء کے ارتکاب سے منع کو نبی اقدس ﷺ سے خود نقل کرنے والے ہیں تو پھر وہ خود ان امور کے کیسے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ درآں حالے کہ نصوص قطعی ان کے پیش نظر تھیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو ان اشیاء کے استعمال کی منع تو معلوم تھی لیکن انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور ان امور کے مرتکب ہوئے تو یہ چیز بہت مشکل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت اور مقام عدالت سے بعید ہے اور ان کے کردار واخلاق کے خلاف ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام کے پابند تھے اور شریعت پر عمل کرنے والے تھے یہ چیزیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات مقام صحابہ کو مجروح نہیں کر سکتیں اور ایسی روایات قابل اعتبار نہیں اور محدثین نے یہاں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنهم واذا انسدت الطرق (طرق تاویلها) نسبنا الکذب الی الرواة))[2]

"یعنی امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر عیب کی چیز سے نفی کرنے کے ہم مامور ہیں اور جب تاویل وتوجیہ کے طریقے مسدود ہو جائیں تو ہم جھوٹ اور دروغ کی نسبت راویوں کی طرف کر دیں گے۔"

فلہٰذا ان قواعد کے پیش نظر مذکورہ قسم کی طعن پیدا کرنے والی روایات ہرگز قبول نہیں ہو سکتیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار ان کے پیش نظر مجروح نہیں ہو سکتا اور اسلام کی اس نامور شخصیت کے دامن کو ان چیزوں سے داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] سنن نسائی ص ۲۴۲ ج ۲ باب تحریم الذهب علی الرجال، کتاب اللباس طبع دہلی

[2] شرح مسلم شریف (امام نووی) ج ۲ باب حکم الفئی (تحت الجهاد والسیر) بحوالہ مازری۔

استلحاق زیاد کا مسئلہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر جو مطاعن طعن کرنے والوں کی طرف سے وارد کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک مشہور طعن ''استلحاق زیاد بن سمیہ'' ہے۔ یعنی زیاد بن سمیہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ لاحق کر کے نسبی برادر قرار دیا۔ اور یہ ''استلحاق'' خاص سیاسی مصالح کے لیے کیا گیا تھا اور یہ امر شرعی قواعد کے برخلاف تھا۔

ازالہ

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ہم چند امور بطریق ذیل پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے مسئلہ ہذا کی اصل صورت حال واضح ہو جائے گی:

① زیاد بن ابیہ کے ذاتی کوائف (نام، کنیت، خاندان، ولادت، وفات وغیرہ)

② زیاد کی لیاقت و صلاحیت اور اکابرین امت کا اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا۔

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقعہ استلحاق اور تصویر مسئلہ کے دو پہلو۔

① یہ شخص زیاد بن ابیہ کے نام سے مشہور ہے جو بعد میں زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا گیا۔ اور عبید مولیٰ ثقیف کے فراش پر اس کا تولد ہوا تھا اس لیے اس کو زیاد بن عبید بھی کہا گیا اسے اپنی والدہ کی نسبت سے زیاد بن سمیہ بھی کہہ دیتے تھے۔ اس کی ماں کے نام کے سلسلے میں متعدد اقوال مورخین ذکر کرتے ہیں اس کی والدہ کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ بتایا جاتا ہے اور اس کی والدہ کا ایک دوسرا نام اسماء بنت اعور بھی بعض مورخین نے لکھا ہے۔ زیاد کی کنیت ابو مغیرہ تھی۔

عام الفتح میں طائف کے مقام پر اس کی ولادت ذکر کی گئی ہے اور بعض مورخین نے اس کی ولادت عام الہجرت بھی بتائی ہے۔ زیاد کے والدہ کی طرف سے ایک مشہور اخیافی بھائی ابوبکرہ ہیں جن کا نام (نفیع بن مسروح) بتایا جاتا ہے ان کی ماں کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ اہل اسلام کے محاصرہ طائف کے دوران میں مسلمان ہوئے۔

زیاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۳ھ یا عند البعض ۵۴ھ میں فوت ہوا[1] اور وہ اس

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۵ ج ۲ تحت وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما

وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ وکوفہ پر امیر تھا۔ اہل تراجم نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ زیاد بن سمیہ صحابی نہیں ہے۔ (حوالہ جات کے لیے درج ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے)[1]

(۲) اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ زیاد کے لیے صحبت نبوی حاصل نہیں اور نہ اس سے کوئی مرفوع روایت مروی ہے لیکن یہ شخص فطری طور پر نہایت قابل، باصلاحیت اور فصیح اللسان تھا۔ تدبیر سیاست میں بہترین رائے رکھتا تھا اور عمدہ انتظامی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ چنانچہ عہد علوی میں ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی اہلیت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی تھی کہ زیاد پختہ رائے رکھتا ہے اور سیاسی امور میں ماہر ہے اس بنا پر اس کو فلاں فلاں علاقے کا والی بنایا جائے۔

((فاستشار علی الناس فیمن یولیه علیهم فأشار ابن عباس وجاریة بن قدامة ان یولی علیهم زیاد بن ابیه فانه صلیب الرأی عالم بالسیاسة فقال علی هو لها فولاه فارس و کرمان وجهزه الیهما فی اربعة الاف فارس))[2]

''مطلب یہ ہے کہ فارس اور کرمان کے علاقہ جات میں بعض شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور خلیفہ وقت کی مخالفت میں رجحانات پیدا ہو گئے اور وہ لوگ خراج کی ادائیگی اور دیگر حقوق میں کوتاہی کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان علاقوں میں کسی مدبر حاکم اور والی کی ضرورت تھی آپ نے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جاریہ بن قدامہ نے یہ مشورہ دیا کہ زیاد صائب الرائے ہے اور امور سیاست میں مہارت رکھتا ہے لہٰذا اس کو وہاں کا والی بنا دیا جائے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرما کر فارس اور کرمان کے علاقے میں زیاد بن ابیہ کو والی اور حاکم بنا کر اسپ سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ کیا۔''

چنانچہ زیاد نے مذکورہ علاقوں میں پہنچ کر شورشیں ختم کر دیں، حالات خلیفہ کے حق میں سازگار بنا دیے اور خراج و دیگر حقوق کی ادائیگی کے معاملات کو درست کر کے واپس ہوا۔ بقول مورخین ۳۹ھ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا نیز شیعہ مورخین نے بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد ولایت میں زیاد کو

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۷۱ ج ۷ تحت زیاد بن ابی سفیان
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ ج ۱ تحت اسماء الخلفاء
تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۹۸، ۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سمیہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۷ تحت سنہ ۳۹ھ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۲۴ ج ۵ تحت سنہ ۳۹ھ

فارس کا حاکم اور والی بنایا تھا[۱] اور جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زیاد کا حکومت کے اہم مناصب پر فائز کیا جانا مسلمات میں سے ہے۔ مورخین کے نزدیک عہد علوی میں اس کے کارنامے ناقابل انکار حقیقت کے درجے میں ہیں۔ ہم نے قبل ازیں زیاد کے متعلقات سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں ''بعض انتظامی امور'' کے عنوان کے تحت مختصراً بیان کر دیے ہیں۔

زیاد کی صلاحیتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((وکان یضرب به المثل فی حسن السیاسة ووفور العقل وحسن الضبط لما یتولاہ)) [۲]

''یعنی حسن سیاست، کمال عقل اور عمدہ نظم وضبط کی صلاحیتوں میں ایک ضرب المثل فرد تھا۔''

زیاد بن ابیہ کی ایک اور صلاحیت واعتماد کا ذکر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ وہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں انشاء پردازی اور کاتب کے منصب پر فائز رہا ہے۔ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ہاں اس نے یہ خدمات سرانجام دی ہیں [۳] اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مواقع پر زیاد کو اس کی اہلیت اور اعتماد کی بنا پر اپنا نائب بھی بنایا۔ اور یہ چند چیزیں علمائے تراجم نے متعدد مقامات پر ذکر کی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی توثیق کے بارے میں کبار علماء نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل جملے بھی پائے جاتے ہیں:

((قال العجلی تابعی ولم یکن یتهم بالکذب)) [۴]

''یعنی زیاد (صحابی نہیں) تابعی ہے (لیکن دیانت دار ہے) دروغ گوئی نہیں کرتا۔''

اگر اس کے یہ اوصاف اس کے نسب پر اثر انداز نہ ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے ان کمالات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اعلیٰ ذمہ داریاں بخشیں، اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ان صلاحیتوں کی قدر کرتے ہوئے حقیقت حال کا سراغ لگا لیا اور اس بات کی توثیق کی کہ ان کے والد کا سمیہ

۱۔ اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۱۹ تحت زیاد بن ابیہ (طبع مصر)

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

۳۔ تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۹۸-۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سمیہ
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ تحت اسماء الخلفاء
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ
المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۳۷۸ تحت اسماء اشراف الکتاب

۴۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

سے جاہلیت کے دور کا کوئی نکاح ہوا تھا، تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت گزر جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو اس وقت آپ کو زیاد بن ابیہ کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ذاتی اہلیت وفطرتی صلاحیت کی بنا پر اسے حکومت کے بعض مناصب پر فائز کیا۔

استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں

مورخین اور دیگر اس فن کے علماء نے اپنی تفصیلات کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے بہت طول دے دیا ہے لیکن اصل واقعہ مختصراً اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں طائف میں بعض دفعہ اپنی ضرورت کے لیے گئے اور وہاں سمیہ نامی ایک عورت کے ساتھ اس دور کے رسم ورواج کے مطابق نکاح کیا۔ اس عورت کے بطن سے زیاد بن سمیہ متولد ہوا تو سمیہ نے زیاد کے تولد کی نسبت ابوسفیان سے کی اور ابوسفیان نے بھی اس کا اقرار کیا۔ مگر یہ انتساب عام لوگوں میں مشہور نہیں ہوا بلکہ مخفی رہا۔ جیسا کہ مشہور مورخ عبدالرحمٰن بن خلدون رحمہ اللہ نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((كانت سمية ام زياد مولاة للحارث بن كندة الطبيب، وولدت عنده ابا بكرة، ثم زوجها بمولى له وولدت زيادا وكان ابوسفيان قد ذهب الى الطائف فى بعض حاجاته فاصابها بنوع من انكحةالجاهلية وولدت زيادا هذا ونسبته الى ابى سفيان واقر لها به الا انه كان يخفيه))[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق زیاد کا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب ہوا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی اقرار کر چکے تھے مگر یہ نسبت عام لوگوں میں مشہور نہ تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بقول بعض مورخین زیاد بن سمیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبی استلحاق کی خواہش ظاہر کی۔ دیگر مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اس معاملے کے متعلق شواہد طلب کیے۔

چونکہ اسلام میں جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور اولاد کی اپنے آباء سے نفی نہیں کی گئی۔ اس بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نسبت کو برحال رکھتے ہوئے اپنے ساتھ نسبی استلحاق کا معاملہ کیا۔

اس سلسلے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے استلحاق زیاد کا

---

[1] تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۴ ج ۳ تحت استخلاف زیاد (طبع بیروت)

واقعہ ۴۴ھ میں پیش آیا تھا اور اس معاملے (زیاد بن سمیہ کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی انتساب) پر شواہد طلب کیے اور درج ذیل شاہدوں زیاد بن اسماء حرمازی، مالک بن ربیعہ سلولی، منذر بن زبیر، جویریہ بنت ابی سفیان، مسور بن قدامہ باہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمرو بن شیبان کے قبیلہ کے ایک شخص اور بنی مصطلق قبیلہ کے ایک شخص نے شہادت دی کہ ابوسفیان نے زیاد بن سمیہ کے حق میں اپنے فرزند ہونے کا اقرار کیا تھا۔ خصوصی طور پر ان میں سے منذر بن زبیر نے اس بات کی بھی گواہی دی کہ انھوں نے یہ بات حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے سنی تھی کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے اس بات کا اقرار کیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ ایام جاہلیت کے اس واقعہ پر مذکور بالا تمام شاہدوں نے اثبات میں گواہی دی۔

((وکان استلحاق معاویة له فی سنة اربع واربعین وشهد بذالك زیاد بن أسماء الحرمازی ومالك بن ربیعة السلولی والمنذر بن الزبیر فیما ذکر المدائنی باسانیده وزاد فی الشهود جویریة بنت ابی سفیان والمسور بن قدامة الباهلی وابن ابی نصر الثقفی وزید بن نفیل الازدی وشعبة بن العلقم المازنی ورجل من بنی عمرو بن شیبان ورجل من بنی المصطلق شهدوا کلهم علی ابی سفیان ان زیادا ابنه الا المنذر فیشهد انه سمع علیا یقول اشهد ان ابا سفیان قال ذالك))[1]

اور ابن خلدون رحمہ اللہ کے الفاظ میں یہ معاملہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

((ورأی معاویة ان یستمیله باستلحاقه، فالتمس الشهادة بذالك ممن علم لحوق نسبه بابی سفیان۔ فشهد له رجال من اهل البصرة والحقه))[2]

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ٹھہری کہ زیاد کا اپنے ساتھ استلحاق کر لیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے اس بات پر شہادت تلاش کی اور جو لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیاد کے نسب کے الحاق کو جانتے تھے ان سے شہادت حاصل کی چنانچہ اہل بصرہ میں سے متعدد افراد نے اس بات پر گواہی دی اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کر لیا۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ ان شواہد کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ استلحاق کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس مسئلے کو اپنی رائے میں حق سمجھ کر حق کی حمایت کی تھی اور

۱ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ۔

۲ تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۵ ج ۳ تحت استخلاف زیاد

کسی قلت کو کثرت میں بدلنے یا کسی ذلت سے عزت حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے اور تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے:

((وقال (معاوية) انى لا اتكثر بزياد من قلة ولا اتعزز به من ذلة ولكن عرفت حق الله فوضعته موضعه))[1]

اہل تراجم لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد زیاد نے اس معاملے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ اس معاملے کے بارے میں گواہوں نے جو گواہی دی ہے اگر وہ برحق ہے تو الحمد للہ، اور اگر یہ بات واقع میں درست نہیں ہے تو میں ان گواہوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((فخطب معاوية فاستلحقه فتكلم زياد فقال ان كان ما شهد الشهود به حقاً فالحمد لله وان يكن باطلاً فقد جعلتهم بيني وبين الله))[2]

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ

مسئلہ ہذا کے متعلق یہ ایک رخ تھا جو ان تفصیلات کے ساتھ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے۔ اب اس واقعہ کا دوسرا رخ تحریر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''استلحاق زیاد'' کے واقعہ کو اس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درست نہیں سمجھتے تھے اور وہ حضرات اس معاملے میں بایں طور معترض تھے کہ شرعی قاعدہ (الولد للفراش وللعاهر حجر) یعنی اولاد اسی کی شمار کی جاتی ہے جس کے ہاں پیدا ہو اور بغیر نکاح والے کے لیے پتھر کی سزا ہے، صحیح ہے اور اس کا خلاف کرنا ناجائز ہے۔

اور علمائے کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ایک گونہ توجیہ ذکر کی ہے کہ روایت الولد لفراش وللعاهر الحجر کا قاعدہ صحیح ہے لیکن اس کا محمل اس وقت درست ہے جب صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے۔ اور اگر صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ نہیں پایا گیا لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس اقرار (اور عدم دعویٰ صاحب فراش) کی بنا پر اس الحاق کو جائز سمجھتے تھے خصوصاً اس حالت میں کہ یہ اقرار دور جاہلیت میں کیا گیا تھا۔

((بل الظاهر انه حمل قول النبى ﷺ: "الولد للفراش وللعاهر الحجر"

---

[1] تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۶ ج ۳ تحت استخلاف زیاد
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۲۳ ج ۶ تحت سنہ ۴۴ھ ذکر الخبر عن سبب عزلہ

[2] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

على ما اذا ادعى صاحب الفراش كما ادعى عبد بن زمعة ابن وليدة ابيه فى مورد الحديث، واما اذا لم يدعه واقر اخر بانه ابنه فكان عند معاوية الحاقه بالمقر لا سيما اذا ثبت انه اقر به فى الجاهلية قبل الاسلام))[1]

ان حالات میں اس مسئلے میں رائے کا اختلاف موجود تھا۔ لیکن بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے کے خطا ہونے پر تنبہ ہوا اور آپ نے سابق موقف کو ترک کر دیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی نوعیت کا فریقین کی طرف سے ایک تنازع پیش ہوا۔ ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ اس مسئلے میں دوسرا فریق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے بیان کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں فریق کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص صاحب فراش کی اولاد ہے دوسرے کا حق نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر معاویہ! زیاد کے حق میں آپ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ (وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا) تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔

یہ دوسرا کیس اپنی جگہ واضح تھا جب کہ زیاد والے کیس میں عبد بن زمعہ کی طرح کوئی مدعی ہی نہیں تھا تو اگر ایسے الجھے ہوئے معاملے میں ظاہر حدیث منطبق نہیں کی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل کھلے معاملے میں بھی اس کا خلاف کیا جائے۔ فلہٰذا اس مقدمے کے فیصلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مومنانہ شان سے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلے سے بہرحال بہتر اور اولیٰ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ الزامی طور پر حدیث رسول کے اولیٰ بالعمل ہونے کی دعوت ہے۔

پہلے کیس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بطور ایک مجتہد کے ایک رائے رکھتے تھے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس فیصلے کو صحیح سمجھا لیکن اس دوسرے کیس میں اجتہاد کو راہ نہ تھی۔ اس میں آپ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں معاویہ کے اجتہاد کی یہاں کوئی گنجائش ہی نہیں۔

چنانچہ محدث ابویعلی موصلی رحمہ اللہ نے اپنے مسندات میں اس مسئلے کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فطالت خصومتهم فدخلوا معه على معاوية وفهو تحت رأسه فادعيا فقال

---

[1] اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۷، ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار۔ طبع کراچی۔

معاوية سمعت رسول الله ﷺ يقول "الولد للفراش وللعاهر الحجر" قال نصر فاين قضاءك هذا؟ يا معاوية فى زياد فقال معاوية قضاء رسول الله ﷺ خير من قضاء معاوية))[1]

اور فتح الباری میں یہی مضمون بعبارت ذیل درج ہے:

((وفى حديث معاوية قصة أخرى له مع نصر بن حجاج و عبدالرحمن بن خالد بن وليد فقال له نصر فاين قضاءك فى زياد؟ فقال قضاء رسول الله ﷺ خير من قضاء معاوية))[2]

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت داری اور حق پسندی کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا اور اتباع نبوی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے اور فرمان رسالت کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے تھے۔

حقیقت حال

استلحاق زیاد کے واقعہ کے سابق و لاحق دونوں پہلو ناظرین کے سامنے آ گئے۔ رائے سابقہ کے مالہ و ما علیہ اور اس کے اسباب و دواعی کو بھی سامنے لایا گیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں جو رجوع کیا ہے اگرچہ وہ علیٰ سبیل الالزام کے ہے وہ بالکل واضح اور برملا ہے اور اکابر محدثین نے بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی عبارات بھی اہل علم کی تسلی کے لیے اوپر لکھ دی گئی ہیں۔

اور کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً قبیح ہے نہ شرعاً غلط ہے نہ واقعتاً برا ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عرصہ کے بعد اپنے بعض مسائل سے رجوع کیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے متعہ کے مسئلے سے رجوع کر لیا۔ پہلے اس کے جواز کا قول کرتے تھے لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا فیصلہ کر لیا۔ اصول سرخسی جلد اول میں ہے:

((ابن عباس رضي الله عنهما كان يقول باباحة المتعة ثم رجع الى قول الصحابة))[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع کر لینے کا یہ مسئلہ بے شمار محدثین و فقہاء نے نقل کیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی خیال کیا ہے۔ اس چیز پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی نقد و

---

[1] مسند ابی یعلیٰ ص ۳۴۷ ج ۶ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۴ ج ۵ تحت باب الولد للفراش

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۲ ج ۱۲ تحت آخر باب الولد للفراش حرۃ کانت او امۃ
اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار طبع کراچی

[3] اصول سرخسی (ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی) ص ۳۲۱ ج ۱ طبع اول دکن۔

طعن نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اس مسئلے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طعن و ملامت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ ان کی حق پسندی پر یہ واقعہ قوی دلیل ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔

طعن کرنے والوں کی نظروں میں یہ عیب و نقص ہی معلوم ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف سے رجوع کر لینا بھی ثابت ہے اور اکابر محدثین نے اسے نقل کر دیا ہے۔ ان حالات میں حضرت موصوف پر طعن قائم رکھنا اور قبیح تنقید کی شکل میں اسے عوام میں بیان کرنا بڑا ظلم ہے[1] اور قابل نفرت تعبیرات سے اسے ادا کرنا اور مذموم عبارات کی شکل میں لکھنا نہایت ناروا طریق اور برا انداز تحریر ہے۔ یہ ایک مقتدر صحابی کے حق میں بدظنی نشر کرنے کا معاندانہ رویہ ہے جو قابل مذمت ہے۔

---

[1] استلحاق زیاد کے واقعہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے بعبارت ذیل تنقید ذکر کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کے مسلمہ قاعدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ (حالانکہ ایسا نہیں۔ یہاں ایک فارق موجود تھا جس کی تفصیل اوپر ہم نے ذکر کر دی ہے)۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی زنا کاری پر شہادتیں قائم کیں (کیا یہ دور جاہلیت کی بات نہیں؟)

③ اور اس معاملے میں حلال و حرام کی تمیز بھی روا نہیں رکھی...... وغیرہ وغیرہ

لطیفہ: یہی زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں کارکن تھا تو ثقہ، معتمد، بہترین صالح شخص تھا مگر وہی شخص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ گیا تو وہ بڑا قبیح، بدکار، ظالم، ولد الحرام، ولد الزنا، حرامی بن گیا۔ یا للعجب!! (منہ)

مسئلہ استخلاف یزید

معترض دوست استخلاف یزید کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت کچھ اعتراضات قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ منتخب کرنا درست نہیں تھا اس طریقہ سے سابقہ خلفاء کا انھوں نے خلاف کیا اور مخالفین اسلام قیصر و کسریٰ کے طریقہ کو مروج کیا۔ اس وجہ سے امت میں بڑے مفاسد کھڑے ہوئے۔ آپ نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ یہ کام انھوں نے ذاتی مفاد اور حفاظت اقتدار کی خاطر سرانجام دیا تھا جو امر مذموم تھا۔

اس مسئلے کو صاف کرنے کے لیے چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں، امید ہے قابل اطمینان ہوں گے:

① مسئلہ استخلاف یزید میں پہلے یہ چیز معلوم کرنی چاہیے کہ شرعی طور پر فرزند کو اپنے والد کی جگہ پر والی و حاکم منتخب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ چیز واضح ہے کہ نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے اعتبار سے یہ صورت منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ شیعہ حضرات اس مسئلہ پر اپنی کتابوں سے بھی کوئی سند نہیں لا سکے کہ بیٹے کو جانشین بنانا ناجائز ٹھہرے۔ اگر شرعی قوانین اور آئین کی رو سے بیٹے کو باپ کی جگہ پر والی منتخب کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس دور کے اکابر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیسے منتخب کرلیا؟ انھیں کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔

بلکہ روایات میں اس طرح موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے بعد خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی اور بلایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

((ثم النصرف بالحسن بن علی من دفنه فدعا الناس إلی بیعته فبایعوه)) [1]

یہاں سے واضح ہوگیا کہ والد کی جگہ اس کے فرزند کو والی اور حاکم بنانا درست ہے، یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور نہ یہ قیصر و کسریٰ کے طریق کی اتباع ہے اور جو لوگ دن رات وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاؤدَ

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی ابن ابی طالبؓ طبع لیڈن

پڑھتے ہوں وہ اس قسم کی غلط بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ البتہ انتخاب میں اس کی اہلیت شرط ہوتی ہے اور اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

(۲) مسئلہ استخلاف کے متعلق امت کے اکابر علماء نے شروط اور قیود ذکر کی ہیں جن کو ذیل میں ذکر کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔

چوتھی اور پانچویں صدی کے حنابلہ وشوافع کے کبار علماء کے یہ بیانات ہیں ان کو پہلے درج کیا جاتا ہے، اس کے بعد دیگر مورخین و محدثین کے فرمودات اور مزید چیزیں ذکر کی جائیں گی جو اس مسئلہ کے سمجھنے میں مفید و معین ہیں:

شروط و قیود

چنانچہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے کتاب الاحکام السلطانیہ میں اس چیز کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے:

((وقال الاكثر من الفقهاء والمتكلمين تجوز امامته و صحت بيعته ولا يكون وجود الافضل مانعا من امامة المفضول اذا لم يكن مقصرا عن شروط الامامة كما يجوز فى ولاية القضاء تقليد المفضول مع وجود الافضل))[1]

"یعنی مسئلہ ہذا میں علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے علامہ ماوردی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر فقہا اور متکلمین کا قول یہ ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور اس کی بیعت صحیح ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفضول میں امامت کے شروط میں کوتاہی نہ پائی جائے۔ جیسا کہ قضا کے معاملہ میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔"

اور قاضی ابویعلی محمد بن حسین الفراء اپنی تصنیف الاحکام السلطانیہ میں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

((ويجوز ان يعهد الى من ينتسب اليه بابوة او بنوة اذا كان المعهود له على صفات الائمة لان الامانة لا تنعقد للمعهود إليه بنفس العهد وانما تنعقد بعهد المسلمين والتهمة تنتفى عنه))[2]

"مطلب یہ ہے کہ اگر منصب یافتہ شخص صفات امامت کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ

---

[1] کتاب الاحکام السلطانیہ (ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ) ص ۵ تحت باب الاول فی عقد الامامت (طبع مصر)

[2] الاحکام السلطانیہ (ابویعلی محمد بن حسین الفراء المتوفی سنہ ۴۵۸ھ) ص ۹ تحت فصول فی الامامہ طبع مصر (المتوفی سنہ ۴۵۸ھ)

باپ ہو یا بیٹا ہو۔ کیونکہ کسی کو محض عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدے دار نہیں بن جاتا بلکہ وہ شخص اسی وقت عہدے دار کہلانے کا حق دار ہوتا ہے جب مسلمان اسے اس عہدے کے لیے قبول کریں اور اسی صورت میں عہدہ دینے کی تہمت سے بچا جا سکتا ہے۔''

چنانچہ ان شروط وقواعد کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اس منصب کے لیے اہلیت وصلاحیت کا پایا جانا لازم ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا گیا جیسا کہ آگے اس کا ذکر آرہا ہے۔

(۳) استخلاف یزید کے متعلق اکابر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمۃ اللہ علیہم اس مسئلے میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ اس انتخاب اور نامزدگی کا یہ طریق کار درست نہیں۔ لیکن دیگر صحابہ اور اکابرین امت کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات کے مطابق یہ انتخاب اور نامزدگی درست ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے بھی یہی تھی کہ اگرچہ یزید سے افضل حضرات موجود ہیں تاہم حالات حاضرہ کے پیش نظر مفضول کی نامزدگی درست ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر وکسریٰ کی اتباع میں ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت کی سیاسی وملکی ضرورت کے تحت انھوں نے ایسا کیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد فکر تھا۔

استخلاف یزید کے مسئلہ میں تاریخوں کے اعتبار سے بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بعض روایات کے پیش نظر یہ واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا دیگر حضرات یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر فاضل افراد (جو دین واسلام اور عبادت میں سبقت رکھنے والے ہیں) موجود ہیں تو ان کو چھوڑ کر ایک مفضول کو جو رائے اور معرفت (یعنی ملک رانی اور تدبیر مملکت) میں قوی ہو، مقدم کر دیا جائے تو درست ہے۔

شرح بخاری میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

(۱) ((وکان رأی معاویة فی الخلافة تقدیم الفاضل فی القوة والرأی والمعرفة علی الفاضل فی السبق الی الاسلام والدین والعبادة۔ فلهذا اطلق انه احق))[1]

اور قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے معاملے میں درست اقدام کیا تاہم انھوں نے یہ چیز تسلیم کی ہے کہ:

(۲) ((ألا انا نقول ان معاویة ترك الافضل فی ان یجعلها شوری والا یخص

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۳۲۴ ج ۷ تحت الحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما (ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جانا)

بها احدا من قرابته فكيف ولدا))[1]

''یعنی ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے کے متعلق شوریٰ قائم کرنا افضل تھا اور قرابت داری میں سے اگرچہ بیٹا ہو اس کو خاص نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انھوں نے افضل اور بہتر چیز کو اس معاملے میں ترک کر دیا۔''

لیکن اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک مجبوری بھی تھی آپ کے حلقہ سیاست کے لوگ جو سالہا سال سے آپ کے وفادار چلے آ رہے تھے اور بڑی بڑی حوصلہ آزما جنگوں میں وہ آپ کے فدا کار ساتھی رہے تھے انھیں چھوڑنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بس میں نہ تھا۔ شامی لوگ اموی شخص کے بغیر کسی اور کی ولی عہدی پر راضی نہ ہو سکتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ ان کی رائے کے خلاف چلنے سے جمعیت اسلام پھر کہیں منتشر نہ ہو جائے اور دو تین سلطنتیں قائم نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا اور نظم سلطنت میں وہ تدبیر اختیار کی کہ آئندہ انتشار سلطنت کا کوئی عنوان قائم نہ ہو سکے۔

عراق کے لوگ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے تھے لیکن ان کا عدم استقلال اور غیر مستقل مزاجی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی نہ تھی۔ آپ کا سیاسی تدبر اس کے سوا اور کوئی راہ نہ پا سکا کہ جانشین شام والوں میں سے چنیں اور یہ کہ اموی ہو۔ ان کے مشیروں کی رائے میں اس پہلو سے یزید کے سوا کوئی اور امیدواران شرطوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مضمون کو بعبارت ذیل بیان کیا ہے:

((وعدل عن الفاضل الى المفضول حرصا على الاتفاق واجتماع الاهواء الذى عند الشارع وإن كان لا يظن بمعاوية غير هذا۔ فعدالته وصحبته مانعة من سوى ذالك))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف عدول کیا۔ وہ قوم کے اتفاق اور اجتماع کی رعایت اور لوگوں کی خواہشات کا لحاظ کیے ہوئے تھے اور ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں بہتر گمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی دیگر چیز ان کی عدالت اور صحابیت کی شان کے خلاف ہے۔''

نیز ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو دیگر عبارات کی شکل میں بھی پیش کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

---

[1] العواصم من القواصم (ابن العربی) ص ۲۲۲ تحت بحث ہذا

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۱ تحت الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد طبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

((والذی دعا معاویة لایثار ابنه یزید بالعهد دون من سواه انما هو مراعاة المصلحة فی اجتماع الناس واتفاق اهواءهم باتفاق اهل الحل والعقد علیه حینئذ من بنی امیة اذ بنوامیة یومئذ لا یرضون سواهم وهم عصابة قریش واهل الملة اجمع واهل الغلب منهم اثره بذالك دون غیره ممن یظن انه اولی بها))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کو منصب خلافت نہیں دیا بلکہ اپنے فرزند یزید کو دیا۔ یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت سامنے تھی اور بنو امیہ کے اہل حل وعقد کے اتفاق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔ اس دور میں بنو امیہ قریش کی بڑی جماعت تھی اور ان کا غلبہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص پر رضامند ہونے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات کے پیش نظر یزید کو منتخب کیا اور اس منصب کے لیے بہتر سمجھا۔''

مسئلہ ہذا میں مصلحت اور حسن ظن

اور مقدمہ میں ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس چیز کو بعبارت ذیل بھی پیش کیا ہے:

((وکذالك عهد معاویة الی یزید خوفا من افتراق الکلمة بما کانت بنوامیة لم یرضوا تسلیم الامر الی من سواهم فلو قد عهد الی غیره اختلفوا علیه مع ان ظنهم کان به صالحا ولا یرتاب احد فی ذالك ولا یظن بمعاویة غیره فلم یکن لیعهد الیه وهو یعتقد ما کان علیه من الفسق حاشا لله لمعاویة من ذالك))[2]

''مطلب یہ ہے کہ اپنے فرزند یزید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو منصب سپرد کیا تھا وہ کلمہ اہل اسلام میں افتراق وانتشار سے بچانے کی بنا پر تھا۔ اس سبب سے کہ قبیلہ بنوامیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف سپرد کر دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ اگر یہ معاملہ ان کے غیر کی طرف سپرد کر دیا جاتا تو یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر دیتے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یزید کے متعلق ان کا بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (بظاہر کوئی چیز اس کے خلاف نہ پائے جانے پر) ان کا یہ ظن فی نفسہ درست تھا۔ یزید میں فسق و فجور ظاہری طور پر اور برملا پایا جائے اور پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں، حاشا وکلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون تحت الفصل الثالثون فی ولایۃ العہد ص ۲۱۱ مطبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۵ ج ا تحت انقلاب الخلافہ الی الملک (طبع بیروت)

چیز بعید ہے۔"

(حاشیہ) قوله مع ان ظهم كان به صالحا یزید بن معاویہ کے قبائح اور معائب کے متعلق لوگوں کے بہت کچھ اقوال پائے جاتے ہیں۔ لیکن افراط وتفریط کے درمیان یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ جس دور میں یزید کا انتخاب اور نامزدگی کی گئی اس دور میں اس کے مفاسد اور قبائح علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔ چنانچہ اس پر مندرجہ ذیل قرائن دستیاب ہوتے ہیں:

❁ مورخین نے لکھا ہے کہ جب بلاد روم میں غزوات ہوئے اور غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اسلام کی طرف سے جو لشکر اس غزوہ کے لیے پہنچا اس کا امیر الجیش یزید بن معاویہ تھا اور متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے زیر کمان اسلامی جہاد میں شریک تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اور ایک دیگر مقام پر یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما بھی اس جیش میں شریک وشامل تھے۔

((وفيها (سنة ۴۹ھ) غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطينية ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر و ابن عباس وابن الزبير وابوايوب الأنصاری رضی اللہ عنہم))[۱]

((وقد كان (الحسين بن على رضی اللہ عنہما) فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فى سنة احدىٰ وخمسين))[۲]

❁ نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کے دوران میں جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو یزید نے آپ کی بیمار پرسی کی اور آپ نے یزید کو بعض وصیتیں فرمائیں جن پر اس نے عمل کیا۔ اور جب آپ فوت ہو گئے تو یزید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ:

((وكان (ابوايوب الانصارى رضی اللہ عنہ) فى جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذى صلى عليه))[۳]

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دور میں یزید کی سربراہی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا۔ یزید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیادت کی اور ان کے وصایا پر عمل کیا اور اس نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ باہلہ سنہ ۵۱ھ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۸ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت ابو ایوب الانصاری سنہ ۵۲ھ

فلہٰذا یہ چیزیں اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس دور میں یزید کے قبائح اور معائب ظاہر نہیں تھے اور اس کا کردار درست تھا۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے ساتھ کارہائے خیر میں شریک رہتے تھے اور جہاد جیسے اہم امور کو یزید کی معیت میں سرانجام دیتے تھے۔

اگر یزید کا کردار اس زمانہ میں خراب تھا اور عادات قبیحہ کا مرتکب تھا تو پھر ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ساتھ تعاون کیسے روا رکھا؟ اور ان امور خیر میں کیسے شامل رہے؟ آیات و احادیث کیا ان کے پیش نظر نہیں تھیں؟

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے ساتھ جب اس دور کے لوگوں کا یزید کے متعلق کلام ہوا اس وقت انھوں نے یزید کے معائب ذکر کیے تو ان کے جواب میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

((ما رأیت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلاة متحریا للخیر یسئل عن الفقه ملازما للسنة۔ قالوا فان ذالك كان منه تصنعا لك))[1]

''یعنی محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: معائب کی جو چیزیں تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں۔ میں نے اس کے پاس اقامت کی ہے، میں نے اس کو نماز کا پابند، امر خیر کا تلاش کرنے والا، دینی مسائل کا دریافت کرنے والا اور سنت کو لازم پکڑنے والا پایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اس سے بطور تصنع کے صادر ہوئی ہیں۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے کیا خوف اور کیا امید تھی کہ اس نے ایسی چیز کا اظہار کیا؟''

مسئلہ ہذا کی تائید

اسی طرح حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''اثبات شہادت حسین'' میں اس مسئلے کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

''وقتیکہ امیر معاویہؓ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہؓ را ازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از و مشہود شد مشہور است۔''[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۳۳ ج ۸ تحت حالات یزید

[2] تحقیق و اثبات شہادت حسین از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ص ۷۶ مترجم انوار الحسن شیرکوٹی

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہیں تھا۔ اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔''

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یزید پہلے فاسق نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی اس صلاحیت کی بنا پر اسؓ کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ نیز یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شیرازۂ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بیعت اس لیے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دار خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لیے کہ امت مسلمہ میں خوں ریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں۔ یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ اُن کی اللہ اور رسول اللہ سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو۔ بایعنا هذا الرجل علی بیعة الله ورسوله (بخاری)

مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو، اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا۔ آئندہ کے لیے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ (والغیب عند الله تعالیٰ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔

مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی طرف سے تائید

مکتوبات قاسمی میں مولانا مرحوم نے اسی مسئلے کو اس طرح نقل کیا ہے:

''واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہؓ درباره خلافت آن بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگراں۔ نظر بریں او را افضل از دیگراں دانستند و اگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شده کہ استخلاف افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن ایں قدر را گناه نتواں گفت کہ بسب وشتم امیر معاویہ پیش آئیم ایں طرف امیر معاویہؓ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل و اولی ہم دریں چنیں امور معذرت نمائیم۔''[1]

---

[1] مکتوبات قاسمی مع ترجمہ اردو ص ۳۸-۳۹ بعنوان مذہب امیر معاویہ درباره خلافت۔

''یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ دوسروں کے اعتبار سے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہوں) تو وہ دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے لیے افضل ہے۔ اس بنا پر وہ (یزید کو اس معاملے میں) دوسروں سے افضل جانتے تھے اور اگر افضل نہیں جانتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انھوں نے ترک افضل کیا، ترک واجب نہیں کیا۔''

چنانچہ مقدمات سابقہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں۔ لیکن ترک افضل و ترک اولیٰ کو ایسا گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر سب وشتم کرنے لگیں اور ان کو اکابر صحابہ میں سے شمار نہ کریں۔

مندرجات بالا کے فوائد وثمرات آیندہ عنوان ''بحث کا اختصار'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بحث کا اختصار

① حاصل کلام یہ ہے کہ استخلاف کے مسئلے میں چند اشیاء پیش کی گئی ہیں جن میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے انتخاب میں کسی شرعی قاعدہ اور اسلامی ضابطہ کا برخلاف نہیں کیا۔

② اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور کے حالات کے پیش نظر یہ انتخاب کیا تھا (اگرچہ بعض حضرات صحابہ اس انتخاب کے خلاف رائے رکھتے تھے) تاہم متعدد صحابہ کرام اور اکابرین امت اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ تھے بلکہ ہم نوا تھے۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس دور میں امت مسلمہ کے مقاصد خیر اور اجتماعی مصالح تھے اور قریش کے بڑے اہم قبیلہ بنوامیہ کے اتفاق واتحاد کو افتراق سے بچانا مقصود خاطر تھا تا کہ اہل اسلام کی مرکزی قوت میں انتشار واقع نہ ہو اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم رہے پارہ پارہ نہ ہو جائے۔

④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کے متعلق حسن ظن تھا کہ اس میں انتظام مملکت کی اہلیت اور صلاحیت پائی جاتی ہے اور ظاہر طور پر اس میں خلاف اسلام کوئی بات موجود نہیں تھی، اور غیب کی کسی بات پر اطلاع بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے آں موصوف اس مسئلے میں معذور ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ

((معاوية معذور فيما وقع منه ليزيد لانه لم يثبت عنده نقص فيه))[1]

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مورد الزام بنانا کسی طرح درست نہیں۔

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید کو خلیفہ نامزد کر کے تقویٰ کے اعلیٰ درجے کے خلاف

---

[1] تطہیر الجنان مع الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۵، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ۔

جواز کے درجہ کو اختیار کیا، کسی امر واجب کا خلاف نہیں کیا۔ حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے جو طریق استخلاف اختیار فرمایا وہ تورع اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے حالات اور مصالح کے پیش نظر انتخاب کے مسئلے میں جو صورت اختیار کی وہ درجہ جواز میں تھی، اور غایت سے غایت یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس مسئلے میں ترک افضل کیا۔

لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل ایک بہت بڑی طاقت تھے انھیں نظر انداز کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو نامزد نہیں کر سکتے تھے۔ فلہٰذا ان کا یہ طریق کار شرع کے برخلاف نہیں اور نہ نفرین و تقبیح کے لائق ہے اس وجہ سے ان پر نہ تو سب و شتم روا ہے اور نہ طعن و تشنیع درست ہے اور نہ ملامت جائز ہے۔

بدعنوانیاں

استخلاف یزید کے سلسلے میں معترض احباب کئی روایات کا سہارا لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرتے ہیں کہ انھوں نے بیعت یزید کے معاملے میں کئی بدعنوانیاں کیں۔ اب اس کے جواب کے لیے چند عنوانات قائم کر کے کلام کیا جاتا ہے ان پر غور فرمالیں:

(۱) طمع وتحریص

معترض دوست حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض قائم کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو طمع و لالچ دلا کر اپنے فرزند کی خلافت کے لیے بیعت پر آمادہ کیا اور اس سلسلے میں زر کثیر صرف کیا۔ اسی طرح کئی لوگوں نے طمع و لالچ میں آ کر بیعت یزید قبول کر لی۔

اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہیے کہ اس اعتراض کی بنیاد عموماً تاریخی روایات پر ہے اور وہ اس درجہ کی قابل اعتماد نہیں کہ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن کی بنیاد بنایا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز و طریق لوگوں سے حسن سلوک کا تھا اور وہ لوگوں کے ساتھ روا داری کا برتاؤ کرتے تھے، لوگوں کو اموال عطا کرنا ان کا شیوہ تھا اور وہ اکابر کو عطایا، ہدایا اور وظائف دیا کرتے تھے۔ لیکن ان واقعات کو معترض احباب نے بیعت یزید کے سلسلے میں اعتراض قائم کرنے کا ایک زینہ بنا لیا ہے اور اپنے فاسد اغراض کی خاطر واقعات کا رخ دوسری طرف کر دیا ہے اور اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک پسندیدہ فعل کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے ہوئے طمع و لالچ دلانے اور رشوت کا نام دے کر ایک معیوب چیز اور قابل طعن چیز بنا دیا ہے۔ سچ ہے کہ:

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

نیز اس سلسلے میں جو روایت رشوت دینے دلانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رشوت دی

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رشوت لی، اس روایت کے رواۃ میں سے بعض راویوں کا حال ذیل میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

((ووقع عند الاسماعیلی من طریق مومل بن اسماعیل عن حماد بن زید))

مومل بن اسماعیل کے متعلق اگرچہ توثیق بھی پائی جاتی ہے تاہم نقد و جرح بھی مذکور ہے۔ چنانچہ یعقوب بن سفیان بسوی ذکر کرتے ہیں کہ

((وقد یجب علی اهل العلم ان یقفوا عن حدیثه ویتخففوا من الروایة عن فانه منکر یروی المناکیر عن ثقات شیوخنا))[1]

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((وقال البخاری منکر الحدیث وقال ابوزرعة فی حدیثه خطأ کثیر))[2]

اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

((وقال محمد بن نصر المروزی المومل اذا انفرد بحدیث وجب ان یتوقف و یثبت فیه لانه کان سیئ الحفظ کثیر الغلط))[3]

❁ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ اہل علم پر لازم ہے کہ مومل کی حدیث سے رک جائیں اور اس سے روایت لینا کم کر دیں۔ یہ منکر الحدیث ہے، ثقہ شیوخ سے منکر روایات نقل کرتا ہے (جو معروف روایات کے خلاف ہوتی ہیں)۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومل منکر الحدیث ہے اور ابو زرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومل کی حدیث میں بہت خطا ہوتی ہے۔

❁ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومل جب حدیث کے نقل کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے توقف کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس کا حافظہ خراب تھا، کثیر غلطیاں کرنے والا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ اس نوع کی روایات پر رشوت دینے دلانے کے طعن کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں۔ ایسے مجروح راویوں کی روایت کے ذریعے سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور وثاقت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ فلہٰذا یہ روایات قابل اعتناء نہیں۔

۱۔ المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص۵۲ ج۳ طبع بیروت۔

۲۔ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۲۸ ج۴ تحت مومل بن اسماعیل (طبع بیروت)

۳۔ تہذیب التہذیب ص ۳۸۱ ج۱۰ تحت مومل بن اسماعیل۔

② فریب کاری وحیلہ سازی

نیز یہ چیز بھی مخالفین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کے معاملے میں بڑی حیلہ سازی کی تھی اور مکر وفریب سے کام لیا تھا۔

اس طعن کا مدار طبری کی ایک روایت پر ہے جس میں بیعت یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد کی طرف مشورے کے طور پر خط تحریر کرنا اور پھر زیاد کا عبید بن کعب کی طرف قاصد بھیجنا مذکور ہے۔ اس روایت کی سند اس طرح مذکور ہے کہ:

((حدثنی الحارث قال حدثنا علی عن مسلمة قال لما اراد معاوية ان يبايع ليزيد كتب الٰى زياد...... الخ))

اس روایت کی سند کا مختصر سا حال ملاحظہ فرمائیے جو بنائے طعن ہے کہ یہاں طبری کا شیخ حارث ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ شخص کون بزرگ ہیں۔ کیونکہ طبری کے شیوخ میں کئی حارث مذکور ہیں مثلاً حارث بن محمد، حارث بن کعب اور حارث بن حصیر وغیرہم۔ اوران حوارث میں بعض شیعہ بزرگ بھی ہیں۔

سند میں دوسرا راوی علی ہے، اور علی سے مراد کون علی ہیں؟ بظاہر علی سے مراد علی بن محمد مدائنی ہے جو ایک مورخ اور اخباری آدمی ہے۔

سلسلہ سند میں تیسرے راوی مسلمہ ہیں جن کے متعلق حسب سابق معلوم نہیں کہ کون مسلمہ ہیں۔ بظاہر یہ ہے کہ مسلمہ بن محارب کوفی ہے جو اس دور کا آدمی نہیں ہے جس دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ طبری کی بعض روایات میں یہ سلسلہ سند اس طرح مذکور ہے کہ

((حدثنی عمرو بن شبه قال حدثنی ابوالحسن المدائنی (علی بن محمد) اخبرنا مسلمة بن محارب عن داود بن أبی هذا عن شعبی...... الخ))[1]

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ بن محارب بعد کے دور کا آدمی ہے اور جس دور میں مذکورہ بالا مسئلہ پیش آیا تھا اس دور میں یہ شخص موجود نہیں تھا۔ فلہٰذا بنائے طعن کی روایت کے اسناد پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے، راوی اور واقعہ کے درمیان انقطاع زمانہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی روایت کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر الزام تراشی اور فریب کاری وغیرہ کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ مخالفین کی طرف سے اس نوع کی روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کے لیے لوگوں میں پھیلائی جاتی ہیں جو لائق اعتبار اور قابل اعتناء نہیں۔

---

1. تاریخ طبری ص ۱۵۶ ج ۵ سنہ ۳۵ ھ (تحت احوال قتل عثمان)

③ جبر و اکراہ

اور دیگر یہ چیز اس مقام پر بطور طعن ذکر کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر مسئلہ بیعت کی خاطر بہت کچھ دباؤ ڈالا اور لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور کر دیا اور انھیں اس کے بغیر چارۂ کار نہ رہا۔ چنانچہ لوگوں نے اضطراری حالت میں بیعت یزید قبول کر لی۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہوئے معائب اور مطاعن کے متعلق بہت کچھ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے یہ طعن اور اعتراض بھی اسی درجے میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت یزید کا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلے کے درجے میں تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور اس میں (جیسا کہ اپنی جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے) رائے کا اختلاف ہوا تھا۔ بعض اس کے خلاف تھے اور بعض دیگر اس رائے کے حق میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس دور کے حالات اور سیاسی و ملّی مصالح کے پیش نظر اسے صحیح سمجھتے تھے۔

لوگوں پر اس معاملے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ جو شیعی مورخ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہیں انھوں نے بھی برملا طور پر اپنی شیعی تواریخ میں لکھ دیا ہے کہ

((و حج معاوية تلك السنة۔ فتألف القوم ولم يكرههم على البيعة))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سال حج کیا اور قوم کے ساتھ الفت سے پیش آئے اور انھیں بیعت (یزید) پر ہرگز مجبور نہیں کیا۔''

یہ تصدیق اعدائے معاویہ کی طرف سے اس طعن کا صحیح جواب ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم پر بیعت یزید کے سلسلے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا۔

④ تہدید قتل

اس مقام پر بیشتر تاریخی روایات اس نوع کی ہیں جو مجروح اور مقدوح رواۃ سے مروی ہیں اور اس وجہ سے درجہ صحت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چنانچہ ان کا اجمالی محاسبہ ذکر کیا جاتا ہے:

سند پر کلام

ایسی تاریخی روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے حق میں قتل کی سزا کی تہدید مذکور ہے ان روایات کی سند میں بعض جگہ راوی کہتا ہے کہ

((قال سمعت أشياخ المدينة يحدثون))

---

[1] تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب کاتب العباسی الشیعی المعروف یعقوبی) ص ۲۲۹ ج ۲ تحت واقعات وفات امام حسن رضی اللہ عنہ (۴۹ھ) طبع بیروت

''میں نے یہ روایت شیوخ مدینہ سے سنی ہے۔''

یہ اہل مدینہ کے اشیاخ خدا جانے کون حضرات ہیں؟ کس ذہنیت کے مالک ہیں؟ اور ان کا دینی معیار کیسا ہے؟ ایسے مجہول الذات رواۃ کی روایت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

بعض دیگر روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے لیے وعید اور تہدید کی گئی ہے اور قتل کی سزا کا خوف دلایا گیا ہے ان روایات کی سند میں مذکور ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلۃ یعنی مجھے ایک شخص نے نخلہ کے مقام پر بیان کیا۔

یہ رجل مجہول الذات والصفات ہے۔ خدا جانے وہ کیسا شخص ہے؟ کس ذہنیت کا مالک ہے؟ اور کیسے نظریات کا حامل ہے؟ اس قسم کے مجہول رواۃ کی روایات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو گرانا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

اور اس مسئلے کے متعلقہ بعض روایات جو حدیث کی کتابوں میں دستیاب ہوتی ہیں ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس مسئلے میں اپنے خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے ساتھ گفتگو پائی جاتی ہے۔ وہاں دونوں فریق کے درمیان خلاف رائے کے درجے تک تکلم اور کلام پایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس معاملے میں شدت بھی مذکور ہے جیسا کہ مختلف فیہ مسئلے پر فریقین کے کلام میں شدت آ جایا کرتی ہے اور سخت کلامی تک نوبت پہنچتی ہے، لیکن اس سے زیادہ چیز وہاں مذکور نہیں۔

کسی مسئلے میں اختلاف رائے کا پایا جانا معاشرے کا ایک لازمہ ہے جس سے اجتناب ایک مشکل امر ہے۔ اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے مثلاً:

① صدیقی دور خلافت میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل کی سزا و جزا کے معاملے میں اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ فرماتے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سزا ملنی چاہیے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ یہ واقعہ ایک غلط فہمی کی بنا پر سرزد ہوا ہے فلہٰذا مالک بن نویرہ وغیرہ کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سزا کے مستحق نہیں۔ چنانچہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل درآمد ہوا اور انھوں نے مالک بن نویرہ کی دیت ادا کی اور ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹا دیا۔[1]

② ابو لولو مجوسی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد اس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بے قابو اور مغلوب الغضب ہو کر قتل کر دیا تو اس وقت

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۷۰ ج ا تحت واقعہ ہذا در عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ان کے قتل کے بدلے اور عوضانہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ ابولولو کے رشتہ داروں کے قتل کے عوض میں عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قتل کا بدلہ لیا جانا چاہیے، مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو اس وقت خلیفہ منتخب ہو چکے تھے انھوں نے ان حضرات کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے ان مقتولین کا معاوضہ اپنی طرف سے ادا کر کے تنازع کو ختم کر دیا۔

اس نوع کے کئی معاملات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ملتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف کا واقع ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح استخلاف یزید کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے جواز کے حق میں تھے اور بعض اس معاملے میں خلاف رائے رکھتے تھے (مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حضرت حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) ۔ان حضرات میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے اختلاف کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اس معاملے میں موافقت اختیار کر لی تھی اور امت کو مزید خون ریزی سے بچا لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے مسئلے میں نہ کسی کو زدوکوب کیا ہے، نہ کسی کو قید میں ڈالا ہے، نہ کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کسی کو سزا دی ہے۔ مورخین کی روایات پر نظر کر کے معترضین نے یہ تمام مطاعن مرتب کیے ہیں اور ایسی دلکش عبارات میں عوام کے سامنے ان کو پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر ناواقف شخص حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چالاکی ہے، فریب دہی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی پیدا کرنے کی تدبیر ہے اور صحابہ کے ساتھ اپنے بغض و عداوت کا اظہار ہے جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں مستور کیے ہوئے ہیں۔

اس مسئلے کی حقیقت اسی قدر ہے جو ہم نے مندرجات بالا میں ذکر کر دی ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج آدمی اصل معاملے کو صحیح طور پر معلوم کر سکتا ہے۔

خود غرضی و مفاد پرستی سے براءت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معترض لوگ استخلاف یزید کے معاملے کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے قبیلے کے مفاد کی خاطر یہ خود غرضی اور مفاد پرستی کا معاملہ کیا تھا۔ وہ اس معاملے میں مخلص نہیں تھے اور انھوں نے اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کی تدبیر اختیار کی تھی۔

یہ چیز واقعات کے برخلاف ہے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیانات اس کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان کے خطبے کا ایک حصہ ناظرین کی خدمت میں ذکر کیا جاتا ہے جو حافظ ذہبی اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔

((وقال ابوبكر بن أبى مريم عن عطية بن قيس قال خطب معاوية فقال اللهم ان كنت انما عهدت ليزيد لما رأيت من فضله۔ فبلغه ما املت واعنه۔ وان

كنت انما حملنى حب الوالد لولده وانه ليس باهل فاقبضه قبل ان يبلغ ذالك))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے خطبہ میں فرمایا: اے اللہ! میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے۔ اس کے متعلق مجھے جو امید ہے اس تک اسے پہنچا دے اور اس کی اعانت فرما۔ اور اگر میں نے محبت پدری کی بنا پر (ولی عہد) بنایا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں تو اس مقصد تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض فرمالے (اور ولی عہدی کو پورا نہ کر)۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی خود غرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر یہ اقدام نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی رائے میں مخلص اور دیانت دار تھے۔ اس بنا پر وہ مجمع عام میں اس قسم کی دعا کر رہے ہیں۔ اس نوع کے بیانات کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ و تابعین حضرات کے حق میں مفاد پرستی اور فاسد اغراض کی طعنہ زنی کرنا نہایت ناروا فعل ہے بلکہ ان کی نیت پر حملہ اور ان کے ساتھ سوءظنی کا مظاہرہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ان چیزوں سے اسلام نے ہمیں منع فرمایا ہے۔ (الله الله فی اصحابی۔ لا تتخذوا هم من بعد غرضا...... الخ) یعنی ارشاد نبوی ہے کہ لوگو! میرے اصحاب کے معاملے میں اللہ سے خوف کرو۔ میرے بعد میرے صحابہ کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنا لینا۔ جس نے ان سے محبت کی وہ ان کے علم و عمل کے باعث نہیں بلکہ میری محبت کی اساس پر ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ان کے کسی عمل کی بنا پر نہ ہوگا ان کا حقیقت میں مجھ سے بغض ہوگا جس کے باعث وہ ان سے بغض کرنے لگیں گے۔

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۷ ج ۲ تحت بیعت یزید
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۶ھ، طبع اول مصر۔

شرب خمر (یعنی شراب پینے) کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب پینے کا طعن وارد کیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد مندرجہ ذیل قسم کی روایات پر ہے:

((حدثنا زید بن الحباب حدثنی حسین حدثنا عبداللہ بن بریدۃ قال دخلت انا وابی علی معاویۃ فاجلسنا علی الفراش ثم أتینا بالطعام فاکلنا ثم أتینا بالشراب فشرب معاویۃ ثم ناول ابی ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول اللہ ﷺ ثم قال معاویۃ کنت اجمل شباب قریش واجوده ثغرا وما شیء کنت اجد له لذة کما کنت اجده وانا شاب غیر اللبن او انسان حسن الحدیث یحدثنی))

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میرا باپ اور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔ انھوں نے ہمیں فرش پر بٹھایا پھر ہمارے لیے طعام لایا گیا پس ہم نے کھایا پھر مشروب لایا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نوش کیا پھر انھوں نے میرے باپ کو پکڑایا پھر انھوں نے کہا جب سے نبی کریم ﷺ نے اسے حرام کیا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قریش کے جوانوں میں اجمل تھا اور میرے سامنے کے دانت عمدہ تھے یعنی میں خوبرو تھا۔ میں جوانی کے دور میں اس سے زیادہ لذت والی چیز نہیں پاتا تھا۔ ایک تو دودھ اور دوسرا ایسا انسان جو مجھے عمدہ گفتگو بیان کرے (یہ دونوں چیزیں میرے لیے پسندیدہ تھیں)۔''

اس روایت میں ''فشرب معاویۃ'' کے لفظ سے مخالفین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کا طعن تجویز کیا ہے۔

الجواب

یہ واضح بات ہے کہ معترض لوگ اصل چیز سے چشم پوشی کر کے اپنے زعم کے مطابق اعتراض پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاندین مخالفین نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

اب اس مقام پر اعتراض ہذا رفع کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بنظر انصاف اگر توجہ فرمائیں گے تو مسئلہ صاف ہو جائے گا اور اعتراض مندفع ہو گا۔

سند کے اعتبار سے بحث

① پہلی بات یہ ہے کہ روایت ہذا کے اسناد میں ایک راوی ''حسین بن واقد مروزی'' ہے اس کے متعلق علماء نے وثاقت ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی یہ چیز بھی لکھی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس حسین بن واقد کی مرویات کا ذکر ہوا تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مرویات کیا چیز ہیں، کچھ بھی نہیں اور اس کی مرویات کی بے وزنی بیان کرتے ہوئے ہاتھ کو جھاڑ دیا۔

۱۔ فاضل عقیلی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ذکر ابوعبدالله حسین بن واقد فقال واحادیث حسین ما أری أی شیء هی؟ ونفض یده))[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

۲۔ ((وربما أخطأ فی الروایات قال احمد فی احادیثه زیادة ما ادری ای شیء هی؟ ونفض یده))

((قال احمد احادیثه ما ادری ای شیئ هی))[2]

۳۔ ((ثقة له اوهام))[3]

۴۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال اور المغنی میں وثاقت ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((واستنکر احمد بعض حدیثه...... الخ))[4]

راوی پر اس طرح نقد پائے جانے کے بعد روایت کا وزن جس درجے کا رہ جاتا ہے وہ اہل علم وفن پر واضح ہے۔

② بالفرض اس سند میں نقد کا اعتبار نہ کیا جائے اور اس سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی اس روایت کے متن کے متعلق اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کی عبارت کا مفہوم واضح نہیں اور معنی کے اعتبار سے مفہوم میں تدافع پایا جاتا ہے۔

۱۔ ضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۵۱ ج ۱ تحت حسین بن واقد المروزی

۲۔ تہذیب التہذیب ص ۳۷۴ ج ۲ تحت حسین بن واقد المروزی

۳۔ تقریب التہذیب ص ۱۱۴ تحت الحسین بن واقد (طبع لکھنؤ)

۴۔ میزان الاعتدال ص ۵۴۹ ج ۱ تحت الحسین بن واقد، طبع بیروت
المغنی (ذہبی) ص ۱۷۶ ج ۱ تحت حسین بن واقد (طبع حلب)

وجہ یہ ہے کہ لفظ "ثم ناول ابی" کے بعد "ثم قال" مذکور ہے۔ اس "قال" کا فاعل اگر لفظ "ابی" کو بنایا جائے تو "ثم قال" کے بجائے نحوی لحاظ سے "فقال" ہونا چاہیے۔ اور اگر "ثم قال" کا فاعل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے تو روایت کا مفہوم باہم متعارض بن جاتا ہے اس وجہ سے کہ ماقبل میں شرب معاوية موجود ہے پھر یہ کہنا کہ ما شربة منذ حرم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے متعارض مفہوم تیار ہوتا ہے۔

نیز اہل علم کی توجہ کے لیے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ روایت ہذا "مصنف ابن ابی شیبہ" میں بعض دیگر الفاظ کے ساتھ اس طرح مذکور ہے اور واقعہ ایک ہی ہے:

((حدثنا عبدالله بن بريدة قال دخلت انا وأبي على معاوية فاجلس أبي على السرير واوتي بالطعام واطعمنا واوتي بشراب فشرب فقال معاوية ما شيء كنت استلذه وانا شاب فاخذه اليوم الا اللبن فأخذه كما اخذه قبل اليوم اليوم والحديث الحسن))[1]

مذکورہ روایت کے متن اور مصنف ابن ابی شیبہ و دیگر محدثین کے متن روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثم قال ما شربة منذ حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات رواۃ کی طرف سے مدرج اور الحاقی ہیں۔ ان کلمات کو عبارت سے الگ کر لیا جائے تو متن روایت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قابل اعتراض روایت کی تعبیر اپنے معنی کے لحاظ سے غیر واضح ہے اور ناقلین کے تصرف سے خالی نہیں۔ اسی بنا پر فاضل ہیثمی نے مجمع الزوائد میں یہ روایت ذکر کرتے وقت قابل اشکال کلمات کو حذف کر دیا اور آخر میں لکھا کہ وفي كلام معاوية شيء تركته[2]

③ درایت کے اعتبار سے

اس کے بعد ہم دوسرے طریقے سے اس مسئلے پر کلام کرنا چاہتے ہیں:

ایک بات تو یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کتاب اللہ کے حامل اور عامل تھے اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قائم کرنے والے اور فرمان نبوی پر عمل کرنے والے تھے۔ کتاب اللہ اور احادیث اس مضمون پر دال ہیں۔ بنا بریں صریح حکم شرعی کی خلاف ورزی کوئی صحابی بھی نہیں کرتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے منصب پر فائز ہیں وہ حرام فعل کے کیسے مرتکب ہوئے اور انھوں نے

---

1. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴-۹۵ ج ۱۱ تحت ما ذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم (طبع کراچی)
2. مجمع الزوائد ص ۴۶ ج ۵ کتاب الاطعمہ

شرعی مسئلے کا کیسے خلاف کر دیا؟ حالانکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حرمت خمر پر کئی روایات اور احادیث منقول ہیں مثلاً:

① ((عن يعلى بن شداد بن اوس سمعت معاوية يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول كل مسكر حرام على كل مؤمن)) [1]

② ((عن معاوية رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من شرب الخمر فاضربوه وان عاد فاضربوه وان عاد فاضربوه فان عاد فاقتلوه)) [2]

''ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سماعت کیا آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز ہر مومن پر حرام اور ناجائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص شراب خوری کرے اس کو (حد) لگاؤ۔ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) لگاؤ۔ اور اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) مارو۔ (اور پھر چوتھی مرتبہ وعیداً اور تہدیداً فرمایا) کہ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو مار ڈالو۔''

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حرمت خمر کی روایات خود نقل کرنے والے ہیں اور نبی اقدس ﷺ سے شراب خوری کی وعیدیں خود سماعت کر چکے تھے اور کاتب نبوی اور منشی رہ چکے ہیں فلہٰذا یہ مسئلہ ان پر مخفی نہیں تھا اور انھوں نے ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہرگز عمل درآمد نہیں کیا۔ یہ تو ان کے مقام دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) فقہی قواعد

① قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا کا جواب علمائے کرام اس قاعدے کے اعتبار سے بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ روایت جو مورد اعتراض ہے درست تسلیم کر لی جائے تو وہ فعلی ہے اور یہ ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہ کی روایات قولی ہیں فلہٰذا قولی اور فعلی کے تعارض کی صورت میں قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

② نیز یہ روایات جو اَب ذکر کی گئی ہیں محرم ہیں اور قابل اعتراض روایت مبیح ہے۔ محرم اور مبیح روایات کے تقابل کی صورت میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱، ابواب الاشربہ باب کل مسکر حرام (طبع دہلی)

[2] مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت مسندات معاویہؓ
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان (نور الدین ہیثمی) ص ۳۶۴ باب ماجاء فی شارب الخمر
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۳۱۳ ج ۸ کتاب الاشربہ والحد فیہا۔

رفع اشتباہ

اگر کوئی ناواقف شخص یہ اعتراض کرے کہ راوی کا عمل جب اپنی مروی روایت کے خلاف پایا جائے تو وہ قواعد کے اعتبار سے قابل اعتراض اور لائق طعن ہے تو اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ علمائے اصول حدیث و فقہ نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

۱۔ ((وان کان قبل الروایۃ او لم یعرف تاریخہ لم یکن جرحا))[1]

۲۔ ((قال فی التوضیح وان عمل بخلافہ قبلھا او لم یعلم التاریخ لا یجرح))[2]

''مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کنندہ کا عمل روایت کرنے سے قبل اپنی مروی کے خلاف پایا گیا یا اس کے عمل کا قبل الروایت ہونا یا بعد الروایت ہونا متعین نہیں ہو سکا تو اس صورت میں یہ چیز راوی کے حق میں قابل طعن نہیں ہے۔''

۳۔ نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام اور اکابر ہاشمی حضرات مثلاً حسنین شریفین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم وغیرہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اور ان کے ہدایا اور وظائف قبول اور وصول کرتے تھے اور اس دور کی جہاد کی مساعی میں شامل رہتے تھے۔[3]

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شراب خوری کے مرتکب تھے تو ان حضرات نے کیوں منع نہیں کیا؟ اور ان کے ساتھ دینی و دنیوی تعلقات کیوں استوار رکھے؟ کیا یہ حضرات ایک گناہ اور ظلم پر تعاون کرتے رہے؟ اور ظلم پر تعاون کے مرتکب ہوئے؟ کیا یہ آیات ان کے پیش نظر نہیں تھیں:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''ہادیاً مہدیاً'' کے الفاظ کے ساتھ دعا دے کر مشرف فرمایا ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں یقیناً منظور ہوئیں۔

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب خوری کا اعتراض درست ہے تو وہ قوم کے لیے ''ہادی'' اور اپنے

۱۔ نور الانوار تحت بیان طعن یلحق الحدیث

۲۔ بذل المجہود شرح ابی داود ص ۸ ج ۲ بحث رفع الیدین

۳۔ مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۹۵ تا ۲۰۹ (مؤلف کتاب ہذا)

⑤ بالفرض اگر قابل اعتراض روایت مذکورہ کو کسی درجے میں تسلیم کر لیا جائے تو اس کا محمل اور مفہوم یہ ہوگا کہ وہ چیز جو ان حضرات نے نوش فرمائی وہ خمر نہیں تھا جو شرعاً حرام ہے اور ناجائز ہے بلکہ وہ اس دور میں ایک قسم کا مشروب تیار کیا جاتا تھا اور وہ مسکر نہیں ہوتا تھا اور بطور مقوی غذا کے بعض اوقات اس کو استعمال میں لاتے تھے اور راوی کی تعبیر نے اس چیز کو ایسے الفاظ میں نقل کیا ہے کہ جس سے اس کے حرام ہونے کا شبہ پیدا کر لیا گیا۔

نبیذ کا استعمال اکابرین امت کی نظر میں

مذکورہ مقوی غذا جو ہم نے ذکر کی ہے وہ نبیذ تھی[1] اور اس دور میں نبیذ تمر (کھجور) سے تیار کی جاتی تھی اور بعض اوقات منقیٰ اور شہد سے بھی بنائی جاتی تھی اور نبیذ شرعاً حلال تھی۔ اس دور میں اکابر حضرات اس کی حلت کی بنا پر ہی استعمال فرماتے تھے۔

فقہائے کرام نے شرب نبیذ کے واقعات میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مقام ذیل ملاحظہ فرمائیں۔[2]

نیز اس مقام پر خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف اور حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے:

① ایک شخص موسیٰ بن طریف اپنے والد سے نقل کرتا ہے (طریف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیت المال کا منشی تھا) وہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبیذ نوش فرمایا جو سبز رنگ کے مٹکے سے لیا گیا تھا۔

۱۔ ((عن موسیٰ بن طریف عن ابیه قال وکان علی بیت مال علی بن ابی طالب ان علیا شرب نبیذ جرة خضراء)) [3]

۲۔ اور علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے متعلق شرب نبیذ کا ذکر کیا ہے کہ وہ مٹکے سے نبیذ نوش فرمایا کرتے تھے۔

((عن منذر الثوری عن ابن الحنفیة انه کان یشرب نبیذ الدن)) [4]

② اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق مذکور ہے کہ خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا اس میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی مدعو تھے پس ہم سب لوگوں نے کھانا کھایا اور اس

---

[1] قوله النبیذ: التمر ینبذ فی جرة الماء او غیرها ای یلقی فیها حتی یغلی وقد یکون من الزبیب والعسل (المغرب للمطرزی) ص۱۹۶ ج۲ تحت النبیذ، طبع دکن۔

[2] المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص۷ تا ۱۳ ج۲۴ کتاب الاشربہ (طبع مصر)

[3] طبقات ابن سعد ص۱۷۱ ج۶ تحت طریف طبع لیڈن

[4] طبقات ابن سعد ص۸۵ ج۵ تحت محمد بن حنفیہ طبع لیڈن

کے بعد پینے کے لیے نبیذ لایا گیا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے نوش کیا اور ہم نے بھی پیا۔

((حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوة فیھا الحسن البصری فاکلنا فاتی بنبیذ فشرب الحسن وشربنا))[1]

(۴) نیز قدیم مورخ ومحدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا ہے یہ بھی اس مسئلے کی وضاحت کے لیے بڑا بین ثبوت ہے:

((سمعت یحیی (بن معین) یقول سمعت یعقوب بن ابراھیم بن سعد عن ابیه قال اخبرنی من رأی بریدة بن سفیان یشرب الخمر فی طریق الری۔ قال یحیی وقد روی محمد بن اسحق عن بریدة بن سفیان ھذا۔ قال ابو الفضل: اھل المدینة ومکة یسمون النبیذ خمرا والذی عندنا انه رأی بریدة یشرب نبیذا فی طریق الری فقال رأیته یشرب خمرا))[2]

''یعنی یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یعقوب بن ابراہیم سے سنا وہ اپنے والد سے ذکر کرتے تھے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے بریدہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کو طریق الری میں خمر پیتے ہوئے دیکھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے بریدہ بن سفیان سے اس چیز کو روایت کیا۔ اور ابو الفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ پر خمر کا اطلاق کرتے تھے اور نبیذ کو خمر کہہ دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کو جو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے اسی کو دیکھنے والے نے خمر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ اس دور میں نبیذ پر خمر کا اطلاق ہوتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ واقعات مذکورہ بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ طعام کے بعد بعض اوقات بعض مقوی مشروب استعمال کیے جاتے تھے جن میں سے ایک نبیذ ہے جو شرعاً حلال اور جائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق جو واقعہ معترضین پیش کرتے ہیں اس میں بھی مشروب اسی نوعیت کا تھا جو شرعاً جائز تھا۔ شراب نوشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طعن کا مورد صرف عناد کی بنا پر قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] کتاب الکنی دولابی ص ۳۰ ج ۲ تحت کنیت ابو العریان طبع حیدر آباد دکن۔

[2] تاریخ یحییٰ بن معین ص ۰۷ ج ۳ المتوفی ۲۳۳ھ طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ

تاریخ یحییٰ بن معین ص ۳۹۶ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۹۲۳ طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ

اسم معاویہ پر طعن پھر اس کا جواب

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''معاویہ'' کے معنی آواز کرنے والی سگ مادہ کے ہیں۔ اس کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے شبہ بالا رفع ہو جاتا ہے:

① سب سے پہلے اس کے لغوی معنی اور مادہ کے اعتبار سے بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں اس کے بعد دیگر امور پیش خدمت ہوں گے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ ''معاویہ'' اگر معروف بلام ہو تو اس کا معنی ''سگ مادہ آواز کنندہ'' (بھونکنے والی کتیا) کے ہیں اور بغیر الف لام کے لوگوں کے نام کے طور پر مستعمل ہے جیسے معاویہ بن ابی سفیان اور اس کو اصطلاح لغت میں ''اسم منقول عنہ'' کہتے ہیں۔[1] صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ نے اسی مقام پر اسی مادہ (عوی) سے ایک محاورہ دعاواھم ای صایحھم (یعنی اس شخص نے لوگوں کو آواز دی) بھی ذکر کیا ہے۔[2] اس محاورہ کے اعتبار سے ''معاویہ'' کا معنی ''لوگوں کو آواز دینے والا'' بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیدا کرے کہ اسم ''معاویہ'' میں ''ۃ'' تانیث ہے تو مذکورہ بالا محاورہ اس میں کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ تو اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے یہ پیش کر دینا کافی ہے کہ رجال کے اسماء اور اعلام میں بعض دفعہ ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہوتی جیسے "یا ساریۃ الجبل" میں اسم ''ساریہ'' ایک معروف شخص کا مشہور نام ہے۔ اس طرح طلحہ، عکرمہ وغیرہ بھی اعلام و اسماء الرجال مذکر ہیں اور ان میں ''ۃ'' پائی جاتی ہے جو کسی طرح بھی تانیث پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح اسم "معاویۃ" میں ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہے۔

نیز اہل لغت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسماء اور اعلام میں ان اسماء کے اصل مادہ کا لغوی معنی مراد نہیں

---

[1] القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت مادہ عوی
تاج العروس ۲۵۹-۲۶۰ ج ۱۰ طبع بیروت تحت مادہ عوی۔

[2] القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت عوی

لیا جاتا اور علم بن جانے کی صورت میں لغوی معنی اور اس کا اصل مفہوم متروک ہو جاتا ہے مثلاً عباس اور جعفر جب کہ علم (اسماء) ہوں تو ان کے لغوی معنی اور مفہوم مراد نہیں لیے جاتے۔ کیونکہ ''عبوسیت'' کا لغوی معنی ''برا منہ بنانا'' اور تیوری چڑھانا ہے اور اسی طرح ''جعفر'' کا لغوی معنی ''شتر'' بھی ہے جب کہ عباس اور جعفر اکابر بنی ہاشم حضرات کے اسماء ہیں اور ان کا لغوی معنی و مفہوم کبھی مراد نہیں لیا جاتا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب شریف میں یعنی ساتویں پشت میں ایک نام کلاب ہے جو مرہ کا بیٹا ہے، وہاں بھی لغوی معنی مراد نہیں بلکہ وہ مفہوم متروک ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے نام میں لغوی معنی و مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔

اعلام (اسماء) میں طریق کار نبوی

مزید گزارش یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ قبیح اسماء کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ وہ اسماء جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمائے ان میں سے چند ایک بطور نمونہ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

① ایک لڑکی یعنی (بنت عمر بن خطاب) کا نام ''عاصیہ'' تھا اس کا نام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کرتے ہوئے فرمایا "انت جميلة"

② ایک لڑکی کا نام ''برہ'' تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا نام ''زینب'' رکھو "سموها زينب"

③ ایک شخص سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا ''حزن''۔ آپ نے فرمایا "انت سهل"

④ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''العاص'' کا نام تبدیل فرما دیا تھا۔ اسی طرح عتلہ، شیطان اور غراب وغیرہم جیسے متعدد اسماء تبدیل فرمائے۔

⑤ ایک شخص عبد شر جناب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جنابؐ نے ارشاد فرمایا تیرا نام عبد خیر ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ اگر معاویہ نام قبیح تھا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حسب دستور اس کو تبدیل فرما دیتے لیکن اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ یہ چیز اس کے صحیح ہونے کی تائید ہے اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

''معاویہ'' نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

نیز نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام ''معاویہ'' تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] ابوداود شریف ص ۳۲۹ ج ۲ کتاب الادب باب فی تغیر الاسم القبیح، طبع دہلی

اپنی زبان مبارک پر اسی اسم کو استعمال فرمایا اور اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ لہٰذا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اصحاب کے نام ''معاویہ'' کو تبدیل نہ فرمانا صحت اسم کی قوی دلیل ہے۔ ذیل میں بطور مثال چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے اسمائے گرامی ''معاویہ'' تھے:

① معاویہ بن ثور بن عبادہ بن بکاء العامری البکائی۔

② معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔[1]

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''معاویہ'' کے نام سے ذکر کیے ہیں۔ اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے تجرید اسماء الصحابہ میں بہت سی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ''معاویہ'' نام سے ذکر کی ہے۔[2]

صاحب ''تاج العروس'' نے لکھا ہے کہ ''معاویہ'' نام کے سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ پائے جاتے تھے۔

((والمسمی بمعاویة سواه من الصحابة سبعة عشر رجلا)) [3]

بصورت الزام شیعہ حضرات کی کتب میں ''معاویہ'' بطور اسماء الرجال

① معاویہ صحابی رسول

معاوية بن الحكم اسلمی عده الشيخ فی رجاله من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

② معاویہ شاگرد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

معاوية بن صعصعة ابن اخی لاحنف: عده الشيخ فی رجاله من اصحاب امیر المومنین

③ معاویہ ہاشمی حضرات میں

معاوية بن عبدالله بن جعفر الطيار: ذاك ولد بعد وفات امير المومنين [4]

④ معاویہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگردوں میں

① معاوية بن سعيد الكندی الكوفی: عده الشيخ فی رجاله تارة مثل ما فی

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۰ ج ۳ تحت اسمہ معاویہ

[2] تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۹، ۹۰ ج ۲ تحت اسماء معاویہ

[3] تاج العروس (زبیدی) ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۱۰ تحت مادہ عوی

[4] عمدۃ الطالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار
تنقیح المقال (مامقانی) ص ۲۲۲ ج ۳ تحت باب معاویہ

العنوان فی اصحاب الصادق

④ معاویة بن سلمة النضری: عده الشیخ من رجال الصادق[1]

مندرجہ بالا مقامات پر معاویہ کا نام مستعمل ہے اور اس پر کسی قسم کا طعن معترضین نہیں کیا کرتے تو امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے اس حکمت عملی کی وجہ کیا ہے؟

ایک لطیفہ

ناظرین کرام نے مذکورہ بالا اسماء کو شیعہ کتب سے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے ایک فرزند کا نام معاویہ تھا۔ یہاں ہم ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے ایک لطیفہ پیش کرتے ہیں جو شیعہ کے اکابر علماء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کتاب عمدۃ الطالب میں جمال الدین ابن عنبہ شیعی ذکر کرتے ہیں کہ

((فولد عبدالله عشرين ذكرا وقيل اربعة وعشرين منهم معاوية بن عبدالله كان وصى أبيه وانما سمى معاوية لان معاوية بن ابى سفيان طلب منه ذالك۔ فبذل له مائة الف درهم وقيل الف الف))[2]

''یعنی عبداللہ کے بیس یا چوبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام معاویہ بن عبداللہ تھا اور وہ اپنے باپ کے ''وصی'' تھے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن جعفر کو ایک لاکھ درہم اور بقول بعض دس لاکھ درہم دیے تاکہ وہ اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھے۔''

(فلہٰذا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔)

مندرجہ بالا روایت کی روشنی میں اکابر شیعہ کے نزدیک آل ابی طالب حضرات کی یہی کچھ حیثیت ہے کہ وہ چند دراہم لے کر اپنی اولاد کے اسماء اپنے دشمنوں کے نام کے مطابق رکھ دیتے تھے (سبحان اللہ)

یہ چیز واضح طور پر ہاشمی حضرات کی کردار کشی ہے جو شیعہ کے اکابر علماء نے بڑے عجیب طریقے سے درج کر دی ہے مگر یہ چیز ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں۔

علمائے انساب کے نزدیک

علمائے انساب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا نکاح اور شادی مروان بن حکم کے لڑکے معاویہ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ عبارات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

① ((وتزوج (معاوية بن مروان بن الحكم) رملة بنت على بن ابى طالب بعد

---

[1] تنقیح المقال (مامقانی) ص ۲۲۳-۲۲۴ ج ۳ تحت باب معاویہ

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار طبع ثانی نجف

ابی الهیاج عبدالله بن أبی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب))[1]

② رملہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا ابو ہیاج کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد

((ثم خلف علیها معاویة بن مروان بن الحکم بن ابی العاص)) [2]

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا معاویہ بن مروان کے نکاح میں ہونا بین طور پر ثابت ہے۔ فلہٰذا معاویہ کا نام قابل طعن و تشنیع نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ائمہ کرام کی اولاد، رشتہ داروں، تلامذہ اور خدام وغیرہ میں معاویہ کا نام مروج و مستعمل اور متداول ہے۔ ان حقائق کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے نام پر اعتراض وطعن قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ انصاف درکار ہے۔

---

[1] جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم) ص ۸۷ تحت اولاد حکم بن ابی العاص

[2] نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۴۵ تحت ولد علی بن ابی طالب۔

عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن تجویز کرنے والے دوستوں کی طرف سے یہ چیز بڑے آب و تاب سے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح دستیاب نہیں ہوتی۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو اسلام میں کوئی صحیح اہمیت نہیں اور نہ ان کے حق میں زبان نبوت سے کوئی شرف منقول ہے۔

ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، شرف و مدائح، کردار و اخلاق اور اسلامی خدمات وغیرہ کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل تصنیف زیر تالیف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں حتی المقدور ان مسائل کو بیان کرنے کا قصد ہے۔ اب سر دست اس مقام پر چند ایک فضائل و مناقب اختصاراً و اجمالاً پیش خدمت ہیں جو بطور نمونہ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان سے مندرجہ بالا عدم صحت فضیلت کے شبہ کا ازالہ ہو سکے گا اور ان پر توجہ فرما لینے سے مسئلہ ہذا واضح ہو جائے گا۔ اور مزید اشیاء بھی جو اس مقام کے متعلق ہیں وہ بھی پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرماویں۔

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اثبات فضیلت کے لیے پہلے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از فتح مکہ اور بقول بعض فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام لانا سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبول ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اظهرت اسلامی فجئته فرحب لی [1] یعنی میں اسلام لایا پس آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ''مرحبا'' کا کلمہ ارشاد فرمایا۔

نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس میں بہت سے اہم امور میں شریک رہے اور متعدد مناصب اور اعزازات کے شرف سے مشرف ہوئے مثلاً:

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے

[1] البدایہ ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ

مواقع نصیب ہوئے۔ یہ ان کے قبول اسلام کی بہت بڑی علامت ہے اور نشر اسلام کے لیے واضح مساعی ہیں۔ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر پائی جاتی ہیں مثلاً غزوہ حنین و طائف میں شمولیت و شرکت کرنا۔ ان کے اعادہ کا یہ موقع نہیں ہے کیونکہ یہ چیز مسلمات میں سے ہے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو ''کاتبین نبوی'' میں شامل کیا گیا اور عہدہ کتابت وحی وغیر وحی کی اہم ذمہ داری دربار نبوت سے ان کو نصیب ہوئی۔ جیسا کہ علمائے کرام نے اس مسئلے کو اپنی جگہ پر وضاحت سے درج کیا ہے[1] اور ہم نے اس مسئلے کی تفصیل بقدر ضرورت اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۳۶-۱۳۷ پر ذکر دی ہے۔ رجوع فرما کر تسلی کی جاسکتی ہے۔

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض انتظامی امور پر بھی مامور فرما کر روانہ فرمایا کرتے تھے مثلاً وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ یمن کے ایک مقام حضرموت میں اراضی کا ایک قطعہ عنایت فرمانے کا قصد فرمایا تو اس اہم کام کے لیے آنجناب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ وہاں پہنچ کر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اراضی کا مناسب قطعہ سپرد کر دیں۔

یہ خصوصی اعتماد اور وثوق کی علامت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی امور میں طبعی صلاحیت کا واضح ثبوت ہے اور ان کے حق میں بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

((فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معی معاوية بن ابی سفيان قال وأمره أن يعطينی ارضا فيدفعها الی))[2]

۴۔ نسبی روابط

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ نسبی روابط ہیں جو

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۴ ج ۱ تحت تسمیۃ من کتب لہ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ باب معاویہ
زاد المعاد (ابن قیم) ص ۳۰ ج ۱ فصل فی کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم (طبع قدیم)
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۸۰ ج ۲ تحت کتاب النبی

[2] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵-۱۷۶ ج ۴ قسم ثانی تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
صحیح ابن حبان ص ۱۶۶، ۱۶۷ ج ۹، ۱۰ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۴۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
مشکوۃ شریف ص ۲۵۹ الفصل الثانی باب احیاء الموات الشرب (بحوالہ ترمذی و دارمی)
مزید حوالہ جات مسئلہ اقربا نوازی ص ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمات میں سے ہیں مثلاً:

(الف) جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (جن کا اسم گرامی رملہ ہے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر اور ہمشیر ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برادر نسبتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔[1]

(ب) علمائے انساب نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ہم زلف'' (ساڈھو) بھی ہیں۔ کیونکہ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیر جن کا نام ''قریبۃ الصغریٰ'' ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[2]

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مزید رشتہ داریاں بھی ہیں جن کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۲۶-۱۲۷ کے تحت درج کر دیا ہے اور کتب انساب سے حوالہ جات ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔

مذکورہ بالا چند ایک امور فضیلت نمونہ کے طور پر ذکر کر دیے ہیں۔ تمام فضائل کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔

② فضیلت کی صحیح روایت کے فقدان کا جواب

بعض اہل علم کی طرف سے کتابوں میں یہ قول دستیاب ہے کہ لم یصح فی فضل معاویۃ شیء اور عدم فضیلت کے طعن کا مدار اس نوع کے اقوال پر ہے۔ یہ قول بعض اہل علم کا ہے۔ نہ فرمان نبوی ہے نہ صحابہ کا فرمان ہے نہ تابعی کا نہ جمہور علمائے امت کا یہ بیان ہے بلکہ یہ اس عالم کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ اور شاذ قول کے درجہ میں ہے اس وضاحت کے بعد اس مسئلے کے متعلق علمائے کرام نے جو چیزیں ذکر کی ہیں ذیل میں ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مندرجہ بالا اشیاء جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ان میں سے ہر ایک مستقل فضیلت کا باب ہے۔ اگر بالفرض فضیلت کی کوئی دیگر روایت صحیح دستیاب نہ بھی ہو تب بھی مذکورہ اشیاء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف کے اثبات میں اور ان کے اعزاز یافتہ ہونے میں کسی طرح کم نہیں۔ تاہم مندرجہ بالا قول عدم صحت فضیلت کے جواب میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قائل کی ''عدم صحت روایت'' سے کیا مراد ہے؟

اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیونکہ متعدد روایات جو درجہ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں

---

[1] مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۶-۱۲۷ پر حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

[2] مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۷ بحوالہ کتاب المحبر ص ۱۰۲ طبع دکن۔

اگرچہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔ اور جو روایات درجہ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔ فلہٰذا حسان روایات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

((فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بين المحدثين فلا ضير فان فسحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالاحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط ما في المسند والسنن عن درجة الحسن))[1]

اور کبار علماء نے متعدد روایات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج کی ہیں جن کو درجہ حسن میں شمار کیا جاتا ہے مثلاً:

۱۔ ((يقول (عرباض بن سارية السلمى رضي الله عنه) سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب))[2]

"یعنی عرباض بن ساریہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے حق میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! اس کو حساب و کتاب کا علم عنایت فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔"

۲۔ ((عبدالرحمن بن عميرة المزنى رضي الله عنه يقول: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول فى معاوية بن ابى سفيان: اللّهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به)) قال الترمذى حديث حسن غريب۔[3]

---

۱ الناہیہ عن ذم معاویہ ص ۳۴ فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ (عبدالعزیز پرہاروی) طبع ملتان

۲ فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص ۱۲۷ ج ۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ
صحیح ابن حبان ص ۱۶۹-۱۷۰ ج ۹ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
موارد الظمان، نورالدین ہیثمی ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۴۵ ج ۲
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۶ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۳ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ
موارد الظمآن (نورالدین ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مشکوۃ شریف ص ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب الفصل الثانی
ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، طبع لکھنؤ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب)

''یعنی عبدالرحمٰن بن عمیرہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں ارشاد فرماتے سنا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور ہدایت یافتہ فرما، اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت فرما۔''

۳۔ ((عن أبی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال: لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اللهم اهده))[۱]

''یعنی عمیر بن سعد خولانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ خیر وخوبی کے بغیر مت کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اے اللہ! انھیں ہدایت عطا فرما۔''

یہ چند ایک روایات ہم نے پیش کی ہیں جو علماء کے نزدیک درجہ حسن سے کم نہیں اور علمائے کرام اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایات حسن لغیرہ کے درجے کی ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو حسن غریب سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم ہے کہ ''درجہ حسن'' کی روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ فلہٰذا مذکورہ بالا روایات کی موجودگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق صحت روایت کے فقدان کا قول کرنا درست نہیں۔

③ تائیدات

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ بلدہ دمشق میں تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما روایت فضیلت کی عدم صحت کا جواب ذکر کرتے ہوئے درج ذیل قول کیا ہے:

((واصح ما روی فی فضل معاویة حدیث أبی حمزة عن ابن عباس رضی الله عنهما انه کان کاتب النبی صلی الله علیه وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه وبعده حدیث العرباض "اللهم علمه الکتاب والحساب" وبعده حدیث ابن ابی عمیرة "اللهم اجعله هادیا مهدیا")) [۲]

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی مندرجہ بالا قول نقل کیا ہے جو حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کے قول کی من وعن

۱۔ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، طبع حیدر آباد دکن۔
جامع الترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ بلدہ دمشق ص ۶۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (عکسی قلمی)

۲۔ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص ۶۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تائید ہے۔

((وقال السیوطی الشافعی اصح ما ورد فی فضل معاویة حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما انه کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه وبعده حدیث العرباض رضی اللہ عنہ "اللهم علمه الکتابة" وبعده حدیث ابن ابی عمیرة رضی اللہ عنہ "اللهم اجعله هادیا مهدیا"))[1]

مندرجہ بالا تائیدات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نبوی ہونے کی فضیلت کو، جو امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے، علمائے کرام "اصح" چیز فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلت کتابت نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے فلہٰذا ان کی فضیلت کی عدم صحت کا قول کرنا اپنی جگہ پر درست نہیں۔

اور جو روایات اس سے کم درجے کی ہیں ان کے حق میں اکابر علماء "حسن" ہونے کا حکم درجہ بدرجہ لگا رہے ہیں فلہٰذا یہ بھی اپنے مقام پر مقبول اور لائق اعتماد ہیں اور قابل حجت ہیں اور مردود نہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حسن روایات سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں فلہٰذا ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اثبات بلاشبہ درست ہے۔

مزید تائید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق جہاں دیگر چیزیں دستیاب ہیں وہاں ایک اور بہترین فضیلت صحیح روایات میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر میں پہلے جہاد کرنے والے جیش (لشکر) کے متعلق جنت کی خوشخبری ذکر فرمائی اور اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ اس پیش گوئی کا مختصر واقعہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے:

((ان عمیر بن اسود العنسی حدثه انه اتی عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ وهو نازل فی ساحل حمص وهو فی بناء له ومعه ام حرام قال عمیر فحدثتنا ام حرام رضی اللہ عنہا انها سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت: ام حرام قلت یا رسولؐ الله! انا فیهم؟ قال انت فیهم۔ قالت: ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینة القیصر مغفور لهم۔

---

[1] تنزیہ الشریعہ (ابن عراق کنانی) ص ۸ ج ۲ تحت باب فی طائفہ من الصحابہ، الفصل الاول
ذیل اللالی (سیوطی) ص ۵۷ کتاب المناقب مطبع علوی لکھنؤ طبع قدیم۔

فقلت: انا فیھم یا رسول الله؟ قال: لا))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ حمص کے ساحل پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر فروکش تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں۔ اس موقع پر جناب ام حرام رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا (کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں میرے مکان پر تشریف فرما تھے، خواب سے بیدار ہوئے) تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحر میں جہاد اور غزا کرے گا اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے (یعنی انھوں نے ایسا عمل کیا ہے جس سے ان کو جنت ملے گی)۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں۔ جناب نے ارشاد فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔ پھر دوسری بار جناب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے اول جیش جو مدینہ قیصر پر غزا اور جہاد کرے گا ان کے لیے مغفرت ہے۔ پھر میں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں داخل ہوں؟ فرمایا کہ نہیں (بلکہ تم پہلے جیش میں ہو)۔''

محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلم امر ہے کہ پہلی بار بحری غزوہ جو ۲۷ھ میں پیش آیا تھا اور جس کو غزوہ قبرص کہتے ہیں اس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حرام رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ اس بحری غزوہ کے امیر جیش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ نامی ان کے ہمراہ تھیں۔ اس جیش کے حق میں زبان نبوت سے مژدۂ جنت ثابت ہے۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس عالم فانی میں جنت کی خوشخبری اور وہ بھی زبان نبوت سے، یہ ایک نہایت سعادت مندی ہے پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدم فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

مذکورہ بالا فضیلت کی صحت میں کوئی اشتباہ نہیں محدثین کے نزدیک یہ بالکل صحیح ہے۔ اور کوئی شخص اگر تعصب کی بنا پر اس کی صحت کا انکار کر دے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تحاسد اور تعاند کرنا (یعنی حسد اور عناد رکھنا) آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔ ارشاد نبوت ہے کہ

((لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد الله اخوانا))

''یعنی اے ایماندارو! آپس میں حسد مت رکھو! باہم بغض مت کرو! ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو! اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو کر رہو۔''

④ بصورت دیگر

اکابر علمائے کرام نے محدثین کی ''مصطلحات'' کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۴۰۹-۴۱۰ کتاب الجہاد تحت باب ما قیل فی قتال الروم۔

قول "لا یصح ، ولا ثبت هذا الحدیث" کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت ''موضوع'' ہے یا ''ضعیف'' ہے ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔ مولانا عبدالحئ لکھنوی فرماتے ہیں کہ

((كثيرا ما يقولون ما لا يصح ولا يثبت هذا الحديث۔ ويظن منه من لا علم له انه موضوع أو ضعيف وهو مبنى على جهله بمصطلحاتهم وعدم وقوفه على مصر حاتهم))[1]

چنانچہ اس کی چند ایک تمثیلات اہل علم کے لیے یہاں ذکر کی جاتی ہیں تا کہ اس مسئلے میں اطمینان خاطر کا باعث ہو سکیں:

۱۔ ((قال الحافظ ابن حجر فى تخريج احاديث الاذكار المسمى "بنتائج الافكار" ثبت عن احمد بن حنبل انه قال لا اعلم فى التسمية اى فى الوضوء حديثا ثابتا۔ قلت: لا يلزم من نفى العلم ثبوت العدم ، وعلى التنزل: لا يلزم من نفى الثبوت ثبوت الضعف ، لاحتمال ان يراد بالثبوت الصحة فلا ينتفى الحسن))[2]

اور ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ میں لکھا ہے کہ

۲۔ ((وقول الامام احمد "لا يصح" لا يلزم منه ان يكون باطلا كما فهمه ابن القيم فقد يكون الحديث غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به بان يكون حسنا والله تعالىٰ أعلم))[3]

۳۔ ((وقال نور الدين السمهودى فى "جواهر العقدين فى فضل الشرفين" قلت لا يلزم من قول احمد فى حديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء لا يصح ان يكون باطلا فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به إذا الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف انتهى))[4]

---

۱ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحئ لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ) ص ۸۶ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ۶۔

۲ کتاب الرفع والتکمیل (مولانا محمد عبدالحئ لکھنوی) ص ۸۶ تحت ایقاظ نمبر ۶ طبع حلب

۳ تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ (ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی) ص ۱۵۸ ج ۲ فصل ثانی حدیث عاشورہ
موضوعات کبیر (ملا علی قاری ہروی حنفی) ص ۱۰۵ تحت فصل ومنہا الاکتحال یوم عاشورہ (طبع دہلی)

۴ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحی لکھنوی) ص ۸۷ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ۶
الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ (مولانا محمد عبدالحئ لکھنوی) ص ۹۴، ۹۵ ج طبع لاہور تحت حدیث فضل یوم عاشورہ۔

مطلب یہ ہے کہ قولہ لا یصح کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجر، ابن عراق، مولانا نور الدین ہیثمی، مولانا عبدالحئی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ نے واضح کر دیا ہے جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔ یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق ''عدم صحت'' کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں، اس سے واقع میں مقبول روایت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول صحت عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔

بالفرض اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو بھی یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں مرویات بقول معترض ضعیف ہیں تو عند المحدثین ایک قاعدہ جاری ہے اس کے پیش نظر ضعیف چیز اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو تو وہ بھی ایک دوسرے کی موید ہو کر تقویت کا فائدہ بخشتی ہے۔

چنانچہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے جس کو بعد والے علماء اپنی اپنی عبارت میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ فی الحال یہاں اس کے لیے دو حوالہ جات علامہ سخاوی و کنانی رحمہما اللہ کی عبارات میں پیش کیے جاتے ہیں:

① ((قال (البیهقی) ان اسانیده کلها ضعیفة ولکن اذا ضم بعضها الی بعض افاد قوة))[1]

② ((وقال (البیهقی) فیهما وفی حدیث أبی هریرة وابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اسانیدها ضعیفة ولکنها اذا ضم بعضها الی بعض اخذت قوة انتهی))[2]

قاعدہ ہذا کی رو سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فضائل کی مرویات میں اگر ضعف بھی پایا جائے تو بھی تعدد مرویات کی وجہ سے قابل قبول ہیں اور ان کے اثبات شرف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صحت مرویات کی نفی کرنے پر زور دیا ہے ان کی وہ چیز تحقیق کے برخلاف ہے اور مرجوح ہے۔ غایت سے غایت اگر نفی فضیلت کے قول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے حقیقی طور پر نفی مراد نہیں بلکہ اضافی طور پر یہ نفی مراد ہے۔ یعنی بہ نسبت اکابر صحابہ کرام خلفائے راشدین وغیرہم کے فضائل کثیرہ کے ان کے فضائل کم پائے جاتے ہیں۔

---

۱ المقاصد الحسنہ (شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ) ص ۴۳۱ تحت حدیث من وسع علی عیالہ فی یوم عاشورہ۔

۲ تنزیہ الشریعہ (محمد بن عراق کنانی ۹۶۳ھ) ص ۱۵۷ ج ۲ تحت حدیث من وسع علی عیالہ ...... الخ

ایک تنبیہ

بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص وعیب کے طور پر یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے کتاب المناقب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مرویات کو ''باب ذکر معاویہ'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے، ''باب مناقب معاویہ'' کا عنوان تجویز نہیں کیا۔ فلہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس شبہ کا جواب عند العلماء وہ چیز ہے جو مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے اپنے مختصر سے رسالے ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' میں ذکر کی ہے:

((واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفنن فی الکلام فانه فعل کذا فی اسامة بن زید و عبدالله بن سلام و جبیر بن مطعم فذکر لهم فضائل جلیلة معنونة بالذکر))[1]

''یعنی جو طریقہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے وہ تفنن فی الکلام کے درجے میں ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کے ابواب میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ان کے فضائل جلیلہ ذکر کیے ہیں اور عنوان باب ذکر فلاں (اسامہ بن زید وغیرہ) قائم کیا ہے۔''

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بخاری شریف کے کتاب المناقب میں باب ذکر عباس بن عبدالمطلب اور باب ذکر عبداللہ بن عباس اور باب ذکر حذیفہ بن یمان کے عنوان سے تحریر کیے ہیں۔ حالانکہ ان حضرات کے عمدہ فضائل موجود ہیں۔ ان تمام حضرات کے حق میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طریق تحریر تفنن فی الکلام کے طور پر ہی ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کی کمی کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب ذکر معاویہ'' کے عنوان سے جو ذکر کیا ہے وہ عدم فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ محض تفنن عبارت کے طور پر ہے جو بلغاء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

---

[1] الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۴ تحت فصل فی الاجوبة عن مطاعنہ، طبع ملتان از مولانا عبدالعزیز پرہاروی

ازالہ شبہات

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی بعض عبارات کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو جمہور علمائے اہل سنت متقدمین اور متاخرین مثلاً حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، ابن العربی، امام ربانی، ملا علی قاری اور ابن حجر مکی وغیرہ حضرات رحمہم اللہ نے اپنے اپنے دور میں جس طرح بیان کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کو پیش کیا ہے وہ طریق صحیح اور درست ہے اور ان کے مقابلے میں اگر کسی بزرگ کی بعض مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں جن سے تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو تو وہ متروک اور مرجوح قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و منصب بعد والے حضرات کے مرتبہ سے بدرجہا اعلیٰ وارفع ہے اور کم درجے والے شخص کو اپنے سے فائق شخصیت پر کلام کرنا مناسب نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی بعض عبارات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے معترض لوگ کئی قسم کے اعتراضات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان کرنے اور ان کی خلافت و امارت کو ناحق قرار دینے کے لیے پیش کرتے ہیں مثلاً:

① ایک مقام پر لکھا ہے کہ ولیس ھذا باول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔

② ایک دیگر مقام پر مذکور ہے کہ

"بعضے جانب داران معاویہ بن ابی سفیان ایں لفظ را تاویل میکند و گویند مرادش ایں بود کہ چرا با حضرت علی مرتضیٰ درشتی در کلام نمے کنی و نمے فہمانی کہ دست از حمایت قاتلان عثمان بردارد۔"

③ ایک اور مقام پر درج ہے کہ

"ایں حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قریشیہ کہ بجناب ذی النورین داشت نبودہ است۔"

④ نیز ایک اور مقام پر مذکور ہے کہ

"محققین اہل سنت از اطلاق لفظ "خلیفہ" ہم تحاشی میکردند چنانکہ در حدیث صحیح (الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ) و بالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد یافت۔ بصا

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولیٰ در سنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔''

⑤ ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں کہ

''ومحاربت با ایشان از راہ شامت نفس وحب جاہ از راہ تاویل باطل و شبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر......الخ''

مذکورہ بالا قابل اعتراض اور موہم عبارات کے جواب کے سلسلے میں ذیل میں بعض امور ذکر کیے جاتے ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اس چیز سے متعلقہ شبہات رفع ہو جائیں گے:

① شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب اور مقام کے متعلق اپنی مشہور تصنیف ''ازالۃ الخفا'' (مقصد اول کی تمہید تنبیہ سوم) میں تحریر کیا ہے کہ

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔

اخرج ابوداود وعن أبی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فو الذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما یبلغ مد احدھم ولا نصیفہ

واخرج ابوداود عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما ان ابنی ھذا سید وانی ارجو ان یصلح اللہ بہ بین فئتین من امتی۔

وفی روایۃ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین عظیمتین

وأخرج الترمذی من حدیث عبدالرحمن بن عمیرۃ رضی اللہ عنہ وکان من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویۃ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ۔

وأخرج ابن سعد وابن عساکر عن مسلمۃ بن مخلد رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لمعاویۃ اللھم علمہ الکتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب

وأخرج الترمذی من حدیث عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ۔

وعقل نیز برآں دلالت میکند زیرا کہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند کہ وی فی

وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد۔“ [1]

یہ تمام تنبیہ بڑی عمدہ ہے اور جمہور اہل سنت کے نظریات کے عین مطابق ہے۔ اس مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب بیان کیا ہے۔ ان چیزوں کے پیش نظر مذکورہ تعبیرات متروک ہوں گی اور نا قابل التفات قرار پائیں گی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق کوئی منفردانہ چیز نہیں ہے بلکہ ہر دور میں اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور مقام کو اسی طرح بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مطاعن سے براءت اور ان کی صفائی ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں پیش کی ہے۔ پس یہی مسلک اور طریق صحیح اور درست ہے اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں تو وہ متروک اور نا قابل التفات ہوں گی۔

(۲) نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آنجناب کو تحریر کی تھی اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آنجناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

”وتعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظا۔ وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔“ [2]

حضرت شاہ صاحب موصوف کی اس تحریر کے ذریعے سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہو گیا کہ آنجناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ وہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

(۳) حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے

---

[1] ازالۃ الخفا کامل فارسی ص ۱۴۶-۱۴۷ تحت تنبیہ سوم (طبع قدیم بریلی)

[2] مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم ص ۲۶۵-۲۶۶ مع مقدمہ محمد ایوب قادری مطبوعہ پاک اکیڈمی ص ۱۴۱ اج ا وحید آباد کراچی نمبر ۱۸۔

مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بنا پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اکابر اہل علم کی اس نشاندہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

''اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔''[1]

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچی والے) اپنی کتاب ''مقام صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں لکھتے ہیں کہ

''اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ جیسے جامع العلوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے تو بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔''[2]

④ اس کے بعد ان بعض عبارات کے متعلق اشتباہ کا ازالہ کیا جاتا ہے جو ابتداءً ذکر کی گئی ہیں۔

خلافت اور امامت کے متعلقہ بحث تحت عنوان ''ملوکیت کا شبہ اور اس کا ازالہ'' مفصل ذکر کر دی گئی ہے اس کے تحت ان عبارات کا جواب آ چکا ہے۔ تاہم اختصاراً مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا جاتا ہے کہ حدیث سفینہ جس میں ثلاثون سنہ کی میعاد منقول ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور اس میں خلافت کاملہ راشدہ کی میعاد ذکر کی گئی ہے لیکن اس کے مقابلے میں دیگر متعدد صحیح روایات مروی ہیں جن میں اثنا عشر خلیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۳۰۷ ج ۵ کتاب البدعات طبع مجتبائی دہلی۔

[2] مقام صحابہ ص ۷۴-۷۵ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچی)

اس سے زائد بھی خلفاء اور خلافت کا مذکور ہونا روایات میں موجود ہے۔

ان روایات میں مطلق خلافت کا ذکر کیا گیا ہے جس کو امارت اور ملوکیت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر امارت و ملوکیت اور خلافت میں باہم تضاد نہیں۔ آیات اور روایات میں امیر اور ملک (یعنی بادشاہ) ہونا مومنین اور صالحین کے حق میں بطور نعمت ذکر کیا گیا ہے۔

ان معروضات کی روشنی میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ماسوا لوگوں پر خلیفہ کے اطلاق کرنے سے تحاشی (گریز) اور اجتناب کرنے کا کچھ مطلب نہیں نیز ان لوگوں کو بدترین ملوک کہنا بھی درست نہیں اور ''خلافت راشدہ'' کے بعد ''امامت حقہ'' جاری ہے اگرچہ خلافت راشدہ سے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے کم ہے فلہٰذا تیس سال کے بعد امامت اور خلافت حقہ کے انقطاع کا قول کرنا درست نہیں۔

نمبر ۶ والی عبارت (ومحاربت با ایشان از راہ شامت نفس) میں جو فسق اعتقادی کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لیے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لیے کافی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اول آنکہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آنرا در عرف اہل سنت ''خطائے اجتہادی'' نامند۔''[1]

''مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں ''خطائے اجتہادی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ فلہٰذا محاربین علوی کے حق میں جہاں فسق عملی یا فسق اعتقادی کا ذکر پایا جاتا ہے وہ خطائے اجتہادی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تاہم اس عبارت میں معبر کی طرف سے ''تعبیری تصرف'' کا احتمال مزید برآں ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ راوی و ناقل کی تعبیر بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے اور اصل مفہوم کا رنگ ہی بدل دیتی ہے۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۹ فارسی ابتدا مقدمہ ششم باب نمبر ۱۲ تولا و تبرا۔

حق گوئی کا مسلوب ہونا یعنی آزادی رائے کا خاتمہ پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے احباب نے اس چیز کو بڑے عجیب انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور حق بات کہنا جرم تھا اور زبانیں حق کہنے سے بند کر دی گئی تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے ورنہ چپ رہو۔ حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے ہو تو قتل، قید و بند اور کوڑے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ زبانوں پر قفل چڑھا دیے گئے تھے اور آزادی رائے کا خاتمہ کر دیا گیا تھا اور حق گوئی سلب کر لی گئی تھی۔

معترضین دوستوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے حق میں نقشہ بالا مرتب کیا ہے۔ لیکن اب ہم اس کے متعلق چند ایک واقعات کتب حدیث اور اسلامی تاریخ و تراجم سے پیش کرتے ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے مذکورہ امور کا جواب ہو جائے گا اور ایک منصف مزاج پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مذکورہ بالا نقشہ جو طاعنین نے پیش کیا ہے وہ کہاں تک درست ہے اور اس میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے؟ کیا اس دور کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں یا اس کے برعکس پائے جاتے ہیں؟

اس مسئلے پر واقعات پیش کرنے سے قبل بعض تمہیدی امور ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصحانہ کلام تحریر کیا اور اس میں ایک نصیحت کی جس کو مورخین نے ایک پختہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

((عن عبدالله بن مبارك عن هشام بن عروة قال كتبت عائشة رضي الله عنها الى معاوية رضي الله عنه اتق الله فانك اذا اتقيته كفاك الناس اذا اتقيت الناس لم يغنوا عنك من الله شيئا))[1]

"یعنی عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا اس میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے معاویہ اللہ سے ڈرتے رہنا جب تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کی طرف

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

سے کافی ہوگا اور جب تم لوگوں سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے لوگ تم کو نفع نہ دے سکیں گے۔''

اس مکتوب میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حق گوئی فرماتے ہوئے خدا خوفی کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین رکھنے کی نصیحت کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان نصائح کو دل و جان سے قبول کیا اور اس سے نفع اٹھایا۔

اسی طرح ایک مشہور صحابی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک خیر خواہانہ کلام فرمایا جو بہت مفید تھا۔

((اخبرنی العتبی قال دخل ابوامامة الباهلی رضی اللہ عنہ علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال یا امیرالمؤمنین! انت رأس عیوننا فان صفوت لم یضرنا کدر العیون وان کدرت لم ینفعنا صفونا واعلم انه لا یقوم فسطاط الا بعمد))[1]

''یعنی ایک دفعہ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (صحابی) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور آ کر فرمایا کہ اے امیر المومنین آپ ہمارے چشموں کے لیے اصل ہیں۔ آپ صاف رہیں گے تو چشموں کا میلا ہونا ہمیں ضرر نہ دے گا اور اگر آپ میں تکدر اور میلا پن ہوگا تو ہمارا صاف رہنا ہمیں نفع نہ دے گا، اور یقین جانیے کہ ستونوں کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔''

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کلام کے بعد یہ دوسرے صحابی کا ناصحانہ کلام ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صاف گوئی کے ساتھ نصیحت کی گئی ہے اور انھوں نے اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

یہ دو حوالہ جات آنے والے واقعات کے لیے بطور تمہید کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حق گوئی کے دیگر واقعات ایک ترتیب کے ساتھ ناظرین کرام کی خدمت میں ہم پیش کرتے ہیں ان پر نظر انصاف فرمائیں:

① ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا کہ اے معاویہ! اللہ کی قسم آپ خود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس شخص نے کہا کہ لاٹھی کے ساتھ ہم ٹھیک کریں گے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ پھر ہم درست ہو جائیں گے۔

۱۔ ((اخبرنا محمد قال اخبرنا معاذ بن معاذ قال اخبرنی ابوعبیدة قال ان کان

[1] کتاب المجتنی ص ۳۹ تحت کلام معاویہ مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن (امام لغت وادب ابوبکر محمد بن حسن بن درید الازدی البصری المتوفی بغداد سنہ ۳۲۱ھ)

الرجل ليقول لمعاوية والله لتستقيمن يا معاوية! او لنقومنك۔ فيقول بما ذا؟ فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم))[1]

مطلب یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگ حق بات کہتے اور راست گوئی کا حق ادا کرتے تھے ان پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور زبان بندی نہیں تھی۔

اسی نوع کی ایک دیگر روایت بلاذری رحمہ اللہ نے انساب الاشراف میں ذکر کی ہے اس میں سعید بن عاص اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور اسی اثنا میں وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اے معاویہ! آپ درست اور ٹھیک رہیں یا ہم آپ کی کجی کو درست کر دیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں حمیری ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس سے نرم کلام کر دیتا تو تجھ پر کوئی حرج نہیں تھا۔ اس کے بعد جب وہ چلا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے یزید نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اس کو ایسی سخت گفتگو پر سزا دیتے تو اس کے ذریعے سے دوسروں کی تادیب ہوتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے بیٹے! بعض دفعہ ایسے سخت کلام کی وجہ سے تیرے باپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے تاہم اس کا وبال اس پر ہوتا ہے جس نے قصور کیا۔

((عن سعيد بن العاص عن أبيه قال بينما رجل يخاطب معاوية! اذ قال والله يا معاوية لتستقيمن او لنقومن صعرك قال ومن انت رحمك الله؟ قال انا فلان بن فلان الحميرى قال وما كان عليك لو كان كلامك اللين من هذا فلما ولى قال يزيد بن معاوية يا امير المومنين لو نكلت بهذا تادب به غيره فقال يا بنى لرب غيظ قد تحطم بين جوانح ابيك لم يكن وباله الا على من جناه))[2]

(۲) محدثین نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو احقاق حق کے طور پر کلام کرنے کا

---

[1] کتاب المجتنی (ابن درید) ص ۱۴ طبع حیدر آباد دکن تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) طبع دہلی ص ۱۳۶ تحت سنہ ۴۱ھ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مخطوطہ ابن عساکر ص ۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابن عون)
مخطوطہ ابن عساکر ص ۳۵ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابی عبیدہ)
مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۶۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہؓ

[2] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۰ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ایک واقعہ اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

ہشام بن سعید بن عقبہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں ایسی بات ذکر کی جس کو حاضرین نے ناپسند کیا اور منکر جانا۔ پس ایک شخص نے بروقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو رد کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر مسرور ہوئے (یا اس کو عجیب معلوم کیا) پھر فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آیندہ دور میں) امراء ہوں گے وہ گفتگو کریں گے لیکن لوگ ان کی بات کا رد نہ کر سکیں گے (حالانکہ ان کا کلام قابل تردید ہوگا) ایسے امراء لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے دوزخ میں گریں گے۔

((حدثنا محمد بن السکن بن ابراهیم الایلی قال ثنا ابوعامر قال ثنا هشام بن سعید بن عقبة قال خطب معاویة فتکلم بشیء مما ینکر الناس فرد علیه وقتا واحد قسرا واعجبه ثم قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: یکون امراء فیقولون فلا یرد علیهم یتهافتون فی النار یتبع بعضهم بعضا))[1]

③ نیز اس مقام پر محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کو ہم قبل ازیں مسئلہ اقربا نوازی کے ص ۱۵۹-۱۶۰ پر صرف مورخین کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں) تاہم اس واقعہ کو متعدد محدثین کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں اور مورخین کی طرف سے اس واقعہ کی جو تائید پائی جاتی ہے اس کے حوالہ جات ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

((عن ابی نفیل عن معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ انه صعد المنبر یوم القمامة فقال عند خطبة انما المال مالنا والفیء فیئنا فمن شئنا اعطیناه ومن شئنا منعناه فلم یجبه احد فلما کان الجمعة الثانیة قال مثل ذالك فلم یجبه احد فلما کان فی الجمعة الثالثة قال مثل مقالة فقام الیه رجل من حضرا المسجد فقال کلا انما المال مالنا والفیء فیئنا فمن حال بیننا وبینة حاکمناه الی الله باسیافنا فنزل معاویة فارسل الی الرجل فادخله فقال القوم هلك الرجل ثم دخل الناس فوجدوا الرجل معه علی السریر فقال معاویة للناس ان هذا احیانی احیاه الله سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول سیکون بعدی امراء

[1] کتاب التوحید واثبات صفات الرب ص ۲۴۸ طبع مصر تحت بحث کل من یشهد الله بالوحدانیه یخرج من النار (شیخ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی سنہ ۳۱۱ھ)

يقولون ولا يرد عليهم يتقاحمون في النار كما تقاحم القردة واذا تكلمت اول جمعة فلم يرد على احد فخشيت ان اكون منهم ثم تكلمت في الجمعة الثانية فلم يرد على احد فقلت في نفسي انى من القوم ثم تكلمت في الجمعة الثالثة فقال هذا الرجل فرد على فاحيانى احياه الله))[1] (طبرانی فی الکبیر والاوسط وابویعلی ورجالہ ثقات)

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قمامہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔ فرمانے لگے بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فے کا مال بھی ہمارا مال ہے۔ جس کو ہم چاہیں گے دیں گے اور جس سے ہم چاہیں گے روک لیں گے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب دوسرے جمعہ کا دن آیا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا کلام فرمایا لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جب تیسرا جمعہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا پھر کلام کیا جس طرح کا پہلے جمعہ میں کلام کیا تھا۔ تو اس دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بات ہرگز اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا ہے اور فے کا مال بھی ہمارا ہے۔ جو شخص اس بات کے متعلق ہمارے درمیان حائل ہوگا اس کا فیصلہ ہم تلواروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں گے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے مقام پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ لوگ کہنے لگے کہ اب یہ سزا پا کر ہلاک ہوگا۔ لیکن جب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چارپائی پر بیٹھا ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ رکھے اس نے مجھے گویا زندہ کر دیا ہے اور فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب امراء و حکام ہوں گے۔ وہ جو بات کہیں گے ان کے جواب میں کوئی کلام نہیں کر سکے گا اور وہ امراء دوزخ میں اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۶ ج ۵ تحت باب فی ائمة الظلم والجور وائمة الضلالة
مخطوطہ ابن عساکر (قلمی) عکس شدہ ص ۷۸ جلد ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۶۷ طبع دوم مصری مع الصواعق المحرقہ۔

بندر ایک دوسرے کے پیچھے گرتے ہیں۔

تحقیق میں نے پہلے جمعہ میں کلام کیا لیکن کسی نے بھی میرے کلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے خوف کھایا کہ کہیں میرا شمار بھی ان امراء میں نہ ہو۔ پھر میں نے دوسرے جمعہ کے روز اسی طرح کا کلام کیا تو پھر بھی میری بات کی کسی نے تردید نہیں کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہیں میں ان احکام و امراء میں سے تو نہیں؟ پھر میں نے تیسرے جمعہ میں اسی طرح کا کلام کیا تو یہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے میری بات کو رد کر دیا (اور صحیح مسئلہ بیان کیا) اللہ تعالیٰ اس کو زندہ رکھے اس نے مجھے (دین کے معاملے میں) زندہ کر دیا ہے (اور میں اس وعید سے بچ گیا ہوں)۔''

حق گوئی کا یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش آیا۔ اس واقعہ کو محدثین مثلاً طبرانی اور ابو یعلی موصلی وغیرہم رحمہم اللہ نے ثقہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور ساتھ اس کی توثیق بھی درج کر دی ہے۔ نیز مشہور مورخین مثلاً ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ اسلام میں اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان میں اپنی اپنی عبارات میں مفصل درج کیا ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور آزادی رائے کا پایا جانا بھی ثابت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت عظیم پائی گئی ہے کیونکہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد نظر آتے ہیں۔

④ اس کے بعد ہم ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر پایا جاتا ہے:

ایک دفعہ طاعون سے فرار کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سے فرار کر کے کہیں جانا شرعاً ناجائز ہے پھر اس پر فرمان نبوی بیان کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس معاملے میں دوسری رائے تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس مقام پر طاعون کی وبا پھیل جائے وہاں سے گریز کرنا اور چلا جانا جائز ہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی اور ان کو برملا ٹوک دیا۔

اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز عصر کے بعد منبر پر تشریف لائے اور بیان فرمایا کہ عبادہ بن صامت نے جو اس مسئلے میں مجھے حدیث بیان کی ہے وہ درست ہے۔ پس عبادہ سے دین کے مسائل میں اقتباس کیا کرو، وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

((عن یعلیٰ بن شداد قال ذکر معاویة الفرار من الطاعون فذکر قصة له مع

عبادة فقام معاوية عند المنبر بعد صلاة العصر فقال الحديث كما حدثني عبادة فاقتبسوا منه فهو افقه مني))[1]

اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور انصاف پسندی واضح ہے۔

⑤ اب اس مسئلے پر ایک دیگر واقعہ اکابر علماء نے ذکر کیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے حق و صداقت کا برملا اظہار کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قلبی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

((عن ابی مسلم الخولانی انه نادی معاوية بن ابی سفيان رضی الله عنهما وهو جالس علی منبر دمشق فقال يا معاوية انما انت قبر من القبور ان جئت بشیء كان لك شیء وان لم تجئ بشیء فلا شیء لك۔ يا معاوية رضی الله عنه لا تحسبن الخلافة جمع المال وتفرقة ولكن الخلافة العمل بالحق والقول بالمعدلة واخذ الناس فی ذات الله عزوجل۔ يا معاوية انا لا نبالی بكدر الانهار ما صفت لنا رأس عيننا وانك رأس عيننا يا معاوية اياك ان تحيف علی قبيلة من قبائل العرب فيذهب حيفك بعدلك فلما قضی ابومسلم مقالة اقبل عليه معاوية فقال يرحمك الله))[2]

''مطلب یہ ہے کہ ایک مشہور تابعی راست گو بزرگ ابو مسلم خولانی[3] رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

---

[1] الاصابہ مع الاستیعاب (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۶۰ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت بن قیس رضی اللہ عنہ۔

[2] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۶ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابی مسلم الخولانی رحمہ اللہ۔
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۵ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی۔

[3] ابو مسلم خولانی کا اسم گرامی عبداللہ بن ثوب اور بقول بعض عبد بن ثوب ہے اور کنیت ابو مسلم ہے۔ بلاد یمن کے علاقے خولان سے ہیں۔ بڑے بزرگ اور پایہ کے تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ راست گو طبیعت تھی۔ ان کی حق گوئی اور صداقت پسندی کے متعدد واقعات دستیاب ہوتے ہیں۔ ہم اس مقام پر ان کی کرامت اور عظمت کے بعض واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ان کی رفعت مقام واضح ہوتی ہے:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن میں ایک شخص ''اسود عنسی'' نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابو مسلم رحمہ اللہ ان ایام میں مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری اور شرف زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا اپنے علاقے میں ہی مقیم تھے۔ اسود عنسی نے اپنی نبوت کی تصدیق کی خاطر آپ کو بلوایا۔ اسود کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے آپ سے کہا کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتے ہو؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد اسود نے کہا کیا تم میری نبوت کی شہادت دیتے ہو اور مجھے نبی تسلیم کرتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ بات سننا گوارہ نہیں کرتا (اور اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا)۔

←

انھوں نے ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت جامع دمشق کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے اے معاویہ! آپ قبروں میں سے ایک قبر ہیں (یعنی آپ قبر میں پہنچنے والے ہیں) اگر آپ کوئی بہتر چیز لائیں گے تو آپ کو فائدہ ہوگا اور اگر کوئی بہتر چیز نہیں لائیں گے تو آپ کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ اے معاویہ! یہ گمان نہ کریں کہ مال جمع کرنا اور پھر اسے تقسیم کرنے کا نام ''خلافت'' ہے بلکہ خلافت تو حق بات پر عمل کرنے، انصاف کی بات کہنے اور لوگوں کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اے معاویہ! جب تک کہ سرچشمہ صاف رہے ہمیں نہروں کے میلا اور گدلے ہونے کی پروا نہیں اور آپ ہمارے اصل چشمہ ہیں۔ اے معاویہ! آپ کو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ آپ کا ظلم آپ کے عدل کو ضائع کر دے گا۔

← اس کے بعد اسود عنسی نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ایک آتش عظیم تیار کی جائے اور اس میں ابومسلم کو پھینک دیا جائے چنانچہ ابو مسلم رحمہ اللہ کو ایک بڑے آتش کدہ میں ڈالا گیا۔ مگر آگ نے آپ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کیا اور آپ صحیح اور سلامت زندہ رہے۔

پھر اسود کو اس کے حاشیہ نشینوں نے مشورہ دیا کہ اگر خولانی کو اس شہر میں رہنے دیں گے تو آپ کے خلاف یہ فضا خراب کرے گا تو اسود عنسی نے آپ کو شہر بدر کر دیا۔ اس کے بعد ابومسلم خولانی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابومسلم رحمہ اللہ کو اپنے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھنے کے لیے جگہ عنایت فرمائی اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کی پیشانی پر از راہ محبت و شفقت بوسہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھ لیا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام والا معاملہ کیا گیا (اور وہ محفوظ رہے)۔

چنانچہ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((عن شرحبیل الخولانی قال بینا الاسود بن قیس بن ذی الحمار العنسی بالیمن، فارسل الی ابی مسلم فقال له: اتشهد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رسول الله؟ قال نعم قال فتشهد انی رسول الله قال ما اسمع قال فامر بنار عظیمة فاججت وطرح فیها ابومسلم فلم تضره فقال له اهل مملكة ان تركت هذا فی بلدك افسدها علیك فامره بالرحیل فقدم المدینة وقد قبض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبكر...... الخ))[1]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ میں مزید یہ چیز ذکر کی ہے کہ:

---

[1] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۹ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی رحمہ اللہ (۱۶۸)

پس جب ابو مسلم رحمۃ اللہ اپنی گفتگو تمام کر چکے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (اس راست گوئی پر) اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو۔"

((ثم هاجر فوجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قد مات، فقدم على الصدق فاجلسه بينه وبين عمر۔ وقال له عمر رضی اللہ عنہ: الحمد لله الذى لم يمتنى حتى ارى فى امة محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) من فعل به كما فعل بابراهيم الخليل علیہ السلام وقبله بين عينيه))[1]

اسی طرح ان کی دینی عظمت اور کرامت کا ایک دیگر واقعہ علمائے کرام نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ جب مسجد سے اپنے گھر کی طرف تشریف لاتے تو بلند آواز سے اپنے گھر کے پاس اللہ اکبر کہتے پھر ان کی اہلیہ جواباً اسی طرح الفاظ تکبیر کہتی تھی۔ ایک رات آپ تشریف لائے اور گھر کے دروازے کے پاس تکبیر کہی لیکن جواب میں گھر سے کسی کلمہ کی آواز نہیں سنائی دی۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور صحن میں کھڑے ہو کر پھر تکبیر اور سلام کہا مگر پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ گھر میں معمول یہ تھا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو ان کی اہلیہ ازراہ خدمت آپ کی چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیتی اور آپ کے جوتے درست کر دیتی پھر طعام لا کر سامنے رکھتی۔ لیکن اب جب گھر میں تشریف لائے تو گھر کے اندر چراغ روشن نہیں تھا اور آپ کی اہلیہ گھر میں مغموم حالت میں سرنگوں کیے ہوئے پریشانی کے عالم میں زمین کرید رہی تھی۔ آپ نے گھر میں داخل ہو کر صورت حالات سے متعلق اپنی اہلیہ سے دریافت فرمایا۔

((قالت انت لك منزلة من معاوية وليس لنا خادم لوسألته فاخدمنا واعطاك فقال اللهم من افسد على امراتى فاعم بصرها قال وقد جاءتها امرأة قبل ذالك فقالت لها زوجك له منزلة من معاوية فلو قلت له يسأل معاوية يخدمه ويعطيه عشتم قال فبينا تلك المرأة جالسة فى بينها اذا انكرت بصرها فقالت ما لسراجكم طفى؟ قالوا لا! فعرفت ذنبها فاقبلت الى ابى مسلم تبكى وتسأله ان يدعوا الله عز وجل لها ان يرد عليها بصرها قال فرحمها ابو مسلم فدعا الله لهما فرد عليها بصرها))[2]

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۶ ج ۸ تحت فصل ممن ذکرانہ توفی ہذہ السنہ (۶۰ھ)

[2] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابو مسلم الخولانی رحمۃ اللہ

کتاب مجاب الدعوۃ ص ۱۲۳-۱۲۴ تحت دعا ابی مسلم الخولانی وفضلہ مصنفہ الامام الحافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا القرشی متوفی ۲۸۲ھ

"یعنی اہلیہ نے عرض کیا کہ آپ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مقام ہے (یعنی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے) اور ہمارے لیے گھر میں کام کاج کے لیے کوئی خادم نہیں۔ اگر آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے طلب کرتے تو وہ ہمیں ایک خادم دیتے اور کچھ عطایا بھی عنایت فرماتے۔

یہ سن کر حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ برہم ہوئے اور فرمایا اے اللہ! جس نے میری بیوی کو یہ فساد ڈالنے والی بات سکھلائی ہے اس کی بینائی ختم کر دے۔ اس سے قبل آپ کے گھر میں ایک خاتون آئی تھی اور اس نے آپ کی اہلیہ سے بطور مشورہ کہا تھا کہ تمھارے خاوند کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام احترام ہے، اگر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خادم اور کچھ عطیہ طلب کریں تو وہ دے دیں گے اور تمھاری معاشرتی حالت بہتر ہو جائے گی۔ وہ مشورہ دینے والی عورت ان کے گھر میں ہی بیٹھی

⑥ سابقہ واقعات کی طرح ایک دیگر واقعہ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کے نقد کرنے کا علماء نے ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی حق گوئی اور آزادی رائے کا مسئلہ واضح طور پر موجود ہے:

((عن عبدالله بن عروة عن ابى مسلم الخولانى عن معاوية بن أبى سفيان رضی اللہ عنہما انه خطب الناس وقد حبس العطاء شهرين او ثلاثة فقال له ابو مسلم يا معاوية! ان هذا المال ليس بمالك ولا مال ابيك ولا مال امك فاشار معاوية الى الناس ان امكثوا ونزل فاغتسل ثم رجع فقال ايها الناس ان ابا مسلم ذكر ان هذا المال ليس بمالى ولا مال ابى ولا مال امى وصدق ابومسلم انى سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول الغضب من الشيطان۔ والشيطان من النار والماء يطفى النار فاذا غضب احدكم فليغتسل۔ اغدوا على عطاياكم على بركة الله عزوجل))[1]

"یعنی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کے عطایا اور وظائف ادا کرنے میں دو یا تین ماہ کی (کسی وجہ سے) تاخیر ہوگئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے لگے۔ اس اثنا میں جناب ابومسلم خولانی رحمہ اللہ نے سخت کلامی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (برملا ٹوک کر) کہا کہ یہ (بیت المال کا) مال نہ آپ کا ہے نہ آپ کے ماں باپ کی ملک ہے (بلکہ مسلمانوں کا حق ہے۔ بہ تقاضائے بشریت) اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناراضی ہوئی لیکن آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے، وہاں غسل کیا اور پھر واپس تشریف لا کر حاضرین کو خطاب کیا کہ ابومسلم خولانی نے درست کہا

← ہوئی تھی کہ ناگہاں اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی اور وہ کہنے لگی تمہارے گھر کے چراغ کو کیا ہوا، کیا چراغ بجھ گیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں چراغ تو روشن ہے۔ اس پر عورت کو یقین ہوگیا کہ میری بینائی ابومسلم کی بددعا سے ختم ہوگئی ہے۔

اس عورت نے رونا شروع کر دیا اور کہتی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے متعلق دعا کریں۔ اس پر ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کو اس عورت پر رحم آ گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس عورت کے حق میں دعا فرمائی اور اس عورت کی بینائی بحال ہوگئی۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور حسن سلوک قائم تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی قدر دانی کرتے تھے اور احترام کرتے تھے، باوجودیکہ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق گوئی کرتے اور راست گوئی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوا کہ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کو اپنے گھر میں معاشرتی خوشحالی پسند نہیں تھی اور وہ طلب دنیا سے نفور تھے، جیسا کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔

[1] مخطوطہ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) قلمی عکس شدہ ص ۶۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ طبع مصر تحت (۱۶۸) ابومسلم الخولانی رحمہ اللہ۔

ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا ہے۔ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غضبناک ہونا شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو فرو کر دیتا ہے۔ پس جب ایسی صورت پیش آئے تو غسل کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ لوگوں کو عطایا و وظائف مل جائیں گے۔ کل صبح آ جانا۔''

حاصل کلام

مختصر یہ ہے کہ معترض احباب نے حق گوئی کے مسلوب ہونے اور آزادی رائے کے خاتمے کے عنوانات کو بہت بنا سجا کر تحریر کیا ہے (جیسا کہ ابتدائے عنوان میں عرض کیا گیا)۔

ناظرین کرام کی خدمت میں ہم نے حدیث شریف اور تاریخ اسلام و تراجم سے اس دور کے صرف چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش کر دیے ہیں۔ یہ صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں اور برملا مجالس عامہ میں پیش آئے ہیں۔ اس نوع کے خدا جانے کتنے مواقع سامنے آئے ہوں گے؟

ان امور پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں

① زبانوں پر قفل ڈال دیے گئے تھے؟

② کیا حق گوئی کا مسلوب کیا جانا اسی کا نام ہے؟

③ کیا آزادی رائے کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے؟

④ کیا بیت المال کے مال کو صرف ذاتی مفاد کے لیے صرف کرنا اسی کو کہتے ہیں؟

خدارا انصاف فرمائیے اور جو چیز حق ثابت ہو اسے تسلیم کیجیے۔ تاریخ میں ہر قسم کا رطب و یابس، صحیح و غلط مواد موجود ہے۔ اس فن کے قواعد و ضوابط کے تحت جو چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت کے شایان شان ہو اس کو قبول کیا جاتا ہے اور جو چیز ان حضرات کے مقام و مرتبہ کے خلاف منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اکابرین امت کے نزدیک یہ بات مسلمات میں سے ہے۔

اب طعن کرنے والے دوستوں نے برعکس معاملہ کیا ہے۔ جس مواد سے طعن فراہم ہو سکتے ہیں اس کو لے کر مطاعن تیار کر لیے ہیں اور جن امور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فوقیت قائم اور براءت ثابت ہوتی ہے یا مطاعن سے دفاع ہو سکتا ہے ان کو نظر انداز کر کے عوام ناظرین کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ...... فیا حسرتاہ! یہ طریق تحریر دیانت داری کے برخلاف ہے اور اہل اسلام کے ساتھ دھوکا دہی کے مترادف ہے اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ عناد پر دال ہے اور بہتر دور کو سیاہ دور قرار دینے کی سعی لاحاصل ہے۔ مالک کریم سب مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کی توفیق بخشے۔

بیت المال کے اموال کی بحث

معترض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق جہاں دیگر اعتراضات بڑے عمدہ عنوانات کے ساتھ تحریر کیے ہیں وہاں ''قانون کی بالاتری کا خاتمہ'' کے تحت مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں یہ طعن بھی ثبت کیا ہے کہ اس میں کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی گئی پھر اس پر بطور دلیل جو حوالہ جات دیے ہیں ان میں خاص طور پر مندرجہ ذیل واقعہ کو پیش نظر رکھا ہے۔

وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کا حاکم زیاد تھا۔ اس نے خراسان کے علاقے کی طرف حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا اور وہاں ان کے ذریعے سے خراسان کے علاقے میں فتوحات کثیرہ ہوئیں اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اموال غنائم کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد کو ایک مکتوب موصول ہوا کہ علاقہ خراسان سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اموال ان کے لیے الگ نکال لیے جائیں اور باقی مال کو حسب قاعدہ شرعی تقسیم کر دیا جائے۔

معترض احباب نے یہ واقعہ کتب سے نقل کر کے طعن قائم کیا ہے کہ اموال غنائم کی تقسیم کا یہ طریق کار کتاب وسنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

الجواب

سب سے پہلے واقعہ ہذا کی سند پر مختصراً کلام کرنا مناسب سمجھا گیا ہے تاکہ اس واقعہ کی صحت یا عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جا سکے اور ان روایات کے درجہ اعتماد کو جانچا جا سکے اور ان کا محاسبہ کیا جا سکے۔

سند پر بحث

بعض کتابوں میں جو سند منقول ہے ان میں ایک راوی ہشام بن حسان قردوسی ہے جو حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے۔ اور ہشام قردوسی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص حسن بصری رحمہ اللہ سے بیشتر روایات مرسل نقل کرتا ہے اور درمیان کے راوی یا رواۃ کو ساقط کر دیتا ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ درمیان کا راوی کیسا شخص ہے؟ ثقہ ہے یا غیر ثقہ؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟ اور علماء فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان کی

جو روایت حسن بصری رحمہ اللہ سے ہے اسے محدثین کسی درجہ اعتماد میں شمار نہیں کرتے۔

((حدثنا عبدالرحمن نا أبی قال سمعت ابا بکر بن ابی شیبة یقول سمعت اسماعیل بن علیة یقول کنا لا نعد هشام بن حسان فی الحسن شیئا)) [1]

اسی طرح حسن بصری رحمہ اللہ کے معروف شاگرد جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں حسن بصری رحمہ اللہ کے ساتھ سات سال رہا ہوں، میں نے ہشام بن حسان کو آپ کے پاس کبھی نہیں دیکھا۔

((جریر بن حازم فقال قاعدت الحسن سبع سنین ما رأیت هشاما عنده قط۔ فقلت یا ابا النضر قد حدثنا عن الحسن باشیاء فیمن تراه اخذه؟ قال أراه اخذ عن حوشب)) [2]

موجب اعتراض روایت اس قسم کے رواۃ سے مروی ہے جو اپنے مروی عنہ کو نہیں ذکر کرتے بلکہ اپنے شیخ کو گرا کر اوپر کے راوی کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ اور اس مقام کی دوسری روایات اس حیثیت کی ہیں کہ ان میں اتصال نہیں بلکہ انقطاع پایا جاتا ہے اور اخباری لوگ اس کے ناقل ہیں جو ہر رطب و یابس کو فراہم کرنے والے ہوتے ہیں۔ فلہٰذا ایسی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو مجروح کرنا ہرگز درست نہیں۔

چند دیگر امور

اب اس کے بعد اس واقعہ کے متعلق چند دیگر امور ذکر کیے جاتے ہیں:

① واقعہ ہذا کی متعلقہ روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ ہذا میں ان حضرات کا اس دور میں رائے کا اختلاف پایا گیا جس کو فکر و نظر کا اختلاف کہنا بجا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے جو انھوں نے زیاد کی معرفت ارسال کی وہ یہ تھی کہ اس موقع کے غنائم سے سیم و زر (چاندی سونا) اور عمدہ اموال مرکزی بیت المال میں جمع کرانے چاہییں۔ جب کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان غنائم کی تقسیم برموقع ہونی چاہیے۔ فلہٰذا انھوں نے اپنی فکر کے مطابق مرکز کی رائے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے حسب قاعدہ غنائم کے مال کو موقع پر ہی تقسیم کر دیا۔ اندریں حالات اگر دونوں حضرات کی آراء کو اپنی اپنی جگہ تسلیم کر لیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

② نیز یہاں معترضین کا یہ طعن کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے لیے سیم و زر اور عمدہ مال جمع

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل (ابن ابی حاتم رازی) ص ۵۶ ج ۴ قسم ثانی تحت ہشام بن حسان القردوسی

[2] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۹۶ ج ۴ تحت ہشام بن حسان القردوسی

تہذیب التہذیب ص ۳۵ ج ۱۱ تحت ہشام بن حسان القردوسی

کرنا چاہتے تھے درست نہیں۔ مورخین نے تصریح کر دی ہے کہ جو حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمع مال کے لیے زیاد کو تحریر کیا تھا اس میں الفاظ یہ ہیں کہ:

((یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال...... الخ))[1]

اور ایک دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

((ان یصطفی من الغنیمة لمعاویة ما فیها من الذهب والفضة لبیت ماله...... الخ))[2]

یعنی اس نوع کی تعبیرات کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لیے یہ اموال مرکز میں جمع کرانا چاہتے تھے اور خاص طور پر اپنی ذات کے لیے یہ حکم ارسال نہیں کیا تھا۔ ان عبارات سے خواہ مخواہ یہ مطلب اخذ کرنا کہ انھوں نے اپنی ذات کے لیے یہ مال الگ کرانا چاہا تھا ہرگز درست نہیں۔

ان روایات کا یہ محمل جو ہم نے ذکر کیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت کے مطابق بھی ہے اور اسی طرح علمائے کرام فرمایا کرتے ہیں۔ زمانہ قریب کے ایک بہترین مورخ اور عمدہ سیرت نگار عالم (علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ) نے بھی تقسیم مال کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے تیسرا جواب یہی تحریر کیا ہے کہ:

((انه لیس فی هذه العبارة ما یستدل به علی استیثار معاویة المال لنفسه فان مراده ان العمال لیس لهم تقسیم الفئ بل الامر موکول الی الخلیفة فعلی العامل ان یجمع الاموال ویرسلها الی الخلیفة وللخلیفة ان یضعها موضعها))[3]

"مطلب یہ ہے کہ اس عبارت سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے لیے جمع اموال کو ترجیح دینا اور ان پر اپنی دسترس قائم کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ تقسیم اموال فے (وغیرہ) کا معاملہ عمال کی طرف مفوض نہیں بلکہ یہ معاملہ خلیفۃ المسلمین کے سپرد ہے۔ عاملین کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اموال کو جمع اور فراہم کریں اور خلیفہ وقت کے ہاں ارسال کر دیں۔ پھر خلیفۃ المسلمین اموال کو ان کے مواقع میں صرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۵ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

[3] الانتقاد علی تمدن اسلامی از مولانا شبلی نعمانی ص ۳۳ تحت جواب الثالث طبع قدیم

اموال غنیمت کے مسائل بھی یہی حکم رکھتے ہیں کہ شرعی حدود کے تحت خلیفہ وقت کی ہدایت کے مطابق ان پر عمل درآمد کیا جائے۔ عمال و حکام خلیفہ اسلام کے فرمان سے بے نیاز ہو کر اموال کے صرف کرنے اور تقسیم کرنے کے مجاز نہیں۔

③ ایک آزمائشی مکالمہ

واقعہ ہذا کے متعلق ابن عساکر رحمہ اللہ نے ایک دیگر روایت ذکر کی ہے جس میں اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے آزمائشی طور پر کلام کیا تھا۔ بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاضرین سے بطور سوال و جواب مکالمہ فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ''حق گوئی اور آزادی رائے'' کے عنوان کے تحت بھی اسی قسم کا ایک مکالمہ پایا جاتا ہے (جیسا کہ قبل ازیں تحریر کر دیا ہے) جس میں آپ نے فرمایا "والمال مالنا والفئی فیئنا" اس پر حاضرین میں سے ایک شخص کا بروقت جواب دینا مذکور ہے۔

اس مقام پر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آزمائشی طور پر حاضرین سے کلام کیا۔ اس مکالمہ کو ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں مفصل ذکر کیا ہے۔ ایک مشہور راوی قتادہ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ جب حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کا جوابی مراسلہ زیاد کی طرف پہنچا تو زیاد نے اس مراسلہ اور اپنی طرف سے ایک مکتوب کو یکجا کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ جب یہ مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موصول ہوا تو آپ لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور زیاد کے مکتوب کی خبر دی اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ردعمل کو بیان کیا (حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مرکز کی طرف سے موصولہ ہدایات کے برخلاف اموال غنائم سے خمس علیحدہ کر کے باقی اموال مجاہدین میں برموقع تقسیم کر دیے تھے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اس خلاف ورزی پر صلیب پر چڑھائے جانے کے قابل ہیں۔ بعض نے یہ رائے دی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جانے چاہئیں۔ اور بعض نے یہ رائے دی کہ جتنا مال انھوں نے وہاں تقسیم کیا ہے اس کا ضمان اور تاوان ان سے وصول کیا جائے۔

ان آراء کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کلام فرمایا کہ تم لوگ برے وزیر ہو۔ تم سے تو فرعون کے رائے دہندگان بھی بہتر تھے۔ کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں ایسے شخص کو سزا دوں اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے مکتوب پر ترجیح دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے سے مقدم رکھا ہے۔ اس شخص نے بڑا اچھا اور عمدہ کردار ادا کیا ہے اور درست کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمدہ مناقب اور بہترین محامد میں شمار کیا جاتا ہے۔

((عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة قال لما انتهی کتاب الحکم بن عمرو الی زیاد کتب بذالك الی معاویة وجعل کتاب الحکم فی جوف کتابه فلما قدم الکتاب علی معاویة خرج الی الناس فاخبرهم بکتاب زیاد وصنیع الحکم فقال ما ترون؟ فقال بعضهم أری ان تصلبه وقال بعضهم أری تقطع یدیه ورجلیه وقال بعضهم أری ان تغرمه المال الذی اعطا۔ فقال معاویة بئس الوزراء انتم!! وزراء فرعون کانوا خیرا منکم۔ اتأمرونی ان اعمد الی رجل اثر کتاب الله تعالیٰ علی کتابی و سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی سنتی فاقطع یدیه ورجلیه؟ بل احسن و اجمل☆ واصاب فکانت هذه مما تعد من مناقب معاویة))[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کردار وعمل کی قدردانی فرمائی اور اس کو درست قرار دیا۔ اور علمائے امت اس چیز کو محامد و محاسن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں۔ فلہٰذا اس واقعہ سے کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مستنبط کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور معترض احباب کے اس واقعہ کے متعلق معلومات خاصے کمزور پائے جاتے ہیں ورنہ اس موقع کی تمام مرویات پر نظر کرنے کے بعد کوئی بات محل اعتراض اور جائے طعن نہیں ہے۔

بصورت دیگر

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقسیم مال کے مسئلے میں عوام الناس کے ساتھ درست معاملہ رکھتے تھے اور مال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سے متعلق ایک دیگر واقعہ تحریر کیا جاتا ہے اور علامہ ذہبی اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو اپنی اپنی عبارات میں نقل کیا

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص۵۲۷ ج۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

☆ قولہ احسن واجمل...... بعض روایات میں اس موقع پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی پر قید میں ڈال دیا گیا اور ان پر کئی قسم کے تشدد کیے گئے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں فوت ہو گئے۔ یہ سب چیزیں راویوں کی طرف سے روایت میں تجاوزات ہیں اور داستان کو دردناک بنانے کے لیے اضافہ کی گئی ہیں اور یہ ہرگز درست نہیں۔ جیسا کہ ابن عساکر رحمہ اللہ کے بیان کردہ مندرجہ بالا واقعہ نے اس مسئلے کو صاف کر دیا ہے۔ یہی درست ہے اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ موصوف کی وفات طبعی طور پر خراسان میں ہوئی تھی۔

ہے۔ ہم قبل ازیں کتاب اقربانوازی ص ۱۶۱ تحت "اسلامی خزانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں" ذکر کر چکے ہیں لیکن اب ابن عساکر رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا جاتا ہے۔

عطیہ بن قیس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو میں نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! تمھیں عطیات دینے کے بعد تمھارے بیت المال میں جو مال باقی ماندہ موجود ہے اسے میں تمھارے درمیان تقسیم کر دوں گا اور اگر آیندہ سال بھی زیادہ مال پہنچ گیا تو وہ بھی تم لوگوں میں تقسیم کر دیں گے اور اگر یہ صورت نہ پائی گئی تو ہم پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ یقیناً بیت المال کا مال میرا مال نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جو اس نے تمھاری طرف لوٹا دیا ہے۔

((عن عطية بن قيس قال خطبنا معاوية فقال ان فى بيت مالكم فضلا عن عطاءكم وانا قاسم بينكم ذالك فان كان فيه قابلا فضلا قسمته عليكم والا فلاعتيبة على فانه ليس مالى وانما هو فى الله الذى افا عليكم))[1]

اس واقعہ سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقسیم مال کے متعلق طریق کار واضح ہو گیا اور ان کا بیت المال کے حق میں نظریہ بھی سامنے آ گیا کہ وہ ان اموال کو اللہ اور مسلمانوں کا مال تصور کرتے تھے اور اموال کو اسلامی قواعد کے خلاف نہیں استعمال کرتے تھے۔ ان مسائل میں شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی کا پروپیگنڈا اور بیت المال میں ناروا تصرف کے الزامات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بالکل غلط بیانی پر مبنی ہیں اور اس دور کے واقعات کے برعکس ہیں۔

شرعی احکام کی رعایت

مسئلہ مذکورہ کے متعلق یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین کے معاملات میں شرعی قواعد کی پوری رعایت رکھتے تھے اور اس پر عمل درآمد کی دیگر اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے کئی خطبات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خطبہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے جس کو اکابر مورخین اور محدثین نے اپنی تصانیف میں اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن نجی ابو عامر الہوزنی کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں حج ادا کیا۔ آپ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص قاص (قصہ گو) ہے جو لوگوں کے سامنے عجیب چیزیں بیان کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا۔ جب وہ شخص آیا تو

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص ۲۸۔ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمہ علیٰ معاویہ۔

آپ نے فرمایا کہ تجھے اس بات کی کس نے اجازت دی ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کسی نے حکم نہیں دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہ کام کس لیے کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک علم (اخباری روایات) ہے جسے ہم پھیلاتے ہیں۔اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگر پہلے میں نے تجھے منع کیا ہوتا تو اب میں تجھے سزا دیتا۔ اب تو یہاں سے چلا جا اور اس کے بعد تیرے متعلق یہ شکایت سننے میں نہ آئے۔اس کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا تو آپ نماز کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔

((حدثنی عبدالله بن نجی ابوعامر الهوزنی قال حججت مع معاوية فلما قدم مكة اخبر ان بها قاصا يحدث باشياء تنكر فأرسل اليه معاوية فقال أمرت بهذا؟ قال لا۔ قال فما حملك عليه؟ قال علم ننشره فقال له معاوية لو كنت تقدمت اليك لفعلت بك۔ انطلق فلا اسمع انك حدثت شيئا۔ فلما صلى الظهر قعد على المنبر فحمد الله و اثنى عليه ثم قال يا معشر العرب والله لئن تقوموا بما جاء به نبيكم ﷺ فغيركم من الناس احرى ان لا يقوم به الا ان رسول الله ﷺ قام فينا يوما فقال ان من كان قبلكم واهل الكتاب افترقوا على ثنتين وسبعين ملة يعنى الاهواء وان هذه الامة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعنى الاهواء اثنتين وسبعين فى النار وواحدة فى الجنة وهى الجماعة فاعتصموا بها فاعتصموا بها))[1]

اور یعقوب بسوی نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((انه سيخرج فى امتى اقوام تتجارى بهم تلك الاهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه فلا يبقى منه عرق ولا مفصل الا دخله۔ والله يا معشر العرب لئن لم تقوموا بما جاء محمد (ﷺ) بغيركم من الناس احرى ان لا يقوم به))[2]

''اس خطبے کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے جماعت عرب! اللہ کی قسم اگر آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قائم نہیں کریں گے تو باقی اقوام بطریق ادنیٰ اس دین کو قائم نہیں کریں گی۔ (فلہٰذا تمھارے لیے دین کا قائم کرنا بہت ضروری ہے) اور آپ نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اور اہل کتاب بہتر طبقوں میں تقسیم ہوگئے تھے اور اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ

---

۱ کتاب السنہ (محمد بن نصر مروزی المتوفی سنہ ۲۹۴ھ) ص ۱۴-۱۵ مطبوعہ ریاض

۲ کتاب المعرفہ والتاریخ (یعقوب بسوی) ص ۳۳۱-۳۳۲ ج ۲ تحت ابی عامر عبداللہ بن نجی الہوزنی۔

سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک جماعت جنت میں جائے گی اور وہ اہل اسلام کی بڑی جماعت ہوگی۔ پس تم لوگ مضبوطی سے جماعت کے ساتھ رہو۔

اور بعض روایات میں یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ اس امت میں کئی لوگ صاحب اہواء یعنی خواہش پرست پیدا ہوں گے اور نفسانی خواہشات ان کی رگ و پے میں سمائی ہوں گی۔ ان لوگوں سے تم اجتناب اور اعراض کرنا اور دین نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر قائم رہنا۔

مندرجہ بالا خطبے کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنے اور دین اسلام پر قائم رہنے کی اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ فلہٰذا وہ دین کے مسائل اور احکام شرعی کے برخلاف کرنا کیسے پسند کر سکتے تھے؟ وہ شخص جو دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی دوسروں کو تلقین کرتا ہے اگر وہ خود شرعی احکام کا پابند نہ ہو تو اس کی ترغیب و تلقین کیسے موثر ہو سکتی ہے؟ اور اس پر کیا ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے؟

اسی چیز کی تائید میں بعض اکابر مورخین کا قول ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ

((ومعاوية ومن كان فى عصره بالشام من الصحابة والتابعين اتقى لله واشد محافظة على اداء فرائضه وافقه فى دينه))[1]

''یعنی اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمہم اللہ ملک شام میں موجود تھے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت خائف اور متقی تھے اور فرائض کی ادائیگی پر بہت محافظت اور پابندی کرنے والے تھے۔ دین کے معاملات میں نہایت فقیہ تھے اور ان سے یہ معاملات مخفی نہیں تھے۔''

ایک تائید

نیز گزارشات بالا کے بعد یہ چیز قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، مسور بن مخرمہ، زید بن ثابت، سائب بن یزید، عقیل بن ابی طالب، حسین بن علی، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملے میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا۔ حالانکہ یہ حضرات خلاف شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق کامل (ابن عساکر) ص ۳۵۱ ج ۱ (طبع اول دمشق) تحت باب ما ورد فی ذم اہل الشام وبیان بطلانہ عند ذوی الافہام۔

شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے۔ بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی اور وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ کتاب وسنت کے اس نوع کے فرامین کیا ان کے پیش نظر نہیں تھے؟ اور کیا یہ حضرات ان پر علم پیرا نہیں ہوتے تھے؟ اس معاملے میں ان حضرات کا تعامل ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صفائی پیش کرنے اور دفاع کرنے کے لیے کافی و وافی ہے۔

اموال کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

سیرت نگار علماء اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری ایام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب آپ کے آخری اوقات آ گئے تو آپ نے جہاں دیگر وصایا فرمائیں ان میں سے ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میری مالی جائداد میں سے نصف مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر مال کے معاملے میں فروگزاشتیں ہوئی ہوں تو ان کا مداوا ہو جائے اور باقی مال صاف ہو سکے۔ اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح معاملہ فرمایا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ

((ان معاوية اوصى بنصف ماله ان يرد الى بيت المال كانه اراده ان يطيب له الباقي لان عمر قاسم عماله))[1]

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے اموال کے سلسلے میں حتی المقدور قواعد شرعی کا لحاظ رکھا اور دینی احکام کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی حتیٰ کہ آخری وصایا میں بھی بیت المال کے متعلق اپنے ذاتی اموال میں سے نصف مال داخل بیت المال کرنے کی وصیت فرمائی۔

فلہٰذا معترض احباب نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اموال کے معاملے میں کتاب وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کا طعن ذکر کیا ہے وہ درست نہیں اور اس دور کے واقعات اس بات کے خلاف پائے جاتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس اعتراض سے ملوث نظر نہیں آتا اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کا اعتراض سراسر بے جا معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲، ۱۳۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکسی ص ۷۵۲ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

توریث مسلم و کافر کا مسئلہ

معترض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ طعن بھی قائم کیا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیا۔ یہ سنت طریقہ کے خلاف بدعت تھی۔ اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آ کر موقوف کیا۔

جواب

ناظرین کرام اس بات کو یاد رکھیں کہ توریث مذکورہ کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ ہے پھر تابعین اور تبع تابعین میں مختلف فیہ رہا، اور پھر اکابر فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پہلے ہم اس اختلاف کی نوعیت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کے متعلقہ دیگر امور ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس تمام بحث پر نظر کر لینے کے بعد اس مسئلہ کے نشیب و فراز سامنے آ جائیں گے اور معترضین کے اس اعتراض کی خفت اور سبکی کے ساتھ ساتھ اس کا بے محل ہونا بھی واضح ہو جائے گا۔ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح تھا کہ

((لا یرث المسلم کافرا ولا الکافر مسلما))

''یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے۔''

اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ

((یرث المسلم من الکافر من غیر عکس))

اور اس کی دلیل ان حضرات کی طرف سے علماء نے جو لکھی ہے وہ مسند امام احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں باسند مذکور ہے:

((عن یحیی بن یعمر عن ابی الاسود الدیلی قال کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیہ فی یھودی مات وترک اخا مسلما فقال معاذ انی سمعت رسول اللہ

ﷺ یقول: "ان الاسلام یزید ولا ینقص" فورثه))[1]

"یعنی ابو الاسود دیلی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا۔ لوگوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی توریث کا معاملہ پیش کیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ اسلام بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ پس آپ نے مسلمان بھائی کو یہودی بھائی کا وارث قرار دیا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبداللہ بن معقل مشہور تابعی نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے فیصلوں کے بعد میں نے کوئی بہترین قضا اور عجیب فیصلہ نہیں دیکھا جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب کے حق میں قضاء (فیصلہ) کیا تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے مگر اہل کتاب ہمارے وارث نہیں ہوں گے۔ جس طرح کہ ہمیں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز اور حلال ہے مگر ان کے لیے ہماری عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

((حدثنا وکیع قال ثنا اسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی عن عبداللہ بن معقل قال ما رأیت قضاء بعد قضاء اصحاب رسول اللہ ﷺ احسن من قضاء قضی به معاویة فی اهل الکتاب۔ قال نرثهم ولا یرثوننا کما یحل لنا النکاح فیهم ولا یحل لهم النکاح فینا))[2]

اور سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حدثنا سعید قال ثنا هشیم قال انا اسماعیل بن أبی خالد عن الشعبی قال لما قضی معاویة بما قضی به من ذالك فقال عبداللہ بن معقل ما احدث فی الاسلام قضاء بعد قضاء اصحاب رسول اللہ ﷺ هو اعجب الی من قضاء معاویة انا نرثهم ولا یرثونا کما ان النکاح یحل لنا فیهم (اهل الکتاب) ولا یحل لهم فینا))[3]

---

[1] مسند امام احمد ص ۲۳۰-۲۳۶ ج ۵ تحت حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۴۹۶ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۳ ج ۵ تحت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامراء الی الیمن۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۴۹۷ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی۔

[3] کتاب السنن (سعید بن منصور) ص ۴۵ ج ۳ ق اول تحت باب لا یتوارث اہل الملتین

دیگر تائید

ایک مشہور تابعی مسروق رحمہ اللہ ہیں، ان سے شعبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا:

((عن الشعبی عن مسروق قال کان معاویة یورث المسلم من الکافر ولا یورث الکافر من المسلم قال قال مسروق (بن الاجدع) وما حدث فی الاسلام قضاء احب الی منه))[1]

یہ حضرات (عبداللہ بن معقل اور مسروق بن اجدع رحمہما اللہ) تابعین اور تبع تابعین میں سے مشاہیر لوگوں میں سے ہیں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو احسن و اعجب قرار دیا لیکن اس کو بدعت نہیں قرار دیا۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دلائل میں علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرات فرماتے تھے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ الاسلام یعلوا ولا یعلی۔ نیز یہ فرمان نبوی بھی بیان فرماتے تھے کہ الاسلام یزید ولا ینقص جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔ ان فرامین نبوی کی روشنی میں ان حضرات کا یہ فیصلہ تھا کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو ایک یہودی کی موت پر پیش آیا تھا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔

اس مقام کی مزید معلومات اور وضاحت مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کریں:

① المبسوط ص ۳۰ ج ۳۰ باب مواریث اہل الکفر
② فتح الباری ص ۴۱ ج ۱۲ باب لا یرث المسلم الکافر...... الخ
③ عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم...... الخ

اس مقام کی تھوڑی سی وضاحت ذیل میں اکابر علماء کی عبارات سے پیش کی جاتی ہے۔ اکابر محدثین اور فقہاء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے قول کے موافق مندرجہ ذیل علماء نے قول کیا ہے:

① ((وقول معاذ بن جبل و معاویة بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفیة و محمد بن علی بن الحسین (رحمہم اللہ)))[2]

---

[1] مسند دارمی ص ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشرک واہل الاسلام مطبوعہ کانپور قدیم
سنن سعید بن منصور ص ۴۴ ج ۳ قسم اول۔

[2] عمدۃ القاری (بدر الدین عینی) شرح بخاری شریف ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم...... الخ

② ((وبه قال مسروق و سعيد بن المسيب وابراهيم النخعي واسحق))[1]

③ ((ذهب معاذ بن جبل و معاوية والحسن و محمد بن الحنفية و محمد بن علي بن الحسين و مسروق الى ارثه اخذا من حديث الاسلام يعلوا ولا يعلي۔ اخرجه الطبراني فى الاوسط والبيهقى دلائل كذا ذكره الحافظ فى الدرايته))[2]

ان ہر سہ حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر بعض صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور مشہور ہاشمی حضرات کا اس مسئلے میں یہی قول ہے۔ اسی طرح ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے کتاب التمہید ص ۱۶۳ ج ۹ طبع جدید میں تحت اول حدیث لابن شہاب عن علی بن الحسین یہ مسئلہ مندرجہ تفصیل کے موافق نقل کیا ہے۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں متفرد نہیں کہا جا سکتا اور وہ اس مسئلہ میں بدعت کے مرتکب نہیں قرار دیے جا سکتے۔

تنبیہ

بعض روایات میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ

((واول من ورث المسلم من الكافر معاوية))

تو اس کے متعلق اتنی بات معلوم ہونی چاہیے کہ یہ قول ابن شہاب زہری نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے یہ کسی صحابی کا قول نہیں۔ اور زہری کا یہ قول بھی متصل نہیں بلکہ مرسل ہے۔[3] علاوہ ازیں دیگر صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال اس کے برخلاف موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کے اول قائل قرار دینا درست نہیں۔ (جیسا کہ ماقبل میں درج ہے)۔

اسی طرح بعض دیگر علماء نے اس کو قضية محدثة فى الاسلام کہا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیق کو ساقط القول قرار دے کر رد کیا ہے۔ یہ ان کی متفردانہ رائے ہے ورنہ اس مسئلے پر دیگر صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے اقوال موجود ہیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید پائی جاتی ہے۔

مختصر بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس دور کا مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے۔ مندرجات بالا کی روشنی میں اس مسئلے کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اول قول کرنے والا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کے تحت لا کر اسے اسلامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دینا انصاف کے خلاف ہے اور زیغ عن الحق ہے۔

---

۱ فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۴۱ ج ۱۲ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم

۲ حاشیہ موطا امام محمد ص ۳۱۷ باب لا یرث المسلم الکافر، طبع مصطفائی۔

۳ تاریخ یحییٰ بن معین ص ۲۲۱ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۰۲۷۔

مسئلہ دیت کی بحث

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے احباب نے دیت[1] کے مسئلے میں بھی آپ کو مطعون کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ سنت طریقہ یہ تھا کہ معاہد (ذمی) کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف دیت خود لینی شروع کر دی اور ذاتی تصرف میں لائے۔ اس طرح آپ نے یہ طریقہ سنت طریقہ کے خلاف رائج کیا اور بقول معترض اسلامی آئین کی خلاف ورزی کی۔

الجواب

اس مسئلے کے متعلق مختصراً بعض روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ ہذا کی نوعیت واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد اصل طعن کا جواب ان روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مشہور صحابی ذکر کرتے ہیں کہ

((لما دخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مكة عام الفتح قام فی الناس خطيبا فقال يا ايها الناس! لا يقتل مؤمن بكافر دية الكافر نصف دية المسلم ..... الخ))[2]

یہ روایت مشکوۃ شریف میں بحوالہ ابوداود مرفوعاً درج ہے:

((لا يقتل مؤمن بكافر (ای الحربی) دية الكافر نصف دية المسلم لا جلب ولا جنب...... الخ))

((وفی رواية قال دية المعاهد نصف دية الحر۔ رواه ابوداود))[3]

''یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح میں جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے

---

1. قتل کے بدلے میں مالی معاوضے کو دیت کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
2. مسند امام احمد ص ۱۸۰ ج ۲ تحت مسندات عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما
3. مشکوۃ شریف ص ۳۰۳ باب الدیات الفصل الثانی۔

لوگو! مومن شخص کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر کی دیت مسلم کی دیت سے نصف ہو گی۔''

''اور ایک دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاہد (ذمی) کی دیت حر (آزاد) کی دیت کے نصف ہو گی۔''

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مسئلے میں نصف دیت کے ارشادات بھی موجود ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کے بعض اقوال میں دیت اہل الذمہ کے تحت یہی منقول ہے کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے۔

اگرچہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوتی ہے اور بہت سے اکابر فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے اور اس پر مرفوع روایات بھی موجود ہیں۔ اس بنا پر اکابر فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے جیسا کہ ہم نے مختصراً پیش کر دیا ہے اس مسئلے کی تفصیلات مع دلائل مطولات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نصف دیت کا جو قول کیا ہے یہ ان کا متفرد قول نہیں ہے، ان کے سامنے مرفوع روایات اور بعض دیگر دلائل موجود ہیں اس بنا پر ان کا یہ قول قابل اعتراض نہیں ہے اور نہ اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے اور نہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اس دور کے مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسائل میں سے ہے، اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بااختیار حاکم اور امیر المومنین تھے اور اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت اپنے اجتہادِ فکر سے اس مسئلہ میں نصف دیت کی صورت اختیار کی جبکہ مندرجہ بالا مرفوع مرویات بھی ان کی تائید میں موجود ہیں اور اس موقف کی موید ہیں۔

نصف دیت کا خود لے لینا

معترضین نے اپنی عبارات میں یہ تاثر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف خود لے لیتے تھے۔ اس کے متعلق محدثین اور فقہاء کے مندرجہ ذیل حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلے کی نوعیت سامنے آ جائے گی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بقایا نصف دیت خود نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔

① مشہور محدث ابوداود سجستانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المراسیل میں باب دیۃ الذمی کے تحت یہ مسئلہ بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((وعن ربیعة بن عبدالرحمن قال کان عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن

رسول الله ﷺ وزمن أبی بکر و زمن عمر و زمن عثمان حتی کان صدر من خلافة معاوية فقال معاوية ان کان اهله اصيبوا به فقد اصيب به بيت مال المسلمين فاجعلوا لبيت المسلمين النصف ولاهله النصف خمسمائة دينار))[1]

''یعنی ربیعہ بن عبدالرحمٰن (تابعی) ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جب یہ صورت پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ ذمی کے اہل وعیال کو اگر نقصان پہنچا ہے اور وہ مصیبت زدہ ہوئے ہیں تو مسلمانوں کے بیت المال کا بھی نقصان ہوا ہے۔ پس اس طرح کرو کہ دیت کا نصف ذمی کے اہل وعیال کو دے دو اور باقی نصف مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو۔ اس دور میں نصف دیت کی مالیت پانچ صد دینار تھی چنانچہ پانچ پانچ صد دینار بیت المال اور ذمی کے اہل وعیال میں تقسیم کر دیے گئے۔''

حوالہ ہذا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محدثین حضرات کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک خلیفہ تھے اسی لیے ان کی حکومت کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ روایت مذکورہ بالا کے الفاظ سے واضح ہے۔

دوسرا یہ مسئلہ واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت اپنے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ اسے بیت المال میں داخل کروایا کرتے تھے۔ نصف دیت خود لینے کا پروپیگنڈا درست نہیں۔

② اب مسئلے پر دوسرا حوالہ فقہ کی ایک مشہور کتاب الدیات سے پیش کیا جاتا ہے:

((كانت (دية الذمی) علی عهد رسول الله ﷺ الف دينار وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم حتی کان معاوية رضی اللہ عنہ اعطی اهل القتيل خمس مائة دينار ووضع فی بيت المال خمس مائة دينار))[2]

''یعنی امام ابوبکر احمد بن عمرو رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذمی کی دیت جناب نبی کریم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک ہزار دینار تھی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے مقتول کے رشتہ داروں کو پانچ سو دینار دلوائے اور پانچ سو دینار بیت المال میں داخل کرائے۔''

③ اور مشہور مالکی فاضل ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد (کتاب الدیات) میں بھی مسئلہ ہذا اسی طرح ذکر

---

[1] المراسیل (ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ) ص ۲۹ طبع مصر تحت باب دیۃ الذمی

[2] کتاب الدیات (امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم ضحاک شیبانی متوفی ۲۸۷ھ) ص ۴۶ باب دیۃ الذمی

السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۰۲ ج ۸

بدایۃ المجتہد (ابن رشد) تحت کتاب الدیات

کیا ہے۔

اکابر فقہاء کے حوالہ سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت اپنی ذات کے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔ فلہٰذا نصف دیت خود لے لینے کا الزام ان تصریحات کے خلاف ہے اور بالکل بے جا الزام ہے۔

لفظ "لنفسہ" کا جواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ بعض روایات میں جو یہ الفاظ "اخذ لنفسہ" کے پائے جاتے ہیں یہ اس مسئلہ میں عموماً ابن شہاب زہری کی طرف سے اپنی تعبیر ہے اور یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔ یعنی یہ الفاظ کسی صحابی کا قول نہیں ہے اور واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ گزشتہ حوالہ جات سے واضح ہے۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ صغار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ شخص ہیں لیکن یہ قول ان کا روایت میں بطور ادراج کے مذکور ہے۔ اور مسئلہ مذکور کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ عام طور پر ان روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناقلین روایات نے یہ اپنی رائے ذکر کی ہے۔ فلہٰذا ان کے ذاتی نظریہ کی وجہ سے (جو واقعات کے برخلاف ہو) کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون نہیں کیا جا سکتا اور ان کی شان دیانت میں اس قول سے تنقیص واقع نہیں کی جا سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ نصف دیت خود لے لینے کا طعن ایک راوی کے قول کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے جو واقعات کے اعتبار سے درست نہیں فلہٰذا قانون کی بالاتری کے خاتمے میں اس مسئلے کو لا کر طعن قائم کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔

مسئلہ ہذا کے متعلق مالہ و ماعلیہ اور اس کے نشیب و فراز کو افراط و تفریط کے بغیر ہم نے پیش کر دیا ہے، منصف مزاج آدمی اس سے مطمئن ہو سکے گا۔ باقی ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ الہادی۔

یمین مع الشاہد کا مسئلہ

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعات کے ارتکاب کا ایک سلسلہ چلایا ہوا ہے اور آپ کے متعلق اولیات معاویہ کے عنوان سے کئی چیزوں کا ان کی طرف انتساب کیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی چلایا ہے کہ یمین مع الشاہد بدعت ہے اور اس کو پہلے کھڑا کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان مسائل میں سنت طریقہ کے برخلاف دین میں ایک نئی چیز قائم کرنے والے ہیں۔

الجواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مخالفین جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ درست نہیں، یہ یک گونہ اور یکطرفہ کارروائی ہے۔ اور اس مسئلہ کی دوسری جانب کو طعن کرنے والے دوستوں نے قصداً پیش نہیں کیا تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طعن میں خفت ظاہر نہ ہو اور اعتراض میں ایک قسم کی سبکی پیدا نہ ہو جائے۔ واضح رہے کہ ہم پہلے اس مسئلے کی دوسری جانب قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر دیگر جواب جو قابل ذکر ہوں گے وہ پیش کریں گے۔

عوام دوستوں کے لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ ''یمین مع الشاہد'' کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً ایک دعویٰ ہو، اس میں دلائل پیش کرنے کے لیے ایک گواہ پیش کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ ایک حلف اٹھوا دیا جائے تو اس کو ''یمین مع الشاہد'' کہا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کی مشہور صورت ہے کہ دعویٰ میں مدعی کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہوتا ہے مدعا علیہ کے ذمہ حلف ہوتا ہے (اگر شہادت نہ مل سکے) اور یہی جمہور علمائے حنفیہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہے۔ لیکن مسئلہ ہذا کی دوسری جانب یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''القضاء بشاہد ویمین'' جائز ہے، اور مرفوع روایت یہ پیش کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بیمین وشاھد))[1]

اور نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ

---

[1] سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۲-۱۷۳ ج ۱۰ باب القضاء بالیمین مع الشاہد۔

((انه حلف المدعى فبناء على مذهبه لانه كان يحلف مع تمام حجة القضاء بالبينة))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک تھا کہ شاہد کے ساتھ حلف بھی لیتے تھے۔''

اور کبار فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا) شوافع حضرات اس طرف ہیں کہ یمین اور شاہد ملا کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے (کتب شوافع کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے) اور دیگر فقہاء اس مسئلہ میں دوسرا قول کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ محلّی لابن حزم میں درج ہے کہ

((قال عطاء اول من قضى به عبدالملك بن مروان))[2]

''یعنی عطا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلے پہل حلف مع شاہد فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنے دور میں عبدالملک بن مروان نے جاری کیا تھا۔''

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں یہ طریقہ اختیار کرنے والا عبدالملک مروانی خلیفہ ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طعن کا بوجھ کیسے ڈالا جا رہا ہے؟ قابل غور بات ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں دوسری جانب مرفوع روایات بھی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے اقوال بھی ہیں اور اکابر فقہاء کے فرامین بھی موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قضا بالیمین مع الشاہد کا اگر قول کیا ہے تو اس کو اول اول کہہ کر بدعت شمار کرنا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفرت پھیلانا کون سا دیانتدارانہ طریق ہے؟ اور کون سا کار خیر ہے؟

مطلب یہ ہے کہ اول من قضى به معاوية روایات میں موجود ہے لیکن یہ ابن شہاب زہری کا اپنا متفردانہ قول ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ قول ایک تابعی کا مرسل ہے جو ایک متفرد قول کی حیثیت رکھتا ہے۔ وما وجدنا له متابعا حتى الان پھر اس کو پیش نظر لا کر مشاہیر صحابہ کو مطعون کرنا اور انھیں قابل نفرت قرار دینا قرین انصاف و دیانت نہیں ہے۔ اس مسئلے میں نہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بدعت کے مرتکب ہو کر قابل اعتراض ہیں اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدعتی ہیں۔ یہ ان کے دور کا نظریاتی و اجتہادی مسئلہ تھا جس میں ان حضرات نے اپنی اپنی صوابدید پر عمل کیا۔ اس طرح کے بے شمار مسائل عہد صحابہ میں پائے جاتے ہیں۔ معترض دوست ان مسائل پر اعتراض و طعن کا رنگ پیدا کر کے عوام میں سوء ظنی پھیلانا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ (انما لامرا ما نوى)

---

۱ المبسوط (سرخسی) ص ۳۴ ج ۱۷ کتاب الدعوی۔ طبع اول مصر

۲ الجوہر النقی علی السنن البیہقی (ترکمانی) ص ۱۷۵ ج ۱۰ طبع اول دکن، باب القضاء بالیمین مع الشاہد
اعلاء السنن ص ۳۸۱ ج ۱۵ کتاب الدعوی تحت مسئلہ الیمین مع الشاہد۔

جالساً (بیٹھ کر) خطبہ دینا

اعتراض کرنے والوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن بھی وارد کیا جاتا ہے کہ جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبات کھڑے ہو کر ادا کرنا سنت ہے، بیٹھ کر خطبہ دینا سنت نبوی کے خلاف ہے۔ جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اولاً بیٹھ کر خطبہ دیا اور سنت کے خلاف رسم ڈالی۔

ازالہ

اس طعن کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں ان پر نظر ڈال لینے کے بعد طعن زائل ہو جائے گا۔ ایک قدیم مورخ یعقوب بن سفیان بسوی نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو امام اوزاعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((حدثنی العباس قال: أخبرنی ابی قال: سمعت الاوزاعی قال کان معاویة بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) اول ما اعتذر الی الناس فی الجلوس فی الخطبة، الاولی فی الجمعة ولم یصنع ذالك الا لكبر سنه وضعفه))[1]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے میمون و شعبی رحمہما اللہ سے جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ بسوی کی طرح نقل کیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۳ ج ۱۶ (مخطوطہ) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

''یعنی امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے جمعہ کے پہلے خطبہ میں بیٹھنے کے لیے لوگوں کے سامنے معذرت کی تھی اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ سن رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے (یعنی کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی طاقت نہیں رہی تھی)۔''

یہ تو ایک قدیم مورخ کا بیان ہے جسے امام اوزاعی رحمہ اللہ جیسے معتمد شخص نے نقل کیا ہے اور اس میں واضح طور پر بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت کرتے ہوئے علت ذکر کر دی ہے۔ اب اس کے بعد اس مسئلہ میں قدیم محدثین کی چند ایک روایات پیش خدمت ہیں جن میں جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ واضح طور پر مذکور ہے:

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۴۷۹ ج ۲ تحت اللیث بن سعد۔

① ((جعفر بن محمد عن أبيه قال فلما كان معاوية استأذن الناس في الجلوس في احدى الخطبتين وقال اني قد كبرت وقد أردت اجلس احدى الخطبتين فجلس في خطبة الاولىٰ))[1]

② ((قال: اول خطب قاعدا معاوية قال ثم اعتذر الى الناس ثم قال اني اشتكي قدمي))[2]

③ اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہی معذرت اپنے سنن کبریٰ میں باسند ذکر کی ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ جالساً یعنی بیٹھ کر خطبہ دینا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معذوری کی بنا پر تھا اور عذر کی بنا پر جو فعل ادا کیا جا سکتا ہے وہ قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ان کبار محدثین نے بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت ذکر کر دی ہے۔ فلہٰذا اول من احدث کا اعتراض ساقط ہے اور مقولہ مشہور ہے کہ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

مزید چیز یہ ہے کہ حالت عذر میں فرض نماز میں قیام (جو فرض ہے) معذور نمازی سے ساقط ہو جاتا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت عذر اور تکلیف میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا ثابت ہے (اس مسئلے پر کسی کتابی حوالہ کی چنداں ضرورت نہیں) تو جمعہ کے خطبہ میں قیام فرض نماز کے قیام سے زیادہ اہم نہیں۔ پس نماز میں قیام جب ساقط ہو سکتا ہے تو جمعہ کے خطبہ میں بھی بحالت عذر ساقط ہوگا۔ فلہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت عذر کے اس فعل پر اعتراض وارد کرنا درست نہیں۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۱۸۸-۱۸۹ ج ۳ طبع مجلس علمی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۸، ۶۹، ۱۰۶ ج ۱۴ کتاب الاوائل طبع کراچی

[2] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۹۷ ج ۳ کتاب الجمعہ باب الخطبۃ قائما۔

مقصورہ میں نماز ادا کرنا

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی نماز کے لیے مخصوص مقام دوسرے مسلمانوں سے الگ تجویز کیا ہوا تھا یہ چیز سنت نبوی کے خلاف ہے اور یہ نوعیت ایک گونہ تکبر کی علامت ہے جو مومنین کی شان کے لائق نہیں۔

ازالہ

اس اعتراض کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں درج کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیں، ان سے شبہ ہذا زائل ہو سکے گا:

ایک چیز تو یہ ہے کہ مقصورہ اس مقام کو کہتے ہیں جو مساجد میں مسلمانوں کے امیر کے لیے بطور تحفظ و تحصن کے تجویز کیا جاتا ہے اور یہ ایک حفاظتی تدبیر تھی جو اس دور کی ضرورت کے تحت عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ اس سلسلے میں قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے بعد پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقصورہ خام اینٹوں سے تیار کرایا تھا اور اس میں ایک دریچہ تھا جس سے مقتدی لوگ اپنے امام کے احوال سے مطلع رہتے تھے اور اس مقصورہ کی نگرانی پر ایک شخص سائب بن خباب مقرر تھے...... الخ

((ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اول من وضع المقصورة من لبن واستعمل علیها السائب بن خباب وکان رزقه دینارین فی کل شهر))[1]

اس تدبیر کی وجہ یہ ہوئی کہ اس دور کے اعدائے اسلام مثلاً خوارج وغیرہ خلفائے اسلام پر ناگہانی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ خوارج کی طرف سے خلفاء کی زندگی گویا غیر محفوظ ہوگئی تھی۔ جیسا کہ حضرت علی، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم پر ایک ہی تاریخ میں ایک منصوبہ کے تحت ان لوگوں نے حملہ کیا تھا جس کی تفصیلات اپنی جگہ مذکور ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی مقصورہ تیار کرایا تھا اور اس میں خلفاء اپنے معتمدین کے ساتھ مل کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور یہی چیز طبری نے بعبارت ذیل نقل کی ہے:

---

[1] تاریخ مدینہ (ابن شبہ) ص ۶ ج ۱

وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۵۱۰-۵۱۱ ج ۲ تحت الفصل الخامس العشر (۱۵) الصلوٰۃ فی المقصورہ۔

((وامرمعاوية عند ذالك بالمقصورات وحرس الليل وقيام الشرط على رأسه اذا سجد))[1]

مقصورہ ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نماز ادا کی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

((ان كريبا مولى ابن عباس اخبره انه رأى ابن عباس يصلى فى المقصورة مع معاوية))[2]

نیز محدثین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مشہور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

((الثورى عن عبدالله بن يزيد الهذلى قال رأيت انس بن مالك رضی اللہ عنہ يصلى مع عمر بن عبدالعزيز فى المقصورة))[3]

یہ مقصورہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے اپنے دور میں ساج (ساگوان) کی لکڑی سے تیار کروایا تھا۔

اسی طرح محدثین لکھتے ہیں کہ سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ مقصورہ میں ادا فرمائی اور اس کے بعد ان کا ایک مسئلے میں آپ کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق فرمان ذکر کیا کہ فرض نماز کے بعد دوسری نماز کے درمیان کوئی کلام کرنا چاہیے یا اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے تاکہ دو نمازوں کے درمیان وصل نہ رہے (یعنی فصل ہو جائے)۔

((وعن عمرو بن عطاء قال ان نافع بن جبير أرسله الى السائب ليسأله عن شىء راٰه منه معاوية فى الصلوة فقال نعم صليت معه الجمعة فى المقصورة فلما سلم الامام قمت فى مقامى فصليت فلما دخل أرسل الى فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم او تخرج فان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم امرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج))
(رواہ مسلم)[4]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ مقصورہ میں نماز ادا کرنا کوئی بدعت نہیں۔ یہ

۱؎ تاریخ الامم والملوک (ابن جریر طبری) ص ۸۶ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

۲، ۳؎ مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۴ ج ۲ باب الصلوٰۃ فی المقصورہ

۴؎ مشکوٰۃ ص ۱۰۵ تحت باب السنن وفضائلہا، الفصل الثالث، طبع نور محمدی

ایک حفاظتی تدبیر ہے اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں تھے اس کی ابتداء عثمانی دور سے ہو چکی تھی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ مقصورہ میں مل کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس مسئلے میں کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ فلہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے اور اس سے اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ معترض کا اعتراض بے جا ہے اور اس کی اپنی لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔

خطبہ واذان قبل العید

جن لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں مطاعن پیدا کرنے کا شوق ہے اور ان کے عہد کو خلاف سنت قرار دینے کی دلی آرزو ہے وہ کئی قسم کے فروعی مسائل کو پیش نظر رکھ کر عوام میں ایک قسم کا ذہنی انتشار پیدا کرنے اور سوء ظنی کی فضا قائم کرنے کے خواہش مند ہیں حالانکہ یہ چیز دین اسلام کے اجتماعی تقاضوں کے خلاف ہے اور اتحاد ملت کی فضا کو مکدر کرنے کی مساعی ہیں جو کسی طرح بھی دین میں مستحسن نہیں۔

معترضین اس سلسلے میں مندرجہ ذیل چیزیں بھی ذکر کیا کرتے ہیں

((اول من احدث خطبة قبل الصلوٰة فی العید معاویة))

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھنے کو اولاً رائج کیا۔''

اور اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز سے پہلے اذان کی ابتدا کی۔

((اول من احدث الاذان فی العید معاویة))

مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں سنت طریقہ کے برخلاف ہیں اور ان کو اولاً رائج کرنے والے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔ فلہٰذا وہ بدعات کے مرتکب ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا امور کے جواب کے لیے ذیل میں چند اشیاء پیش کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں، مذکورہ شبہات کے ازالہ میں مفید اور باعث اطمینان ہوں گی:

① گزارش ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منصب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کر کے آنے والی امت کو پہنچانے والے ہیں اور حصول دین کے لیے پیغمبر اور ان کی امت کے درمیان مضبوط واسطہ اور قوی رابطہ ہیں اور ہم تک شریعت اسلام پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ اس بنا پر ان حضرات نے جو دین نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا وہی انھوں نے امت کو پہنچایا اور اسی دین اسلام کے احیا اور بقا کے لیے انھوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اس چیز پر ان کے اعمال واقوال شاہد کامل ہیں۔

چنانچہ نماز کے مسائل میں اتباع سنت کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث میں مذکور

ہے کہ

① ایک بار نافع بن جبیر نے عمرو بن عطاء رحمہ اللہ کو سائب رحمہ اللہ کی طرف اس مسئلے کی دریافت کے متعلق روانہ کیا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نماز کے متعلق ذکر کیا تھا تو اس موقع پر سائب نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی مقام پر کھڑا ہو گیا اور میں نے کچھ نوافل ادا کیے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو مجھے بلا بھیجا اور فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد اسی مقام پر نوافل پڑھ لیے ہیں اس طرح پھر نہ کرنا، حتیٰ کہ یا تو کلام کر لے یا اس جگہ سے ہٹ جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا تھا کہ ہم نماز باجماعت کے ساتھ باقی نماز ملا کر نہ پڑھیں حتیٰ کہ باہم کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول درج ہے:

((فلما دخل ارسل الی فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم أو تخرج فان رسول الله ﷺ أمرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج)) (رواہ مسلم)[1]

② اسی طرح ایک دوسرا قول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے تھے کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا مگر اس کو یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ چنانچہ مجمع الزوائد (ہیثمی) میں ہے کہ

((وعن أبی درداء رضی اللہ عنہ قال ما رأيت احدا بعد رسول الله ﷺ اشبه صلوة برسول الله ﷺ من اميركم هذا يعنی معاويه)) (رواہ الطبرانی)[2]

یہاں سے معلوم ہوا کہ دیگر مسائل کے علاوہ نماز کے مسائل میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے خلاف بالکل نہیں کرتے تھے اور مندرجہ بالا روایات اس چیز پر قرائن ہیں کہ سنت نبوی پر عمل کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا تو خطبہ اور اذان کے مسائل میں انھوں نے خلاف سنت کیسے عمل درآمد کر لیا؟ اب کوئی شخص یا کوئی راوی یہ آواز دیتا ہے کہ فلاں صحابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاریہ کے خلاف عمل کیا اور کرایا تو یہ بات قابل مسموع نہ ہوگی اور اس کے متفردانہ اور شاذ قول کو جو کسی صحابی کی دیانت کے متصادم ہو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اقوال شاذہ کے لیے قاعدہ ہے کہ الثقة اذا شذ لا يقبل ما شذ فيه[3] یعنی ثقہ شخص اگر شاذ قول کرے تو وہ قول قبول نہیں کیا جاتا۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵ (طبع قدیم) تحت باب السنن وفضائلہا الفصل الثالث (بحوالہ مسلم شریف ص ۲۸۸ ج ۱ آخر کتاب الجمعہ)

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸ ج ۶ طبع ملتان

تدریب الراوی (سیوطی) ص ۱۴۶ تحت النوع ۱۳۰ (الشاذ)

مسئلہ بالا کی طرف توجہ فرمائیں کہ عید کی نماز سے قبل خطبہ پڑھنے کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں قول کرنا جناب علامہ زہری کا متفردانہ قول ہے جو انھوں نے اپنی طرف سے کہا ہے اور اس دور کے کسی صحابی کا قول پیش نہیں کیا اور نہ اس کا متابع ملا اور بعض دفعہ ابن شہاب زہری وغیرہ اس طرح متفرد قول ذکر کر دیا کرتے ہیں جس کو شاذ کہا جاتا ہے۔ فلہٰذا اس نوع کے اقوال کے پیش نظر ایک مشہور صحابی کے حق میں یوم عید میں خطبہ قبل الصلوٰۃ اور اذان کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

نیز اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ بعض روایات کے اعتبار سے عید الفطر میں نماز عید سے قبل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اولاً خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت دستیاب ہوتی ہے کہ آپ نے قبل صلوٰۃ العید خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان روایات کے اعتبار سے اس مسئلہ میں ابتدا کرنے والے حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما ہیں۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مسئلے میں سبقت کرنے والے قرار نہیں دیے جا سکتے۔

ایک توجیہ

اس مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسے شارح حدیث نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف سے ان حضرات کے اس فعل کی توجیہ ذکر کی ہے کہ

((ان الحسن البصری قال اول من خطب قبل الصلوة عثمان صلی بالناس ثم خطبهم يعنی علی العادة فرای ناسا لم يدركوا الصلوة ففعل ذالك ای صار يخطب قبل الصلوة...... الخ))[1]

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات نماز عید سے قبل بیشتر لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے ان کو نماز عید میں شامل کرنے کے لیے اور ان کے ادراک الصلوٰۃ کی خاطر نماز عید سے قبل بطور پند و نصائح کچھ ارشادات ان حضرات نے حاضرین کے سامنے فرمائے تاکہ اس قلیل سی تاخیر کے ذریعے سے بعد میں آنے والے لوگ نماز میں شامل ہوسکیں۔ اور پھر نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔

اب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی اس توجیہ کے پیش نظر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے قبل خطبہ دیا تھا تو وہ اسی نوع کی ضرورت کے تحت نماز عید سے پہلے کچھ ارشادات فرمائے تھے تاکہ لوگ مجتمع ہو کر نماز میں شامل ہوسکیں (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ج ۲ تحت باب المشی والرکوب الی العید...... الخ

اسی بیان کو راویوں نے خطبہ سے تعبیر کر دیا) جب کہ نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ حسب قاعدہ پڑھا گیا۔

اب صورت مسئلہ ہذا واضح ہوئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی اور اس مسئلہ میں کسی بدعت کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حکمت عملی کے طور پر بعض دفعہ انھوں نے قبل الصلوٰۃ کچھ چیزیں بیان کیں۔

طعن دوم کا تجزیہ

اب دوسرے طعن کے متعلق یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ نماز عید سے قبل اذان کا احداث (بدعت) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کرنا بھی ایک تابعی کے ایک شاذ قول کے ذریعہ سے ہے اس دور کے کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں۔ نیز اس قول کا متابع نہیں دستیاب ہوا اور متابع کا نہ پایا جانا عدم قبول کے لیے کافی ہے۔ معترض احباب اس قسم کے شاذ اقوال اور منقطع روایات تلاش کر کے مطاعن کو پختہ کرتے ہیں اور ان کی تشہیر میں کوشاں رہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مرسل قول کے ذریعے سے کسی صحابی کی دیانت داری کو مجروح نہیں کیا جا سکتا اور ان کے دینی وقار کو گرایا نہیں کیا جا سکتا۔ درآں حالے کہ ان کے متابع بھی میسر نہیں آئے۔ نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی سابقہ توجیہ کی طرح یہاں بھی اس بات میں گنجائش ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز سے قبل بعض دفعہ عوام کے شمول کے پیش نظر نماز کے قیام کی اطلاع عام کرائی گئی ہو تا کہ لوگ بروقت نماز میں شریک ہو سکیں۔ روایت کے ناقلین نے اسی عمل کو اذان سے تعبیر کر دیا ہو۔ یہ احتمال اس میں ہو سکتا ہے۔ لیکن نماز عید سے قبل باقاعدہ معروفہ اذان (صلوٰۃ) جاری کر دی گئی ہو یہ ہرگز درست نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور معمول کے برخلاف ہے اور اس دور کے واقعات بھی اس چیز کی تائید نہیں کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعض واقعات

مسئلہ ہذا کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے چند واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے معمولات کے ذریعے سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ عید کی نماز سے قبل نہ اذان ہوتی تھی اور نہ خطبہ عید ہوتا تھا۔

① محدثین وفقہاء نے مندرجہ ذیل روایت اپنی سند کے ساتھ ذکر کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

((ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه انه كان فی مسجد الكوفة و معه حذيفة و ابو موسى (رضی الله عنهما) حتى خرج عليهم الوليد بن عقبة وهو امير الكوفة فقال غدا عيدكم فكيف اصنع فقالوا اخبره يا ابا

عبدالرحمن فأمره عبدالله بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان يصلي بغير اذان ولا اقامة وان يكبر في الاولى خمسا وفي الاخيرة اربعا ويوالي بين القراءتين و يخطب بعد الصلوة على راحلته))[1]

''یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اپنے استاذ حماد رحمۃ اللہ سے ذکر کرتے ہیں اور حماد رحمۃ اللہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ سے ذکر کرتے ہیں اور ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ابوعبدالرحمٰن) سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے اور ان کے ہمراہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تشریف رکھتے تھے۔ اسی دوران میں کوفہ کے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ کل عید ہے اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے، اسے میں کس طرح ادا کروں؟ تو ان حضرات صحابہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ولید بن عقبہ کو اس کا جواب فرما دیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ آپ عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھیں۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہیں اور دونوں قراءتیں لگاتار ادا کریں اور نماز کے بعد اپنی سواری پر (بیٹھ کر) خطبہ عید پڑھیں۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ادا کی جاتی تھی اور خطبہ عید بعد الصلوٰۃ پڑھا جاتا تھا۔ غالباً یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے اس دور میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے۔ ان کو نماز عید ادا کرنے کا پورا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعلیم فرمایا اور اسی کے مطابق کوفہ کے حاکم نے نماز عید پڑھائی۔ پھر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ولایت کے دوران میں اسی کے مطابق عمل جاری رکھا جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۲) چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی تھے ان کے متعلق مندرجہ ذیل روایت موجود ہے کہ

۱۔ ((عن سماك قال بلغني انه شهد المغيرة بن شعبة في يوم عيد۔ فصلى بهم قبل الخطبة بغير اذان ولا اقامة))[2]

۲۔ ((عن سماك بن حرب عن مغيره بن شعبة رضی اللہ عنہ انه صلى يوم عيد بغير اذان ولا اقامة))[3]

''یعنی مطلب یہ ہے کہ عید کے روز مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ج ۲ تحت باب المشی والرکوب الی العید ...... الخ

[2] مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۸ ج ۳ تحت باب الاذان لهما (عیدین) بیروت

[3] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸-۱۶۹ ج ۲ تحت بحث ہذا (طبع دکن)

پڑھائی۔"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے علاقہ کے والی و حاکم تھے۔ یہ حضرات اس دور میں اذان و اقامت کے بغیر عید کی نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ یہ چیز عام دستور شرعی کے مطابق ہے اور اس دور کا دوامی معمول بھی یہی ہے۔

نیز اس دور کا ایک دیگر واقعہ احادیث میں موجود ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمان نبوی کی اتباع میں اپنی پوری سعی کرنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ واقعہ بھی عید اور جمعہ سے متعلق ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے تو آپ نے اپنے دور کے مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے سامنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوئے تھے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میری موجودگی میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام میں عید اور جمعہ ایک روز میں مجتمع ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کیا؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور پھر اس کے بعد جمعہ کے متعلق دور سے پہنچنے والوں کے لیے رخصت عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص چاہے یہیں نماز جمعہ میں بھی شریک ہو جائے (اور جو شخص نماز جمعہ سے قبل جانا چاہے واپس جا سکتا ہے)۔

((عن اياس بن أبی رملة قال شهدت معاوية (رضی اللہ عنہ) يسئل زيد بن ارقم (رضی اللہ عنہ) اشهدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عيدين اجتمعا فی يوم قال نعم قال فكيف صنع؟ قال صلی العيد ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان يصلی فليصل))[1]

مطلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعات سے نماز عید کے مسنون طریقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں واضح طریقے سے سامنے آ گئے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز کے مسائل میں اور خصوصاً عید کے مسائل میں بھی اتباع سنت کی خاص رعایت رکھتے تھے اور اپنے دور کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان مسائل میں حسب موقع راہنمائی حاصل کرتے تھے اور ان کے دور میں معمولات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ تاہم اس مسئلہ پر اگر مزید قرائن و شواہد مطلوب ہوں تو ہماری تالیف سیرت و سوانح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور چہارم فصل ہفتم تحت عنوان "اتباع سنت" کی طرف رجوع کریں وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت کو ملحوظ رکھنا بیان کیا گیا ہے اور بیشتر مواد حدیث سے پیش کیا ہے۔

---

[1] سنن دارمی ص ۲۰۰ باب اذا اجتمع عیدان فی یوم، طبع کانپور۔

بنا بریں آپ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اذان اور خطبہ قبل صلوٰۃ العید کے کیسے مرتکب ہو سکتے تھے؟[1]
فلہٰذا جو چیز اس کے خلاف پائی جاتی ہے وہ شاذ کے درجے میں ہے اور شاذ روایات کے ذریعے سے مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا ہرگز درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے

قبل ازیں چند چیزیں باعتبار روایت کے پیش کی گئی ہیں، اب باعتبار درایت کے درج ذیل اشیاء پر نظر فرمائیں:

- طعن پیدا کرنے والے احباب کے ذمے ہے کہ یہ بات واضح کریں کہ خطبہ قبل صلوٰۃ العید اور اذان قبل صلوٰۃ العید کو کس سنہ اور کس سال میں جاری کیا گیا؟
- تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا اجراء کیا گیا یا صرف بلاد شام میں؟
- جس علاقہ میں یہ حکم جاری کیا گیا اس میں اس کا کیا ردعمل ہوا؟ کیا اس دور کے سب اہل اسلام (صحابہ کرام و تابعین وغیرہم) نے اس کو قبول کیا یا مخالفت ہوئی؟
- پھر اس مخالفت کی وضاحت درکار ہوگی کہ کن حضرات نے مخالفت کی؟ اور کن حضرات نے تائید کی؟
- خصوصاً اہل حرمین شریفین نے اس حکم پر عمل کیا یا اس کو رد کر دیا؟
- ہاشمی اکابر حضرات نے اس سے کیا تاثر لیا؟ تعاون کیا یا تخالف کیا؟

ان تمام تفصیلات کو سامنے لا کر پھر اس کا تجزیہ کرنا ہوگا اور مسئلہ کے نشیب و فراز کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔
یہ چیزیں معترض احباب کے ذمہ ہیں کہ ان کو صاف کریں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو مطعون کرنا مطلوب ہے تو پھر ان مندرجات کو واضح کیجیے اور اگر اس دور کے اکابرین امت نے مخالفت کی تھی تو وہ حکم نافذ کیسے ہو سکا؟ نیز اس مخالفت کی وضاحت کسی صحیح حوالہ کے ساتھ مطلوب ہے۔ مقام طعن میں مجروح و مقدوح روایات کام نہیں دے سکتیں۔

اور اگر اکابر نے موافقت کی تھی تو اس کے نتیجہ میں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ ان تمام حضرات پر ارتکاب بدعت کا طعن وارد ہوتا ہے جنھوں نے تعاون علی الاثم والعدوان کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ یہ حضرات تعاون علی الاثم والعدوان کرنے والے نہیں تھے۔

حاصل کلام

روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے کلام پیش کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہے کہ معترض لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عید سے قبل اذان اور خطبہ کے احداثات جو منسوب کیے ہیں وہ واقعات کے اعتبار سے درست نہیں ہیں اور اثبات طعن کے لیے جو چیزیں فراہم کی گئی ہیں ان سے ارتکاب بدعت کا طعن قائم نہیں ہوسکتا۔

---

[1] خطبہ و اذان قبل الصلوٰۃ برائے عیدین، یہ دونوں امور دورِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ کے معمول کے خلاف ہیں۔ اس بنا پر قرین قیاس یہ ہے کہ جس کتاب سے یہ طعن نقل کیا گیا ہے اس مقام میں یہ عبارت الحاقی ہے اور یہ اس دور کے عالم ابراہیم نخعی کا قول نہیں ہے۔ بعد میں کسی معتزلی کا قول ہے اور معتزلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں۔

ایک دیگر طعن (مورتیوں کو ہندوستان کی سرزمین میں بھیجنا)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں نے ایک دیگر طعن فقہ کی بعض کتابوں سے تلاش کر کے ''معاویہ اور سمگلنگ'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور طعن کے ثبوت میں درج ذیل واقعہ پیش کیا ہے:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیتل کی چند مورتیاں (جو کفار کے خلاف جنگ سے بطور مال غنیمت حاصل ہوئی تھیں) ارض ہند کی طرف ارسال کیں تا کہ ان کو ہندوستان میں فروخت کیا جائے۔ اس دور کے ایک مشہور تابعی مسروق بن اجدع رحمہ اللہ حق گو بزرگ تھے جب ان کے ہاں سے یہ مال گزرا اور انھیں معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ مال فروخت کے لیے ہندوستان بھیجا جا رہا ہے تو انھوں نے اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ کفار کے ہاتھوں مورتیوں کی فروخت ناجائز ہے اور مزید کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) مجھے قتل کر دیں گے تو میں اس مال کو غرق کر دیتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ایک شخص جس کو اپنا برا عمل اچھا معلوم ہوتا ہے اور ایک شخص جو دنیا سے متمتع ہو کر آخرت سے مایوس ہو چکا ہے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) ان دونوں میں سے کس زمرے میں شامل ہیں؟

روایت ہذا کی روشنی میں معترض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر متعدد الزامات وارد کیے ہیں مثلاً معاویہ نے بت فروشی کر کے ہنود کے لیے بت پرستی میں مدد کی، وہ شیطانی فریب خوردہ اور آخرت کے منکرین میں سے تھے اور معاویہ اسلام سے لاتعلق تھے وغیرہ وغیرہ۔

جواب

اعتراض ہذا کا جواب ذکر کرنے کے لیے ذیل میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر توجہ فرمائیں:

○ ایک بات یہ ہے کہ یہ روایت اس مقام پر بلفظ ذکر (بصیغہ مجہول) ذکر کی گئی ہے۔ یہاں نہ تو اس روایت کی سند بیان کی گئی ہے اور نہ اس کا ماخذ ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقام سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کو بیان کرنے والا کون صاحب ہے اور کہاں سے نقل کیا ہے؟ اور تاریخ ابن عساکر میں تحت مسروق بن الاجدع واقعہ ہذا ندارد ہے۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تحت مسروق اس کو ذکر نہیں کیا، اور

علیٰ اختلاف الاقوال صاحب کتاب شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ المتوفی ۴۸۳ھ نے اس کو ذکر کیا ہے جب کہ روایت میں مذکور واقعہ جس دور میں پیش آیا وہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ھ تا ۶۰ھ کا زمانہ ہے۔ ان دونوں ادوار میں مدت مدید کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

❋ دیگر بات یہ ہے کہ امام سرخسی رحمہ اللہ کی جس مشہور کتاب سے یہ طعن تلاش کر کے طاعنین نے ذکر کیا ہے اسی مقام پر ذرا آگے چل کر صاحب کتاب نے ہی اس طعن کے جواب کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اور ان کی صفائی میں بہترین چیزیں بیان کی ہیں۔ چونکہ یہ سب چیزیں طعن کرنے والوں کے طعن کو زائل کر دیتی ہیں اس لیے معترض نے ان کو بالارادہ چھوڑ دیا ہے اور چشم پوشی کرتے ہوئے صرف طعن پیش کر دیا ہے حالانکہ جواب طعن وہیں موجود ہے۔ یہ کمال علمی خیانت ہے اور صحابہ سے بغض کی واضح علامت ہے اور عام لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بدظن کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

نیز یہاں قابل وضاحت یہ چیز ہے کہ یہ تماثیل (مورتیاں) جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں اور انھیں فروخت کے لیے ارض الہند روانہ کیا گیا تھا اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ

((فبعث (عبدالله بن قيس بن مخلد) بها (اصنام) الى معاوية فوجه بها معاوية الى البصرة لتحمل الى الهند فتباع هناك ليثمن بها))[1]

اور شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ

((فأمر معاوية رضي الله عنه ببيعها بارض الهند☆ ليتخذ بها الاسلحة والكراع للغزاة...... الخ))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان مورتیوں کو ہندوستان میں فروخت کر کے اس مال سے جنگی ضروریات کے لیے جنگی اسلحہ اور سواریوں کا انتظام کیا جائے۔''

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر

[2] المبسوط (سرخسی) ص ۴۶، ۴۷، ج ۲۴ تحت کتاب الاکراہ۔

☆ حاشیہ قوله: ببيعبها بارض الهند...... الخ

یہاں ایک فقہی اختلاف موجود ہے، مناسبت مقام کے لحاظ سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صنم وصلیب وغیرہ کی بیع ان کی عبادت کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کر دینا جائز ہے اور تمثال کی بیع کا یہ واقعہ امام صاحب رحمہ اللہ کا متدل ہے جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے جیسا کہ یہاں مسروق بن اجدع تابعی رحمہ اللہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

((فيكون دليلا لابى حنيفة رحمه الله فى جواز بيع الصنم والصليب ممن يعبده كما هو طريقة ←

مسروق رحمہ اللہ کے قول کی توجیہ

صاحب کتاب ''المبسوط'' نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کو مقدم اور راجح قرار دیا ہے اور مسروق رحمہ اللہ کے قول کو مرجوح اور متروک کہا ہے۔ اس کے بعد ساتھ ہی مسروق رحمہ اللہ کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مسروق رحمہ اللہ کے یہ نظریات بطور اعتقاد نہیں تھے (بلکہ فرط جوش میں آ کر انھوں نے ایسا کہہ دیا تھا) کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہیں اور ان کا مرتبہ کاتب الوحی کا ہے اور وہ اپنے دور کے امیر المومنین تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں حکمرانی کی بشارت فرمائی تھی۔

((وانما قلنا هذا لانه لا يظن بمسروق رحمه الله انه قال فی معاوية رضی الله عنه ما قال عن اعتقاد وقد كان هو من كبار الصحابة وكان كاتب الوحی وكان امير المؤمنين وقد اخبره رسول الله صلی الله عليه وسلم بالملك بعده فقال له عليه السلام يوما اذا ملكت أمر امتی فأحسن اليهم))[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی پر تنبیہ

شمس الائمہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فائق مرتبہ ذکر کیا ہے اور ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی کرنے والے ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے

← القياس۔ وقد استعظم ذالك مسروق رحمه الله كما هو طريق الاستحسان الذی ذهب اليه ابو يوسف و محمد رحمهما الله فی كراهة ذالك)) ①

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مسروق تابعی رحمہ اللہ کے مسلک کو بیان کرنے کے بعد صاحب کتاب امام سرخسی رحمہ اللہ نے خود اس بات کا موازنہ کر کے یہ کہا ہے کہ بیع تمثال واصنام کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول مقدم ہے اور اسی کو قابل عمل سمجھا جاتا ہے اور مسروق تابعی رحمہ اللہ کا قول اس میں متروک ہے۔

((ولكن مع هذا قول معاوية رضی الله عنه مقدم علی قوله))

اور ساتھ ہی صاحب کتاب نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ مسائل فقہی مجتہدات میں سے ہیں اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے ایک دوسرے کے حق میں وعید کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں (یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وعید کا ایک قول دوسرے شخص کے بارے میں نقل کیا ہے) مطلب یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے درمیان وعید کے الفاظ کا پایا جانا کوئی معیوب چیز نہیں ہے اور اظہار مافی الضمیر اور احقاق حق کے درجے میں اس طرح کا کلام پایا جانا کچھ بعید نہیں۔

① المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۴۶-۴۷ ج ۲۴ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ۔

[1] کتاب المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۴۷ ج ۲۴ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ۔

دفاع پایا جاتا ہے۔

ایک واقعہ

وہ اس طرح ہے کہ ابتداء میں محمد بن فضل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی اور عیب جوئی کیا کرتے تھے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منہ سے لمبے لمبے بال نکل کر پاؤں تک لٹک رہے ہیں اور وہ ان بالوں کو اپنے پاؤں میں روندتے ہیں اور زبان سے خون جاری ہے جس سے ان کو سخت اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب محمد بن فضل نے اپنے اس خواب کی معبر سے تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ آپ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کی بدگوئی کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں۔ اس فعل سے بچیے اور اجتناب کیجیے۔

((ویحکی ان ابا بکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ کان ینال منه فی الابتداء فرأی فی منامه کان شعرة تدلت من لسانه الی موضع قدمه فهو یطؤها ویتألم من ذالك ویقطر الدم من لسانه فسأل المعبر عن ذالك فقال انك تنال من واحد من کبار الصحابة فایاك ثم ایاك)) [1]

صاحب کتاب نے یہ واقعہ اس لیے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی اور طعن زنی کرنا درست نہیں، وہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

دیگر معروضات

طعن والی روایت کی ابتدا میں مسروق بن اجدع رحمہ اللہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو سخت الفاظ پائے جاتے ہیں اور معترضین نے ان الفاظ کو خوب اچھال کر طعن پیدا کرنے کے لیے عجیب وغریب عنوانات قائم کیے ہیں، اس کے متعلق اتنا ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے کہ واقعہ ہذا میں یہ الحاقی کلمات معلوم ہوتے ہیں۔ مسروق بن اجدع رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو بہتر طریق پر ملحوظ رکھتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ

① بعض مسائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا۔ جب یہ مسئلہ مسروق بن اجدع رحمہ اللہ کے سامنے پیش ہوا تو مسروق رحمہ اللہ کہنے لگے:

۱۔ ((قال مسروق (بن الاجدع) وما احدث فی الاسلام قضاء احب الی منه)) [2]

۲۔ (ما احدث فی الاسلام قضاء اعجب منه)) [3]

---

[1] المبسوط (سرخسی) ص ۴۶-۴۷ ج ۲۴ تحت کتاب الاکراہ

[2] مسند دارمی ص ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشرک واہل الاسلام (طبع ہند)

[3] سنن سعید بن منصور ص ۴۴ ج ۳ قسم اول۔

"یعنی مسروق رحمہ اللہ کہنے لگے کہ اسلام میں اس سے زیادہ پسندیدہ اور زیادہ عجیب فیصلہ میرے سامنے نہیں آیا۔"

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ مسروق رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قضا اور فیصلوں کو نہایت پسندیدہ خیال کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو کسی قسم کا عناد اور رنجش نہیں تھی۔

② نیز قدیم مورخ ابن خیاط رحمہ اللہ[1] نے لکھا ہے کہ قاضی شریح رحمہ اللہ کوفہ سے بصرہ گئے تو ان کے قائم مقام مسروق رحمہ اللہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا قاضی بنایا گیا۔ اگر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قابل اعتراض و لائق طعن سمجھتے تو ان کی طرف سے منصب قضا کیسے قبول کر سکتے تھے؟ بنا بریں طعن کی مذکورہ روایت کے ابتدائی سخت الفاظ راوی کی اپنی تعبیر معلوم ہوتے ہیں۔

③ دیگر قرینہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی دوسری تصنیف شرح السیر الکبیر جلد ثانی تحت مسئلہ ہذا میں بھی ذکر کیا ہے مگر وہاں اس قسم کے شدید الفاظ جو یہاں مذکور ہیں بالکل نہیں پائے جاتے۔ یہ بھی اس بات کی تائید ہے کہ یہ ناقلین کی تعبیرات ہیں جو موجب شبہ بن رہی ہیں۔ چنانچہ السیر الکبیر میں ہے کہ

((والذی یروی ان معاویة بعث بها لیباع بارض الهند فقد استعظم ذالك مسروق علی ما ذکره محمد ذالك فی کتاب الزکوٰة))[2]

④ اور مزید اس چیز پر قرائن موجود ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی پر حق گوئی کی پاداش میں ظلم و زیادتی روا نہیں رکھتے تھے۔ اس چیز پر ایک مشہور تابعی اعمش رحمہ اللہ کا بیان ہے جس میں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کے معاملے کو بڑی اہمیت دی ہے حتیٰ کہ مشہور عادل خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عدل و انصاف میں فائق قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ:

((حدثنا محمد بن جواس حدثنا ابوهریرة المکتب قال کنا عند الاعمش (سلیمان بن مهران) فذکروا عمر بن عبدالعزیز وعدله فقال الأعمش فکیف لو ادرکتم معاویة۔ قالوا فی حلمه؟ قال لا والله بل فی عدله))[3]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ا تحت القضاۃ فی خلافت معاویہ

[2] شرح السیر الکبیر ص ۲۷۸ ج ۲

[3] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ (طبع مصر)

"یعنی امام اعمش رحمہ اللہ کے ہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عدل و انصاف کا ذکر ہوا۔ انھوں نے کہا اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو پا لیتے تو کیا کیفیت ہوتی۔ یعنی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے فائق تھے۔ لوگوں نے کہا علم و حوصلہ میں؟ حضرت اعمش رحمہ اللہ نے کہا: نہیں بلکہ عدل و انصاف میں بڑھے ہوئے تھے۔"

امام اعمش رحمہ اللہ کا یہ بیان قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۵۵ میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اس مسئلہ پر ذکر کی ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق گوئی پر کوئی ظلم و زیادتی کرنے والے نہیں تھے اور معاملات میں عدل و انصاف کے پہلو کو پیش نظر رکھتے تھے۔

اور مسروق تابعی رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں مبالغہ فی الاحتیاط کرتے ہوئے مورتیوں کو اہل ہند کے ہاتھوں فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نفس بیع کے اعتبار سے یہ جائز ہے (علیٰ طریق القیاس) جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور دیانت دارانہ معاملات کی روشنی میں یہ چیز درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سختی کے الفاظ جو امام مسروق رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں وہ درست نہیں اور ناقلین کی تعبیر کو اس میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کے خلاف کسی مسئلہ بیان کرنے والے پر سختی اور تشدد نہیں کیا جاتا تھا اور اس پر اس دور کے واقعات شاہد ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے پر ایک مستقل عنوان "حق گوئی اور آزادی رائے کے خاتمہ کا جواب" ہم نے مرتب کر دیا ہے اس کی طرف رجوع فرمالیں۔

منبر نبوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق طعن کرنے والوں نے کئی مسائل ایجاد کیے ہیں اور اپنی روایات کے ذریعے سے لوگوں میں پھیلائے ہیں۔ یہ سلسلہ مطاعن بہت طویل ہے مگر جو چیزیں عام لوگوں کے لیے زیادہ پریشان کن ہیں اور ذہنی کوفت کا باعث بنتی ہیں ان میں سے چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے:

① مثال کے طور پر بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق حکم دیا کہ اس کو مدینہ منورہ سے اٹھا کر ملک شام لے جایا جائے۔ لیکن جب منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوراً آفتاب بے نور ہو گیا حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے اور لوگوں نے اس معاملے کو بڑا اہم خیال کیا۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوگئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور کہنے لگے میں منبر نبوی کو اپنی جگہ سے اٹھا کر لے جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں اس کو نیچے سے دیمک نہ لگ گئی ہو اس لیے میں نے اس کو اپنی جگہ سے اٹھایا ہے۔ پھر منبر نبوی کو وہیں نصب کر دیا اور اس پر غلاف پوشی کر دی۔ چنانچہ علامہ طبری نے اسے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((قال محمد بن عمر (الواقدی) وفی هذه السنة أمر معاوية بمنبر رسول الله ﷺ ان يحمل الى الشام فحرك فكسفت الشمس حتى رأيت النجوم بادية يومئذ فاعظم الناس ذالك فقال لم ارد حمله انما خفت ان يكون ارض فنظرت اليه ثم كساه يومئذ))

اطلاع...... تاریخ طبری کی اس روایت کو شیعی مورخین مسعودی وغیرہ نے "مروج الذہب" میں بڑے عمدہ پیرائے میں بطور طعن درج کیا ہے۔ وہاں یہی روایت ہے کوئی الگ واقعہ نہیں ہے۔ مخالفین صحابہ نے اس کو خوب اچھالا ہے۔ روایت بھی ان کی ہے پھر طعن بھی ان کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ (یا للعجب)

الجواب

طبری کی روایت ہذا میں اس واقعہ کو نقل کرنے والا محمد بن عمر واقدی ہے اور واقدی نے جہاں دیگر بہت سی بے اصل اور متروک روایات نقل کی ہیں وہاں یہ روایت بھی واقدی ہی کی مرہون منت ہے۔ اس

مقام پر طبری نے کچھ دیگر واقعات بھی واقدی سے ہی نقل کیے ہیں جو قابل قبول نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کے متعلق علمائے رجال نے تعدیل کے ساتھ ساتھ تنقیدات بھی ذکر کی ہیں اور اہل علم حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان تنقیدات میں سے کسی قدر ہم نے قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۲۲۸-۳۴۵ پر ذکر کر دی ہیں۔ اب یہاں بھی بقدر ضرورت واقدی پر نقد پیش کیا جاتا ہے تا کہ مذکورہ بالا مطاعن کی روایات کا بے اصل ہونا پایہ ثبوت تک پہنچے۔

(۱) واقدی پر نقد

علامہ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبی وغیرہم رحمہم اللہ نے اکابرین امت کے حوالہ سے واقدی پر مندرجہ ذیل نقد نقل کیا ہے

① ((قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ: الواقدی کذاب...... قال الشافعی رحمہ اللہ: کتب الواقدی کلها کذب...... الخ))[1]

② ((قال احمد بن حنبل هو کذاب یقلب الاحادیث...... قال البخاری وابوحاتم متروك...... واستقر الاجمع علی وهن الواقدی...... الخ))[2]

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بغداد کا ساکن تھا اور متروک الحدیث ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کذاب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں دروغ محض ہیں۔ نیز امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ شخص (واقدی) جھوٹے ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث میں کئی قسم کی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔ امام بخاری اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ نے فرمایا واقدی متروک ہے اور واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔

نیز بہت سے دیگر علماء مثلاً ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب المجروحین میں، ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں، ابن عدی رحمہ اللہ نے الکامل میں، یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں، عقیلی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں، ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں اور ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی میں واقدی پر خوب جرح و نقد کر دیا ہے جو اس کی منقولہ روایات کے عدم قبول کے لیے کافی ہے۔

۲۔ واقدی کا مسلک

اس کے بعد واقدی کے نظریاتی مسلک کے متعلق ایک خاص تائید مشہور شیعی مورخ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن ندیم شیعی نے اپنی مشہور تالیف الفہرست لابن ندیم میں ص ۱۵۰ پر ''اخبار الواقدی''

---

۱ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۶۴-۳۶۶ ج ۹ تحت محمد بن عمر الواقدی الاسلمی

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۱۰ ج ۳ طبع قدیم مصر تحت محمد بن عمر الواقدی الاسلمی۔

کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ

((وکان یتشیع حسن المذهب، یلزم التقیة، وهو الذی روی ان علیا علیہ السلام کان من المعجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کالعصاء لموسی علیہ السلام واحیاء الموتی لعیسی ابن مریم علیہ السلام وغیر ذالك من الاخبار))[1]

''مطلب یہ ہے کہ ابن ندیم کے قول کے مطابق محمد بن عمر واقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کو لازم کیے ہوئے تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لیے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی دیگر اخبار بھی اس نے نقل کی ہیں۔''

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ چونکہ مورخ ابن ندیم خود شیعہ بزرگ ہے اس لیے واقدی کو اس نے ''حسن المذہب'' کہا ہے اور ''تقیہ کو لازم کرنا'' واقدی کی عمدہ صفت قرار دیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ابن ندیم شیعی کے قول کی روشنی میں واقدی عمدہ تقیہ باز شیعہ بزرگ تھا۔

۳۔ واقدی کا سیاسی نظریہ

نیز واقدی کے متعلق روایات میں یہ چیز دستیاب ہوتی ہے کہ سیاسی نظریات کے طور پر یہ بزرگ عباسی دور (ہارون الرشید وغیرہم) کا اپنے فن میں لائق فائق اور یگانہ فرد تھا اور اس دور میں اس کو دس ہزار درہم انعام ملا تھا۔ علاوہ ازیں اس پر بہت کچھ انعام واکرام ہوتا تھا۔[2]

واقدی عباسی دور کے خلفاء اور خصوصاً ان کے وزیر خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری تھا اور بعض اوقات قاضی بغداد بھی رہا۔ عموماً عباسی امراء بنو امیہ کے سیاسی طور پر سخت خلاف تھے[3] لیکن مامون بن ہارون الرشید کے متعلق تو تاریخوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ بعد میں شیعہ ہو گیا تھا۔[4] اور یہ چیز بھی مورخین نے واقدی کے متعلق تحریر کی ہے کہ

((ثم رجع الی بغداد فلم یزل بها الی ان قدم المامون من خراسان فولاه القضاء بعسکر المهدی فلم یزل قاضیا حتی مات ببغداد (۲۰۷ھ)))[5]

---

[1] الفہرست لابن ندیم ص ۱۵۰ تحت اخبار الواقدی

[2] طبقات ابن سعد ص ۳۱۴-۳۲۱ ج ۵ تحت محمد بن عمر الواقدی، طبع لیڈن

[3] الانتقاد علیٰ تمدن اسلامی (علامہ شبلی نعمانی) ص ۲۴، ۲۵۔

[4] دول الاسلام (ذہبی) ص ۹۴ ج ۱ تحت ۲۱۱ھ
العبر فی خبر من غبر (ذہبی) ص ۳۵۹ ج ۱ تحت ۲۱۱ھ طبع کویت

[5] طبقات ابن سعد ص ۷۷ ج ۷ تحت محمد بن عمر الواقدی

فلہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ بنو امیہ کی مذمت میں ان ہوا خواہ افراد نے اپنے امراء کی خوشنودی میں خوب روایات تالیف کیں اور اسی ضمن میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہما کے خلاف مرویات بھی اسی سلسلے کے باقیات میں سے ہیں۔

پس جو روایات ان لوگوں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور ان کی تنقیص میں دستیاب ہوتی ہیں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ (اس چیز کو ناظرین کرام ہمیشہ خوب ملحوظ رکھیں۔ یہ ہماری ملّی تاریخ کا اصولی اور بنیادی ضابطہ ہے)۔

۴۔ مرویات واقدی کا درجہ

بعض لوگ اس مقام پر اگر یہ شبہ پیدا کرنا چاہیں کہ مندرجات بالا کی روشنی میں تو واقدی کی تمام مرویات اور روایات قابل رد ہوئیں اور متروک ٹھہریں حالانکہ اہل علم اس کی روایات کو قبول کرتے ہیں اور اپنی تصانیف میں جگہ دیتے ہیں، جیسا کہ اس پر واقعات شاہد ہیں تو پھر اس دورخی پالیسی کا کیا مطلب ہے؟

اس کے متعلق ازالہ شبہ کے درجے میں عرض ہے (اور اس چیز کو کبار علماء خوب جانتے ہیں) کہ واقدی بزرگ ہو یا کوئی دوسرا شخص، ان کی روایات کے مقبول ہونے کے لیے عند العلماء قاعدہ یہ ہے کہ دیگر اکابر محدثین اور بااعتماد مورخین کی جانب سے ان چیزوں کی توثیق اور موافقت پائی جائے اور کسی ضابطہ شرعی اور آئین اسلامی کے خلاف بھی نہ ہوں تو ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ان کو اخذ کرنا درست ہے۔ اور جہاں واقدی وغیرہ ان اشیاء میں متفرد ہوں اور ان کا کوئی متابع بھی نہ پایا جائے تو وہ چیزیں قابل اعتماد اور لائق قبول نہیں ہوتیں۔ اب اس ضابطہ کو معلوم کر لینے کے بعد مذکورہ شبہ زائل ہو جائے گا اور اہل علم حضرات کے طریق کار پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات کے رد و قبول کے متعلق علماء نے اپنے اپنے مقام پر قاعدے اور ضابطے ذکر کر دیے ہیں۔ مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے، عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے:

فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی (سخاوی) ص ۲۴۹-۲۵۰ ج ۱ تحت بحث ہذا

تدریب الراوی شرح تقریب النووی (سیوطی) تحت النوع ۲۱ ص ۱۸۰

شرح نخبۃ الفکر ص ۵۵ تحت بحث ہذا طبع مجتبائی دہلی۔

ایک اعجوبہ

معترض دوستوں کے ایک طبقہ (قرامطہ) کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے بیت اللہ سے حجر اسود اکھاڑ لیا تھا اور اپنے علاقے میں لے گئے تھے اور پھر ایک مدت کے بعد زر کثیر وصول کر کے واپس کیا تھا۔ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے معترض لوگوں نے منبر نبوی کے ملک شام لے جانے کے متعلق جو قصہ تصنیف کیا ہے وہ اگر چہ سراسر بے بنیاد ہے لیکن اگر بالفرض اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو انھوں نے منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے بعد پھر وہیں نصب کر دیا اور غلاف پوشی کی مگر یہ لوگ تو آثار اسلامی یعنی ''حجر اسود'' کو اپنے مقام سے اکھیڑ کر اپنے علاقے میں لے گئے تھے اور خرق عادت کسی چیز کا ظہور نہ ہوا۔ نہ زلزلہ آیا نہ شمس و قمر بے نور ہوئے اور نہ پہاڑوں ہی میں جنبش ہوئی۔

معترض دوستوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے سے پہلے اپنے ایک طبقہ کے لوگوں پر توجہ کرنی چاہیے تھی جو ''آثار اسلامی'' کی توہین کے مرتکب ہوئے اور انھوں نے اپنی خست طبع کا مظاہرہ کیا اور کافرانہ کردار ادا کیا۔ شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ میں یہ قرامطہ ہیں انھوں نے ۳۱۷ھ میں حجر اسود کے ساتھ جو اہانت کا معاملہ کیا تھا اور حجر اسود کو بائیس سال کے بعد زر کثیر کے عوض واپس کیا تھا اس کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ فرمائیں:

① کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۱۴۰-۱۴۱ ج اتحت ۳۱۷ھ طبع حیدر آباد
② البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۶۰، ۱۶۱ ج ۱۱ تحت ۳۱۷ھ طبع اول مصر
③ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۳ ج ۱۱ تحت ۳۳۹ھ طبع اول مصر
④ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۰ ج ۵ باب دخول مکہ
⑤ تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۵، ۱۶، ۱۹ طبع سہیل اکیڈمی لاہور، تحت باب اول در کیفیت حدوث مذہب تشیع وانشعاب آں

(۲) منبر پر دیکھو تو قتل کر دو

اور بعض دیگر روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

① ((اذا رأيتموه على المنبر فاقتلوه))

اور اس طرح بھی روایات میں دستیاب ہوتا ہے کہ

② ((اذا رأيتم معاوية بن ابى سفيان يخطب على منبره فاضربوا عنقه۔ قال الحسن فما فعلوا فلا افلحوا))

اس مضمون کی کئی روایات بعض کتب میں پائی جاتی ہیں جن کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے لوگوں میں تنفر کی فضا قائم کرتے ہیں اور اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایات بالکل جعلی اور بے اصل ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا روایات کے کذب و افترا ہونے پر علماء نے سابقاً کلام کر دیا ہے۔ ہم اس پر ذیل میں روایتاً اور درایتاً نقد ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے ان روایات کا دروغ محض ہونا واضح ہو جائے گا۔

روایتاً نقد

مندرجہ بالا روایت کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ الصغیر میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر عمدہ جرح کر دی ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ

۱۔ ((وھذا مدخول لم یثبت))

۲۔ ((وھذا واہ))[1]

''یعنی روایت میں یہ الفاظ زبردستی داخل کیے ہیں اور درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔ نیز فرمایا کہ یہ روایت بے اصل ہے (ثابت نہیں)۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اعمش رحمہ اللہ سے اسی مقام پر نقل کیا ہے کہ

((انہ قال نستغفر اللہ من اشیاء کنا نرویھا علی وجہ التعجب اتخذوھا دینا))

''یعنی اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! جن روایات کو ہم تعجب کے طور پر نقل کرتے تھے لوگوں نے ان کو دین بنا لیا۔''

اور دوسری روایت جو حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اسے ایک مقام پر منسوب کرنے والا عمرو بن عبید معتزلی ہے۔ عمرو بن عبید معتزلی کے متعلق علماء نے تصریح کر دی ہے کہ یہ شخص روایت میں جھوٹ بولتا تھا۔ کان عمرو یکذب فی الحدیث ابن عون کہتے ہیں کہ مالنا والعمرو۔ عمرو یکذب علی الحسن یعنی ابن عون کہتے ہیں کہ عمرو جناب حسن بصری رحمہ اللہ پر جھوٹ لگاتا تھا۔

((قیل لایوب ان عمرو بن عبید روی عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم معاویۃ علی المنبر فاقتلوہ۔ فقال کذب عمرو))

''یعنی ایوب سے کہا گیا کہ عمرو بن عبید حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم منبر پر معاویہ کو دیکھو تو قتل کر دو۔ تو ایوب نے کہا کہ عمرو بن عبید نے جھوٹ کہا۔''

نیز علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے اہل علم فرماتے تھے:

---

[1] تاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۶۸-۶۹ تحت عصر من بین الستین الی السبعین، طبع اول قدیم الہ آباد۔

((لا تأخذ عن هذا شیء فانه یکذب علی الحسن))

''یعنی عمرو بن عبید سے روایت کے بارے میں کوئی چیز نہ لو۔ یہ شخص حسن بصری رحمہ اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے۔''[1]

خلاصہ یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایت جو حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے یہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ پر افترا ہے، جھوٹ ہے۔ انھوں نے ایسی کوئی روایت نہیں ذکر کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر میں اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بغداد میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔

(۳) اس مقام پر مضمون مذکورہ بالا کی روایت نصر بن مزاحم منقری نے اپنی مشہور تصنیف ''وقعۃ الصفین'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے

((قالا: قال رسول الله ﷺ اذا رأیتم معاویة بن أبی سفیان یخطب علی منبری فاضربوا عنقه۔ قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا))[2]

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب معاویہ بن ابی سفیان کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اس کی گردن مار دو۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے اس پر عمل نہ کیا اور انھوں نے فلاح نہ پائی۔''

جرح ونقد

یہ اس مضمون کی تیسری روایت ہے جو منقری نے اپنی سند کے ساتھ کتاب ''وقعۃ الصفین'' میں ذکر کی ہے۔ اس پر ہم مختصر سا کلام کرنا چاہتے ہیں، ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس روایت کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک شخص حکم بن ظہیر راوی ہے۔ وھو متروك (وہ محدثین کے نزدیک متروک ہے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی)۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ وھذا الحدیث کذب بلا شك۔[3] یعنی یہ روایت بلا شک دروغ محض ہے۔

اور ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ نے اپنے تذکرہ الموضوعات میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ

---

[1] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۱۲ ص ۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲ تحت ترجمہ عمرو بن عبید معتزلی
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ

[2] وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ) تحت ماورد من الاحادیث فی شان معاویہ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((اذا رأيتم معاوية على منبري فاقتلوه فيه الحكم بن ظهير الفزاري وهو يضع وسرقته منه عباد بن يعقوب الرواجني وهو من غلاة الروافض))[1]

''یعنی یہ روایت کہ میرے منبر پر جب تم معاویہ کو دیکھو تو اسے قتل کر دو، اس روایت کی سند میں حکم بن ظہیر فزاری ہے، وہ روایت کو وضع (تصنیف) کر لیا کرتا ہے اور حکم بن ظہیر سے عبادہ بن یعقوب رواجنی نے روایت کو سرقہ کیا ہے اور وہ غالی رافضیوں میں سے ہے)۔''

نصر بن مزاحم منقری کے متعلق بقدر ضرورت تشریح کی جاتی ہے۔ اس کے معلوم کر لینے کے بعد اس کی موجودہ روایت سمیت تمام مرویات کا درجہ اعتماد سامنے آ جائے گا کہ یہ شخص کس قسم کا بزرگ ہے اور اس کی مرویات قابل قبول ہیں یا نہیں؟

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ منقری نے کتاب ''وقعۃ الصفین'' واقعہ صفین کے متعلق لکھی ہے۔ اس کتاب میں ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان کے متعلق مرفوع اور مرسل روایات جمع کی ہیں اور ساتھ ہی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال فراہم کیے ہیں۔ کتاب ہذا کی صرف یہی ایک فصل دیکھ لینے سے نصر بن مزاحم منقری کا مذہب اور مسلک واضح ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگ نہایت درجے کا بد زبان رافضی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن تالیف کرنا اس کا نصب العین ہے۔ اس شخص کے متعلق اہل سنت اور شیعہ علماء کے صرف چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے اس کا مذہب و مسلک واضح ہو رہا ہے۔ اس کی مرویات ہم پر کچھ حجت نہیں اور کسی درجے میں قابل قبول نہیں۔

① علامہ عقیلی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں مندرجہ ذیل الفاظ اس کے حق میں ذکر کیے ہیں:

((كان يذهب الى التشيع وفي حديثه اضطراب وخطاء كثير))[2]

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق لسان المیزان میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ رافضی ہے اور متروک ہے اور کذاب ہے زائغ الحدیث ہے۔ قال العجلي رافضي غال۔[3]

③ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بغداد ج ۱۳ میں لکھا ہے کہ منقری پختہ رافضی تھا۔

④ اور شیعہ کے علمائے تراجم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں منقری کے شیعہ ہونے کی توثیق کی ہے۔ شیخ

---

[1] تذکرۃ الموضوعات (ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی) ص ۶ (تحت الروایہ)

[2] کتاب الضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۳۰۰ ج ۴ تحت نصر بن مزاحم المنقری

[3] لسان المیزان (ابن حجر) ص ۱۵۷ ج ۶ تحت نصر بن مزاحم المنقری

عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں

"منقری مستقیم الطریقت تھا اور صالح الامر تھا۔ اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں مثلاً کتاب الجمل، کتاب الصفین اور کتاب نہروان اور مقتل حسین وغیرہ وغیرہ۔ اور لکھا ہے کہ یہ شخص ممدوح ہے اور بلاشبہ امامی ہے اور بااعتماد ہے، صحیح النقل ہے وغیرہ وغیرہ۔"[1]

درایت کے اعتبار سے

روایات پر سند کے اعتبار سے بحث کرنے کے بعد اب باعتبار درایت کلام پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے حکم سے شام کے علاقے میں امیر بنایا گیا اور آپ کم وبیش دس سال امیر شام رہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی ان کو منبر پر قتل کرنے کے لیے نہیں اٹھا جوان کا منبر پر خاتمہ کر دیتا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی مذکورہ بالا روایات بے اصل ہیں، ان کے لیے کوئی اصل نہیں اور نہ اس نوع کا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسی ایک صحابی کے حق میں موجود ہے ورنہ اس فرمان نبوی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے۔

((وقد ادرك اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم معاوية امیرا فی زمان عمر بأمر عمر وبعد ذالك عشر سنین فلم یقم الیه احد فیقتله۔ وهذا مما یدل علی هذه الاحادیث ان لیس لها اصول ولا یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبره علی هذا النحو فی احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم))[2]

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ولو کان صحیحا لبادر الصحابة الی فعل ذالك، لانهم کانوا لا تأخذهم فی الله لومة لائم))[3]

"یعنی اگر یہ فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام صحیح ہوتا تو اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی کرتے، اس لیے کہ ان کو دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔"

---

[1] تنقیح المقال فی علم الرجال (شیخ عبداللہ مامقانی شیعی) ص ۲۶۹-۲۷۰ تحت نصر بن مزاحم الکوفی المنقری (طبع تہران)

[2] تاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۶۸-۶۹ طبع اول قدیم، الہ آباد تحت عصر من بین الستین الی السبعین

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ابن کثیر رحمہ اللہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور کو بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا ہے۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابو امامہ، حضرت انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات ہدایت کے چراغ تھے، علم دین کے ظروف تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نازل ہوتے دیکھنے والے تھے اور دین کی تبدیلی (جاہلیت سے اسلام کی طرف) ان کے سامنے ہوئی تھی اور اسلام سے انھوں نے دین میں وہ معرفت حاصل کی جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوسکی اور قرآن کے معانی کو انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔

فلہٰذا یہ حضرات دین میں ہر طرح کامل تھے اور اطاعت نبوی میں بعد میں آنے والوں لوگوں سے فائق تھے۔ یہ تمام صحابہ کرام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان سے بیعت کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہو گئے تھے کسی صاحب نے کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا چہ جائیکہ یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر قتل کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے اور وہ قول جو روایت میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے "قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا" یہ کلمہ دروغ بے فروغ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام الجماعۃ کے بعد اتفاق کر کے دین کے فروغ کے لیے جدوجہد کی اور ہر مرحلے میں کامیاب اور فتح یاب ہوئے۔

اندریں حالات یہ کہنا کہ انھوں نے فلاح نہیں پائی اور فتح انھیں نصیب نہیں ہوئی یہ سب منقری کے اکاذیب میں سے ہے۔ اس بے چارے کو صحابہ کرام اور اسلام کی ترقی سے دلی عناد تھا اس بنا پر ایسی روایات اپنی تصانیف میں بھرتا چلا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایات روایتاً و درایتاً بے اصل ہیں مقام طعن میں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

③ طعن کرنے والے لوگوں کا طریق کار یہ ہے کہ جہاں کہیں روایات میں بنو امیہ کی مذمت اور ان کے خلاف مواد پایا جائے اسے فراہم کر کے عوام میں نفرت کی فضا قائم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات میں بنو امیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مذکور نہ ہوں تب بھی ان روایات کا محمل اور مصداق ان چند اموی صحابہ کو قرار دے کر مطعون کرنے اور ان کو مبغوض ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں کئی روایات کتابوں میں پائی جاتی ہیں ان کو مطاعن صحابہ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور منصب خلافت ان کو تفویض کر دیا اس وقت ایک شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو عار دلانے

کے طور پر کہا ''اے مومنوں کے چہروں کو سیاہ کر دینے والے! تو نے اس شخص کی بیعت کر لی؟ (یعنی معاویہ بن ابی سفیان کی بیعت کر لی)۔''

تو روایت میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں مندرجہ ذیل روایت ذکر کی:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بنی امیہ چڑھ رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بنو امیہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر یکے بعد دیگرے خطبہ دے رہے ہیں اور بعض روایات کے اعتبار سے ہے کہ یوں دکھلایا گیا کہ بنو امیہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں جیسے کہ بندر نیچے اوپر کودتا ہے، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز شاق گزری اور مکروہ معلوم ہوئی۔

بقول بعض روایات اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھل کر نہیں ہنسے اور اس پریشانی کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو سورتیں نازل ہوئیں اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ روایت کرنے والوں میں سے بعض راوی کہتے ہیں کہ ہم نے الف شہر کو شمار کیا تو وہ بنی امیہ کے عہد امارت کے بالکل موافق ٹھہرا۔

مطلب یہ ہے کہ معترض لوگوں نے اس روایت کے اعتبار سے بنی امیہ کی خلافت و امارت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قبیح اور مکروہ قرار دیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ تمام دور امارت ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہے اور بنو امیہ کے تمام امراء آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہیں اور مندرجہ روایات کے عموم الفاظ (بنو امیہ) کے اعتبار سے حضرت عثمان، عتاب بن اُسید اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم بھی ان میں شمار و شریک ہیں۔ فلہٰذا یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس زمرہ میں شامل ہیں۔

الجواب

اس مقام پر یہ چیزیں ان روایات کی تحقیق کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں، ان کو پیش نظر رکھنے سے تجویز کردہ طعن کا ازالہ ہو سکے گا۔ اس بحث کے تمام مندرجات پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں تو امید ہے کہ اطمینان کا باعث ہوگا:

① پہلی گزارش یہ ہے کہ پیش کردہ روایات میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے، یہ متعدد واقعات نہیں اور ایک ہی خواب سے متعلق ہے۔ اسی ایک واقعہ کو رواۃ نے اپنی مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ طعن کو مضبوط کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اثبات طعن کے لیے جو مواد پیش کیا جائے وہ عندالخصم اپنی جگہ پر صحیح ہو اور وہ واقعات کے برخلاف نہ پایا جائے۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہم پہلے اس واقعہ کی روایات پر باعتبار سند کلام کرتے ہیں اور پھر اس کے

متعلق اکابر علماء کے بیانات پیش کریں گے اور اس کے بعد باعتبار درایت کلام کیا جائے گا۔ تاکہ طعن ہذا کے ثبوت اور عدم ثبوت کا درجہ واضح ہو سکے اور اس اعتراض کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

روایت کے اعتبار سے کلام

اس مقام پر بعض روایات کی سند میں ایک راوی ابوالخطاب جارودی ہے۔

① ابوالخطاب جارودی

اس شخص کو اسماء الرجال میں زیدی شیعوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا نام سہیل بن ابراہیم ہے۔ چنانچہ شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ

((الجارودية فرقة من زيدية نسبت الى الجارود))[1]

اور ہمارے علماء نے ابوالخطاب جارودی کے متعلق لکھا ہے کہ

((قال ابن حبان يخطئ و يخالف))[2]

''یعنی یہ اپنی مرویات میں خطا کرتا ہے اور معروف روایات کا خلاف کرتا ہے۔''

اور اسی سند میں ایک راوی قاسم بن فضل حدانی ہے اس کی کنیت ابومغیرہ بصری ہے۔

② قاسم بن فضل حدانی

اس شخص کے متعلق علمائے رجال نے لکھا ہے کہ

((رمى بالارجاء قال يحيىٰ بن سعيد ذاك منكر قال يحيىٰ القطان كان منكرا))[3]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

((ذكره ابن عمرو العقيلى فى الضعفاء))[4]

اور قاسم بن فضل حدانی اس روایت کو یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے۔ اس شخص یوسف کو بعض مقامات پر یوسف بن سعد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

③ یوسف بن مازن

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوسف بن مازن رجل مجہول ہے۔ اور علماء نے یہاں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ اس کی جہالت باعتبار ذات کے نہیں بلکہ باعتبار صفات و احوال کے ہے، اور اس کی روایت کا جو درجہ

---

1. منتہی المقال ص ۴۲۶-۲۰۸ طبع قدیم ایران (تحت تشریح فرقۃ الجارودیہ)
2. لسان المیزان (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۲۴ ج ۳ طبع دکن
3. تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۲۹ ج ۸ تحت قاسم بن فضل
4. میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۴۲ ج ۲ تحت قاسم بن فضل۔

ہے وہ عنقریب ہم علماء کے بیانات کے تحت ذکر کر رہے ہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اسی روایت (صعود علی المنبر) کے راویوں میں موسیٰ بن اسمٰعیل ہے۔

④ موسیٰ بن اسمٰعیل

اس کے متعلق علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

((وتکلم الناس فیه قلت نعم تکلموا فیه بانه ثقة ثبت اما رافضی))[1]

''مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ثقہ تو ہے لیکن رافضی ہے۔''

اس روایت کے بعض اسانید میں محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے۔

⑤ محمد بن اسحاق صاحب المغازی

اس شخص کے متعلق جرح و تعدیل کے دونوں پہلو علمائے رجال نے ذکر کیے ہیں اور یہاں تک لکھا ہے کہ

((صدوق مشهور بالتدلیس عن الضعفاء والمجهولین وعن شرمنهم وصفه بذالك احمد والدارقطنی وغیرهما))[2]

اور حواشی نصب الرایہ میں مذکور ہے کہ

((قال النووی فی شرح المهذب ج۵ ص ۱۳۳، اسناده ضعیف فیه محمد بن اسحاق صاحب المغازی وهو مدلس واذا قال المدلس "عن" لا یتحج به۔ انتهی کلامه))[3]

اور روایت مذکور کے بعض اسانید میں سری بن اسمٰعیل بجلی ہمدانی کوفی راوی ہے۔

⑥ سری بن اسمٰعیل

اس راوی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ

((هو متروك الحدیث...... قال الدارمی عن ابن معین لیس بشیء قال الآجری عن أبی داود ضعیف متروك الحدیث قال ابن حبان کان یقلب الأسانید ویرفع المراسیل[4] قال النسائی متروك الحدیث وقال غیره لیس

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۰۸ ج ۳ تحت موسیٰ بن اسمٰعیل، طبع قدیم مصری

[2] طبقات المدلسین (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹

[3] حواشی نصب الرایہ ص ۲۵۱ ج ۲ باب الجنائز۔

[4] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۵۹-۴۶۰ ج ۳ تحت سری بن اسمٰعیل

بشیء قال أحمد ترك الناس حديثه))[1]

روایت مذکور میں ایک اور راوی سفیان بن لیل ہمدانی کوفی ہے۔

⑦ سفیان بن لیل

اس کے متعلق علمائے رجال نے درج ذیل نقد اور جرح ذکر کی ہے:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

((قال العُقیلی کان ممن یغلو فی الرفض لا یصح حدیثه قال ابو الفتح الازدی سفیان مجهول والخبر منکر))[2]

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سفیان ہمدانی کوفی غالی، رافضی ہے، اس کی روایت صحیح نہیں اور یہ سخت مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے یعنی معروف روایات کے خلاف ہے۔"

اس روایت کی بعض اسانید میں محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی ایک راوی ہے۔

⑧ محمد بن حسن بن زبالہ

اس راوی کے متعلق علماء نے درج ذیل نقد ذکر کیا ہے:

((قال ابن معین والله ما هو بثقة قال هاشم بن مرثد عن ابن معین کذاب، خبیث لم یکن بثقة ولا مامون یسرق الاحادیث قال ابوزرعة واهی الحدیث قال النسائی لا یکتب حدیثه قال احمد بن صالح کتبت عنه مائة الف حدیث ثم تبین لی انه کان یضع الحدیث فترکت حدیثه))[3]

اور علامہ عقیلی رحمہ اللہ نے ابن زبالہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے:

((کان یسرق الحدیث کان کذابا ولم یکن بشیء عنده مناکیر))[4]

اور آیت الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ کے تحت جو روایات پیش کی جاتی ہیں اور اس سے مراد بنو امیہ لیتے ہیں اس کی سند میں یہی بزرگ (محمد بن حسن بن زبالہ ثنا عبد المہیمن بن عباس) ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس پر سخت تنقید کر دی ہے جو عدم قبولیت کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۷۰ ج ۱، تحت سری بن اسمٰعیل

[2] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۹۷ ج ۱ تحت سفیان بن اللیل
لسان المیزان (ابن حجر) ص ۵۳-۵۴ ج ۳ تحت سفیان بن اللیل

[3] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۱۶ ج ۹ تحت محمد بن حسن بن زبالہ

[4] الضعفاء (عقیلی) ص ۵۸ ج ۴ تحت محمد بن حسن بن زبالہ المخزومی

((وهذا السند ضعيف جدا فان محمد بن الحسن بن زبالة متروك وشيخه أيضًا ضعيف بالكلية)) (تفسیر ابن کثیر جلد ثالث تحت الآیہ)

اور اسی طرح روایت ہذا کے دیگر اسناد میں عبدالمہیمن بن عباس بن سہل ایک راوی ہے جو محمد بن حسن کا استاد ہے۔

⑨ عبدالمہیمن بن عباس بن سہل

اس شخص کے متعلق علمائے رجال نے لکھا ہے کہ

((قال ابن معين هو ضعيف قال البخاری منكر الحديث قال النسائی ليس بثقة قال ابن حبان لما فحش الوهم فی روايته بطل الاحتجاج به قال علی بن جنيد ضعيف الحديث روی عن اباءه الحاديث منكرة۔ لاشیء))[1]

⑩ علی بن زید بن جدعان

اور بعض مرویات کے اسناد میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان ہے۔ اس کو علماء نے ضعیف لکھا ہے۔[2]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((قال شعبة وكان رفاعا وكان ابن عيينة يضعفه قال حماد بن زيد كان يقلب الاحاديث عن يزيد بن ربيع قال كان علی بن زيد رافضيا عن يحيی ليس بشیء كان يتشيع قال البخاری وابوحاتم لا يحتج به))[3]

اسی طرح روایت مذکورہ بالا کے بعض دیگر اسانید میں متعدد افراد قابل نقد و جرح ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک پر مختصر سا کلام درج ذیل ہے اور روایت پر جرح کے لیے یہی کافی ہے:

① ابو جحاف

اس شخص کا نام داود بن ابی عوف ہے۔ اس کے متعلق ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((وهو من غالية اهل التشيع وعامة حديثه فی اهل البيت وهو عندی ليس

---

۱ الضعفاء (عقیلی) ص ۱۱۴-۱۱۵ ج ۳ تحت عبدالمہیمن بن عباس
میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۶۷۱ ج ۲ تحت عبدالمہیمن، طبع بیروت
تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۳۲ ج ۶ تحت عبدالمہیمن بن عباس

۲ البدایہ ص ۲۴۳ ج ۶ تحت الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

۳ میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۳ ص ۱۲۷-۱۲۸ تحت علی بن زید بن جدعان، طبع بیروت

بالقوی ولا ممن یحتج به فی الحدیث))[۱]

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بحوالہ ابن عدی رحمہ اللہ لکھا ہے کہ

((لیس هو عندی ممن یحتج به شیعی عامة یرویه فی فضائل اهل البیت))[۲]

حاصل کلام

روایت ہذا کے اسناد پر نقد و جرح کے سلسلے میں ہم نے چند ایک راویوں پر مختصر سا کلام علمائے رجال کے حوالہ جات سے ذکر کر دیا ہے۔ اس روایت کے تمام اسانید کو فراہم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ القلیل یدل علی الکثیر۔

جو اسانید ہمارے سامنے آئے ہیں ان پر نقد و جرح کی ہے اور سقم روایت کے لیے اس میں کفایت ہے اور صحیح روایت کے اوصاف و شرائط یہاں نہیں پائے گئے فلہٰذا اس روایت کو عند المحدثین صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خاص طور پر جب کہ بعض رواۃ شیعہ ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مذہب کی روایات کو نشر کرنا اپنا مسلک سمجھتے ہیں فلہٰذا ایسے رواۃ کی روایت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت اور تنقیص میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

روایت ہذا کے متعلق اکابر علماء کے بیانات

گزشتہ سطور میں روایت مذکورہ بالا کے اسانید کے متعلق بقدر ضرورت ناقدانہ گفتگو ذکر کی ہے اور اس مضمون کی جو روایات تا حال دستیاب ہو سکی تھیں ان کی سند پر بقدر کفایت نقد ذکر دیا ہے۔ اب اس کے بعد اس روایت کے متعلق اکابر علماء کی تنقیدات اور ان کے ناقدانہ بیانات ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ علمائے کرام کے ان بیانات سے روایت کے عدم قبولیت کا درجہ واضح ہے۔

① مشہور محدث امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت ہذا نقل کرنے کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ

((هذا حدیث غریب لا نعرفه الامن هذا الوجه من حدیث القاسم بن الفضل وقد قیل عن القاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن والقاسم بن الفضل الحدانی هو ثقة یحیی بن سعید و عبدالرحمن بن مهدی ویوسف بن سعد رجل مجهول ولا نعرف هذا الحدیث علی هذا اللفظ الا من هذا

---

۱ الکامل (ابن عدی) ص ۹۵۱ ج ۳ تحت ابی الجحاف داود بن ابی عوف۔

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۸ ج ۲ تحت داود بن ابی عوف، طبع بیروت
الضعفاء (عقیلی) ص ۳۷ ج ۲ تحت داود بن ابی عوف۔

الوجه))[1]

اس مقام پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ روایت ہذا غریب ہے اور قاسم بن فضل کے ذریعے ہی سے اس کی معرفت ہوئی ہے۔ اس شخص کے بغیر معروف نہیں ہو سکی۔ اور پھر بعض دفعہ قاسم مذکور یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے اور بعض دفعہ یوسف بن سعید سے۔ اور یہ یوسف رجل مجہول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ صرف اسی ایک واسطہ سے ہمیں معلوم ہوئی ہے۔

(۲) علامہ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے اس روایت پر گفتگو کی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تحقیق نقل کرنے کے بعد مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ

((رواه ابن جرير من طريق القاسم بن الفضل عن يوسف بن مازن كذا قال وهذا يقتضى اضطرابا فى الحديث والله اعلم ثم هذا الحديث على كل تقدير منكر جدا۔ قال شيخنا الامام الحافظ الحجة ابوالحجاج المزى هو حديث منكر))[2]

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ کے دوسرے مقام پر اس روایت پر بحث کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((وقد سألت شيخنا الحافظ ابو الحجاج المزى رحمه الله عن هذا الحديث فقال و حديث منكر))[3]

مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی تصریحات اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیانات نے واضح کر دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور منکر جداً ہے یعنی معروف روایات کے خلاف پائی جاتی ہے اور سوا اس ایک واسطہ کے کسی دوسرے صحیح طریقے سے دستیاب نہیں ہوتی۔

(۳) مشہور محدث ابن جوزی رحمہ اللہ نے العلل المتناہیہ میں اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس پر نقد کیا ہے اور اس روایت کے عدم صحت کا قول کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

((هذا حديث لا يصح، واحمد بن محمد بن سعيد هو ابن عقدة قال الدارقطنى كان رجل سوء قال ابن عدى رأيت مشائخ بغداد يسيئون اثنا

---

۱ جامع ترمذی ص ۴۸۴ ابواب التفسیر تحت سورۃ القدر، طبع لکھنؤ

۲ تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۰ ج ۴ تحت سورۃ القدر

البدایہ والنہایہ ص ۱۸-۱۹ ج ۸ تحت تذکرہ خلافۃ الحسن

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴۴ ج ۶ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

علیه ویقولون لا یتدین بالحدیث ویحمل شیوخنا بالکوفة علی الکذب ویسوی لهم نسخا ویأمرهم برو ایاتها واکثر رجال هذا الاسناد مجاهیل))[1]

نیز اس روایت کے بعض اسانید میں ابن عقدہ ہے اس پر علمائے رجال نے مفصل ناقدانہ کلام کیا ہے۔ یہ شخص زیدی جارودی شیعہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مثالب و معائب املا کراتا تھا[2] حاشیہ میں چند ایک حوالے درج کر دیے ہیں تاکہ اہل علم رجوع کر سکیں۔ اس قسم کے بزرگ کی روایت اس مقام پر قبول نہیں ہو سکتی۔

④ اور حاکم نے مستدرک میں یہ روایت قاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن نقل کی ہے۔ اس پر تلخیص میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے نقد کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

((وما ادری آفة من أین؟))

''یعنی علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آفت نہیں معلوم کہاں سے آئی؟''

مطلب یہ ہوا کہ وہ اس روایت کے مضمون کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن متعین طور پر کسی شخص پر نقد کرنے میں متردد نظر آتے ہیں۔

⑤ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مظہری میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر وہی نقد و جرح ذکر کی ہے جو امام ترمذی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ

((قال الترمذی غریب و قال المزی وابن کثیر منکرا جدا))[3]

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ روایت کے متعلق کبار علماء نے اپنی اپنی عبارات میں نقل کر دیا ہے کہ یہ روایت غریب ہے اور کوئی مشہور و متداول نہیں اور منکر ہے (معروف روایات کے خلاف ہے) اور منکر جداً ہے، نکارت رفع نہیں ہو سکی اور بعض علماء اس روایت کی عدم صحت کا قول بھی کرتے ہیں، اس کے راویوں میں بعض رجل سوء موجود ہیں اور بعض رجل مجہول ہیں اور اس کے مضمون کو ''آفت و بلا'' سے تعبیر کیا ہے۔

---

1. العلل المتناہیہ (ابن جوزی) ص ۲۹۴ ج ا تحت حدیث آخر فی ذم بنی امیہ
2. میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۶۵ ج ا تحت احمد بن محمد بن سعید ابن عقدہ، طبع مصر قدیم
   لسان المیزان ص ۲۶۶ ج ا تحت احمد مذکور
   البدایہ والنہایہ ص ۷۸ ج ۶ تحت روایت رد شمس
   تراجم رجال شیعہ کتب ملاحظہ ہوں۔ یہ زیدی شیعہ اور جارودی شیعہ ہے اور شیعہ کے نزدیک معتمد شخصیت ہے۔
3. تفسیر مظہری ص ۳۰۱ پارہ نمبر ۳۰ تحت سورۃ القدر

اکابر علمائے کرام کی ان تصریحات اور تعبیرات سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

درایت کے اعتبار سے کلام

ما قبل میں اس روایت کے متعلق باعتبار روایت کلام کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اکابر علمائے کرام کے بیانات بھی مختصراً ذکر کیے ہیں۔ اب اس مقام پر یہ چیز ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ جو روایت معترض دوستوں نے بنو امیہ کی مذمت اور تنقیص کے طور پر ذکر کی ہے اس کو باعتبار درایت جانچ لیا جائے اور واقعات کے پیش نظر اس کا جائزہ لیا جائے۔

پیش کردہ روایت میں یہ مضمون مذکور ہے کہ بنو امیہ کا منبر نبوی پر پایا جانا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ منبر کے منصب پر ان لوگوں کا فائز ہونا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شاق ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کے لیے یہ عہدہ ناپسند اور مکروہ ہے۔

اس تمہیدی گزارش کے بعد حالات واقعی پر نظر فرما کر غور فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر جانشینوں نے منصب عہدہ کے مسئلے میں بنو امیہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اور ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا؟ اس پر ذیل میں اجمالاً چند امور پیش خدمت ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیں:

① نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جانے کے دوران میں جناب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا۔

((استخلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی المدینة فی غزوته الی ذات الرقاع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ واستخلفه ایضًا علی المدینة فی غزوة الی غطفان))[1]

"یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا جب کہ آپ غزوہ ذات الرقاع کی طرف تشریف لے گئے اور اسی طرح جب آپ غزوہ غطفان کی طرف تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی مدینہ طیبہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔"

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو متعدد بار مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام فرمایا۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ اور منبر پر بطور نائب کے فرائض منصبی سر انجام دیتے تھے۔

نیز خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام صحابہ

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۳۹ ج ۳ قسم اول تحت ذکر اسلام عثمان طبع اول لیڈن
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۶ ج ۳

کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا نزاع (متفقہ طور پر) خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا اور مصلیٰ نبوی کا منصب انھیں امت کی طرف سے حاصل ہوا اور کسی قبیلہ اور کسی شخص نے ان کے اس منصب پر فائز ہونے پر کوئی نقد اور اعتراض نہیں کیا۔ بنو امیہ کے منبر نبوی پر کودنے والی روایت کیا ان سب حضرات کے سامنے نہیں تھی؟ غور فرمائیں۔

② نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے رخصت ہونے سے قبل بنو امیہ کے ایک مشہور فرد جناب عتاب بن اُسید بن ابی العیص بن امیہ رضی اللہ عنہ کو مکہ شریف کا والی اور حاکم مقرر فرمایا (جو زمین پر افضل ترین مقام ہے) اور جناب عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ اپنے منصب ولایت کے دور میں جہاں دیگر دینی امور سرانجام دیتے تھے وہاں منبر اور مصلیٰ کے فرائض بھی انھی کے سپرد تھے اور تمام اکابر صحابہ بنو ہاشم ہوں یا بنو امیہ یا قریش کے دیگر قبائل، اس منصب کے حصول پر رضامند تھے اور کسی نے اس معاملے میں اعتراض نہیں پیدا کیا اور مندرجہ روایت کو پیش نظر نہیں لائے۔

③ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بنو امیہ کو دینی امور کے فرائض انجام دینے کے لیے متعدد بار منصب عطا کیے جاتے تھے جس کی تھوڑی سی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں بحث ثالث ص ۳۱۴ کے تحت ذکر کر دی ہے۔ وہاں یہ بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیما کے علاقے پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ مرکز اسلام کی طرف سے جو کسی علاقے کا امیر مقرر کیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ وہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ مصلیٰ اور منبر کے متعلق فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔

((ویزید بن أبی سفیان رضی اللہ عنہما (امرہ) علی تیما...... الخ))[1]

ایک تجزیہ

روایت ہذا میں بعض راویوں کی جانب سے بنو امیہ کے عہد کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے حساب لگایا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ روایت کے مضمون کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کا منبر پر صعود اور نزول دکھایا گیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پریشان ہوئی اور جناب کو یہ چیز ناگوار معلوم ہوئی۔ پس اطمینان و تسکین کی خاطر سورۃ القدر و سورۂ کوثر کا نزول ہوا اور سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کا بیان ہے کہ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور ہزار مہینوں کے ۸۳ سال اور ۴ ماہ ہوتے ہیں اور یہ مدت دولت بنو امیہ کے مطابق ہے یعنی ان کا عہد بھی ایک ہزار مہینہ بنتا ہے (لا تزید یوما و لا تنقص)

گویا معترض لوگوں کے نزدیک یہ تمام عہد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند اور مبغوض ہے۔ راوی کے

[1] کتاب المحبر ص ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس قول کا علماء نے تجزیہ کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں قابل غور ہیں:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد (جو بارہ روز کم بارہ برس ہے) حساب کے اعتبار سے دولت بنو امیہ میں شامل و داخل کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ عہد جمہور امت کے نزدیک ممدوح ہے مذموم نہیں، پسندیدہ ہے مکروہ نہیں۔

② پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت وصلح کے بعد ۴۱ھ سے شروع ہوتا ہے (اور قریباً انیس برس سے زائد) وہ بھی اس مدت میں شمار ہوگا۔ اور اہل تاریخ کے نزدیک مسلم چیز ہے کہ بنو امیہ کا دور ایک سو بتیس ہجری تک قائم رہا پھر بنو عباس کی طرف خلافت منتقل ہوئی۔ تو اس حساب سے قریباً ایک سو چار سال تک مدت خلافت بنی امیہ بنتی ہے جو اعتراض پیدا کرنے والے راوی کے حساب کے بالکل متعارض و مخالف ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت (بارہ برس) وضع بھی کر لی جائے تو اس کے بعد بھی قریباً بانوے سال ہوتے ہیں اور یہ بھی راوی کے قول کے حساب سے درست نہیں ہے۔

③ نیز روایت کے مقتضا کے اعتبار سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت بھی اس مدت میں داخل ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ "محمود عہد" بھی مذموم و مبغوض ٹھہرے حالانکہ اس دور کی مذمت کا ائمہ اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ پس یہ چیز بھی روایت کے منکر اور نا قابل قبول ہونے پر واضح دلیل ہے۔

④ طعن کرنے والوں نے روایت بنو امیہ کی مذمت کے لیے ذکر کی ہے اور ان کے عہد کی تنقیص کے لیے پیش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی فضیلت جو ان ایام پر ہے وہ بنو امیہ کے عہد کے مذموم ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

((فما یلزم من تفضیلها علی دولتهم ذم دولتهم فلیتأمل هذا فانه دقیق یدل علی ان الحدیث فی صحته نظر لانه انما سیق لزم ایامهم واللہ تعالی اعلم))[1]

مختصر یہ ہے کہ روایت اپنے مضمون کے تقاضوں کے اعتبار سے محل نظر ہے اور اپنے مفہوم میں صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اکابر علماء کو اس کی صحت پر اعتماد نہیں اور قابل تامل قرار دیتے ہیں۔ نیز اہل علم کے اطمینان کے لیے تفسیر ابن کثیر کی عبارت بعینہٖ درج ہے، اور مذکورہ بالا عبارت البدایہ سے نقل کی تھی۔

((وممـا یدل علی ضعف هذا الحدیث انه سیق لزم بنی امیة ولو ارید ذالك لم یكن بهذا السیاق فان تفضیل لیلة القدر علی ایامهم لا یدل علی ذم

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۴۴ ج ۶ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

ایامھم فان لیلة القدر شریفة جدا والسورة الکریمة انما جاءت لمدح لیلة القدر فکیف تمدح بتفضیلھا علی ایام بنی امیة التی ھی مذموة بمقتضی ھذا الحدیث))[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ منبر نبوی پر بنو امیہ کے چڑھنے اور اترنے کی روایات کے متعلق ایک طریقے سے کلام کر دیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کا مختصر سا تجزیہ بھی پیش کر دیا ہے۔ ان تمام مندرجات پر نظر انصاف فرمائیں۔ مثلاً

((رأی رسول اللہ ﷺ بنو امیة علی منبرہ فساء ہ ذالك ینزون علی منبری کما تنزو القردة))

((رأی بنو امیة یخطبون علی منبرہ رجلا رجلا)) وغیرہ وغیرہ۔

بالفرض اگر یہ روایات درست ہیں تو نبی اقدس ﷺ کے بنو امیہ کے ساتھ معاملات جن میں سے بعض کا قلیل سا ذکر کیا ہے یہ کیسے درست ہوئے؟ اور آنجناب نے بنو امیہ کے مذکورہ لوگوں کو دینی معاملات میں کیسے اپنا قائم مقام بنایا اور اپنے مصلیٰ اور منبر پر فائز فرمایا؟

اور جناب نبی کریم ﷺ کے اکابر خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی بنو امیہ کے اکابر کو کس طرح دینی مناصب تفویض فرمائے؟ جب کہ وہ اس بات کے اہل نہیں تھے اور آنجناب ﷺ کی نگاہوں میں مبغوض و مکروہ تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی شخص یہ صورت اختیار کرے کہ مندرجہ بالا روایات جو اعتراض میں پیش کی جاتی ہیں ان سے مراد صرف بنو امیہ کے وہ افراد ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اپنے اپنے عہد میں مسلمانوں کے امراء اور خلفاء ہوئے اور ان سے کئی چیزیں قابل اعتراض سرزد ہوئیں یعنی روایات میں روئے سخن ان کی طرف ہے۔

تو اس چیز کے ازالے کے لیے اتنی گزارش ہے کہ اعتراض میں بطور طعن جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کے الفاظ عام ہیں۔ ان کے عموم الفاظ میں صحابہ بنو امیہ داخل ہیں۔ اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ معترض احباب صحابہ بنو امیہ (مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت عتاب بن اُسید، حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد حضرت ابو سفیان اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم) کو اعتراض کرتے وقت ان روایات سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتے اور ان تمام کے حق میں ان روایات کے ذریعے سے طعن قائم کرتے ہیں اور عوام میں نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۳ ج ۴ تحت سورۃ القدر

اس بنا پر اس اعتراض کے جواب میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفائی پیش کرنی ضروری سمجھی گئی اور ہمارا موقف بھی مدح صحابہ کے مقام پر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے دفاع کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور جو خلفاء اور امراء صحابی نہیں، خواہ وہ بنوامیہ سے ہوں یا غیر بنوامیہ سے ان کے دفاع سے ہمیں سروکار نہیں۔ پس ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور اپنے اعمال کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (القرآن الکریم)

طعن کی ایک روایت

بعض روایات میں یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ واقعہ کا ناقل کہتا ہے کہ میں جب مسجد نبوی میں داخل ہوا تو آنجناب ﷺ کے اصحاب کی زبانوں پر یہ کلمات جاری تھے:

((نعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله))

یہ کلمات سن کر میں نے کہا کہ کیا چیز پیش آئی ہے؟ تو جواب میں کہنے لگے کہ قبل ازیں معاویہ اپنے والد ابو سفیان کا ہاتھ پکڑے ہوئے یہاں مسجد سے نکلے ہیں اور اسی دوران میں جناب نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آنجناب ﷺ نے ان دونوں کے حق میں ایک ایسا فرمان دیا ہے جس کی وجہ سے ہم نعوذ باللہ کہہ رہے تھے۔

جواب

اس روایت کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں ان کو انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں:

① یہ روایت جن کتابوں میں مذکور ہے وہ تاریخ اور تراجم کی کتب میں شمار ہوتی ہیں، کوئی معتمد کتب احادیث میں سے نہیں۔

② روایت کی سند کے اعتبار سے جو کلام کیا جاتا ہے اس کو پیش نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اگر سند صحیح پائی جائے تب یہ روایت قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔

③ ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ صاحب کتاب کی طرف سے اس کی سند اس طرح شروع ہوئی ہے کہ "قال اخبرت عن فلان" یعنی مجھے فلاں شخص کی جانب سے خبر پہنچی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کس طرح خبر حاصل ہوئی اور کون اور کیسا شخص خبر دینے والا تھا؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی، یہ معرض خفا میں ہے۔ وہ شخص راست گو تھا، یا دروغ گو تھا اس کی کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔ پھر سند پر نظر کرنے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ سند ہذا کا آخری راوی "نصر بن عاصم اللیثی عن ابیہ" ہے۔ اس شخص کے حق میں علمائے رجال نے

اگرچہ توثیق کے الفاظ ذکر کیے ہیں تاہم اس راوی کا فطری رجحان یہ لکھا ہے کہ رائے خوارج رکھتا ہے۔

((قال ابو داود کان خارجیا قال المرزبانی فی معجم الشعراء کان علی رأی الخوارج ثم ترکھم))[1]

مختصر یہ ہے کہ روایت ہذا اس شخص کے خارجی رجحانات کے دور کی یادگار ہے اور خوارج حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت خلاف ہیں۔ فلہٰذا یہ روایت قابل تسلیم نہیں اور اس سے طعن قائم کرنا ازروئے قاعدہ درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے تجزیہ

اس سلسلے میں یہ چیز نہایت قابل توجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی جب سے مشرف باسلام ہوئے ہیں ان کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کس طرح رہا؟ اور کیا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی عزت و شرف بخشا ہے؟ اور کوئی منصب یا اعزاز فرمایا ہے یا نہیں؟ یا اس کے برعکس معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا؟

حقیقت حال یہ ہے کہ ان دونوں باپ بیٹے کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات اور تعلقات احادیث اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں بڑے عمدہ طریقے سے مصنفین نے ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ ناظرین کرام کی خدمت میں یاد دہانی کے طور پر یہ امور اختصاراً ذکر کیے جاتے ہیں۔ تمام واقعات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنے کاتبوں میں داخل فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کتابت کے اس منصب پر تمام عہد نبوت میں آخر تک فائز رہے۔

② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد انھیں علاقہ یمن میں حضرموت کے مقام پر ایک قطعہ اراضی عطا کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

قبل ازیں یہ واقعہ ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں عنوان ''شام'' کے تحت ص ۶۱-۶۲ پر ذکر کر دیا ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت امور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعزاز و شرف میں پائے جاتے ہیں جن کو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی سیرت و سوانح میں درج کرنے کا قصد ہے۔ مالک کریم توفیق عنایت فرمائیں تو ان کے رحم و کرم سے کچھ بعید نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کو کئی اعزازات و مناصب

---

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۲۷ ج ۱۰ تحت نصر بن عاصم اللیثی البصری

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عنایت فرمائے گئے مثلاً:

① آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دار ابی سفیان کو دارالامن قرار دیا۔

② حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کے علاقے پر عامل اور حاکم بنا کر روانہ فرمایا۔

③ قبیلہ بنی ثقیف کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

④ قبیلہ بنی ثقیف میں عروہ اور اسود نامی دو مقروض شخصوں کے قرض کی ادائیگی کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا گیا۔

⑤ ایک دفعہ قریش مکہ میں کچھ مال واسباب تقسیم کرنا مقصود تھا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال عمر بن فغوا کے ذریعے سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمایا تاکہ وہ اسے قریش مکہ میں تقسیم کر دیں۔

مذکورہ بالا واقعات کے حوالہ جات کے لیے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۳۱۸ تا ۳۲۱ کی طرف رجوع فرمائیں، وہاں اس کی بقدر ضرورت تفصیل درج کر دی ہے۔

اور اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں کسی قدر مزید تفصیل لکھ دی ہے۔ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما دونوں کے لیے کئی مناصب اور متعدد اعزازات عنایت فرمائے گئے، اور یہ واقعات عند العلماء مسلمات میں سے ہیں۔

فلہٰذا قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا یا اس نوع کی دیگر روایات جن میں نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں، صحیح نہیں بلکہ غلط اور بے سروپا ہیں اور قابل قبول نہیں۔

علمائے کرام نے صاف طور پر یہ مسئلہ واضح کر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جو روایات دستیاب ہیں وہ دروغ بے فروغ اور بے بنیاد ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں۔ وکل حدیث فی ذمہ فھو کذب۔[1]

---

[1] المنار المنیف فی الصحیح والضعیف (ابن قیم جوزیہ) ص ۱۱۷ مطبوعہ حلب (فصل ۳۷)
الموضوعات الکبیر (ملا علی قاری) ص ۱۰۶ تحت مسئلہ ہذا، طبع مجتبائی دہلی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا الزام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ

''جب معاویہ یزید کے لیے بیعت لینے کی خاطر مدینہ منورہ آیا تو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے ان کو ملامت کی۔ معاویہ نے اپنے گھر میں ایک کنواں کھودا اور اسے گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا اور اس پر آبنوس کی کرسی رکھ دی پھر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی ضیافت کی اور انھیں اس کرسی پر بٹھایا۔ وہ اسی وقت کنویں میں گر گئیں۔ معاویہ مضبوطی سے کنویں کو بند کر کے مکہ چلا گیا اور ام المومنین اس میں مر گئیں۔'' (نستغفر اللہ العظیم)

یہ ایک مشہور طعن ہے۔ شیعہ لوگ اس کی تشہیر کیا کرتے ہیں۔

جواب

طعن ہذا کے جواب کے لیے مندرجہ ذیل امور تحریر کیے جاتے ہیں۔ مندرجات ہذا ملاحظہ کرنے سے جواب مکمل ہو سکے گا:

جن کتابوں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا طعن اخذ کیا گیا ہے وہ علمی طبقہ میں غیر معروف اور اعتماد کے لحاظ سے کسی درجے میں شمار نہیں ہوتیں، بیکار اور ردی مواد کی حامل ہیں۔ اب اس واقعہ کو صاف کرنے کے لیے ہم حدیث، تاریخ اور تراجم کی مشہور روایات سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد باعتبار درایت اس پر کلام کیا جائے گا۔

روایات کے اعتبار سے

یہاں صرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال اور وفات کے موقع کی روایات ذیل میں مختصراً پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کے قتل کے افسانے کا جواب ہو سکے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور کمالات کا یہاں ذکر مقصود نہیں۔ احادیث اور تراجم کی کتابوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ منقول ہے۔

① ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور بیماری نے شدت اختیار کی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کے لیے تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان کے ذریعے سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے برادر زادے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما موجود تھے انھوں نے بھی کہا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ پہلے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی پریشانی کے باعث معذرت کرنے لگیں تاہم ان کے برادر زادے کے اصرار سے انھوں نے اجازت دے دی۔

((فلما ان سلم وجلس قال البشری قالت بما؟ قال ما بينك وبين ان تلقى محمد صلی اللہ علیہ وسلم والاحبته الا ان تخرج الروح من الجسد كنت احب نساء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولم يكن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يحب الا طيبا))[1]

"یعنی جب ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے، سلام پیش کیا اور بیٹھ گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے ام المومنین! آپ کو بشارت ہو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کس بات کی بشارت دے رہے ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ جسم سے روح الگ ہونے کی دیر ہے کہ آپ کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوستوں سے ملاقات ہوگی اور کہا کہ آپ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبوب تھیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پسند فرماتے تھے مگر بہترین چیز کو۔ (اسی طرح مزید بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گفتگو کی اور اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا)۔"

② اسی طرح اس موقع کی ایک دیگر روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اکابر علمائے امت نے نقل کی ہے اس کا مفہوم بھی گزشتہ روایت کے مفہوم کے قریب ہے اور مزید چیزیں بھی مذکور ہیں۔ روایت اس طرح ہے کہ

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه استاذن على عائشة رضی اللہ عنہا فى مرضها فأرسلت اليه انى اجد غما وكربا فانصرف فقال للرسول ما انا الذى ينصرف حتى ادخل فاذنت له فقالت انى اجد غما وكربا وانا مشفقة مما اخاف ان اهجم عليه فقال لها ابن عباس البشرى فوالله لقد لسمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول

[1] طبقات ابن سعد ص ۵۱-۵۲ ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (طبع اول لیڈن)

عائشة زوجتی فی الجنة وکان رسول الله ﷺ اکرم علی الله ان یزوجه جمرة من جمر جهنم فقالت فرجت عنی فرج الله عنك))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرض الوفات کے موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کے لیے تشریف لائے اور حاضری کی اجازت طلب کی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا کہ بیماری کی پریشانی ہے اور طبیعت مغموم ہے، آپ واپس چلے جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واپس ہونا پسند نہیں کیا اور پھر حاضری کے لیے اذن چاہا اور حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ موت سامنے ہے اور سخت پریشان ہوں کہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اطمینان دلاتے ہوئے عرض کیا کہ سردار دو جہاں ﷺ سے میں نے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ عائشہ جنت میں بھی میری زوجہ ہوں گی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اپنے خدا کے ہاں اس بات سے بلند و بالا ہیں کہ جہنم کے ایک (انگارہ) کو ان کی زوجیت میں دیا جائے۔ یہ سن کر ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے میری پریشانی کو زائل کر دیا، اللہ تعالیٰ تمھاری تکالیف کو بھی رفع فرمائے۔''

مسند امام ابوحنیفہ کی یہ روایت قبل ازیں ''رحماء بینھم'' حصہ صدیقی ص ۸۵-۸۶ پر ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس مقام کی مزید ایک دو روایات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا مسئلہ اپنی جگہ پر منقح ہو جائے۔

③ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام ذکوان تھا اس کے متعلق قبل از انتقال یوں ارشاد فرمایا کہ جب بعد از وفات مجھے کفن دیا جائے اور خوشبو لگائی جائے پھر میرا غلام مجھے قبر میں داخل کرے اور بعد از دفن اوپر قبر کی مٹی درست کر دی جائے تو ذکوان آزاد ہے۔

((ان عائشة رضی الله عنها قالت اذا کفنت وحنطت ثم دلانی ذکوان فی حفرتی وسواها علی فهو حر))[2]

④ اسی طرح طبقات ابن سعد میں ایک دیگر روایت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بتاریخ ۱۷ رمضان المبارک بعد از عشاء (بعد الوتر) ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمان دے رکھا تھا کہ میری تدفین انتقال کی رات ہی میں کر دی جائے۔ بہت سے لوگ جنازے میں حاضر ہوئے۔ رات کے وقت اتنا بڑا

---

[1] جامع مسانید الامام الاعظم، الباب الثالث فی الایمان، الفصل الرابع فی الفضائل ج ۱ ص ۲۱۵

[2] مسند امام ابی حنیفہ عند اختتام باب الفضائل والشمائل ص ۱۷۹ طبع حلب

طبقات ابن سعد ص ۵۳ ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا حتیٰ کہ عوالی مدینہ کے لوگ بھی پہنچے اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

((ماتت عائشة ليلة سبع عشرة من شهر رمضان بعد الوتر فأمرت ان تدفن من ليلتها فاجتمع الناس وحضروا فلم نر ليلة اكثر ناسا منها نزل اهل العوالى فدفنت بالبقيع))[1]

⑤ نیز اس مقام پر اس طرح بھی مروی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور ان کی وفات کی تاریخ رمضان المبارک ۵۸ھ تھی اور وتر کے بعد ان کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

((صلى ابوهريرة على عائشة فى رمضان سنة ثمان و خمسين ودفنت بعد الايتار))[2]

مندرجہ بالا روایات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال، تجہیز و تکفین اور تدفین کے مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ صاف کر دیا ہے اور طبعی وفات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ فلہٰذا مخالفین صحابہ نے جو واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا بصورت قتل پیش کیا وہ بالکل افسانہ ہے، تصنیف شدہ قصہ ہے، حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت کو ظاہر کیا ہے۔

ایک قاعدہ

اور قاعدہ یہ ہے کہ الزام کی مدافعت اپنے مسلمات سے پیش کرنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اس اعتبار سے ان روایات کے ذریعے سے مذکورہ الزام قتل کا جواب مکمل ہو گیا۔

تنبیہ

مسئلہ ہٰذا کے لیے ہم نے صرف چند ایک روایات، احادیث اور تراجم کی کتابوں سے پیش کی ہیں ورنہ اس مسئلے کی تفصیلات دیگر تراجم اور تاریخ کی کتابوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

① البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۹۳-۹۴ ج ۸ تحت ترجمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

② الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۴۹-۳۵۰ ج ۴ تحت ترجمہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما۔

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء نے جو تفصیلات ذکر کی ہیں وہ بھی افسانہ قتل کے جواب کے لیے خود ان علماء کی زبان سے کافی و وافی ہیں۔ ہم ان کی تفصیلات کو بخوف تطویل نقل

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۵۳ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۵ ج ۲ تحت سنہ ۵۸ھ

نہیں کر سکتے لیکن مسئلہ کو مدلل کرنے کے لیے صرف دو عدد حوالہ جات ذکر کرتے ہیں، ان کے ذریعے سے طعن کا جواب مکمل ہو جائے گا:

① چنانچہ تنقیح المقال میں ہے کہ

((عدها (عائشة بنت ابی بكر رضی اللہ عنہما) الشیخ فی رجاله من الصحابیات قال المقدسی تزوج بها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بكرا ولم تزوج بكرا غیرها وهی بنت ست قبل الهجرة بسنتین وبنی بها وهی بنت تسع وقبض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهی بنت ثمان عشرة الی ان قال توفیت سنة ثمان و خمسین انتهی))[1]

② اور منتخب التواریخ میں ہے کہ

''ودرمیان زوجات آں بزرگوار ہمیں یکزن باکراہ بود و باقی ثیبہ بودند کہ زوجہ آنحضرتؐ شدند و عائشہ در سنہ پنجاہ و ہفت ہجری در مدینہ از دنیا رفت و در بقیع دفن شد۔''[2]

''یعنی شیعہ عالم مامقانی کہتے ہیں کہ ان کے شیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی رجال کی کتاب میں ''صحابیات'' میں شمار کیا ہے اور مقدسی نے کہا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا درآں حالے کہ یہ باکرہ تھیں اور ان کے سوا آپ کی ازواج میں کوئی عورت باکرہ نہیں تھیں۔ ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح ہوا جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی تھی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔''

اور محمد بن ہاشم خراسانی شیعی نے منتخب التواریخ میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باکرہ تھیں باقی ثیبہ (بیوہ) تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۵۷ھ میں مدینہ شریف میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور جنت البقیع میں ان کا دفن ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ شیعہ علماء نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کو طبعی حالت سے ذکر کیا ہے اور اسے قتل کی صورت میں بیان نہیں کیا اور جنت البقیع میں ان کا مدفون ہونا درج کیا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ قتل کا افسانہ تصنیف شدہ ہے اور حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ شیعہ و سنی دونوں فریقوں کے علماء نے یہ مسئلہ صاف کر دیا ہے۔

---

[1] تنقیح المقال (شیخ عبداللہ مامقانی) ص ۸۱ ج ۳ من فصل النساء تحت عائشہ بنت ابی بکر

[2] منتخب التواریخ (محمد بن ہاشم خراسانی) ص ۲۱ فصل چہارم امر دوم تحت الثانیہ عائشہ دختر ابا بکر۔

درایت کے اعتبار سے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کے متعلق جو واقعہ تیار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں قتل کے وجوہ جو معترض لوگ بیان کرتے ہیں ان پر نظر کی جائے تو وہ جواز قتل کے اسباب کے قابل نہیں:

① وجہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت کے مسئلے میں اختلاف پیش آیا تھا تو اس وقت اختلاف کرنے والے چار پانچ مردوں کا ذکر عام تاریخوں میں پایا جاتا ہے لیکن عورتوں خصوصاً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے باعتبار صحیح روایات اختلاف مذکور نہیں۔ اور جن حضرات نے اس مسئلے میں اختلاف کیا تھا ان کے ساتھ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل یا قید و بند کی سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا۔ اور اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیعت یزید کے سلسلے میں اختلاف تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی ان کے ساتھ سختی اور سزا کا معاملہ بالکل نہیں روا رکھا گیا۔ جب مردوں کے ساتھ سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ یہ کس طرح کر دیا؟

② نیز بیعت یزید کی دعوت کا معاملہ بقول مورخین ۵۶ھ میں پیش آیا تھا جب کہ مشہور اقوال کے مطابق حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔ اگر بالفرض ان کو سزا دینا مقصود تھا تو جلدی اس کے متعلق کارروائی کرتے۔ قریباً دو سال کے بعد سزا کا اقدام درایت کے ہی خلاف ہے۔

③ مزید برآں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روابط تازیست خوشگوار تھے اور ان کے باہمی عمدہ تعلقات کے کئی واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کی عداوت یا رنجش نہیں تھی۔ ذیل میں ہم اس پر چند شواہد پیش کرتے ہیں:

ا۔ چنانچہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک عجیب فضیلت ذکر کی جو ان کے مقام و مرتبہ کو بہتر طور پر واضح کرتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے:

((عن عبدالله بن وردان قال معاوية ان من الناس من لا يرد عليه امره وان عائشة منهم))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بعض لوگوں کا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔''

اس روایت سے ایک تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام و مرتبہ

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۲۲۰ ج ۳ ق اول طبع دکن

معلوم ہوتا ہے اور دوسری چیز یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیعت یزید کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہوتی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ہی مذکورہ بالا قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے۔

۲۔ دیگر چیز یہ ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک قیمتی قلادہ (ہار) بطور تحفہ ارسال کیا جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جانب سے یہ تحفہ قبول فرمایا اور اپنے سمیت تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم فرما دیا۔

((عن حجاج بن عطاء ان عائشة بعث اليها معاوية قلادة قومت بمائه الف۔ فقبلتها وقسمتها بين امهات المؤمنين))[1]

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باہمی خوشگوار اور عمدہ تعلقات پر اسی نوع کے کئی واقعات احادیث اور روایات کی کتابوں میں دستیاب ہیں (ان کو ہم ان شاء اللہ سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں تفصیل سے بیان کریں گے بعونہ تعالیٰ)۔

ان واقعات کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی رنجش عداوت یا عناد نہیں تھا جو ان کے معاملات کو قتل تک پہنچائے۔ معترض لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا جو افسانہ تیار کیا ہے جانبین کی طرف سے اس دور کے حالات اور واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ اور جو روایت امر واقع کے خلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی اہل علم حضرات اس قاعدہ سے خوب واقف ہیں۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ روایت نمبر ۳۷۴۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک دیگر سلسلہ

(حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول پھر اس کا جواب)

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک حیرت انگیز سلسلہ چلایا ہے، مثلاً ''معاویہ اور اسلام''، ''معاویہ اور رسول'' اور ''معاویہ کا شوق رسالت'' وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان عنوانات کے تحت ایسے بے بنیاد، بے ہودہ اور بے سروپا اتہامات ذکر کیے ہیں جنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایمان رکھنے والا کوئی مسلمان نہ ذکر کرسکتا ہے اور نہ ان کی سماعت برداشت کرسکتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اعدائے صحابہ کرام اس طرح کا طریق کار اختیار کیے ہوئے ہیں کہ مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا ان کا نصب العین اور مقصد زندگی ہے۔

اس دور میں ایک بار پھر اس مذموم مقصد کو ایک تحریک کی شکل میں اٹھایا گیا ہے اور اپنے ''دیرینہ ساتھیوں'' کے ہاتھوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔

بزعم خویش اس ''کارخیر'' کے لیے ایک گروہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ''ناموس اہل بیت'' کے محافظین کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا نام بھی استعمال کیے ہوئے ہیں تاکہ عام مسلمانوں کا ان پر مذہبی اعتماد بھی بحال رہے اور مقام صحابہ کو خوب مجروح اور مقدوح کیا جائے۔ ایسے لوگوں کی یہ دیرینہ پالیسی چلی آئی ہے اور یہی ان کا شاطرانہ طریق کار رہا ہے۔

طعن کی روایت

چنانچہ طعن کرنے والے ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلبی عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ بزرگوں کی تاریخی کتب سے مندرجہ ذیل واقعہ اپنی تازہ تصانیف میں درج کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فرزند مطرف بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بعد از عشاء گھر واپس تشریف لائے تو بڑے مغموم نظر آ رہے تھے۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ اے بیٹے! میں دنیا کے ''اخبث الناس'' کے ہاں سے لوٹ کر آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگے کہ میں نے معاویہ سے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو، بہتر یہ ہے کہ عدل و انصاف کیا کرو اور اچھا ہوتا کہ تم بنو ہاشم کی طرف التفات کرتے، اب تو ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ جواب میں معاویہ نے (دیگر ناگفتہ بہ چیزوں کے علاوہ) یہ بات بھی کہی کہ تینوں خلفاء (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) ہلاک ہو گئے اور ان کا ذکر بھی ختم ہو گیا اور تحقیق اس ہاشمی

کے لیے دن میں پانچ بار چلا کر آواز دی جاتی ہے اشھد ان محمد رسول اللہ اور یہ عمل باقی رہے تو ہمارا کون سا کام باقی رہا اللہ کی قسم! اگر ہم اس کو دفن نہ کر سکیں۔

((وان اخا هاشم يصرخ به فی كل يوم خمس مرات اشهد ان محمدا رسول الله فأی عمل يبقى مع هذا؟ لا ام لك والله الا دفنا دفنا)) (نعوذ بالله من ذالك)[1]

جواب

اعتراض کرنے کے لیے ہوشمندی کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سنی حضرات کے سامنے معترض اپنا اعتراض پیش کر رہا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ وہ سنی احباب کے مسلمات میں سے قابل طعن روایت پیش کرتا۔ سنی حضرات کے سامنے شیعہ بزرگوں کی کتابوں اور نا قابل اعتماد تاریخ ملغوبات سے مقتدر صحابہ پر نقد اور طعن پیش کرنا اصولاً سو فیصد غلط ہے۔

یہاں معترض لوگوں نے شیعہ مورخ کی تاریخی کتاب سے مندرجہ بالا طعن پیش کر کے بے اصولی کا ثبوت دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ مورخین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دیرینہ دشمنی اور قلبی عناد ہے فلہٰذا ان کا پیش کردہ مواد عداوت پر مبنی ہوگا۔ ان حضرات سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

معترض نے اس مقام پر روایت بالا اور دیگر کئی روایات مسعودی شیعی سے نقل کی ہیں۔ عوام نہیں جانتے کہ مسعودی کون ہے اور کیسا شخص ہے؟ لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ ''مسعودی'' پختہ شیعہ اور رافضی شخص ہے۔ اس چیز پر اطمینان کے لیے شیعی علمائے تراجم کے صرف دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں زیادہ کی حاجت نہیں۔ دو شاہدوں کی شہادت سے مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔

① قریبی دور کے مشہور شیعہ مورخ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی تصنیف تنقیح المقال میں ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی ہذلی المتوفی ۳۴۶ھ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

((انه امامی ثقة وهو الحق))

اور اس کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

((له كتب فی الامامة وغيرها منها كتاب فی "اثبات الوصية لعلی بن ابی طالب" وهو صاحب مروج الذهب))[2]

② اور شیخ عباس قمی شیعی نے اپنی مشہور تصنیف ''تحفۃ الاحباب'' میں مسعودی کا تذکرہ بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

---

1. مروج الذہب (مسعودی) ص ۱۴۱ ج ۴ تحت ذکر ایام مامون عبداللہ بن ہارون الرشید
2. تنقیح المقال (شیخ عبداللہ مامقانی شیعی) ص ۲۸۲-۲۸۳ ج ۲ تحت باب علی ابن حسین

"علی بن حسین بن علی الهذلی معروف المسعودی مورخ امین و معتمد عند الفریقین صاحب کتاب اثبات الوصیه ومروج الذهب وکتب دیگر است وابن شیخ جلیل از اجله امامیه است"[1]

"حاصل یہ ہے کہ مسعودی امامی ہے، ثقہ ہے، اثبات وصیہ علی و مروج الذهب وغیرہ اس کی تصانیف ہیں، امامیہ کا شیخ جلیل ہے۔"

بنا بریں اصولاً ہم اس طعن کا جواب پیش کرنے کے ذمہ دار نہیں۔ تاہم اس سے قطع نظر کرلیں تب بھی درج ذیل چیزیں قابل توجہ ہیں:

معترض احباب کی پیش کردہ روایت میں ہے کہ

((يقول (المدائنی) قابل المطرف بن مغيرة بن شعبة))

"مدائنی کہتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فرزند مطرف رضی اللہ عنہ نے کہا۔"

یعنی یہ سارا واقعہ مدائنی نے مطرف سے نقل کیا ہے۔

روایت میں انقطاع

اس طریق اسناد میں ایک واضح انقطاع پایا جاتا ہے کیونکہ مدائنی (ابوالحسن علی بن محمد) المولود ۱۳۵ھ و المتوفی ۲۲۴ھ مطرف رحمہ اللہ کا قول نقل کرتا ہے اور مطرف بن مغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ انھوں نے حجاج بن یوسف (المتوفی ۹۵ھ) کے سامنے بعض چیزوں کے متعلق حق گوئی کی تھی اور حجاج نے اپنے ظالمانہ رویے کے مطابق مطرف رحمہ اللہ کو قتل کروا دیا تھا۔

حجاج بن یوسف کا زمانہ عبدالملک بن مروان کا دور ہے۔ جب کہ مدائنی بہت بعد میں یعنی ۱۳۵ھ میں متولد ہوا۔ فلہٰذا مطرف بن مغیرہ کے دور اور مدائنی کے تولد میں کم وبیش چالیس پچاس سال کا فاصلہ پایا جاتا ہے اور یہ ایک بین انقطاع ہے۔ اس دور انقطاع میں خدا جانے کن کن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور معلوم نہیں وہ کیسے تھے جن کے ذریعے سے یہ بات مدائنی تک پہنچی؟

مدائنی خود کوئی محدث نہیں کہ جس پر اعتماد کیا جائے بلکہ یہ ایک مورخ ہے جو صحیح و غلط اور رطب و یابس جمع کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسی شدید الانقطاع تاریخی روایت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا سنگین طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں اور ہرگز قابل تسلیم نہیں۔

قصہ گوئی کے درجے میں

مزید برآں روایت ہذا کے شروع میں درج ہے کہ

((منها ان بعض سمارة حدث بحديث عن مطرف))

---

[1] تحفۃ الاحباب (شیخ عباس قمی شیعی) ص ۲۲۷ تحت علی بن حسین المسعودی الهذلی (طبع ایران)

''یعنی یہ واقعہ بعض قصہ گولوگوں نے مطرف رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔''

مختصر یہ ہے کہ طعن والی روایت کی یہ روایتی حیثیت ہے جو اہل فن کے نزدیک لائق اعتماد نہیں ہے اور بے سروپا روایات کے درجے میں ہے۔

درایت کے اعتبار سے

اب روایت ہذا کے متعلق باعتبار درایت کے مختصراً چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے اس قصہ کا دروغ بے فروغ ہونا واضح ہو جائے گا:

① اگر بالفرض (بہ تقاضائے روایت) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' ندائے شہادت رسالت نہیں سن سکتے تھے اور اس ندائے اسلامی کو مٹانے کا عزم رکھتے تھے تو پھر ان حالات میں اس دور کے تمام صحابہ کرام بشمول ہاشمی حضرات خاموش کیوں رہے اور ان کے خلاف علم بغاوت کیوں نہیں بلند کیا؟ اور قرآنی آیات مثلاً وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ پر عمل درآمد کیوں ترک کر دیا؟

② ایسے منکر رسالت شخص کے ساتھ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی پنج گانہ نمازیں کیسے ادا کرتے تھے؟

③ ایسے منکر دین شخص کے ساتھ مل کر حج کیسے ادا کرتے رہے اور اسے امیر حج متعدد دفعہ کیوں بنائے رکھا؟

④ ایسے دشمن رسالت کے ساتھ مل کر دیگر ممالک میں فریضہ جہاد وغزوات کیوں قائم رکھا جب کہ خود ایسے شخص کے خلاف جہاد کرنا فرض اولین تھا؟

⑤ ایسے دشمن نبوت کے دربار میں اکابرین صحابہ بشمول ہاشمی حضرات کیوں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ اور اس سے مالی عطیات، ہدایا، وظائف وغیرہ کیوں حاصل کرتے تھے؟

⑥ ایسے دشمن دین واسلام کی طرف سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کر کے نظام حکومت میں کیسے تعاون کیا؟ جب کہ یہ شخص دینی و دنیوی لحاظ سے مقاطعہ کے قابل تھا اور ہر نوع کے روابط و تعلقات کو منقطع کر دینے کے لائق تھا۔

ایک اعجوبہ

اہل علم حضرات اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرح خلافت کے معاملات میں سب سے زیادہ مدد ومعاون تھے حتیٰ کہ بقول بعض مورخین یزید کے استخلاف کے بارے میں انھوں نے ہی اولاً رائے دی تھی۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ پر والی اور حاکم کے منصب پر فائز رکھا اور ان حالات میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا یعنی ان کو معزول نہیں کیا گیا تھا۔

اندریں حالات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کا بیان کیسے دے سکتے ہیں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام کا دشمن، شہادت رسالت کا سخت مخالف اور دین کا باغی دکھلایا گیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اخبث الناس سے تعبیر کیا ہے۔ یہ چیز عقل و درایت کے سخت خلاف ہے فلہٰذا اس روایت کو کوئی عقلمند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔ کسی شخصیت کے ساتھ عداوت کا معاملہ کرنا ہو تو کسی تدبیر و حکمت عملی کے ذریعے سے تمام کرنا چاہیے مگر یہاں تو طعن کرنے والوں نے عقل مندی و ہوش مندی کو پس پشت ڈال کر آنکھ بند کر کے یہ روایت چلا دی۔

نیز اس مقام پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اور قدر دانی کے بے شمار واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں جو اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد عقیدت مندی اور کمال محبت تھی یہ واقعات خود مذکورہ روایت کے جعلی اور وضعی ہونے کے شواہد میں سے ہیں۔ مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔ ان واقعات میں سے یہاں صرف دو واقعات ناظرین کے سامنے پیش جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ کی تائید کے لیے یہ کافی ہیں۔

① مشابہت نبوی کا احترام

کبار علمائے محدثین اور مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بصرہ کے علاقے میں ایک شخص ہے جن کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قسم کی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو مراسلہ ارسال کیا کہ وہ اس شخص کو جس کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادنیٰ سی مشابہت پائی جاتی ہے (اس کا نام کابس بن ربیعہ تھا) ہمارے ہاں بطور وفد روانہ کریں۔

جب یہ شخص (کابس بن ربیعہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی مسند سے نیچے اترے اور پیدل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور تکریم و تعظیم کرتے ہوئے کابس بن ربیعہ کی پیشانی پر بوسہ دیا نیز انھیں بطور اکرام اپنے ہاں رکھا اور ان کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کی کفالت کے لیے علاقہ مرو میں ''مرغاب'' کے نام سے موسوم ایک قطعہ اراضی متعین کر دیا تا کہ وہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔

یہ واقعہ ابوجعفر بغدادی نے المحبر میں ذکر کیا ہے۔ نیز شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نے شرح الشفا میں اس واقعہ کو عمدہ طریقہ سے درج کیا ہے۔ ذیل میں ابوجعفر کی عبارت ذکر کی جاتی ہے:

((وکان بلغ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان بالبصرة رجلا یشبه برسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم فکتب الی عامله علیها وهو عبدالله بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ ان یؤفده الیه فأوفد کابسا فلما دخل الی معاویة نزل عن سریره ومشی الیه حتی قبل بین عینیه واقطعه المرغاب))[1]

بتوفیقہ تعالیٰ ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح میں درج کیا جائے گا (ان شاء اللہ)

② آثار نبوی سے تبرک

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تمام زندگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت اور تبلیغ میں کوشاں رہے اور ابتدائے قبول اسلام سے لے کر زندگی کے آخری مراحل تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے جیسا کہ اہل علم حضرات پر یہ مسئلہ واضح ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے چند تبرکات حاصل کر کے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ ان تبرکات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قمیص مبارک اور بعض روایات کے مطابق ایک چادر مبارک کے علاوہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور موئے مبارک شامل تھے۔ یہ تبرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری سفر کے لیے محفوظ کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان تبرکات میں سے قمیص مبارک اور چادر مبارک کو میرے کفن میں شامل کیا جائے اور ناخن مبارک کے تراشوں اور بال مبارک کو میرے منہ، نتھنوں اور سینہ پر رکھ دیا جائے۔

یہ مضمون متعدد تاریخ اور رجال کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ہم یہاں اختصاراً صرف دو عدد حوالہ جات پیش کرتے ہیں:

① ((میمون بن مهران عن أبیه ان معاویة قال فی مرضه الذی مات کنت اوضئی رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال لی الا اکسوك قمیصا؟ قلت بلی بأبی انت وأُمی فنزع قمیصا کان علیه فکسا منه وقلم اظفاره فاخذت قلامتها فاذا مت فالبسونی القمیص وخذوا القلامة فاجعلوها فی عینی ...... الخ))[2]

۲۔ ((وفی روایة لابن عساکر ...... فاذا انا مت فالبسونی قمیص رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وازرونی بازاره وادرجونی فی رداءه وخذوا هذا الشعر فاحشوا به

---

[1] کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص ۴۶-۴۷ تحت المشبهون بالنبی
نسیم الریاض شرح الشفا (خفاجی) ص ۴۶۳ ج ۳ فصل من توقیرہٗ ...... الخ

[2] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۰-۱۳۱ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قسم اول

شدقی ومنخری وذروا سائرہ علی صدری وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین))[1]

یہ واقعات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے پیغمبر کے ساتھ محبت اور عقیدت کے شواہد میں سے ہیں اور جس شخص کے قلب میں احترام نبوت نہ ہو اس سے ایسے امور صادر نہیں ہو سکتے۔

آخر کلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زندگی میں دین اسلام کے احیا و بقا کے لیے بہت سے اہم کارنامے سرانجام دیے اور اشاعت اسلام کے لیے مقدور بھر مساعی کیں۔ اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی میں عمر صرف کر دی اور دین اسلام کے فروغ کے لیے کوششیں کیں حتیٰ کہ قبر میں داخل ہونے تک آثار نبوت کے ساتھ تبرک حاصل کیا۔ تاریخ اسلامی اور کتب احادیث ان چیزوں پر شاہد عادل ہیں۔

اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی دشمن صحابہ یہ ندا بلند کرے کہ یہ دشمن نبی تھے اور نبی کے دین کے مخالف تھے، پیغمبر اسلام کی رسالت ان کو ناگوار تھی، پنج گانہ اذان میں ''شہادت رسالت'' ان کو برداشت نہیں ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب دروغ بے فروغ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مسلمہ واقعات اور مشاہدات کے خلاف ہونے کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرآن مجید کے شاہی وعدوں کے تقاضوں کے بھی برعکس ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورۂ حدید رکوع اوّل) میں ان مومنوں کے ساتھ جو فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور انفاق و جہاد فی سبیل اللہ کیا اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور انفاق مال وقتال فی سبیل اللہ کیا (ان کے مابین فرق مراتب بیان فرمانے کے بعد) دونوں فریقوں کے ساتھ ''مثوبۃ الحسنیٰ'' یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے: وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

اور نیز دوسری آیت کریمہ میں فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء)

''یعنی جن سے ہماری جانب سے الحسنیٰ کا سابقاً وعدہ فرمایا گیا وہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔''

اللہ جل شانہ کے ان ارشادات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ (قبل الفتح و بعد الفتح) دونوں جماعتوں کو ''الحسنیٰ'' (جنت) ملے گی اور یہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

[1] مخطوطہ ابن عساکر (عکس شدہ) ص ۸۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

''اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور صحیح ہے وہ اس کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات کے مطابق بعد الفتح (یعنی فتح مکہ کے بعد) ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی (بشمول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اس بشارت عظمیٰ کے مستحق ہیں اور مغفرت کے مژدہ پانے والوں میں داخل ہیں۔ فلہٰذا ان ارشادات خداوندی کی مقتضیات کے پیش نظر ان حضرات سے رسالت کی نفی اور نبوت کے ساتھ عناد و اسلام دشمنی وغیرہ وغیرہ کے واقعات کا صدور کسی طرح درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ و آیندہ تمام واقعات کا علیم و بصیر ہے اس کی طرف سے کسی دشمن نبوت و مخالف دین کے حق میں مثوبۃ الحسنیٰ کے صحیح وعدوں کا دیا جانا صادر نہیں ہوسکتا۔

بنا بریں معاندین کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رسالت کی نفی کا طعن اور نبوت کے ساتھ معاندانہ رویہ کا اتہام کسی بھی صورت میں درست نہیں۔ قرآن مجید کے قطعی فرمودات کے تقاضوں کے مقابلہ میں تاریخی ملغوبات کو کوئی باخبر مسلمان وزن نہیں دے سکتا۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ یہ تاریخی روایات بالکل بے سر و پا اور دروغ محض ہیں جن کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دشمن نبوت اور مخالف اسلام قرار دینے کی سعی لاحاصل اور مذموم کوشش کی گئی ہے۔ ع ''در خانہ کس است ہمیں گفتہ بس است''

غدراً (دھوکے سے) قتل کا طعن پھر اس کا جواب

اعتراض کرنے والوں نے ایک اور اعتراض جستجو کر کے پیش کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا ذکر ہوا تو ایک یہودی ابن یامین نے کہا کہ کان قتله غدرا (یعنی یہ قتل بدعہدی کی صورت میں ہوا تھا) محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اسی مجلس میں موجود تھے، انھوں نے کہا

((یا معاویة ایغدر عندك رسول الله ﷺ ثم لا تنكر والله لا يظلني واياك سقف بيت ابدا ولا يخلو لي دم هذا الاقتلته))

معترض نے اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ کی قلبی کیفیات کا یہاں سے پتا چل جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کو کتنی محبت تھی؟ اور کتنا قلبی لگاؤ یا بغض تھا؟

طاعن کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی بلکہ وہ آنجناب ﷺ کے ساتھ بغض رکھتے تھے اس بنا پر انھوں نے یہودی ابن یامین کے قول کا کچھ رد نہیں کیا۔

سوال مذکور کے جواب سے پہلے اصل واقعہ ذکر کرنا مناسب ہے تاکہ واقعہ کے متعلقات عام قاری کو بھی صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ کے مبارک دور ۳ھ میں یہود کے ساتھ چند امور کے متعلق ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ اس سلسلے میں یہود کی طرف سے بدعہدی کا ارتکاب ہوا اور یہودی گروہ کے سرداروں میں سے ایک مشہور یہودی کعب بن اشرف تھا۔ اس نے معاہدہ کے خلاف مکہ جا کر قریش کے ساتھ اہل اسلام کے خلاف گفتگو کی اور انھیں مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور پھر مدینہ واپس آیا۔ یہ شخص نبی کریم ﷺ کی ہجو بھی کرتا تھا۔ نبی اقدس ﷺ کو اس کی کارگزاری کی اطلاع ہوئی تو اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی اور ہجو گوئی کی بنا پر ختم کرنا چاہیے اس پر کون تیار ہے تو اس وقت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اس کو ختم کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دو اور صحابہ بھی شامل ہو گئے اور اس کام کے لیے آنجناب ﷺ سے اجازت طلب کی اور کعب بن اشرف کو اس کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔ (جیسا کہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مفصل واقعہ ہذا مذکور ہے، ہم نے یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے)۔

جواب

اس مقام پر غور وفکر کرنے کی یہ چیز ہے کہ معترض نے یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کر کے اعتراض قائم کیا ہے اور اسی مقام پر یہی روایت ایک دوسرے طریقے سے بالفاظ ذیل مروی ہے لیکن معترض نے اس سے بعد والی روایت کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ وہ ان کے طعن کو بے وزن بنا دیتی ہے:

((حدثنی ابراهیم بن جعفر عن أبیه قال قال مروان بن الحکم وهو علی المدینة وعنده ابن یامین النضری کیف کان قتل ابن الاشرف قال یامین کان غدرا و محمد بن مسلمة جالس شیخ کبیر فقال یا مروان ایغدر رسول الله ﷺ عندك والله ما قتلناه الا بأمر رسول الله ﷺ والله لا یؤدینی وایاك سقف بیت الا المسجد واما انت یا ابن یامین فلله علی ان افلت وقدرت علیك وفی یدی سیف الا ضربت به رأسك))

''یعنی واقعہ ہذا نقل کرنے والے راوی نے مروان بن حکم کی مدینہ طیبہ میں ایک مجلس میں گفتگو کا ذکر کیا ہے کہ مروان بن حکم کی مجلس میں مذکورہ قول ابن یامین نے ذکر کیا، وہاں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شیخ کبیر بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس واقعہ کو غدر کہنے کے قول پر ناراض ہو کر مروان بن حکم سے کہنے لگے کہ تمھاری مجلس میں نبی اقدس ﷺ کی طرف غدر کی نسبت کی جاتی ہے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! کعب بن اشرف کا قتل ہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے تحت کیا تھا (اور ابن یامین یہودی غلط کہتا ہے کہ یہ غدر تھا) اور ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین سے مخاطب ہو کر فرمایا اللہ کی قسم! جب میں قادر ہوں گا اور میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔''

یعنی بعض رواۃ کی طرف سے واقعہ ہذا کا مروان بن حکم کی مجلس میں وقوع پذیر ہونا مذکور ہے جب کہ بعض دیگر رواۃ نے اس واقعہ کا صدور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیان کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ درحقیقت واقعہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے قرائن پائے جاتے ہیں مثلاً ابن یامین یہودی ہی دونوں روایات میں غدر (دھوکا) کا قول کرنے والا ہے اور دونوں روایات میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی اس کے قول پر ناراض ہو کر ابن یامین کو قتل کرنے کی قسم اٹھاتے ہیں اور واقعہ ہذا کے دیگر الفاظ اور گفتگو قریب قریب ایک ہی جیسی پائی جاتی ہے۔

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے لیکن بعض رواۃ نے اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بعض دوسرے راویوں نے مروان کا ذکر کیا ہے۔

مزید برآں یہاں ایک اور چیز قابل غور ہے کہ اسی روایت میں ذرا آگے مذکور ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین یہودی کو جنت البقیع میں دیکھ لیا (تلوار تو ان کے پاس نہیں تھی) لیکن کھجور کی جرائد (چھڑیاں) مل سکیں انھی کے ساتھ آپ نے اس یہودی کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور اس کے چہرے اور سر کو زخمی کر دیا اور فرمایا کہ میرے پاس تلوار نہیں ورنہ میں تجھے قتل کر دیتا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس مضمون کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((فکان ابن یامین لا ینزل من بنی قریظة حتی یبعث له رسولا ینظر محمد بن مسلمة فان کان فی بعض ضیاعه نزل فقضی حاجته ثم صدر والا لم ینزل۔ فبینا محمد فی جنازة وابن یامین فی البقیع...... فقام الیه الناس فقال یا ابا عبدالرحمن ما تصنع نحن نکفیك فقام الیه فلم یزل یضربه جریدة جریدة حتی کسر ذالك الجرید علی وجهه و رأسه حتی لم یترك به مصحا ثم قال والله لو قدرت علی السیف لضربتك به))[1]

مندرجہ بالا روایت اس بات کا قرینہ ہے کہ ابن یامین مدینہ شریف کے علاقے کا باشندہ تھا اور یہ تمام واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اور مروان بن حکم والی مدینہ رہا ہے اس واقعے کا تعلق اس کے دور کے ساتھ تھا۔ واقعہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کرنے کے قرائن مضبوط نہیں پائے جاتے۔

بالفرض اگر اس واقعہ کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف تسلیم کر بھی لی جائے تو بھی یہ احتمال موجود ہے کہ مجلس میں جو گفتگو ہوئی اور ابن یامین نے قتل کعب کو غدر کہا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی تردید کرنے یا کچھ دیگر کلام کرنے ہی نہ پائے تھے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے دینی جذبہ کے باعث برافروختہ ہو گئے اور ابن یامین کے قتل کی قسم اٹھا لی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تردید یا دیگر کچھ کلام کیا ہو اور راوی نے اسے اپنی روایت میں ذکر نہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں روایات میں "ثم لا تنکر" کے الفاظ راوی کی اپنی تعبیر ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں تو یہ لفظ پائے جاتے ہیں اور دیگر روایت میں یہ الفاظ ندارد ہیں حالانکہ یہ روایات ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و فرامین جو صحیح طور پر ثابت ہیں ان کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ دل و جاں تسلیم کرتے ہیں اور ان کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں کرتے۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیگر حالات زندگی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و فرامین کی

---

[1] الصارم المسلول (ابن تیمیہ حرانی) ص ۸۹-۹۰ تحت قطع عہد کعب بن الاشرف۔

قدردانی حدیث اور تاریخ میں واضح طور پر ثابت ہے اور اس پر بے شمار واقعات موجود ہیں۔ یہاں آثار نبوت کی قدردانی کا صرف ایک واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کعب بن زہیر جو پہلے اسلام کے خلاف تھے اور اسلام و اہل اسلام کے خلاف شاعری کرتے تھے مسلمان ہوئے اور انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر انصار و مہاجرین کی مدح میں چند اشعار کہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے اپنی چادر مبارک جسے آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے اتار کر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں یہ چادر مبارک ایک معقول معاوضہ کے عوض حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے حاصل کرنی چاہی مگر حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے وارثوں سے بیس ہزار درہم کے عوض وہ چادر نبوی حاصل کر لی اور اپنے پاس تاحیات بطور تبرک محفوظ رکھی۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ

((القى عليه صلى الله عليه وسلم بردة كانت عليه صلى الله عليه وسلم وقد اشتراها معاوية بن ابى سفيان رضى الله عنهما من آل كعب بمال كثير اى بعد ان دفع لكعب فيها عشرة الاف فقال ما كنت لاوثر بثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم احدا فلما مات كعب رضى الله عنه اخذها من ورثة بعشرين الفا وتوارثها خلفاء بنى امية ثم خلفاء بنى العباس))[1]

اس نوع کے بے شمار واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال عقیدت، محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ تو ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے قتل کو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرمان کے خلاف غدر کہنے کو کس طرح درست تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور ان کی طرف سے اس بات کی تصدیق یا تائید کس طرح پائی جا سکتی ہے؟ یہ چیز تو اس دور کے واقعات اور حالات ہی کے خلاف ہے۔

ایک قاعدہ

چنانچہ اس فن کے علماء کے نزدیک روایت کی صحت و سقم معلوم کرنے کے لیے جو قواعد ذکر کیے ہیں ان میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جو روایت مشاہدات و واقعات اور عام عادت کے خلاف پائی جائے اور حالات و واقعات اس کی تائید نہ کرتے ہوں وہ قابل قبول نہیں ہوتی اور اسے درست تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس قاعدہ کی عبارت درج ذیل ہے۔

((ومنها قرينة فى المروى كمخالفة لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التاويل ،

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۲ ج ۳ تحت باب یذکر فیہ مایتعلق بالوفود...... الخ

ویلتحق به ما یدفع الحس والمشاهدة او العادة وکمنافاته لدلالة الکتاب القطعیة أو السنة المتواترة أو الاجماع القطعی)) (تنزیہ الشریعہ لابن العراق ص ۶ مقدمۃ الکتاب)

آخر کلام

مختصر یہ ہے کہ اعتراض کنندگان اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عدم محبت بلکہ بغض وعناد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔''معاویہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا عنوان دے کر یہ بحث چلائی ہے اور واقعہ جو دلیل میں پیش کیا ہے اس کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں محبت نبوی اور اطاعت نبوی کے واقعات موجود ہیں۔ اب اس چیز کا موازنہ کر کے ناظرین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ معترض دوست اپنے مخصوص مقصد میں کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟

''معاویہ کا شوق رسالت'' (یعنی ایک دیگر روایت کا جواب)

طعن کرنے والے لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے ایک جدید عنوان ''معاویہ کا شوق رسالت'' قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے درج ذیل تاریخی واقعہ تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔ طبری اصل ماخذ ہے اور باقی مورخین اس سے ناقل ہیں (اصل ماخذ کا جواب ہونے کے بعد ناقلین کے جواب کی حاجت نہیں رہتی)۔

طبری کی سند کا آخری راوی کہتا ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر سے وفد لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب تم معاویہ کے پاس پہنچو تو اسے خلافت کے ساتھ سلام نہ کہنا (السلام علیک یا امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین) کیونکہ ان میں ان کی بڑائی ہے اور تم اس کو مقدور بھر حقیر قرار دینا۔

جب وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربانوں سے کہہ دیا کہ ابن نابغہ (حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) نے میرے معاملے کو قوم کے سامنے حقیر قرار دیا ہے۔ تم خیال رکھنا کہ جب وفد آئے تو تم بھی ان کو خوب سرزنش کرنا اور جھنجھوڑنا حتیٰ کہ ان میں سے جو بھی میرے پاس پہنچے اسے اپنی ہلاکت کا خوف ہو۔

مصریوں کے وفد میں سے پہلا شخص جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ابن خیاط تھا اور اس نے آتے ہی کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ'' پھر اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کیا۔ جب یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر آئے تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں برا بھلا کہتے ہوئے کہا: لعنکم الله! میں نے تمھیں خلافت کے ساتھ سلام کرنے سے منع کیا تھا، الٹا تم نے رسالت

کے ساتھ سلام کہہ دیا......

اس روایت کے بعد طعن کرنے والے بزرگ کہتے ہیں کہ معاویہ نے اپنے نبی و رسول ہونے کا اقرار لوگوں سے سنا اور منع نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس پر راضی تھا اور نبوت کا دعوے دار تھا۔ ختم نبوت پر ایمان تو بعد کی بات ہے......

جواب

معترض حضرات نے جو روایت تلاش کر کے اعتراض کے لیے پیش کی ہے اس کے متعلق ذیل میں چند معروضات تحریر کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرما لیں۔ اس کے بعد اس کا جائزہ لیں کہ طعن کرنے والا اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے؟

باعتبار روایت کے کلام

پہلے روایت کے اعتبار سے اس پر کلام کیا جاتا ہے اس کے بعد درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کی صحت کا جائزہ لیا جائے گا:

① یہ روایت طبری کی ہے اور طبری کا مقام روایات کے باب میں جس نوعیت کا ہے وہ اس فن کے کبار علماء سے مخفی نہیں۔ تاریخ ابن جریر طبری مرویات کا ایک کشکول ہے جس میں ہر طرح کا مال دستیاب ہو جاتا ہے۔ صحیح و سقیم، ضعیف و قوی، رطب و یابس، راست و دروغ سب قسم کا مواد اس تاریخ میں فراہم ہے اور طبری مکمل یا نامکمل سند پیش کر کے ناظرین کے سامنے روایات کا ایک انبار لگا دیتا ہے۔ اب اس سے صحیح چیزیں اخذ کرنا اور بیکار اور ردی مواد کو ترک کر دینا قارئین و ناظرین کی صوابدید پر ہے۔ پھر اس فن کے قواعد کی روشنی میں مواد حاصل کرنا ایک متیقظ اور بیدار مغز اہل علم کا کام ہے، عام آدمی کو سوائے حیرت و استعجاب کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

② روایت کی سند جو طبری نے پیش کی ہے اس میں کئی رواۃ تو ایسے موجود ہے جن کی صحیح تعیین کرنا ایک مرحلہ ہے۔ پھر راوی کی تعیین کے بغیر اس پر جرح و قدح کرنا علمی دیانت کے برخلاف ہے۔

③ اور پھر اس روایت کا آخری راوی جس نے یہ طعن کا تمام واقعہ فراہم کیا ہے اس کا نام ''فلیح'' ہے اور وہ بھی کہتا ہے کہ "اخبرت" یعنی مجھے اس واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔

④ فلیح راوی کے حق میں علماء کی جرح و تعدیل دونوں موجود ہیں۔ فلیح کے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ تین اشخاص عاصم بن عبداللہ، ابن عقیل اور فلیح کی روایات قابل حجت اور لائق استدلال نہیں لا تحتج بحدیثھم۔[1] اور امام نسائی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فلیح ضعیف ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۳۰۴ ج ۸ تحت فلیح بن سلیمان۔

اگر چہ اس کی توثیق بھی پائی جاتی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب میں فلیح بن سلیمان مذکور کے متعلق لکھا ہے کہ کثیر الخطا ہے اور اس کا انتقال ۱۶۸ھ میں ہوا۔[1]

⑤ دیگر بات یہ ہے کہ فلیح نے یہ تمام واقعہ "اخبرت" کے لفظ سے نقل کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ "مجھے خبر دی گئی" اب خبر دینے والا کون ہے؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کس قسم کی رائے رکھتا ہے؟ راست گو شخص ہے یا دروغ گو؟ یہ تمام چیزیں مخفی ہیں اور قابل توجہ ہیں۔

⑥ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ زندہ وسلامت موجود تھے اور وفد لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائے تھے۔ اہل علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مشہور روایات کے اعتبار سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یوم الفطر ۴۳ھ میں مصر میں انتقال فرما گئے تھے جب کہ واقعہ کے ناقل فلیح کا سن وفات ۱۶۸ھ ہے۔ اس طرح اس روایت کی سند میں شدید انقطاع ہے اور رواۃ کے درمیان ایک طویل مدت کا فصل ہے۔ خدا معلوم اس دوران میں کن کن اشخاص نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور اس میں کیا کچھ تصرفات ہوئے؟ ان حالات میں اصل واقعے کی صحت وثبوت میں بے شمار شبہات پیدا ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر روایت قابل قبول نہیں رہتی۔

مضمون روایت کے اعتبار سے کلام

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان بعد از صفین واقعہ تحکیم سے لے کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے انتقال ۴۳ھ تک بہترین تعلقات قائم تھے اور امور مملکت کی تدبیر میں یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہمیشہ معین اور معاون رہتے تھے اور مصر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ۳۸ھ سے لے کر ان کے آخری ایام تک والی اور حاکم قائم رکھا۔

((فلحق بمعاوية فكان معه يدبر أمره فى الحرب إلى ان جرى أمر الحكمين ثم سار فى جيش جهزه معاوية الى مصر فولها لمعاوية من صفر سنة ثمان و ثلاثين الى ان مات سنة ثلاث واربعين على الصحيح))[2]

اور طبری کے انھی اوراق میں یہ چیز بھی درج ہے کہ ایک بار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذکر کیا کہ اے امیر المومنین! کیا میں آپ کے حق میں لوگوں میں سے بہترین خیر خواہ نہیں

---

[1] تقریب التہذیب تحت فلیح بن سلیمان

[2] الاصابہ ص ۳ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۶ ج ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

ہوں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک آپ ہمارے حق میں خیر خواہ ہیں، اسی بنا پر تو آپ اس رتبہ پر فائز ہیں۔

((قال عمرو بن العاص لمعاوية يا امير المؤمنين! الست انصح الناس لك؟ قال بذالك نلت ما نلت))[1]

مندرجات بالا پر ناظرین کرام نظر فرمائیں اور پھر طعن کی اصل روایت کے متن پر غور فرمائیں کہ کیا ان میں کسی قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے؟ واضح ہے کہ ان دونوں چیزوں کے درمیان بون بعید ہے کیونکہ اس روایت میں دونوں حضرات کے درمیان شدید منافرت اور مناقشہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے مثلاً:

① جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وفد لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو وفد والوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ معاویہ کو خلیفۃ المسلمین کے الفاظ کے ساتھ سلام نہ کہنا تا کہ ان کی عظمت اور وقار نہ بنے اور حتی المقدور ان کو حقیر جاننا۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربانوں سے کہا کہ ابن نابغہ آ رہے ہیں یہ میری قوم کے سامنے تحقیر کرنا چاہتے ہیں۔ خبردار جب یہ وفد آئے تو ان سے درشتی سے پیش آنا اور خوب جھنجوڑنا اور میرے پاس وہ اپنی ہلاکت کا خوف لیے ہوئے حاضر ہوں۔

③ غور کرنا چاہیے کہ بالفرض جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کی سکیم بنائی اور وفد کے لوگوں کو سمجھایا لیکن معاً اس تمام کارگزاری کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کس طرح ہوگئی؟ پھر انھوں نے اپنے خدام کو جلد تر جوابی کارروائی سمجھا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب رواۃ کی ذہنی ساخت ہے۔

④ وفد میں سے پہلے ابن خیاط حاضر ہوا اور اس نے آتے ہی السلام علیک یا رسول اللہ کہہ دیا اور پھر اس کی متابعت میں اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کہہ دیا۔

⑤ پھر جب یہ وفد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت سے واپس ہوا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کو نفرین و ملامت کی اور کہا کہ تم پر لعنت ہو، میں نے تم کو خلافت کے ساتھ سلام کہنے سے منع کیا تھا، الٹا تم نے معاویہ پر نبوت کے ساتھ سلام کہہ دیا۔

قابل غور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کیا گنجائش کہیں مل سکتی ہے کہ کوئی مسلمان اپنے خلیفۃ المسلمین کو ''یا رسول اللہ'' کہہ کر سلام پیش کرے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدت حیات میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخصیت کو

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۶ ج ۶ تحت اخبارہ وسیرہ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

رسول و نبی کا درجہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ مسیلمہ کذاب نے صحابہ کے دور میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علمی بحث ومباحثہ سے جواب نہیں پیش کیا تھا بلکہ تلوار سے مسئلہ ختم نبوت کو حل کیا تھا۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے مقابلے کی جنگ یمامہ میں خود شریک واقعہ تھے اور اس کذاب کے قتل کرنے میں شامل تھے۔ یہ مسلمہ واقعات ہیں، ان پر حوالہ جات کی حاجت نہیں۔ اب اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی و رسول قرار دیے جانے پر رضا مند کیسے ہو گئے؟ اور یہ کلمات انھوں نے کیسے تسلیم کر لیے؟ یہ سب دروغ بافی ہے کوئی ہوش منداس کو قبول نہیں کر سکتا۔

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے مابین جو عمدہ تعلقات اور اعلیٰ روابط مدت دراز سے قائم تھے ان کے مقابلے میں طعن والی روایت ہذا کے مندرجات ایک ایک کر کے برعکس اور برخلاف پائے جاتے ہیں۔

معترض بزرگوں کو اگر طعن کرنا ہی ہے تو پہلے حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے درمیان شدید عداوت وعناد صحیح روایات کے ذریعے سے ثابت کریں پھر اس کے بعد یہ روایت (جس درجے کی بھی ہے) مقام طعن میں لائیں۔ ایسی بے سروپا روایات کے پیش نظر جلیل القدر صحابہ پر طعن کرنا اور ان کو مطعون کرنا دشمنان صحابہ کا کام ہی ہوسکتا ہے اور کوئی مسلمان محبّ صحابہ ایسا نہیں کر سکتا۔ طبری کے تاریخی ملغوبات تسلیم کر لینے سے تو قرآن مجید کی نفی لازم آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ

- قرآن مجید صحابہ کی مدح وثنا کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی قدح کرتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کی عظمت شان بیان کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی تحقیر وحقارت کرتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کی نجات ومغفرت کے وعدے کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی اخروی ہلاکت کے گیت گاتے ہیں۔
- قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ''خیر امت'' ہونے کا مژدہ سناتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کو شر امت ثابت کرنے میں زندگی صرف کرتے ہیں۔

بنا بریں ایسی تمام اخبار و روایات جو اپنے مفہوم و معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کی قطعیات کے خلاف پائی جاتی ہیں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور ان کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رفیع مقام و مرتبہ کو گرایا نہیں جا سکتا۔

برہنہ لونڈی پیش کرنے کا اعتراض

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنے والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا طعن ایک تاریخی روایت کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام خدیج خصی نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت رومی لونڈی خرید کر برہنہ حالت میں پیش کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جسم کو اسی حالت میں دیکھا اور پھر اس لونڈی کو یزید کے پاس لے جانے کو کہا......

جواب

اس طعن کے جواب کے لیے چند امور پیش کیے جاتے ہیں ان پر توجہ فرمالیں، امید ہے مزید کسی جواب کی حاجت نہیں رہے گی۔

اعتراض کنندگان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا اعتراض قائم کرنے کے لیے جو واقعہ تلاش کر کے پیش کیا ہے وہ ایک تاریخ کی کتاب ''تاریخ ابن عساکر'' سے نقل کیا گیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر تاریخی کتاب ہے حدیث کی کتاب نہیں۔ اس میں ہر نوع کی روایات فراہم ہیں۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو جس سند کے ساتھ پیش کیا ہے اگر وہ سند صحیح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد ہیں تو واقعہ کو معتبر سمجھا جائے گا اور اگر سند مجروح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد نہیں تو واقعہ غیر معتبر ہوگا اور لائق اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر بالفرض روایت کی سند پر بحث کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی مورخین کے اقوال کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ رومی لونڈی خریدی تھی (اور اسلام میں خرید کردہ جاریہ سے انتفاع اور تمتع جائز ہے)۔

نیز اگر یہ واقعہ درست ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس زرخرید لونڈی کے جسم پر نظر ڈالنا خلوت کی بات ہے جس کو ناقلین ایسی صورت میں نقل کر رہے ہیں گویا یہ واقعہ مجلس میں دیگر لوگوں کی موجودگی میں پیش آیا ہے حالانکہ یہ بات سو فیصد غلط ہے۔ ایک مقتدر صحابی کی دیانت اور شرافت اس بات کی متقاضی ہے کہ

ایسے واقعے کا صدور برسر عام مجلس میں نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کو دیانت اور شرافت کی تعلیم دی ہے اور بے حیائی کے امور اور منکرات سے منع فرمایا ہے۔ فلہٰذا ان سے ایسے واقعہ کا صدور جلوت میں کیسے ممکن ہے؟ اور مسلمہ قاعدہ کے مطابق ایسی منکر روایت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ ایسے مواقع کے متعلق علمائے کبار نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

((فانا مامورن بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذيلة عنهم))[1]

نیز قابل توجہ یہ بات ہے کہ دیگر مورخین نے اسی واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وقال محمد بن الحکم الانصاری عن عوانة قال حدثنی خدیج خصی قال قال لی معاوية ادع لی عبدالله بن مسعدة الفزاری فدعونه وکان ادم شدید الادمة فقال دونك هذه الجارية لجارية رومية بيض بها ولدك))[2]

''یعنی محمد بن حکم انصاری عوانہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدیج خصی نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا۔ خدیج کہتا ہے کہ مجھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبداللہ بن مسعدہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ میں اسے بلا لایا۔ وہ شخص گہرے سانولے رنگ کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا یہ لونڈی تمھیں ہبہ کی جاتی ہے۔ یہ رومی لونڈی ہے اس سے تو اپنی اولاد سفید رنگ والی پیدا کرلے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ کو ہبہ کر دی تھی۔ روایت کے ابتدائی حصے کا ذکر اہم نہیں تھا وہ انھوں نے نقل نہیں کیا۔ خدا جانے وہ کس طرح واقعہ پیش آیا؟ کیا کچھ بات ہوئی؟

اگر واقعہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت حال اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زرخرید لونڈی پر خلوت میں نظر ڈالی جو شرعاً درست تھی۔ پھر اس لونڈی کو اپنے بیٹے یزید کو دینے کا ارادہ کیا، اور از راہ احتیاط اس معاملے میں اس وقت کے فقیہ ربیعہ بن عمرو جرشی سے رائے طلب کی۔ انھوں نے یزید کو یہ لونڈی دینے سے منع کر دیا کہ آپ کے بیٹے کے لیے جائز نہیں۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ شرعی کی پاسداری کرتے ہوئے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ہبہ کر دی اور فرمایا کہ تو اس سے گورے رنگ کی اولاد پیدا کرلے۔

اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس دور میں لونڈیوں کو خرید کرنا اور ان سے انتفاع کیا جانا پھر ان کو کسی کی طرف ہبہ کر دینا کوئی معیوب نہ تھا اور آئین اسلامی کے اعتبار سے بھی کوئی سقم نہیں تھا۔ ان

---

1. شرح مسلم شریف (نووی) ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ مازری تحت الجہاد والسیر باب حکم الفئ
2. الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۵۹ ج ۲ تحت حرف العین (عبداللہ بن مسعدہ فزاری)

مسائل کے حدود و قیود تھے ان کے تحت یہ عمل ہوتا تھا۔

اور اس واقعہ کا برہنگی کی حالت میں برسر مجلس پایا جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسلامی اخلاق و عادات اور اطوار کے برعکس یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہے، اور ساتھ ساتھ اس دور کے واقعات کے بالکل متضاد ہے۔ واقعہ ہذا کی ان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ ایسی صورت حال کے متعلق امام نووی کی جانب سے ایک ہدایت ہم نے قبل ازیں نقل کر دی ہے وہ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔

نیز طعن کرنے والوں نے مذکورہ طعن کے تحت مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رقص و سرود کی محفلیں قائم کرتے تھے اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتے تھے۔ اور حوالہ کے لیے عمرو بن بحر الجاحظ کی کتاب التاج کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام یاد رکھیں کہ جس مصنف اور اس کی کتاب سے حوالہ پیش کیا گیا ہے اس کی علمی قابلیت اور دیانت کے متعلق علمائے رجال نے درج ذیل چیزیں ذکر کی ہیں:

عمرو بن بحر الجاحظ صاحب تصانیف کثیرہ ہے لیکن اس کی وثاقت پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ یہ مامون شخص ہے بلکہ بدعتیوں کے پیشواؤں میں سے ہے۔ اس کا دین عیب دار ہے اور ابوالفرج اصفہانی نے اس کو زندیق قرار دیا ہے...... یہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں پر جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان میں ہے کہ

((قال ثعلب لیس بثقة ولا مامون۔ قلت: وکان من ائمة البدع انتهى...... قال الخطابی هو مغموص فی دینه وذکر ابوالفرج الاصبهانی انه کان یرمی بالزندقة قال ثعلب کان کذابا علی الله وعلی رسوله وعلی الناس))[1]

مختصر یہ ہے کہ ایسے بے دین، زندیق اور کذاب شخص کی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر رقص و سرود کی محفلوں کا طعن قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مدت العمر لوگوں کو دین کی تعلیم دی ہے اور اس قسم کی لغو مجالس اور منکر محافل قائم کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا ہے۔ فلہذا اس قسم کے مطاعن کی ان حضرات سے نسبت کر کے معترضین نے اپنے بغض و عداوت کو پورا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے ورنہ حقیقت حال اس کے برخلاف ہے۔

---

[1] لسان المیزان (ابن حجر) ص ۳۵۵-۳۵۷ ج ۴ تحت حرف العین (عمرو بن بحر الجاحظ)

علامت نفاق پر موت کا طعن (یعنی دبیلہ سے موت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک عجیب طعن تلاش کر کے ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کی موت دبیلہ سے ہوئی (دبیلہ لغت عرب میں پھوڑے کو کہتے ہیں)

معترضین نے حدیث کی کتابوں سے روایت تلاش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور ان کی موت دبیلہ سے واقع ہوگی۔ اعتراض کرنے والوں نے یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ چونکہ معاویہ کی وفات بھی دبیلہ سے ہوئی تھی لہٰذا یہ اس پیش گوئی کا مصداق ہیں اور منافقین کے زمرے میں آنے کی وجہ سے معاویہ کا مقام خود بخود متعین ہے۔

جواب

اس مقام پر ایک تو یہ چیز قابل غور ہے کہ اعتراض کرنے والے لوگوں نے جو احادیث کی کتابوں سے طعن کی روایات فراہم کی ہیں وہ اپنی جگہ پر اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں لیکن اس مقام پر معترض لوگوں نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ اس مقولہ کا مصداق ہے کہ کلمة حق ارید به الباطل (یہ مقولہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب خوارج لوگ آپ کے بعض امور پر اعتراض کرتے تھے اور بآواز بلند کہتے تھے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ تو اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا الفاظ فرمایا کرتے تھے) یعنی بات تو ٹھیک ہے لیکن اس سے ارادہ غلط لیا گیا ہے۔ وہی معاملہ یہاں کیا جا رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر پیش کردہ روایات جو معترضین نے فراہم کی ہیں ان میں منافقوں کے متعلق ایک پیش گوئی ذکر کی گئی ہے کہ وہ بارہ منافق ہیں اور وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور ان میں سے بعض کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ ان کی موت دبیلہ سے ہوگی۔ لیکن ان روایات میں کسی قبیلہ یا گروہ یا کسی مخصوص شخص (مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کا نام تک مذکور نہیں تاکہ ان کو وجہ اعتراض بنایا جا سکتا۔

یہ روایات اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں اور منافقین کے متعلق فرمائی گئی ہیں۔ چنانچہ شارحین حدیث نے ان روایات کے تحت جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے۔ ان روایات کا مصداق سفر تبوک میں منافقوں کی ایک جماعت ہے ان کے حق میں یہ فرمان صادر ہوا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ صاحب مسلم شریف نے ان روایات کو ''صفات المنافقین واحکامہم'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا

ہے۔ لیکن اعتراض کرنے والوں نے ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو از خود قرار دیا ہے اور اپنے بغض و عناد اور قلبی عداوت کا اظہار اس طریقہ سے پورا کیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ شارحین حدیث کے قول کے موافق منافقین کے متعلق یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ منافقوں کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی کہ لا یدخلون الجنۃ وہ لوگ غزوہ تبوک سے واپسی کے سفر میں لیلۃ العقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے متعلق ایک منصوبہ کے تحت رات کے اندھیرے میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر یک دم حملہ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سوا چہروں پر نقاب لگا رکھا تھا۔ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حملہ آوروں کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا اور وہ جلدی سے واپس لوٹ کر لوگوں میں جا ملے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے پہچانا کہ یہ کون کون افراد تھے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ لوگ اپنے چہرے پوشیدہ کیے ہوئے تھے پہچان نہیں سکا، لیکن میں نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا ہے۔

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان افراد اور ان کے آباء کے اسماء سے متعلق خبر دی ہے اور میں تم کو صبح کے وقت ان کے متعلق خبر دوں گا۔ اسی بنا پر منافقوں کے متعلق لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم کے محشی اس واقعہ کو بعبارت ذیل ذکر کرتے ہیں:

((وذالك لانه كان ليلة العقبة مع النبى صلى الله عليه وسلم قوله عليه السلام فى امتى اثنا عشر منافقا لايدخلون الجنة يعنى وهم الذين قصدوا قتل النبى عليه السلام ليلة العقبة مرجعه من تبوك حين اخذ النبى عليه السلام مع عمار و حذيفة طريق الثنية والقوم بطن الوادى فطمع اثنا عشر رجلا فى المكر به فاتبعوه ساترين وجوههم غير اعينهم فلما سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم خشغة القوم من وراءه امر حذيفة ان يردهم فخوفهم الله حين بصروا حذيفة فرجعوا مسرعين على اعقابهم حتى خالطوا الناس فادرك حذيفة فقال هل عرفت احدا منهم قال لا فانهم كانوا متلثمين ولكن اعرف رواحلهم فقال عليه السلام ان الله أخبرنى بأسماءهم وأسماء اباءهم وسأخبرك بهم ان شاء الله عند الصباح فمن ثمة كان الناس سيراجعون حذيفة فى أمر المنافقين))[1]

---

[1] حاشیہ صحیح مسلم (علامہ محمد ذہنی) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت الحدیث طبع مصر
البدایہ والنہایہ ص ۱۹، ۲۰، ۲۱ ج ۵ تحت غزوۃ نبوی احوال منافقین۔

اور یہی مضمون مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۶ ج ۱۱ تحت ہذا الحدیث مذکور ہے۔ نیز دیگر شارحین نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور اس مقام کی ایک دیگر روایت میں اس طرح ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان منافقین کے بارے میں اطلاع فرمائی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کی ہلاکت کی خبر دی تھی وہ لوگ بالکل اسی طرح ہلاک ہو گئے۔

((عن حذيفة رضي الله عنه انه صلى الله عليه وسلم عرفه اياهم وانهم هلكوا كما أخبره الرسول صلوات الله وسلامه عليه)) [1]

تنبیہ

واضح ہو کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن میں ۳۵-۳۶ھ میں فوت ہو گئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔ بعض اقوال کے مطابق آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے چالیس دن بعد وفات پائی۔ [2]

مذکورہ بالا روایات کے مطابق حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن منافقوں کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی اور نشاندہی کی تھی وہ تمام اشخاص آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق ہلاک ہو گئے۔ اور اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خود بھی ۳۵-۳۶ھ میں انتقال فرما گئے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جن کا انتقال حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے بھی پچیس سال بعد ۶۰ھ میں ہوا وہ منافقین سے متعلق پیش گوئی والی اس روایت کا مصداق کس طرح ٹھہرے؟ انصاف کے ساتھ غور فرمائیں۔

مختصر یہ ہے کہ منافقین کے حق میں دبیلہ سے موت والی روایات کا مصداق ومحمل حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں پورا ہو گیا اور انھوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اس صورت حال کے باوجود ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس میں حبہ بھر صداقت نہیں۔

بعض قرائن

معترض لوگوں نے یہاں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) منافق تھے اور ان کا خاتمہ نفاق کی علامت پر ہوا۔ اس چیز کے دفاع کے متعلق ازروئے روایات ہم نے گزشتہ سطور میں کلام کر دیا ہے جو اصل طعن کے صاف کرنے میں کافی ہے۔ تاہم اس مقام پر مختصراً چند چیزیں دیگر ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفاق کے طعن کا ازالہ ہوتا ہے اور منافقت کے شبہ کی نفی ہوتی ہے:

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۶ ج ۱۱ تحت ہذا الحدیث

[2] اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ ص ۵۹۰ تحت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کے اعتبار سے نہایت قریب ہیں۔ اس طرح کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) ہیں۔ اس مبارک رشتہ داری کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''برادر نسبتی'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ رشتہ داری اور دیگر نسبی تعلقات جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان سے ہیں وہ ہم نے ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص ۱۲۶ تا ۱۳۰ مستقل عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں۔

② نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بہت سی دعائیں منقول ہیں مثلاً

۱۔ ((اللهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به))

۲۔ ((سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب))

ان دعاؤں کے سلسلے میں وضاحت مطلوب ہو تو ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۳۰ تا ۱۳۴ ملاحظہ فرمائیں وہاں دیگر دعاؤں کے تذکرہ کے علاوہ ان دعائیہ کلمات کے لیے مکمل حوالہ جات درج کر دیے گئے ہیں۔

③ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین وحی وغیر وحی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور کاتب نبوی ہونے کا شرف انھیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدت العمر حاصل رہا۔ اس منصب سے معزول نہیں کیے گئے۔ اس مقام پر غزوہ تبوک کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک شاہی قاصد نے قیصر روم کا مراسلہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے خط کو پڑھنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ خط آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔

شاہی قاصد کہتا ہے کہ

((فاتيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سيوفهم حول بئر تبوك فقلت ايكم محمد؟ فاومأ بيده الى نفسه فدفعت اليه الكتاب فدفعه الى رجل الى جنبه۔ فقلت من هذا؟ فقالوا معاوية بن أبى سفيان فقراءه فاذا فيه...... الخ))[1]

④ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے بارے میں فرمان دیا کہ

---

[1] مسند ابی یعلی الموصلی ص ۱۷۱ ج ۳ تحت عنوان رسول قیصر (مطبوعہ دمشق)
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۴-۲۳۶ ج ۸ (رجال ابی یعلی ثقات)

يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

''یعنی اے پیغمبر! کفار اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجیے اور ان پر درشتی اور سختی کا معاملہ کیجیے۔''

فرمان خداوندی کے موافق پیغمبر خدا کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور منافقوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صفت نفاق اور منافقت سے متصف تھے تو خدا کے پیغمبر کو ان کے ساتھ ہمیشہ سختی اور درشتی کا معاملہ کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہمیشہ جاری وساری رہا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے لے کر انتقال نبوی کی مدت تک باہمی معاملات پر نظر کر لی جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دواماً جاری پائے جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاتبین میں دواماً شامل رکھنا، تقسیم اراضی کے لیے بھیجنے کا اعزاز بخشنا، جنگی معاملات میں شریک رکھنا اور غنائم سے حصہ عنایت فرماتے رہنا وغیرہ وغیرہ حسن سلوک اور حسن معاملات کی بین علامات ہیں۔

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مصنّفین نے اپنے ائمہ کرام سے ایک چیز نقل کی ہے جس سے مسئلہ بالا کی تائید پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین (اہل جمل واہل صفین) کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ شرک اور نفاق کی ان حضرات سے نفی کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں، ہمارے خلاف زیادتی کرنے لگے ہیں۔

((جعفر عن أبيه ان عليا عليه السلام لم يكن ينسب احدا من اهل حربه الى الشرك ولا الى النفاق ولكن يقول هم اخواننا بغوا علينا))[1]

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے اس بیان کے ذریعے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابل میں قتال کرنے والوں کو نہ مشرک کہتے تھے اور نہ منافق قرار دیتے تھے بلکہ ان کو اسلامی اور دینی برادر ہی سمجھتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں محاربہ مسلمات میں سے ہے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شرک و نفاق کی نفی ان حضرات کے فرامین سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اندریں حالات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دینا شیعہ کے نزدیک بھی ائمہ کرام کے فرامین کی خلاف ورزی کرنا ہے۔

⑤ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات بڑی کوشش سے حاصل کر کے اپنے

---

[1] قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر حمیری شیعی من علماء القرن الثالث) ص ۴۵ طبع قدیم ایران۔

پاس عمر بھر محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ جب آپ کے آخری ایام آئے اور وفات قریب آ پہنچی تو آپ نے ان تبرکات (موئے مبارک اور ناخن کے تراشے) کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان کو میرے منہ، آنکھوں اور چہرے پر رکھ دیں اور چادر نبوی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے کفن میں شامل کر دی جائے۔ چنانچہ ان وصایا پر عمل کیا گیا اور اس شرف و اعزاز کے ساتھ آپ کا سفر آخرت شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔

فلہٰذا نصوص اور واقعات اور ائمہ کرام کے فرامین کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منافقین میں شمار کرنے کا کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ بلکہ آپ کی تمام زندگی ان کے حسن اسلام پر شاہد عادل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ

(۱) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری اور نسبی تعلق آپ میں نفاق کی نفی کے لیے کافی ہے۔ منافقوں اور خبیث خاندان کے ساتھ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ داری کا تعلق ہرگز نہیں تھا۔

(۳) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت وحی کا منصب اور خطوط پڑھنے اور ان کے جواب ارسال کرنے کا شرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تازیست حاصل رہا جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ پر خصوصی اعتماد کا بین ثبوت ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھنے کے شرف سے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہوسکتا۔

بین ثبوت ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھنے کے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہوسکتا۔

(۴) نص قرآنی کے اعتبار سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں پر غلظت اور سختی کا معاملے کرنے کا حکم ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ روا رکھا گیا اور کبھی درشتی اور سختی کا معاملہ نہیں کیا گیا۔

(۵) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفر آخرت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تبرکات سے انتفاع کے اعزاز سے شروع ہوا جو آپ کے ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی قوی دلیل ہے اور نفاق کے شبہ سے کوسوں دور ہے۔ یہ عز و شرف کسی بے دین اور منافق کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا اور علامات نفاق پر مرنے والوں کو یہ چیزیں نصیب نہیں ہوسکتیں۔ اندریں حالات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفاق اور منافقت کا قول کرنا ان حقائق و مشاہدات کو جھٹلانے کے مترادف ہے جسے کوئی ذی شعور انسان درست تسلیم نہیں کرسکتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال بعض طبعی عوارض سے ہوا۔ اس مقام میں مورخین کے اقوال مختلف پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیش نظر موصوف کے حق میں کھینچ تان کر علامات نفاق کا قول کرتے ہوئے ایک

جلیل القدر صحابی کو مطعون کرنا ہرگز درست نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں منافقت کی علامات کا اثبات کرنا محض عناد و عداوت کو پورا کرنا ہے۔ اسلامی نصوص اور تاریخی واقعات اس امر کی تائید نہیں کرتے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأولين والآخرين وعلى آله وأصحابه واهل بيته وعلى اتباعه باحسان الى يوم الدين۔

اللهم تقبل منا هذا التأليف واجعله لنا وسيلة للنجاة فى الآخرة۔

دعا جو

محمد نافع عفا اللہ عنہ

محمدی شریف ضلع جھنگ

صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

اگست ۱۹۹۰ء

فہرست مراجع ومصادر (ہر دو جلد)

۱۔ مسند عمر بن عبدالعزیز — المتوفی ۱۰۱ھ
۲۔ المسند لامام ابی حنیفہ (امام اعظم) — ۱۵۰ھ
۳۔ الموطا امام مالک بن انسؒ — ۱۷۹ھ
۴۔ کتاب الزہد والرقائق لعبد اللہ بن مبارک المروزی — ۱۸۱ھ
۵۔ کتاب الآثار لامام ابی یوسف الانصاری — ۱۸۲ھ
۶۔ کتاب الخراج امام ابی یوسف انصاری — ۱۸۲ھ
۷۔ المصنف عبدالرزاق لابی بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی — ۲۱۱ھ
۸۔ سیرۃ لابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ہشام) — ۲۱۸/۲۱۳ھ
۹۔ المسند للحمیدی (امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر الحمیدی) — ۲۱۹ھ
۱۰۔ کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام الہروی — ۲۲۴ھ
۱۱۔ السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی) — ۲۲۷ھ
۱۲۔ الطبقات الکبیر لمحمد بن سعد (لیڈن) — ۲۳۵/۲۳۰ھ
۱۳۔ المصنف لابن ابی شیبہ (ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ) — ۲۳۵ھ
۱۴۔ نسب قریش لمصعب الزبیری — ۲۳۶ھ
۱۵۔ مسند اسحاق بن راہویہ (اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المروزی) — ۲۳۸ھ
۱۶۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط (ابوعمر) — ۲۴۰ھ
۱۷۔ المسند لامام احمد بن حنبل الشیبانی — ۲۴۱ھ
۱۸۔ کتاب السنۃ لامام احمد بن حنبل الشیبانی — ۲۴۱ھ
۱۹۔ فضائل الصحابہ لامام احمد الشیبانی — ۲۴۱ھ
۲۰۔ کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن امیہ البغدادی — ۲۴۵ھ
۲۱۔ المنتخب مسند عبد بن حمید — ۲۴۹/۲۴۳ھ
۲۲۔ المسند للدارمی (ابی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل التمیمی الدارمی)
۲۳۔ الصحیح البخاری لامام محمد بن اسماعیل البخاری — ۲۵۶ھ

۲۴۔ ادب المفرد للبخاری ۲۵۶ھ

۲۵۔ التاریخ الکبیر للبخاری ۲۵۶ھ

۲۶۔ التاریخ الصغیر للبخاری ۲۵۶ھ

۲۷۔ جزء الحسن بن عرفہ العبدی ۲۵۷ھ

۲۸۔ الصحیح المسلم لامام مسلم بن حجاج القشیری ۲۶۰ھ

۲۹۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ لابی زید عمرو بن شبہ الحمیری البصری ۲۶۲ھ

۳۰۔ تاریخ الثقات للعجلی (احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی) ۲۶۱ھ

۳۱۔ الجامع للترمذی (ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی) ۲۷۹/۲۷۵ھ

۳۲۔ کتاب المراسیل لابی داود السجستانی ۲۷۵ھ

۳۳۔ السنن لابن ماجہ (ابوعبداللہ محمد بن یزید بن الماجہ) ۲۷۵/۲۷۳ھ

۳۴۔ السنن لابی داود سلیمان بن اشعث السجستانی ۲۷۵ھ

۳۵۔ غریب الحدیث لابن قتیبہ ۲۷۶ھ

۳۶۔ الامامہ والسیاسہ لابن قتیبہ ۲۷۶ھ

۳۷۔ المعارف لابن قتیبہ ۲۷۶ھ

۳۸۔ فتوح البلدان لاحمد بن یحییٰ البلاذری ۲۷۹/۲۷۷ھ

۳۹۔ انساب الاشراف للبلاذری ۲۷۹/۲۷۷ھ

۴۰۔ کتاب المعرفہ والتاریخ للبسوی (ابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی) ۲۷۷ھ

۴۱۔ کتاب مجاب الدعوۃ لابن ابی الدنیا ۲۸۱ھ

۴۲۔ کتاب السنۃ لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی ۲۹۴ھ

۴۳۔ السنن الکبریٰ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی ۳۰۳ھ

۴۴۔ الخصائص للنسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی ۳۰۳ھ

۴۵۔ مسند لابی یعلی الموصلی (احمد بن علی الموصلی) ۳۰۷ھ

۴۶۔ المنتقیٰ لابن جارود (ابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری) ۳۰۷ھ

۴۷۔ التاریخ لمحمد ابن جریر الطبری ۳۱۰ھ

۴۸۔ کتاب الکنی للدولابی ۳۱۰ھ

۴۹۔ کتاب المصاحف لابی بکر عبداللہ بن داود سلیمان بن اشعث ۳۱۶ھ

۵۰۔ علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ

۵۱۔ کتاب الجرح والتعدیل ۳۲۷ھ

۵۲۔ المعجم الاوسط للطبرانی ۳۶۰ھ

۵۳۔ الفتنۃ الوقعۃ الجمل لسیف بن عمر والاسدی ۴۰۰ھ

۵۴۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۳۵۴ھ

۵۵۔ کتاب المجروحین لابن حبان (ابو حاتم محمد بن حبان البستی) ۳۵۴ھ

۵۶۔ المستدرک للحاکم (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری) ۴۰۵ھ

۵۷۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ

۵۸۔ ذکر اخبار اصبہان لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ

۵۹۔ المحلی لابن حزم (ابومحمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الاندلسی) ۴۵۶ھ

۶۰۔ جمہرۃ الانساب لابن حزم الاندلسی ۴۵۶ھ

۶۱۔ جوامع السیرۃ لابن حزم الاندلسی ۴۵۶ھ

۶۲۔ کشف المحجوب للشیخ علی بن عثمان الہجویری ثم لاہوری المعروف داتا گنج بخش ۴۵۶ھ

۶۳۔ السنن الکبریٰ للبیہقی (لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی) ۴۵۸ھ

۶۴۔ الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی ۴۵۸ھ

۶۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۵۸ھ

۶۶۔ الاستیعاب لابن عبدالبر (معہ الاصابہ) ۴۶۳ھ

۶۷۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ۴۶۳ھ

۶۸۔ کتاب الکفایہ للخطیب بغدادی ۴۶۳ھ

۶۹۔ کتاب التمہید لابی الشکور السالمی ۴۶۵ھ

۷۰۔ التبصیر فی الدین لابی المظفر الاسفرائنی ۴۷۱ھ

۷۱۔ الاصول للسرخسی (شمس الائمہ ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی) ۴۹۰/۴۸۳ھ

۷۲۔ المبسوط للسرخسی ۴۹۰/۴۸۳ھ

۷۳۔ شرح السیر الکبیر للسرخسی ۴۹۰/۴۸۳ھ

۷۴۔ کیمیائے سعادت لامام غزالی (لمحمد بن محمد بن محمد ابوحامد الغزالی الطوسی) ۵۰۵ھ

۷۵۔ شرح السنۃ لامام بغوی (ابومحمد حسنین بن مسعود الفراء البغوی) ۵۱۶ھ

۷۶۔ مصابیح السنۃ للبغوی ۵۱۶ھ

۷۷۔ کتاب الفائق لزمخشری ۵۳۸ھ

۷۸۔ شرح الجامع الترمذی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی ۵۴۳ھ

۷۹۔ العواصم من القواصم لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی ۵۴۳ھ

۸۰۔ احکام القرآن لابن العربی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی ۵۴۳ھ

۸۱۔ غنیۃ الطالبین للشیخ کامل ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح جنگی دوست الجیلانی ۵۶۱ھ

۸۲۔ تاریخ ابن عساکر کامل (ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر) ۵۷۱ھ

۸۳۔ کتاب القصاص والمذکرین لابن الجوزی ۵۹۷ھ

۸۴۔ العلل المتناہیہ لابن جوزی ۵۹۷ھ

۸۵۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی ابی الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی من علماء قرن سادس

۸۶۔ جامع الاصول لابن اثیر الجزری (محمد بن محمد المعروف بابن اثیر الجزری) ۶۰۶ھ

۸۸۔ اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ۶۰۶ھ

۸۸۔ المغرب (ابوالفتح ناصر الدین المطرزی) ۶۱۰ھ

۹۸۔ المغنی لابن قدامہ (ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ) ۶۲۰ھ

۹۰۔ معجم البلدان لشہاب الدین ابی عبداللہ المعروف یاقوت الحموی ۶۲۶ھ

۹۱۔ الکامل لابن اثیر (ابوالحسن علی بن ابی المکرّم) ۶۳۰ھ

۹۲۔ تجرید اسماء الصحابہ للجزری ۶۳۰ھ

۹۳۔ الترغیب والترہیب لذکی الدین المنذری ۶۵۶ھ

۹۴۔ جامع مسانید امام اعظم لابی المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی ۶۶۵ھ

۹۵۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی ۶۷۱ھ

۹۶۔ مثنوی مولانا روم (جلال الدین رومی) ۶۷۲ھ

۹۷۔ شرح مسلم شریف للنووی (محی الدین یحییٰ بن شرف النووی) ۶۷۶ھ

۹۸۔ تہذیب الاسماء للنووی (محی الدین یحییٰ بن شرف النووی) ۶۷۶ھ

۹۹۔ وفیات الاعیان لابن خلکان ۶۸۱ھ

۱۰۰۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر لعبدالرؤف المناوی ۷۱۰ھ

۱۰۱۔ منہاج السنۃ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی ابن تیمیہ ۷۲۸/۷۴۸ھ

۱۰۲۔ الصارم المسلول لابن تیمیہ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی ابن تیمیہ ۷۲۸/۷۴۸ھ

۱۰۳۔ مشکوٰۃ المصابیح لولی الدین خطیب تبریزی تالیف ۷۳۷ھ

۱۰۴۔ کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاندلسی ۷۴۱ھ

۱۰۵۔ الجواہر النقی للترکمانی ۷۴۵ھ

۱۰۶۔ سیر اعلام النبلاء للذہبی (شمس الدین ابی عبداللہ الذہبی) ۷۴۸ھ

۱۰۷۔ میزان الاعتدال للذہبی ۷۴۸ھ

۱۰۸۔ المنتقیٰ للذہبی ۷۴۸ھ

۱۰۹۔ تاریخ الاسلام للذہبی ۷۴۸ھ

۱۱۰۔ العبر للذہبی ۷۴۸ھ

۱۱۱۔ دول الاسلام للذہبی ۷۴۸ھ

۱۱۲۔ المغنی فی الضعفاء للذہبی ۷۴۸ھ

۱۱۳۔ المنار المنیف لابن قیم ۷۵۶/۷۵۱ھ

۱۱۴۔ کتاب الروح لابن قیم ۷۵۶/۷۵۱ھ

۱۱۵۔ زاد المعاد لابن قیم ۷۵۶/۷۵۱ھ

۱۱۶۔ نصب الرایہ للزیلعی (جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی)

۱۱۷۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر (عماد الدین الدمشقی) ۷۷۵/۷۷۴ھ

۱۱۸۔ الکرمانی شرح صحیح البخاری لعلامہ شمس الدین محمد بن علی الکرمانی ۷۸۶ھ

۱۱۹۔ شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ لقاضی صدر الدین علی بن علی محمد بن ابی العز الحنفی ۷۹۲ھ

۱۲۰۔ مجمع الزوائد لنور الدین الہیثمی ۸۰۷ھ

۱۲۱۔ موارد الظمآن لنور الدین الہیثمی ۸۰۷ھ

۱۲۲۔ شرح المواقف للسید شریف علی بن محمد الجرجانی ۸۱۶ھ

۱۲۳۔ القاموس للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی ۸۱۷ھ

۱۲۴۔ الاصابہ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۲۵۔ تہذیب التہذیب ۸۵۲ھ

۱۲۶ طبقات المدلسین ۸۵۲ھ

۱۲۷۔ شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۲۸۔ لسان المیزان لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۲۹۔ المطالب العالیہ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۳۰۔ تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۳۱۔ تعجیل المنفعہ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۳۲۔ فتح الباری فی شرح البخاری لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۳۳۔ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ

۱۳۴۔ عمدۃ القاری فی شرح البخاری لبدر الدین العینی ۸۵۵ھ

۱۳۵۔ فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ مع العنایہ ۸۶۱ھ

۱۳۶۔ سیرۃ الحلبیہ لعلی بن برہان الدین الحلبی ۹۰۰ھ

۱۳۷۔ فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث لشمس الدین السخاوی ۹۰۲ھ

۱۳۸۔ مقاصد الحسنہ لشمس الدین السخاوی ۹۰۲ھ

۱۳۹۔ المسامرۃ لکمال الدین بن محمد بن محمد بن ابی شرف القدسی الشافعی ۹۰۹ھ

۱۴۰۔ تاریخ الخلفاء لجلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ

۱۴۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب لنووی للسیوطی ۹۱۱ھ

۱۴۲۔ ذیل اللآلی للسیوطی (جلال الدین السیوطی) ۹۱۱ھ

۱۴۳۔ درمنثور (امام سیوطی) ۹۱۱ھ

۱۴۴۔ وفاء الوفاء للشیخ نور الدین السمہودی ۹۱۱ھ

۱۴۵۔ کتاب الیواقیت والجواہر للشیخ عبدالوہاب الشعرانی تالیف ۹۴۲ھ

۱۴۶۔ تاریخ الخمیس للدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن) ۹۶۰ھ

۱۴۷۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ لابن عراق الکنانی ۹۶۳ھ

۱۴۸۔ الصواعق المحرقۃ مع تطہیر الجنان لابن حجر المکی ۹۷۳/۹۷۵ھ

۱۴۹۔ کنز العمال لعلی متقی الہندی ۹۷۵ھ

۱۵۰۔ تطہیر الجنان لابن حجر المکی ۹۷۳/۹۷۵ھ

۱۵۱۔ الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر المکی ۹۷۳/۹۷۵ھ

۱۵۲۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملا علی بن سلطان القاری ۱۰۱۴ھ

۱۵۳۔ الموضوعات الکبیر لعلی القاری ۱۰۱۴ھ

۱۵۴۔ شرح فقہ اکبر لعلی القاری ۱۰۱۴ھ

۱۵۵۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی از حضرت شیخ احمد سرہندی ۱۰۳۴ھ

۱۵۶۔ نسیم الریاض شرح الشفاء لشہاب الدین الخفاجی ۱۰۵۸ھ

۱۵۷۔ نور الانوار از مولانا احمد جیون ۱۱۳۰ھ

۱۵۸۔ عقیدۃ السفارینی (محمد بن احمد السفارینی) ۱۱۷۳ھ

۱۵۹۔ ازالۃ الخفاء للشیخ احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ ۱۱۷۶ھ

۱۶۰۔ قرۃ العینین لشاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ

۱۶۱۔ تحفہ اثنا عشریہ لشاہ عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم دہلوی ۱۲۳۹ھ

۱۶۳۔ رسائل ابن عابدین الشامی (محمد امین ابن عابدین الشامی) ۱۲۵۲ھ

۱۶۴۔ فتاویٰ الشامی لابن عابدین ۱۲۵۲ھ

۱۶۵۔ تفسیر روح المعانی للسید محمود آلوسی بغدادی ۱۲۷۰ھ

۱۶۶۔ الفتح الربانی لاحمد عبدالرحمان البناء الساعاتی ۱۳۵۱ھ

۱۶۷۔ فیض الباری حواشی صحیح البخاری از مولانا انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۵۲ھ

۱۶۸۔ مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی

۱۶۹۔ الآثار المرفوعہ از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ

۱۷۰۔ الرفع والتکمیل از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ۱۳۰۴ھ

۱۷۱۔ اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی

۱۷۲۔ مرأۃ العاشقین ملفوظات حضرت خواجہ اعلیٰ سیالوی ۱۳۰۰ھ

۱۷۳۔ احکام شریعت از مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۳۴۰ھ

۱۷۴۔ فتاویٰ امدادیہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳۶۲ھ

۱۷۵۔ شرح عقد الایمان فی معاویہ بن ابی سفیان، مخطوطہ فی مکتبہ الاسدیہ، سوریا

۱۷۶۔ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف الوشتانی الابی

۱۷۷۔ کتاب الکامل لابن عدی

۱۷۸۔ تاریخ یحییٰ بن معین

۱۷۹۔ کتاب المجتنیٰ لابن درید

۱۸۰۔ تہذیب و تلخیص ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر

۱۸۱۔ بذل المجہود شرح ابی داود

۱۸۲۔ تاج العروس شرح القاموس لعلامہ مرتضیٰ زبیدی

۱۸۳۔ مرأۃ الجنان للیافعی

۱۸۴۔ البیان المغرب فی اخبار المغرب لابن العذاری المراکشی

۱۸۵۔ الخطط للمقریزی

۱۸۶۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للخضری

۱۸۷۔ بلاد العرب لحسن بن عبداللہ الاصفہانی

۱۸۸۔ الفہرست لابن ندیم

۱۸۹۔ الاحکام السلطانیہ لابی الحسن الماوردی

۱۹۰۔ ادب الدنیا والدین لابی الحسن الماوردی

۱۹۱۔ کتاب المواعظ والاعتبار المقریزیہ

۱۹۲۔ الکامل للمبرد

۱۹۳۔ لطائف المعارف لابی المنصور الثعالبی
۱۹۴۔ تذکرۃ الموضوعات للمقدسی
۱۹۵۔ کتاب الدیات لابی بکر احمد الشیبانی
۱۹۶۔ کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج
۱۹۷۔ مکتوبات شاہ عبدالعزیز دہلوی از ایوب قادری
۹۸۔ منتخب مکتوبات قدوسیہ للشیخ عبدالقدوس گنگوہی ۹۴۴ھ
۱۹۹۔ احکام القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی
۲۰۰۔ مقام صحابہؓ از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی
۲۰۱۔ الانتقاد علیٰ تمدن الاسلامی از علامہ شبلی نعمانی
۲۰۲۔ مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری) ۲۳۰ھ
۳۰۲۔ کتاب الاباطیل ابی عبداللہ الحسین بن ابراہیم الجوزقانی ۵۴۳ھ

کتب شیعہ

۱۔ کتاب سلیم بن قیس الہلالی الکوفی الشیعی — التوفی ۹۰ھ

۲۔ تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی) — ۲۵۶/۲۵۸ھ

۳۔ کتاب البلدان للیعقوبی — ۲۵۶/۲۵۸ھ

۴۔ اخبار الطوال لاحمد بن داود ابی حنیفہ الدینوری — ۲۸۲ھ

۵۔ قرب الاسناد لعبداللہ بن جعفر الحمیری من اصحاب حسن العسکری — قرن ثالث

۶۔ فروع کافی لمحمد بن یعقوب الکلینی الرازی — ۳۲۹ھ

۷۔ کتاب الروضہ من الکافی لمحمد بن یعقوب الکلینی الرازی — ۳۲۹ھ

۸۔ مروج الذہب لابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی — ۳۴۶ھ

۹۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج علی بن الحسین بن محمد الاصبہانی — ۳۵۶ھ

۱۰۔ علل الشرائع للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی — ۳۸۱ھ

۱۱۔ کتاب معانی الاخبار لابن بابویہ القمی — ۳۸۱ھ

۱۲۔ کتاب الارشاد للشیخ محمد بن النعمان المفید (الشیخ مفید) — ۴۱۳ھ

۱۳۔ نہج البلاغہ للسید الشریف الرضی ابی الحسن محمد بن ابی احمد الحسین — ۴۱۴ھ

۱۴۔ الامالی للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی — ۴۶۰ھ

۱۵۔ الاحتجاج للطبرسی (الشیخ ابی منصور احمد بن علی الطبرسی) — ۵۴۸ھ

۱۶۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید عبدالحمید بن بہاؤ الدین المدائنی — ۶۵۶ھ

۱۷۔ شرح نہج البلاغہ لکمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی — ۶۷۹ھ

۱۸۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ لعلی بن عیسیٰ الاربلی تالیف — ۶۸۷ھ

۱۹۔ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ از محمد بن علی بن طباطبا المعروف الطقطقی تالیف — ۷۱۰ھ

۲۰۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب للسید جمال الدین ابن عنبہ — ۸۲۸ھ

۲۱۔ بحار الانوار لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی — ۱۱۱۰۔۱۱۱۱ھ

۲۲۔ عین الحیاۃ لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی — ۱۱۱۰۔۱۱۱۱ھ

۲۳۔ جلاء العیون محمد باقر بن محمد تقی المجلسی — ۱۱۱۰۔۱۱۱۱ھ

۲۴۔ منتہی الآمال للشیخ عباس القمی — ۱۳۵۹ھ

۲۵۔ تحفۃ الاحباب للشیخ عباس القمی — ۱۳۵۹ھ

۲۶۔ ناسخ التواریخ از لسان الملک میرزا احمد تقی وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاچار — ۱۲۹۷ھ

۲۷۔ تنقیح المقال لعبداللہ المامقانی — ۱۳۰۰ھ

۲۸۔ منتخب التواریخ از محمد ہاشم الخراسانی — ۱۳۵۲ھ